مئی 2013
ماہنامہ
کرن
پاک سوسائٹی
ڈاٹ کام
www.paksociety.com

بیادِ محمود ریاض

انٹرویو

ناول

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

پاکستان (سالانہ) ------ 600 روپے

ایشیا، افریقہ، یورپ ---- 5000 روپے

امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا --- 6000 روپے

مستقل سلسلے

مئی 2013

جلد 36 شمارہ 2

قیمت 50 روپے

خط و کتابت کا پتہ

کرن

37- اردو بازار کراچی

خط و کتابت کا پتہ، ماہنامہ کرن، 37- اردو بازار، کراچی۔

پبلشر آذر ریاض نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔ مقام: بی 91، بلاک W، نارتھ ناظم آباد، کراچی

Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 92-21-32766872

Email: kiran@khawateendigest.com Website: www.khawateendigest.com

مدیرہ

صحتی کے تپتے ہوئے دنوں میں کرن اپنی شبنم جیسی ٹھنڈک لیے حاضر ہے۔
ہماری یہ کوششیں موسم کی تمام صعوبتوں کے ساتھ جاری رہیں گی اور ہم اپنی کاوشوں کے ساتھ رواں دواں رہیں گے۔ اگرچہ کہ بجلی، پانی اور بنیادی سہولتوں کی نایابی اور بے شمار مسائل ہمیں درپیش ہیں۔ بظاہر نظر آنے والی ترقی کے باوجود مجموعی طور پر ایک عام آدمی کی زندگی دشوار سے دشوار ہوتی جارہی ہے اور ان ہی مسائل نے سیاسی، معاشرتی، سماجی تضاد اور تشدد کو جنم دیا ہے جسے حل کرنے کے لیے فہم و فراست اور انسان دوستی کی ضرورت ہے۔

ان حالات میں بہتری لانے کے لیے عملی اقدامات کے علاوہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کریں اور امن و سلامتی کی دعائیں مانگیں۔ معاشرے کے تمام افراد مل کر پوری سچائی اور عملی ایمانداری سے بگڑے ہوئے اس نظام کو سنوارنے میں اپنا کردار ادا کرنے کا عزم کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نیک مقاصد میں کامیاب فرمائے اور ہماری ادنیٰ کوششوں کو اپنی بارگاہ میں قبول کرے۔ (آمین)

محمود ریاض صاحب،

وقت رفت و بود ہوتا رہتا ہے۔ ماہ و سال آتے اور چلے جاتے ہیں۔ اس گزرتے وقت میں زندگی مشیتِ ایزدی کے تابع ہے۔ کسی کو یہ نہیں پتا کہ وہ اگلے لمحے کیا پانے یا کھونے والا ہے۔
مئی کے ایسے ہی جھلستے دنوں میں محمود ریاض صاحب کا سایہ ہمارے سروں سے اٹھ گیا۔
انہوں نے ایک بھرپور اور بامقصد زندگی گزاری۔ بہت سے کارہائے نمایاں سرانجام دیے۔ ساری زندگی وہ بہتر سے بہترین کی جستجو میں رہے۔ معیار ان کے نزدیک ایک "صفت" تھی جس سے انہوں نے اپنے پرچوں کو سنوارا اور نکھارا۔
10 مئی کو ان کی برسی کے موقع پر قارئین سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

اس شمارے میں،

- بیادِ محمود ریاض،
- الیکشن 2013 کے حوالے سے دلچسپ سروے،
- "میری بھی سنیے"، میں بابر خان کی باتیں،
- "آواز کی دنیا"، سے حنا عباس سے گفتگو،
- سلسلے وار ناول "دست کوزہ گر" اور "درِ دل"، کی اقساط،
- عنیقہ محمد بیگ کے ناول کی آخری قسط
- "مرے ہمنوا کو خبر کرو"، فاخرہ گل کا مکمل ناول،
- عائشہ نصیر، بشریٰ احمد اور ریحانہ امجد بخاری کے ناولٹ،
- صبیحہ اقبال، امامہ خان، سائرہ رضا، فرح نعیم کے افسانے اور مستقل سلسلے،

مفت،

قارئین کے لیے صحت اور فٹنس کے مسائل پر معلوماتی کرن کتاب "سلم اینڈ اسمارٹ"، کرن کے ہر شمارے کے ساتھ علیحدہ سے مفت پیشِ خدمت ہے۔

مرا قلم ہے کہاں، آپؐ کا خیال کہاں
لکھوں میں آپؐ کے بارے مری مجال کہاں

حضورؐ آپ سے پہلے جو آئے دھرتی پر
نبی تو سب تھے مگر آپؐ کی مثال کہاں

سوال کتنا بھی مشکل ہو خیر ملتی ہے
درِ حضورؐ پہ مشکل کوئی سوال کہاں

بلندیوں سے گرائے گا کون دُنیا میں
غلام ہیں جو نبی کے انہیں زوال کہاں

فلک کی وسعتِ قلبی سے پوچھنا ہے ابھی
ترا وجود کہاں، آمنہ کا لعل کہاں

پلک جھپکنے سے پہلے ملے خدا سے نبیؐ
مقامِ مکہ کہاں، دعوتِ وصال کہاں

قرآن لکھا گیا جن کی شان میں مضطر
میں شان اُن کی لکھوں میری یہ مجال کہاں

مضطر بخاری

شب کو ظلمت میں ڈھالنے والے
دن کو سورج نکالنے والے

زندگی میں بھٹک نہیں سکتے
تیرا دامن سنبھالنے والے

تُو ہی مالک ہے، تُو ہی رازق ہے
ساری دُنیا کو پالنے والے

رنج و غم سے نجات دے ہم کو
ہر مصیبت کو ٹالنے والے

تیرہ بختی کو روشنی دے دے
ہر سحر کو اُجالنے والے

بحرِ ظلمات سے رہائی دے
رات سے دن نکالنے والے

تیرا مضطر تری پناہ میں ہے
بے کسوں کو سنبھالنے والے

مضطر بخاری

بیادِ محمود ریاض

اپنی ذات میں انجمن

نگہت سیما

وہ جو ہمارے اپنے ہوتے ہیں اور جن کے ساتھ ہمارے دل و روح اور خون کے رشتے بندھے ہوتے ہیں، ان کا ہم پر بہت حق ہوتا ہے کہ ہم انہیں اپنے ہر لمحے میں یاد رکھیں اور ہم یاد بھی رکھتے ہیں۔

وہ ساری باتیں جو ہم نے ان سے کی ہوتی ہیں وہ سارے لمحے جو ان کے ساتھ گزرے ہوتے ہیں، وہ ہمارے کشور دل پر لمحہ لمحہ دستک دیتے ہیں۔ رلاتے ہیں، تڑپاتے ہیں لیکن اپنوں سے متعلق کچھ لکھنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ قلم چلتا ہی نہیں، لفظ ملتے ہی نہیں، کہیں کھو جاتے ہیں۔

مجھے یاد ہے جب ریاض صاحب سے پہلی بار ملاقات ہوئی تو میں بہت ایکسائیٹڈ ہو رہی تھی۔ اس دن جب اچانک ان کا فون آیا کہ وہ ہمارے گھر آ رہے ہیں تو مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ سچ مچ ہمارے گھر آئیں گے۔

"بھلا کیا آپ سچ مچ ہمارے گھر آئیں گے؟"

"ہاں!" وہ ہولے سے ہنسے "کیا میں آپ کے گھر نہیں آ سکتا۔"

"کیوں نہیں سر! لیکن کراچی اتنا دور ہے۔ اس لیے مجھے حیرت ہوئی ہے کہ آپ اتنی دور سے ....." میں نے سچائی سے اعتراف کیا۔

"دراصل ہم لوگ لاہور آئے ہوئے ہیں اور ہم نے ایک دن بعد راولپنڈی جانا ہے.... اور ہم نے سوچا کہ آپ سے بھی ملتے چلیں۔"

"جی ضرور.... راولپنڈی سے تو صرف ڈیڑھ گھنٹے کا رستہ ہے اور آپ پلیز ضرور آئیے گا۔ کہیں پروگرام کینسل نہ کر دیجیے گا۔"

"دیکھیے پروگرام تو ہے، پوری کوشش کریں گے اگر آ سکے تو...."

اب وہ میری بے تابی کو انجوائے کر رہے تھے شاید۔

"نہیں پلیز آپ ضرور آئیے گا۔ کوشش نہیں بلکہ ہر صورت آنا ہے۔"

"ارادہ تو پکا ہے.... لیکن ہو سکتا ہے نہ بھی آ سکیں۔ راولپنڈی سے ہی واپسی کا پروگرام بن جائے۔ دراصل آؤٹ آف وے ہے آپ کا شہر۔"

"نہیں پلیز...." میں نے التجا کی۔

مجھے لگا جیسے وہ بات کرتے ہوئے مسکرا رہے ہیں۔

"اچھا ان شاءاللہ، ملاقات ہو گی۔ مس امتل اور رضیہ جمیل بھی ہوں گی اور ہم صرف گھنٹہ بھر کے لیے آئیں گے۔"

"خیر، وہ تو دیکھا جائے گا۔ آمدن بہ ارادت رفتن با اجازت۔"

میں نے خدا حافظ کہا اور ریسیور رکھ کر ابو کے کمرے میں آ گئی۔ ابو اور امی جان کو بتایا۔ لبنیٰ اور بڑی بھابھی کو فون کر کے بتایا کہ "وہ جو ریاض صاحب نہیں ہیں خواتین ڈائجسٹ والے اور ابن انشا کے بھائی وہ کل آئیں گے، امتل بھی ہوں گی اور جھٹ پٹ انہیں بھی دعوت دے ڈالی کہ وہ بھی کل آ جائیں اگر ان سے ملنا چاہتے ہیں۔

دوسرے دن صبح سے ہی مجھے بے چینی ہو رہی تھی۔

پتا نہیں آئیں گے یا نہیں..... کیا خبر نہ ہی آئیں۔ بے چین ہو کر لاہور فون کیا حنا کے آفس میں۔ وہاں سے پتا چلا کہ وہ راولپنڈی کے لیے روانہ ہو گئے ہیں اور ان کا ارادہ ہے کہ راولپنڈی میں جو کام ہے اس سے فارغ ہو کر وہ میری طرف آئیں گے۔

دل کو تسلی ہوئی۔

اور یوں ان سے پہلی بار ملی۔ میرا خیال تھا کہ وہ بہت سخت مزاج کے اور کچھ کچھ مغرور سے بھی ہوں گے۔ لیکن ان سے ملنے اور بات کرنے سے پتا چلا کہ وہ تو بہت ہنس مکھ اور خوش اخلاق ہیں۔ چند لمحوں بعد ہی ہم سب امتل، رضیہ جمیل، ریاض صاحب، ابا جان اس طرح گھل مل کر باتیں کر رہے تھے جیسے بہت عرصہ سے ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔ ذرا سی بھی اجنبیت نہیں محسوس ہو رہی تھی۔ بہت اپنائیت کا احساس ہو رہا تھا۔

"دراصل ہم آپ کے شہر میں آنے سے کچھ جھجک رہے تھے۔ کچھ پتا نہیں تھا کہ کیسا شہر ہے، کیسے لوگ ہیں۔ کیا خبر کوئی بہت پسماندہ علاقہ ہو۔"

انہوں نے باتوں کے دوران کہا۔

"لیکن آنا بھی ضروری تھا کہ وعدہ کیا تھا، اگر نہ آتے تو آپ کو افسوس ہوتا...."

"شکریہ کہ آپ آ گئے ورنہ افسوس نہیں مجھے بہت دکھ ہوتا اور جہاں تک شہر کی بات ہے۔ یہ اتنا بھی غیر معروف نہیں ہے۔ کرشن چندر نے اپنی کہانیوں میں اس کا ذکر کیا ہے اور اسے "گلابوں کا شہر" کہا ہے۔"

میں نے جواب دیا تو فوراً بولے۔

"اچھا۔ لیکن گلاب ہیں کہاں۔"

"یہ....."

شیریں نے یکدم اپنی طرف اشارہ کیا تو اس کی حاضر جوابی پر وہ بہت زور سے ہنسے۔

ایسی ہی چھوٹی چھوٹی باتوں میں وقت گزر گیا۔ میں نے تصویریں بنائیں..... لیکن ریل جانے کب سے کیمرہ میں پڑی تھی اور فلش نے بھی صحیح کام نہیں کیا جس کی وجہ سے تصویریں کلیئر نہ آئیں جس کا مجھے آج بھی افسوس ہے۔

"آپ لوگ بہت تھوڑا وقت لے کر آئے ہیں۔"

ہم سب کو ہی اس کا افسوس تھا۔ ابو کو، شاہدہ کو، مجھے.....

"ہاں ہمیں بھی اب افسوس ہو رہا ہے، کاش زیادہ وقت ہوتا....."

"پھر کبھی آئیے.... اور زیادہ دنوں کے لیے۔ آپ

کو کلر کہار وغیرہ کی سیر کو لے کر چلیں گے۔ ہمارے اردگرد کے پہاڑوں کا حسن آپ کو اسیر کر لے گا۔"

"ضرور ان شا اللہ کبھی پھر پروگرام بنائیں گے تو زیادہ وقت لے کر آئیں گے۔"

لیکن پھر وہ کبھی نہیں آئے۔ دوسری بار جب میری ان سے کراچی میں ملاقات ہوئی تو میں نے فوراً "گلہ کیا کہ آپ نے وعدہ کیا تھا سب کے ساتھ پھر آئیں گے اور اب تو ڈرنے والی بھی کوئی بات نہ تھی تجربہ تو ہو چکا تھا۔

میری ڈرنے والی بات پر وہ مسکرائے۔

"خیر ڈرے تو ہم تب بھی نہیں تھے۔ بس ذرا اجنبی جگہ پر جانا ہو تو تذبذب تو ہوتا ہی ہے نا اور پتا نہیں تب بھی کیسے پروگرام بن گیا تھا۔ ورنہ یہاں سے نکلنا بہت مشکل ہے اور اب تو کچھ طبیعت بھی گڑبڑ سی رہتی ہے۔ ابھی بھی کتنے دنوں بعد آفس آیا ہوں۔"

"ہاں مجھے امتل نے بتایا ہے۔ اب آپ کی طبیعت کیسی ہے۔"

"کچھ بہتر محسوس کر رہا ہوں، تب ہی آفس آیا ہوں۔"

دراصل میں ایک ایوارڈ کی تقریب میں شرکت کے لیے کراچی گئی تھی اور رات ہی میں کراچی پہنچی تھی اور صبح سب سے پہلا فون میں نے امتل کو کیا تھا اور امتل نے بتایا تھا کہ میں گیارہ بجے کے بعد آفس میں آؤں تو ملاقات ہو سکتی ہے اور یوں میں کچھ دیر امتل کے پاس بیٹھنے کے بعد اب ان کے سامنے تھی۔ پہلی اور اب دوسری ملاقات میں کئی سالوں کا وقفہ تھا اور اس دوران وہ عزیز از جان بیٹے کی جدائی کا صدمہ سہہ چکے تھے۔ وہ مجھے پہلے کے مقابلے میں کچھ کمزور اور سنجیدہ لگے۔ ان کی ہنسی اور مسکراہٹ میں بھی ایک دکھ سا رچا محسوس ہوتا تھا۔ میرا دل چاہا کہ میں بابر بھائی کے حوالے سے کچھ کہوں کوئی بات کوئی دکھ کا اظہار لیکن مجھے لگا جیسے یہ بہت مشکل کام ہے اور میں نہ کر پاؤں گی۔ گو خط اور فون پر بات ہوتی تھی لیکن......

میں سوچ رہی تھی کہ بات کیسے شروع کروں، وہ محمود سے بات کر رہے تھے۔ مجھے سوچ میں گم دیکھ کر پوچھا۔

"آپ کیا سوچ رہی ہیں؟"

میں نے نظریں اٹھائیں تو شاید میری آنکھوں میں نمی تھی یا پھر خود ہی انہوں نے جان لیا تھا کہ ذرا سا ہاتھ اٹھایا... اور کہا۔

"کچھ بھی مت کہیں اور یہ بتائیں کہ کہاں ٹھہری ہیں؟"

"دوست کی طرف ہی ٹھہری ہوئی ہوں۔"

تب ہی امتل بھی آگئیں اور انہوں نے امتل کی طرف دیکھا اور پھر میری طرف اشارہ کیا۔

"کیا انہیں سیدھا ہمارے پاس نہیں آنا چاہیے تھا۔"

امتل نے سر ہلا دیا۔

"پھر تو ناراضی ہے سخت۔"

اور میں شرمندہ سی ہو گئی اس خلوص پر۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں جواباً "کیا کہوں تب امتل نے میری مدد کی۔

"ایسا کریں، کل عثمانیہ میں انہیں ڈنر دے دیں اور نگہت جب کبھی پھر کراچی آئیں یہ آپ کے ہاں ہی قیام کریں۔"

"جب کبھی کا کیا مطلب، آپ آج ہی آجائیں بلکہ آپ کو آنا ہی ہمارے ہاں چاہیے تھا۔۔۔ حق بنتا تھا آپ کا اور ہمارا بھی۔"

میں جو اس خلوص و محبت کے اظہار سے بھیگی جا رہی تھی، مدد طلب نظروں سے محمود کی طرف دیکھا اور انہیں اپنی مجبوری بتائی اور یوں یہ طے پایا کہ ہم کل شام کو چائے ان کے ہاں پئیں گے۔

"میں اس پر خوش تو نہیں ہوں بہرحال آپ کی مجبوری کو مان لیتا ہوں۔"

"اب بتائیں کیا پئیں گے آپ لوگ؟"

"امتل نے کوک پلائی ہے۔"

"کیا خیال ہے قلفہ کھلایا جائے انہیں؟"

انہوں نے امتل کی طرف دیکھا اور پھر ہمارے انکار کے باوجود قلفہ وغیرہ آگیا اور کھانے پر اصرار کہ اسے ختم کریں اتنا کم لیا ہے آپ نے۔

امتل نماز پڑھنے کے لیے چلی گئیں اور ہمارا کھانے کے ساتھ ساتھ باتوں کا سلسلہ بھی چلتا رہا۔۔۔ ربیعہ کے متعلق بات کرتے ہوئے ان کے لہجے میں محبت تھی۔ مجھے لگا جیسے وہ اپنے سے متعلق لوگوں سے بہت محبت کرتے ہیں۔

"میں بھائی صاحب کے سامنے بول نہیں سکتا۔ ان کی ہر بات میرے لیے حکم کا درجہ رکھتی ہے۔" کسی بات پر انہوں نے کہا۔

گفتگو فیملی کے حوالے سے ہو رہی تھی، انہوں نے ابن انشا صاحب کے متعلق چند ایک باتیں کیں۔ مجھے اب یاد نہیں آرہا لیکن اپنی فیملی کے لوگوں کی باتیں کرتے ہوئے ان کے لہجے سے محبت کے رنگ چھلک رہے تھے۔ پھر ان کی بیماری سے متعلق بات ہوئی انہوں نے بتایا کہ انہیں کارپٹ تک سے بعض اوقات الرجی ہو جاتی ہے اور سانس کی تکلیف ہو جاتی ہے۔

میری تحریر کے حوالے سے بھی بات ہوئی میں نے انہیں بتایا کہ میں کچھ کہانیاں کتابی شکل میں چھپوانا چاہتی ہوں۔

"ضرور چھپوائیں۔" انہوں نے کہا اور اس سلسلے میں کئی مشورے بھی دیے۔

بہت دیر ہو گئی تھی۔ ہمیں لنچ پر جانا تھا جبکہ اٹھنے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔ جی چاہ رہا تھا کہ ابھی کچھ دیر اور بیٹھیں اور باتیں کریں۔ انہوں نے جاتے جاتے ہم سے پھر کہا کہ اب کے آپ کراچی آئیں تو ہمارے ہاں ہی آنا ہے۔۔۔

"ان شا اللہ کل ملاقات ہو گی۔"

میں نے خدا حافظ کہتے ہوئے سوچا اور کل ڈھیر ساری باتیں ہوں گی۔۔۔ لیکن پھر ان سے ملاقات نہ ہو سکی۔ نادیہ میری دوست کی بہن کو بھی بہت اشتیاق تھا کہ وہ ان سے ملے اور پھر محمود نے بھی تعریف کر کے اس کے اشتیاق کو بڑھا دیا تھا لیکن ان کی بیگم نے بتایا کہ ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ شاید وہ سو رہے تھے۔ نادیہ کو تو مایوس ہونا ہی تھا، مجھے بھی بہت مایوسی ہوئی اور ان سے دوبارہ نہ ملنے کا افسوس ہوا۔

میں نے سوچا تھا کہ گھر کے ماحول میں آرام سے بہت ساری باتیں کریں گے۔۔۔ لیکن۔۔۔

پھر کبھی۔۔۔ ہاں پھر کبھی جب بھی کراچی آئیں تو۔۔۔ لیکن۔۔۔ اب، اب اگر کبھی کراچی جانا بھی ہوا تو کون اتنے مان سے کہے گا۔

"ہمارا حق بنتا ہے آپ پر اور آپ کا بھی حق ہے کہ ہمارے ہاں ہی ٹھہریں۔"

اخبار کی خبر۔۔۔ ناقابل یقین سی تھی۔

"کیا خبر کوئی اور ہوں۔۔۔" "لیکن نہیں یہ تو لکھا ہے

کہ خواتین ڈائجسٹ۔۔۔ ابھی کچھ دن پہلے میں لاہور گئی تھی تو ربیعہ نے بتایا تھا کہ چچا پہلے سے بہتر ہیں۔ ہم کراچی گئے تھے۔ ان کی طبیعت کافی بہتر ہے۔۔۔ لیکن۔۔۔

میں نے لاہور فون کیا۔۔۔ شہزاد نے اس خبر کی تصدیق کر دی اور پھر ربیعہ کراچی سے آئی تو میں نے پھر فون کیا۔

"کیسے۔۔۔ کیسے ہوا یہ سب۔ ابھی تو ان کی بہت ضرورت تھی۔ ان کی کندھوں پر تو بہت ذمہ داریاں تھیں۔"

"بس اچانک ہی۔۔۔ شاید کچھ غم اندر ہی اندر دیمک کی طرح چاٹ جاتے ہیں۔۔۔ دو جوان بیٹوں کی موت کا صدمہ شاید اندر ہی اندر کاٹتا جا رہا تھا۔"

کچھ دنوں بعد لاہور جانا ہوا تو ربیعہ سے دیر تلک ان کی باتیں ہوتی رہیں۔۔۔ اور میں حیران سی سوچتی۔

کس قدر قد آور شخص تھے وہ۔۔۔ اور کتنے بڑے آدمی، میں ان سے بہت بار نہیں ملی۔ میں انہیں بہت زیادہ نہیں جانتی پھر بھی جیسے میں انہیں بہت زیادہ جانتی ہوں۔۔۔ دنیا میں ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں۔

شفیق باپ
جان دینے والے بھائی
محبت و خلوص کا پیکر
زمین کھا گئی آسمان کیسے کیسے

کچھ لوگ اپنی ذات میں ایک انجمن ہوتے ہیں۔ ریاض صاحب بھی اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔

وہ اپنے گھر کے لیے ہی نہیں اپنے کارکنوں کے لیے بھی ایک سائبان تھے۔ ایک چھت، ایک ڈھارس ایک مہربان سایہ۔

زندگی کا کارواں تو چلتا ہی رہتا ہے لیکن جانے والے جو خلا چھوڑ جاتے ہیں۔ وہ کبھی پر نہیں ہوتا۔

میر کارواں چلا جائے تو اسپرٹ ختم ہو جاتی ہے۔ قافلہ چلتا رہتا ہے۔۔۔ لیکن مسکراہٹوں سے رنگ اور روشنی ختم ہو جاتی ہے۔

موت اتنی ظالم کیوں ہے۔

جن کی ہمیں بہت ضرورت ہوتی ہے، موت کو بھی وہ پیارے لگتے ہیں۔۔۔ موت ایک ابدی حقیقت ہے لیکن یہ ابدی حقیقت کتنے دامن تہی کر جاتی ہے اور کتنی آنکھیں آنسوؤں سے بھر جاتی ہیں۔

پتا نہیں کیوں مجھے اس وقت فیض کی وہ نظم یاد آ رہی ہے۔

مجھ کو شکوہ ہے میرے بھائی کہ تم جاتے ہوئے
لے گئے ساتھ میری عمر گزشتہ کی کتاب

اس میں تو میری بہت قیمتی تصویریں تھیں
اس میں بچپن تھا میرا اور میرا عہد شباب

کیا کروں بھائی یہ اعزاز میں کیوں کر پہنوں
مجھ سے لے لو میری سب چاک قمیصوں کا حساب

جانے والے چلے جاتے ہیں اور اپنے پیچھے یادوں کے خزانے چھوڑ جاتے ہیں۔۔۔ یہ یادیں کبھی نہیں مٹتیں، کبھی مدھم نہیں پڑتیں۔۔۔ وہ ہمیشہ زندہ رہتی ہیں۔

جانے والوں کے لیے ہمارے پاس ایک تحفہ ہے۔ دعائے مغفرت۔۔۔ خداوند کریم ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور ان کا حساب آسان فرمائے اور حد نگاہ تک ان کی قبر کو کشادہ اور روشن کرے۔ (آمین)

آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے

☼ ☼

سرورق کی شخصیت

ماڈل ------ نیہا
میک اپ ------ روز بیوٹی پارلر
فوٹو گرافر ------ موسیٰ رضا

پاکستان کی تاریخ میں یہ پہلا موقعہ ہے کہ کوئی جمہوری حکومت اپنے پانچ سال پورے کرے گی۔ جمہوریت کو بچانے اور اس کو مسلسل رکھنے کے لیے حکمرانوں نے تو کچھ قربانیاں نہیں دیں بلکہ انہوں نے تو اپنے اکاؤنٹ بھرے ہاں اگر مشکلات اٹھائیں تو صرف اور صرف عوام نے "کون سی ایسی مشکل ہے جو عوام نے نہیں اٹھائی ہو گی۔ جن مسائل نے عوام کی کمر توڑی ان میں مہنگائی' بے روزگاری اور لوڈشیڈنگ خاص طور پر شامل ہیں۔
اب خدا خدا کر کے پانچ سال مکمل ہوئے ہیں عوام نئی حکومت کے لیے بہت پر امید ہے..... مگر لوگ تو وہی ہیں ؟جواب نئے وعدوں کے ساتھ ایک مرتبہ پھر سرگرم عمل ہیں۔
بہرحال جب یہ میگزین آپ کے ہاتھوں میں ہو گا الیکشن میں چند ہی دن باقی ہوں گے۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہم نے بھی معروف شخصیات سے مندرجہ ذیل سوال پوچھے۔

1 اس حکومت میں آپ کے پانچ سال کیسے گزرے؟ کیا آپ حکومت کی کارکردگی سے مطمئن ہیں؟
2 کیا نئی حکومت ملک کے نظام میں بہتری لا سکے گی؟
3 ووٹ کا حق استعمال کریں گے یا نہیں ؟''

آیئے دیکھیں ان شخصیات نے سوالوں کے کیا جوابات دیے۔

الیکشن 2013

شاہین رشید

فیضان خواجہ..... آرٹسٹ

1 "دو سال تو کام کر کے باقی سال مانیٹر کرتا رہا حکومت کو' جہاں تک کارکردگی کی بات ہے تو مجھے کسی سے کوئی شکایت نہیں ہے نہ حکمرانوں سے نہ کسی اور سے۔ ہمارے حکمرانوں نے بہت اچھا کرنے کی کوشش کی ہے اور کوشش میں انسان کبھی کامیاب ہوتا ہے اور کبھی نہیں بھی ہوتا۔"

2 "ہمارے حکمران اتنے برے نہیں جتنا ہم ان کو برا سمجھتے ہیں۔ پاکستان آسان ملک نہیں ہے۔ اس کے بہت سے مسائل ہیں۔ امید ہے نئی حکومت بہتری لا سکے گی۔"

3 "ووٹ کا حق استعمال کروں گا۔ الیکشن میں حصہ لوں گا اور عمران خان کو سپورٹ کروں گا۔"

صنم جنگ.....(وی جے آرٹسٹ)

1 "ایمانداری سے بتاؤں' بہت ڈپریسنگ گزرے کیونکہ ڈالر بڑھتا جا رہا ہے اور ہمارے پیسے کی ویلیو کم ہوتی جا رہی ہے۔ تو جب چھٹیوں پہ کہیں ملک سے باہر جانا ہوتا تھا تو کرنسی کے لیے بڑی پرابلم ہوتی ہے اور ہمارے ملک میں ہر چیز کی قیمت مسلسل بڑھ رہی ہے۔ غربت بڑھ رہی ہے۔ غریب غریب تر ہوتا جا رہا ہے۔ تو سچی بات ہے کہ میں تو بالکل بھی مطمئن نہیں ہوں۔"

2 "کہتے ہیں کہ نئی حکومت آئے گی تو چینج آئے گا۔ میرا نہیں خیال کہ چینج آئے گا۔ کیونکہ وہ ہی لوگ تو ہوں گے جو سابقہ حکومت میں تھے تو جب یہ پہلے کچھ نہیں کر سکے تو اب کیا کریں گے۔"

3 "ہاں..... ہاں الیکشن میں حصہ لوں گی۔ ووٹ کا حق استعمال کروں گی اگر ہمارے حلقہ سے عمران خان کا کوئی بندہ کھڑا ہو گا تو پھر اسے ہی ووٹ دوں گی۔"

اسماء عباس.....(آرٹسٹ)

1 "ہائے..... پانچ سال بہت برے گزرے اور لوڈشیڈنگ کے تو اتنے برے حالات ہیں کہ کیا بتاؤں۔ ہمارا لاہور شہر تو اندھیروں میں ڈوبا ہوا ہے۔ ہر ایک گھنٹے کے بعد ایک گھنٹے کی لوڈشیڈنگ ہوتی ہے گیس کا پرابلم الگ ہے اور حکومت کی کارکردگی سے بالکل بھی مطمئن نہیں ہوں۔ کچھ کام نہیں کیا کہ ان کی تعریف کی جائے۔"

2 "پتا نہیں بہتری لا بھی سکے گی کہ نہیں۔ اب تو بس عمران خان ہی امید کی کرن ہے۔ سب کو آزمایا ہے اس کو بھی آزمالیں اور شاید عمران خان کچھ کر لے۔ مگر اس کے لیے بھی شاید والی بات ہے کیونکہ اتنی بگڑی ہوئی چیزوں کو کون درست کرتا ہے اور اکیلا عمران خان کیا کرے گا۔ لوگ تو وہی ہیں جو پہلے بھی حکومت میں آچکے ہیں اس کی ٹیم میں بھی پرانے ہی لوگ ہیں۔"

3 "ووٹ کے حق کی بات ہے تو پتا نہیں کہ الیکشن کے دنوں میں میں لاہور ہوتی ہوں' کراچی ہوتی ہوں یا ملک سے باہر ہوتی ہوں۔"

عدیل اظہر..... ایف ایم 107

1 "5 سال بہت برے گزرے جس کو لفظوں میں بیان کرنا مشکل ہے۔ اگر حکومت کی کارکردگی اطمینان بخش ہوتی تو یقیناً" ہمارے دن رات بھی اچھے گزرتے مگر ایسا نہیں ہوا۔"

2 "سچ پوچھیں تو مجھے آنے والی حکومت سے بھی کوئی امید نہیں ہے کہ وہ بہتری لا سکے گی۔"
3 "بالکل ووٹ کا حق استعمال کروں گا۔"

امبر خان......(آرٹسٹ)

1 "بہت ہی برے گزرے اور اللہ معاف کرے اگر حکومت کی کارکردگی اچھی ہوتی تو آج لوگ روڈ پر نہیں ہوتے اس حکومت نے تو سڑک پر لا کھڑا کیا ہے لوگوں کو۔ کسی شعبے میں بھی اس کی کارکردگی اچھی نہیں تھی۔"
2 "امید پہ دنیا قائم ہے۔ اگر عمران خان آجائے تو حالات میں کافی بہتری آجائے گی۔ بس یہی آخری امید ہے۔"
3 "ووٹ کا حق ضرور استعمال کروں گی اور عمران خان کو ووٹ دوں گی۔ اس کو بھی آزمالیں کیا پتا معجزہ ہی ہو جائے۔"

عطاالرحیم... کمرشل کانسیپٹ رائٹر

1 "حکومت کے 5 سال بہت برے گزرے۔ کارکردگی بالکل بھی اطمینان بخش نہیں تھی۔ اگر کہا

جائے کہ انتہائی بدترین گزرے تو غلط نہ ہو گا اور کارکردگی بھی انتہائی بری رہی تو بھی غلط نہ ہو گا۔ ریکارڈ کرپشن 'لا اینڈ آرڈر' کی انتہائی خراب صورت حال خارجہ پالیسی کو دیکھیں اور انرجی کے مسائل دیکھیں۔ اندرونی حالات اور بہت سے چیزیں ہیں جس میں بہتری آنا تو دور کی بات ہے مسائل میں اضافہ ہی ہوا ہے۔"
2 "اگر عوام نیک اور دیانت دار لوگوں کو ووٹ دیں تو ضرور بہتری آئے گی۔"
3 "نا صرف میں ووٹ ضرور دوں گا بلکہ سب کو کہوں گا کہ ووٹ آپ کی طاقت ہے اس کا ضرور استعمال کریں اور صحیح قیادت کو اپنے ووٹ سے ضرور منتخب کریں اور اپنی قوت کو پہچانیں۔"

عینی جعفری......(آرٹسٹ)

1 "جی ہمارے بھی برے گزرے اور غریب عوام کے تو بہت ہی برے گزرے ہوں گے۔ مجھے تو سیاست سے زیادہ دلچسپی نہیں ہے۔ لیکن ملک کے حالات پہ نظر ضرور رکھتی ہوں۔ تو سچ بات ہے کہ حکومت کی کارکردگی تو صفر رہی ہے۔ سب سے زیادہ تو لوڈشیڈنگ نے پریشان کیا۔"
2 "ہاں جی امید تو ہے پر آنے والی حکومت بھی کیا کرے گی۔ کون سے نئے لوگ ہیں۔ وہی تو لوگ ہیں جو پہلے بھی حکومت میں رہ چکے ہیں۔ جب انہوں نے پہلے کچھ نہیں کیا تو اب کیا کریں گے۔"
3 "ووٹ کا حق استعمال کروں گی بشرطیکہ اپنے شہر میں یا ملک میں ہوئی تو۔"

آصف مالک (اسکرپٹ رائٹر)

1 "ماہ و سال گزرنے کا تو اب احساس ہی نہیں

ہوتا۔ اب زندگی بہت فاسٹ ہو گئی ہے اور وقت اچھا ہو یا برا گزر ہی جاتا ہے اور جہاں تک حکومت کی کارکردگی کی بات ہے تو عوام کے لیے حکومت کی کارکردگی صفر ہی ہے۔"
2 "امکان ہے کہ مسلم لیگ نون حکومت بنائے گی۔ دوبار پہلے بھی یہ لوگ حکومت کر چکے ہیں تب کون سا تیر مار لیا تھا۔ اگر جمہوریت تین چار بار اپنی مدت پوری کرلے تو پھر شاید عوام کے لیے کوئی بہتری آجائے۔"
3 "ووٹ کا حق ضرور استعمال کرنا چاہیے اور ان شاء اللہ میں بھی کروں گا۔"

رخسانہ نور......(رائٹر، صحافی)

1 "کس کے اچھے گزرے ہوں گے۔۔۔ جو حالات ہیں وہ سب پر اثر انداز ہوئے ہیں اور کون ہو گا جو ان کی کارکردگی سے مطمئن ہوا ہو گا؟۔۔۔ سب جانتے ہیں کہ ہمارے ملک میں کتنی کرپشن ہے۔ لاء اینڈ آرڈر کی کیا صورت حال ہے، بجلی کا کتنا بحران ہے، مہنگائی کی کیا صورت حال ہے۔ کوئی بھی لیڈر ہو۔۔۔ پاکستان ان کے لیے تر نوالہ ہے لوٹ کھسوٹ مچائی ہوئی ہے انہوں نے یہ ملک کے ساتھ مخلص نہیں ہیں۔ یہ کرپشن کو ختم نہیں کرنا چاہتے ہیں۔"
2 "آنے والی حکومت وہ کیا بہتری لائے گی۔ سب امریکہ کے اشارے پر چلتے ہیں اور کوئی بھی پاکستان کے لیے مخلص نہیں ہے۔ لوگ یہ نہیں سوچتے کہ اگر ملک نہ رہا تو پھر یہ حکومت کس پر کریں گے پھر کھائیں گے کس کو۔ وہ ہی چہرے پھر آجائیں گے۔"
3 "میرے اختیار میں ہو تو بیلٹ پیپر پر کراس کا نشان لگا دوں۔"

وہاج خان......(آرٹسٹ)

1 "بالکل بھی اچھے نہیں گزرے اور صرف میرے ہی کیا میرے خیال میں کسی کے بھی اچھے نہیں گزرے ہوں گے اور کارکردگی تھی کیا؟ جس سے متاثر ہوتے یا جس کو اطمینان بخش کہتے۔ اگر کارکردگی اطمینان بخش ہوتی تو یقیناً "5 سال بھی اچھے گزرے ہوتے۔ اس حکومت نے عوام کو دیا ہی کیا ہے لاتعداد مسائل و مشکلات کے علاوہ۔
2 "آنے والی حکومت سے کوئی اچھی امیدیں

نہیں ہیں اور جب یہ لوگ پہلے ملک کے نظام میں بہتری نہیں لا سکے تو اب کیا لائیں گے۔ کون سے نئے لوگ آرہے ہیں۔ وہی تو لوگ ہیں تو جب انہوں نے پہلے اپنے ملک کے لیے اچھا نہیں سوچا تو اب کیا سوچیں گے۔"

3 "ووٹ کا حق استعمال کروں گا اور سب کو کرنا چاہیے۔ یہ میرے ملک کے اوپر میرا قرض ہے ملک کی بقا کے لیے ووٹ کا حق ضرور استعمال کریں اور مجھے تو آخری امید عمران خان سے ہے' شاید وہ کوئی اچھی تبدیلی یا بہتری لا سکے۔"

عدنان شاہ ٹیپو.....(آرٹسٹ)

1 "پانچ سال اسی طرح گزرے، جس طرح دوسرے لوگوں کے گزرے ہوں گے کیونکہ ہم سب لوگ ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں اور کارکردگی تو جی صفر رہی ہے۔ ان 5 سالوں میں اس ملک پر کیا کیا ظلم نہیں ہوئے۔ مہنگائی اور لوڈشیڈنگ کے عذاب نے تو زندگی برباد کرکے رکھ دی ہے مگر یہ حکمران کیا جانیں۔"

2 "دعا تو یہی ہے کہ آنے والی حکومت بہتری لا سکے۔ جس کی امید بہت کم ہے۔ بہتری لانے کے لیے کسی بڑے انقلاب کی ضرورت ہے اور انقلاب عوام ہی لا سکتے ہیں اپنے ووٹوں سے بشرطیکہ وہ اپنے حق کو

سوچ سمجھ کر استعمال کریں۔"

3 "ووٹ کا حق استعمال کرنے سے پہلے یہ دیکھوں گا کہ کون امیدوار ہے آیا وہ ہمارے ووٹ کا حق دار بھی ہے یا نہیں۔"

فرید رئیس.....(نیوز کاسٹر+اینکر)

1 "حکومت نے جمہوریت کو بچانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ لیکن بجلی کا بحران' مہنگائی' سی این جی کی قطاریں' بے روزگاری اور سب سے بڑھ کر معیشت کا استحصال کیا گیا۔ جب اکنامی کا پہیہ ہی نہ چلتا ہو تو پھر معاشرے کا ہر فرد متاثر ہوتا ہے اور پھر ایسی صورت حال میں لوگوں کے ماہ و سال کیسے گزرتے ہوں گے اس کی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔"

2 "یہ نئی حکومت پر منحصر ہے کہ اس کی ترجیحات کیا ہوں گی۔ لیکن سب سے بڑھ کر اس بات کو دیکھنا ہو گا کہ آیا اس بار بھی حکومت سکے کا رخ ہی بدلے گی یا عوام کی حالت زار بھی بدلے گی۔ یہ سب نیک نیتی پر منحصر ہے۔ اگر نئی حکومت عوام کے مسائل حل کرنے میں سنجیدہ ہوئی تو پھر نظام میں بہتری لا سکے گی۔"

3 "ووٹ کا حق ضرور استعمال کروں گا اور میرے

خیال سے ہر شہری کو اپنے ووٹ کا ٹھیک طریقے سے استعمال کرنا چاہیے۔ ورنہ جو لوگ حکومت کا حصہ بنیں گے اس پر پھر عوام کو شکوہ نہیں کرنا چاہیے۔"

بنت ارسلان.....(ڈائریکٹر ٹرم اسٹوڈیو)

1 "اگر اپنے پانچ سال کی کارکردگی کا جائزہ لوں تو 2008ء میں مجھے یہ اعزاز حاصل ہوا کہ میں نے اپنے چچا معروف گلوکار احمد رشدی کی 25 ویں برسی پر ایک شو پروڈیوس اور ڈائریکٹ کیا اور پھر اس عرصے میں کچھ ایسے لوگوں سے بھی ملاقات ہوئی کہ ملنے کے بعد سوچا کہ کاش ان سے ملے ہی نہ ہوتے۔ جیسے اگر بی بی شہید نہ ہوتیں تو یہ حکومت ہی نہ ہوتی اور سب سے تکلیف دہ وقت وہ تھا جب میری ماں 2010ء میں ہمیں چھوڑ کر اللہ کی مہمان ہو گئیں..... اور اس حکومت میں میرے پانچ سال ایسے ہی گزرے ہیں جیسے حکومت گزر گئی۔ پانچ سال ایک ہی جگہ جاب کی اور ہر وقت یہی دھڑکا لگا رہتا تھا کہ نوکری اب گئی کہ تب گئی۔ جیسے یہ حکومت ڈانواڈول رہی ہے ایک خط نہ لکھنے کی وجہ سے اب گئی کہ تب گئی..... اور حکومت کی کارکردگی کے تو اتنے معترف ہوئے ہیں کہ جب ہم چھوٹے تھے تو حسرت تھی کہ گزرے زمانے میں جائیں اور دیکھیں کہ بنیادی سہولتیں نہ ہونے کی وجہ سے لوگ کیسے رہتے تھے تو اس حکومت نے ہماری خواہش کو پورا کر دیا۔ اس حکومت کا کوئی ثانی نہیں ہے۔ "نہ آٹا ہے' نہ چینی ہے' نہ بجلی ہے' نہ پانی ہے پھر بھی دل پاکستانی ہے۔" وطن سے سچی محبت ہے اسی لیے موقع ملنے پر بھی چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا' ورنہ ہمارے وزیر صاحب نے تو کہہ دیا تھا کہ جو جانا چاہتا ہے چلا جائے کسی نے روکا نہیں ہے۔"

2 "سنا تھا کہ محمود غزنوی کے غلام ایاز نے محمود غزنوی کی انگوٹھی پہ لکھا تھا کہ یہ وقت بھی گزر جائے گا سو ہم بھی اس بات پر پر امید ہیں کہ آنے والی حکومت اگر ریپیٹ نہ ہوئی تو یقیناً" تبدیلی ضرور آئے گی۔

چیزوں کے بدلنے سے تبدیلی نہیں آتی۔ تبدیلی تو عمل سے آتی ہے اور آنے والی حکومت کے لیے تو آنے والا وقت ہی بتا سکے گا کہ وہ کس کے رنگ میں رنگتی ہے..... اس بار ہم دل سے تبدیلی چاہتے ہیں۔ ہم سدھرنا چاہتے ہیں۔ ہم اپنے ملک کو ترقی کی راہ میں آگے ہی آگے دیکھنا چاہتے ہیں۔"

3 "ووٹ کا حق میں نے آج تک استعمال نہیں کیا کیونکہ میں خود بھی اکلوتی ہوں اور زندگی کا زیادہ عرصہ آمریت میں گزرا ہے۔ اس لیے "آمریت پسند" ضرور ہوں مگر کسی "آمر" کو ووٹ دینے کا کبھی دل نہیں چاہا اور ووٹ دینے کا ایک موقع ملا تھا مگر میرا ننھا سا ووٹ خود ہی بیلٹ بکس میں چلا گیا' پتا نہیں کیسے؟ ووٹ ڈالنے گئی تو پتا چلا کہ میرا ووٹ تو ڈل چکا ہے۔ میں نے انگوٹھا بھی دکھایا کہ اس میں کوئی نشان نہیں ہے تو جواب ملا کہ "انگوٹھا" ہی لگا دیا ہے۔ اب آپ آرام کریں اور انگوٹھے سے SMS کریں تو بھلا یہ بھی کوئی بات ہوئی۔"

☆ ☆

صنم جنگ سے ملاقات

شاہین رشید

صنم جنگ گزشتہ تین چار سالوں سے شوبز کی فیلڈ سے وابستہ ہیں۔ میوزک کے دل دادہ انہیں "وی جے" کی حیثیت سے جانتے ہیں اور انہیں پسند بھی کرتے ہیں۔ لیکن جب سے صنم نے ڈراموں کی دنیا میں قدم رکھا ہے ان کی شہرت دوچند ہو گئی ہے "دل مضطر" صنم جنگ کا پہلا ڈراما سیریل ہے اور اپنے پہلے ہی ڈرامے میں شاندار پرفارمنس سے ناظرین کے دلوں میں جگہ بنالی ہے۔ صنم جنگ جس طرح میوزک کے پروگراموں میں اور مارننگ شو میں خوش اخلاق نظر آتی ہیں حقیقت میں بھی ایسی ہی ہیں۔ اس لیے ہمیں ان سے باتیں کرکے بہت اچھا لگا۔

★ "کیسی ہیں صنم جنگ اور "دل مضطر" میں آپ کی پرفارمنس بہترین ہے؟"

⁕ "جی الحمدللہ اور بہت شکریہ پسند کرنے کا۔"

★ "جہاں ڈائیلاگ نہیں ہوتے وہاں آپ کی آنکھیں اداکاری کر رہی ہوتی ہیں۔ تو اس میں زیادہ کمال کس کا ہے آپ کا یا ڈائریکٹر کا؟"

⁕ "اس میں سارا کمال ہمارے ڈائریکٹر کا ہے۔ میرے ڈائریکٹر مجھے سیٹ پر "صلہ" کے نام سے ہی بلاتے تھے اور مجھے کہتے تھے کہ "صلہ اس سین میں ڈائیلاگ نہیں ہیں، تمہیں آنکھوں سے اداکاری کرنی ہے۔" اور میں کہتی تھی "شہزاد آنکھوں سے کیسے بولوں (شہزاد ڈائریکٹر) اور پھر شہزاد ہی مجھے سمجھاتے تھے کہ اس طرح اداکاری کرنی ہے پھر میرے ساتھی فنکار عمران عباس، ثروت گیلانی، اعجاز شکیل صاحب، محسن گیلانی صاحب اور دیگر سب بہت ہی سپورٹڈ تھے اور ان سب نے ہی مجھ سے اداکاری کروائی ہے۔"

★ "بہت اچھا اور رومینٹک رول ہے۔ عام زندگی میں بھی ایسی ہی ہیں کیا؟"

⁕ "بالکل بھی نہیں..... میں تو بہت لاپرواسی ہوں کہ سیٹ پہ آئی تو "ہاں بھئی کیا سین ہے۔ اچھا یہ نہیں وہ" بس ایسی لڑکی ہوں۔"

★ "کیا رسپانس ملا؟"

⁕ "جی سیریل پہلا تھا جبکہ اس سے پہلے میں دو تین ٹیلی فلمز کرچکی ہوں اور رسپانس تو بہت ہی اچھا مل رہا ہے۔ میں نے تو سوچا تھا کہ سیریل فلاپ ہو جائے گا اور مجھے منہ چھپا کر بیٹھنا ہوگا۔ مگر ایسا کچھ نہیں ہوا، بلکہ نہ صرف فیملی کے لوگ بلکہ ملک سے باہر رہنے والے عزیز و اقارب بھی فون کرکر کے تعریف کر رہے ہیں اور مجھے یاد ہے کہ ایک دن میں شاپنگ کرنے "فورم" گئی تو وہاں لوگ مجھے دیکھ رہے تھے اور پھر میرے قریب آ کر بولے آپ "صلہ" ہیں نا۔ آپ یقین کریں کہ میں شاپنگ نہیں کر پا رہی تھی۔ تو بس کیا بتاؤں بہت ہی اچھا رسپانس ملا بھی ہے اور مل بھی رہا ہے۔"

★ "آپ ٹی وی پہ تو کافی ٹائم سے آ رہی ہیں تب شاید لوگ اتنا نہیں پہچانتے تھے جتنا اب ڈرامے سے پہچاننے لگے ہیں؟"

⁕ "تب بھی پہچانتے تھے مگر مجھے لگتا ہے کہ ڈرامہ دیکھنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ میں نے تین چار سال بحیثیت وی جے کے کام کیا ہے مگر اس طریقے سے رسپانس نہیں ملتا تھا جس طرح اس ڈرامے کی وجہ سے ملا ہے۔ پہلے تو دیکھا ہاں بھئی یہ فلاں پروگرام میں آتی ہیں۔ لیکن ڈرامے میں تو لوگ روک روک کر بات کرتے ہیں۔ خود آتے ہیں میرے پاس کہ آپ صنم جنگ ہیں یا آپ "صلہ" ہیں اور آپ یقین کریں کہ مجھے پہلی قسط سے ہی بہت اچھا رسپانس ملا میں سمجھتی ہوں کہ ڈرامے کی آڈینس بہت براڈ ہے۔"

★ "مارننگ شو بھی کیا، وی جے بھی بنیں اور اب ڈراما زیادہ مزے دار کیا ہے؟"

⁕ "ڈراما کرنے سے پہلے مجھے وی جنگ بھی اچھی

لگتی تھی۔ مارننگ شو بھی اچھا لگتا تھا کیونکہ براہ راست سب سے بات کرنے کا مزا آ رہا ہوتا تھا اور آپ خود سے جو دل چاہے بول سکتے تھے۔ لیکن جب ڈراما کیا تو احساس ہوا کہ یہ تو ایک بالکل ہی الگ فیلڈ ہے اور میں نہیں سمجھتی کہ میں اس کا موازنہ کسی اور پروگرام سے کر سکوں گی۔ اس کی فیلنگز ہی الگ ہیں اور جب آپ اپنے آپ کو کردار میں ڈھال لیتے ہیں تو پھر آپ اپنے آپ کو وہی کچھ سمجھ رہے ہوتے ہیں جو ڈرامے کی ڈیمانڈ ہوتی ہے اور اگر اچھی پرفارمنس ہو جائے تو پھر ایسا لگتا ہے کہ جیسے ہم نے بہت کچھ حاصل کرلیا ہے کچھ فتح کرلیا ہے لیکن سچ بتاؤں ڈراما کرنا بہت مشکل ہے۔"

★ "مارننگ شو بہت اچھا نبھایا۔ اس کو جاری رکھیں گی کہ نہیں؟"

⁕ "اب تو شائستہ آگئی ہیں اور میں نے تو ان کے آنے سے پہلے ہی چھوڑ دیا تھا کہ میں تھک بہت گئی تھی اور پھر میری شوٹ بھی شروع ہونے والی تھیں تو میں نے کہہ دیا کہ مجھے تو آرام چاہیے۔"

★ "مسئلہ یہ ہے کہ آپ کو صبح صبح اٹھنے کی عادت

بھی تو نہیں ہے؟"
* ہنستے ہوئے "جی بالکل بھی نہیں ہے۔ بس میں صبح اٹھ کر جوگنگ پہ جاتی ہوں اور واپس آکر سو جاتی ہوں اور وہ بھی اپنے آپ سے ایک لڑائی ہوتی ہے کہ اٹھو اور جاؤ۔"
★ "اور کیا مصروفیات ہیں۔ اس سیریل کے دوران آفرز تو بہت آئی ہوں گی؟"
* "جی بہت آئی ہیں، مگر میں چاہتی ہوں کہ زیادہ کام نہ کروں.... میرا تو یہ حال ہے کہ اچھا لگ گیا کچھ دل کو تو کرلیا ورنہ نہیں کرنا ہے۔ کافی اسکرپٹ ہیں میرے پاس جن کی مجھے آفرز ہیں اور میں اسکرپٹ کا ایک ایک صفحہ پڑھتی ہوں پوری اقساط کے بعد میں ہاں یا نہ کہتی ہوں۔ اب دیکھیں کہ کس کا اسکرپٹ دل کو چھوتا ہے۔ ویسے ایک سیریل شہزاد کے ساتھ کر بھی رہی ہوں اور شہزاد بہت اچھا ڈائریکٹر ہے۔"
★ "کچھ اپنے بارے میں بتائیں۔ کہاں کب پیدا ہوئیں؟"
* "جی میرا نام صنم جنگ ہے۔ 30 ستمبر کو کراچی میں پیدا ہوئی۔ اسٹار لبرا ہے قد 5 فٹ 4 انچ ہے اور میری تین بہنیں ہیں مجھے ملا کر چار اور میں سب سے بڑی ہوں۔ بھائی نہیں ہے۔ ایم بی اے کیا ہے مارکیٹنگ میں۔"
★ "میں نے کسی کا انٹرویو کیا تو وہ بھی صرف بہنیں ہی ہیں بھائی نہیں ہے تو ان کا کہنا تھا کہ اچھا ہی ہے کہ ہمارا بھائی نہیں ہے۔ کیا آپ کا بھی یہی خیال ہے؟"
* "ہاں اچھا ہی ہے۔ کیونکہ میرے بعد والی بہن ہے وہ میرا بھائی ہی ہے۔ ابو سے کہتی ہے "ابو دیکھیں گیارہ بج گئے ہیں وہ ابھی تک گھر نہیں آئی ہے" اس ٹائپ والی بہن ہے۔ میرے لیے لڑکوں والی روح بھری ہوئی ہے اس میں۔"
★ "آپ نے مارکیٹنگ میں ایم بی اے کیا کبھی جاب کے لیے سوچا؟ یا شادی کر کے گھر بسانا ہے؟"
* "ابھی ایک ہی سال ہوا ہے مجھے ایم بی اے کیے ہوئے اور سوچ رہی ہوں کہ مجھے جاب کرنی چاہیے

.... اور جہاں تک شادی کی بات ہے تو میرا خیال ہے کہ ایک دو سالوں میں ابا نے میری شادی کرا دینی ہے۔"
★ "شوبز میں آمد کیسے ہوئی؟"
* "دوست کے دوست نے کال کی کہ ایک جگہ آڈیشن ہے وی جے کے لیے آجاؤ تو میں نے کہا کہ نہیں مجھے کوئی وی جے کے لیے آڈیشن نہیں دینا تو دوست نے کہا کہ ایسے ہی تفریح کے لیے دے دو۔ تو میں نے آڈیشن دے دیا اور میرے لحاظ سے بہت برا آڈیشن ہوا تھا مگر نہ جانے انہوں نے کیسے میرا انتخاب کرلیا بس تو پھر Play کے لیے وی جے منتخب ہو گئی۔ ___ اس کے بعد آگ ٹی وی پہ آگئی اور جب وہاں پروگرام ختم کیا تو یہاں اداکاری میں آگئی۔"
★ "گھر والوں نے منع کیا یا خوش ہوئے؟"
* "بس میرے ابو کو سب سے بڑی پرابلم یہ تھی کہ کہیں ان کی بیٹی پڑھائی سے غافل نہ ہو جائے۔ مگر جب انہیں یقین ہو گیا کہ پڑھائی سے غافل نہیں ہے تو انہوں نے منع نہیں کیا اور میرے والد کی ایک بات اور بھی بہت اچھی ہے وہ اپنے بچوں کو کسی کام سے منع نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں کہ تم ٹرائی کرو، کامیابی ہو

جائے تو ٹھیک ہے ورنہ واپس آجاؤ اپنی جگہ پر تو جب انہوں نے دیکھا کہ اس ایکٹویٹی کے ساتھ اس نے بی بی اے بھی کیا اور ایم بی اے بھی کیا تو پھر انہوں نے کچھ نہیں کہا۔"
★ "کتنے سال ہو گئے ہیں اس فیلڈ میں۔ پہلا پروگرام کون سا تھا بحیثیت وی جے کے؟"
* "میرے خیال میں تقریباً" 5 سال تو ہو ہی گئے ہوں گے۔ جب بی بی اے فرسٹ ایئر میں تھی تو کام شروع کیا تھا "نیوز بلے" میرا پہلا پروگرام تھا اور مجھے ٹھیک ٹھاک پیسے ملے تھے۔ اور چونکہ مجھے شاپنگ کا جنون ہے تو میں نے ان پیسوں سے شاپنگ کی ہوئی اور جب گھر آکر پیسوں کا حساب کرتی ہوں پھر خود سے ہی کہتی ہوں۔ اوہو.... اتنے خرچ ہو گئے۔"
★ "اگرچہ اب تو کافی سال ہو گئے ہیں۔ پھر بھی شوبز کی دنیا کیسی لگ رہی ہے؟"
* "اب تک تو مجھے جو بھی لوگ ملے ہیں وہ بہت ہی اچھے لوگ ہیں اور میں زیادہ سوشل نہیں ہوں تو بس کام کیا اور اپنی راہ لی تو اس دنیا کا سامنا نہیں کرنا پڑا جس کے بارے میں بہت کچھ سنا ہوا ہے۔"
★ "اس فیلڈ میں پیسہ ہے؟"
* "بالکل ہے۔ مگر میری یہ عادت ہے کہ میں کبھی ایڈوانس نہیں لیتی جب پورا پروجیکٹ ختم ہو جاتا ہے۔ تب چیک لیتی ہوں اور پھر اس میں جو اماؤنٹ ہوتا ہے اس کو دیکھ کر خوشی سے چلاتی ہوں کہ اب خرچ کرنے میں مزا آئے گا اور پھر میں سب کے لیے گفٹ لیتی ہوں۔ مجھے اپنے ابو سے بہت پیار ہے تو ان کے لیے تو ضرور ہی کچھ نہ کچھ لیتی ہوں اور میں آپ کو بتاؤں کہ مجھ پر اللہ کا بہت کرم ہے۔ مجھے وقت سے پہلے ہی بہت کچھ مل گیا ہے لوگ تعلیم مکمل کر کے جاب کے لیے جاتے ہیں مگر میرے پاس opportunity خود سے آئی ہیں۔ زبردستی بار بار دستک دی ہے opportunity نے اور میں بار بار منع کرتی رہی کہ نہیں یہ نہیں کرنا۔ مگر جب بار بار ایسا ہوا تو میں نے سوچا کہ چلو کر کے دیکھ لیتے ہیں اور چونکہ میری کامیابی اس میں لکھی تھی تو تب ہی بار بار دستک بھی ہو رہی تھی۔ اللہ تعالیٰ بار بار راستے کھول رہا تھا اور میں نخرے دکھا رہی تھی۔ شکر ہے کہ جلدی عقل آگئی اس سے پہلے کہ اللہ تعالیٰ ناراض ہو جاتا۔"
★ "اس لیے تو کہتے ہیں کہ خوش قسمتی بار بار دستک نہیں دیتی.... دل مضطر میں تو آپ کا رول رومینٹک تھا۔ مزید کس طرح کے کردار کرنا چاہتی ہیں؟"
* "ابھی بہت نئی ہوں کچھ آئیڈیا نہیں ہے لیکن میں نے ایک کردار دیکھا تھا کہ "لڑکی دیوانی ہوتی ہے لو کہیں اور ڈیٹ کہیں اور، عجیب و غریب حرکتیں کرتی ہے۔ تو اس طرح کی لڑکی کا کردار کرنا چاہوں گی۔ ویسے تو جو بھی اچھا رول ملے گا ضرور کروں گی۔"
★ "الیکشن قریب ہیں.... سیاست میں آکر کچھ کرنے کا موقع ملے تو کیا کریں گی؟"
* "میں کہاں سیاست میں آسکتی ہوں۔ لیکن اگر زندگی میں کبھی بھی کچھ کرنے کا موقعہ ملا تو سڑکوں پہ جو بچے بھیک مانگ رہے ہوتے ہیں یا چیزیں بیچ رہے ہوتے ہیں اور جو فضول میں اپنا وقت ضائع کر رہے ہوتے ہیں ان کو پڑھائی میں ڈالوں گی۔ ایسا قانون بناؤں گی کہ کوئی بھی بچہ روڈ پر نہیں ہونا چاہیے۔ چائلڈ لیبر نہیں ہونا چاہیے اور یہ کہ جب ٹریفک پولیس والا اپنا ہاتھ اٹھائے تو ٹریفک رک جانا چاہیے اور پھر کوئی گزر کر دکھائے۔ اس طرح کا قانون بناؤں گی۔"
★ "فیوچر پلاننگ کرتی ہیں؟"
* "نہیں میں فیوچر پلانر نہیں ہوں بس جو ہو رہا ہے ہونے دو۔ میں اس فیلڈ میں آئی تو کسی پلاننگ کے تحت نہیں آئی تھی۔ مجھے میری قسمت لے کر آئی تو آگے کے لیے بھی جو قسمت میں ہو گا مل جائے گا۔"
★ "دل مضطر کا کوئی سین جو یاد ہو؟"
* "جی ___ اس سیریل کے ایک سین میں عمران عباس سے ایک تھپڑ کھایا ہے اور اگرچہ ___ اس نے ہلکا سا مارا تھا مگر میرے chin (ٹھوڑی) پہ لگ گیا تھا تو عمران بے چارا اتنا پریشان ہوا کہ بار بار سوری کر رہا تھا۔

تو میں نے کہا بھئی کوئی مسئلہ نہیں ہو جاتا ہے ایسا۔"

★ "ریمپ پہ ماڈلنگ، کمرشلز اور فلم.... کیا کرنے کا ارادہ ہے؟"

✻ "ریمپ پہ ماڈلنگ نہیں کروں گی، کمرشلز ماڈلنگ کر چکی ہوں مزا آتا ہے اور آسان بھی ہے اور جلدی بھی ہو جاتی ہے۔ جبکہ فلم کے لیے یہ کہوں گی کہ بول اور خدا کے لیے جیسی فلمیں بنیں اور مجھے پیشکش ہوئی تو ضرور کروں گی۔"

★ "کیا ڈرامے ہمارے معاشرے میں کوئی انقلاب لا سکتے ہیں؟"

✻ "ضرور لا سکتے ہیں.... اگر آپ دیکھیں تو انڈین ڈراموں نے اپنی ثقافت اور اپنے مذہب کا اتنا پرچار کیا ہے اپنے ڈراموں میں کہ کئی چیزوں کو ہم نے Accept کر لیا ہے تو اگر ہم اپنے ڈراموں میں اپنے مذہب اور اپنی ثقافت اور اچھی چیزوں کا پرچار کریں گے تو ہمارے لوگ بھی خود بخود ان چیزوں کی طرف راغب ہوں گے۔"

★ "کن باتوں میں بہت جذباتی ہیں؟"

✻ "میں اپنی فیملی کے بارے میں بہت جذباتی ہوں، کسی اور کے لیے نہیں ہوں۔ اپنی فیملی سے مجھے بہت بہت پیار ہے۔"

★ "اتنی ایک دم ملنے والی شہرت پر اپنے آپ کو کچھ الگ الگ محسوس کرتی ہیں دیگر لوگوں سے؟"

✻ "نہیں بالکل نہیں، میں اپنے آپ کو دوسروں سے الگ نہیں سمجھتی، بہت ہی سمپل لائف گزارتی ہوں اور آپ یقین کریں کہ جب لوگ مجھ سے ملتے ہیں میری تعریف کرتے ہیں تو میں شرمندگی سی محسوس کرتی ہوں۔ ایک مرتبہ اپنی دوست کے ساتھ کہیں کھانا کھا رہی تھی تو پیچھے کچھ نوجوان بیٹھے ہوئے تھے تو بس میں گھبرا رہی تھی کہ اب یہ پہچان لیں گے اور آٹوگراف لینے آئیں گے۔ تو بس عجیب سی شرمندگی سی ہونے لگتی ہے۔"

★ "اپنی کوئی اچھی اور بری عادت بتائیں؟"

✻ "بری عادت تو یہ ہے کہ جب مجھے غصہ آتا ہے تو بہت زیادہ غصہ آتا ہے اور کنٹرول نہیں کر پاتی اور غصہ میں کچھ نہ کچھ سنا بھی دیتی ہوں اور اچھی عادت تو بھئی آپ دوسروں سے پوچھیں مجھے یاد ہے کہ غصے میں کھانا پینا بھی چھوڑ دیا تھا میں نے۔"

★ "مارننگ شو بھی کیے ہیں آپ نے کیا یہ ہونے چاہئیں یا وقت کا زیاں ہے؟"

✻ "بس.... بہت ہو گیا ہے اور اگر اچھے مارننگ شو ہوں تو کوئی مسئلہ نہیں مگر اب تو ناچ گانے اور فضول ٹاپک پہ یہ شو ہوتے ہیں اگر اچھی چیزیں دکھائیں گے لوگ شوق سے دیکھیں گے۔ مگر کیا کریں کہ سب کو ریٹنگ چاہیے۔ حالانکہ اچھی اور پوزیٹو چیزوں سے بھی ریٹنگ آجاتی ہے۔"

★ "شوٹنگ کرنا کہاں مسئلہ ہوتا ہے۔ سیٹ پہ یا آؤٹ ڈور؟"

✻ "آؤٹ ڈور میں مسئلہ ہوتا ہے۔ سیٹ پہ تو آسانی سے ہو جاتی ہے۔ شوٹ اور آؤٹ ڈور میں مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ گرمی بہت لگتی ہے۔ بال اڑ رہے ہوتے ہیں۔"

★ "اس فیلڈ میں بہت آگے تک جانے کی خواہش ہے کہ نہیں بس اتنا ہی کافی ہے؟"

✻ "نہیں بس اتنا ہی کافی ہے۔ زیادہ نہیں سال میں ایک یا دو پروجیکٹ، جس کو میں آسانی کے ساتھ اور دل کے ساتھ کر سکوں۔"

★ "فیلڈ میں جگہ بنانے کے لیے خوشامد کتنی ضروری ہے؟"

✻ "میرے خیال میں بالکل بھی ضروری نہیں ہے لیکن میں نے لوگوں کو دیکھا ہے خوشامد کرتے ہوئے اور میرا تو یہ ایمان ہے کہ جو روزی آپ کی قسمت میں لکھی ہے وہ کوئی آپ سے چھین نہیں سکتا۔ اس لیے خوشامد سے کچھ نہیں ہوتا۔"

✲ ✲
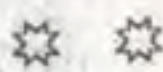
میری بھی سنیے

بابر خان

شاہین رشید

1 "پورا نام؟"

☆ "بابر زمان خان درانی۔"

2 "نک نیم۔"

☆ "بوبی۔"

3 "جنم دن/شہر؟"

☆ "22 فروری 1987ء/کراچی۔"

4 "ستارہ/قد؟"

☆ "Pisces/5فٹ 8انچ۔"

5 "تعلیمی ڈگریاں؟"

☆ "صرف ایک بی بی اے کراچی یونیورسٹی سے۔"

6 "میری فیملی؟"

☆ "والدین تین بہنیں مجھے ملا کر ہم تین بھائی اور میرا نمبر چوتھا ہے۔"

7 "شادی؟"

☆ "جی کروں گا مگر کچھ عرصے کے بعد۔"

8 "میرا پروفیشن؟"

☆ "اب تو یہی فیلڈ ہے۔"

9 "اگر میں پاور میں ہوتا تو؟"

☆ "تو پہلا کام بجلی کا نظام ٹھیک کرتا۔ بہت تنگ ہیں سب لوگ اس لوڈشیڈنگ سے۔"

10 "میں سزا دینا چاہتا ہوں؟"

☆ "غریبوں کا حق مارنے والوں کو مہنگائی کرنے والوں کو اور ذخیرہ اندوزی کرنے والوں کو۔"

11 "میرا پسندیدہ چینل؟"

☆ "میری پسند کا انداز ذرا مختلف ہے۔ دن میں میرا پسندیدہ چینل نیوز کا ہوتا ہے اور رات کو جب آرام کی نیت سے لیٹتا ہوں تو پھر اسٹار پلس یا کوئی مووی چینل دیکھتا ہوں۔"

12 "دنیا گھومنا چاہتا ہوں؟"

☆ "ایک خوب صورت لڑکی کے ساتھ۔"

13 "مجھے ہنسی آتی ہے؟"

☆ "جب لڑکیاں اپنے ہاتھوں پر مجھ سے آٹوگراف مانگتی ہیں۔"

14 "میری ایک اچھی عادت؟"

☆ "صبح جلدی اٹھ جاؤں تو فجر کی نماز بھی پڑھتا ہوں اور تلاوت بھی کرتا ہوں۔"

15 "مذہب سے میرا لگاؤ؟"

☆ "بہت زیادہ ہے۔ سارا دن کے کاموں سے فارغ ہو کر سارا دن کی قضاء نمازیں پڑھ کر سوتا ہوں۔"

16 "مجھے برے لگتے ہیں وہ لوگ؟"

☆ "جو پان چھالیہ اور سگریٹ کا استعمال کثرت سے کرتے ہیں۔"

17 "پیسہ کس شکل میں جمع کرتا ہوں؟"

☆ "کیش کی شکل میں جمع کرتا ہوں۔"

18 "میں خرچ کرتا ہوں؟"

☆ "اپنے گھر والوں پہ اور اچھا کھانے پینے پہ مجھے اچھے کھانے کھانے کا بہت شوق ہے۔"

19 "مجھے رشک آتا ہے؟"

☆ "جب میں دوسرے ملک میں وہاں کے لوگوں کا رویہ سچائی اور قوانین کو دیکھتا ہوں سوچتا ہوں کہ کتنے اچھے ہیں یہ لوگ۔"

20 "مجھے شکایت ہے؟"

☆ "ان لوگوں سے جو دوسروں کی کامیابی پر خوش ہونے کی بجائے ان کی کاٹ کرنے میں لگے رہتے ہیں۔"

21 "میرے نزدیک اچھائی کا معیار؟"

☆ "کہ آپ خود اچھے ہوں کیونکہ ہر فیلڈ میں ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ اگر آپ اچھے ہیں تو پھر

آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔"
22 "انڈین فنکار جس سے متاثر ہوں؟"
☆ "شاہ رخ خان، بہترین فنکار ہے۔"
23 "میرے لیے کہا جاتا ہے؟"
☆ "کہ تم دلیپ کمار کے ہم شکل ہو یعنی جھلک ہے تم میں جبکہ میں اس بات کو نہیں مانتا۔"
24 "مجھ میں یہ خوبی ہے کہ؟"
☆ "کہ میں اپنے آپ کو اسٹار نہیں سمجھتا۔ مجھے اپنا ماضی بھی یاد ہے۔ حال میں مگن ہوں اور اچھے فیوچر کی امید رکھتا ہوں۔"
25 "میری چھٹی حس؟"
☆ "بہت ایکٹو رہتی ہے۔ کچھ ہونا ہوتا ہے میرے ساتھ اچھا یا برا تو مجھے صبح سے ہی پتا چل جاتا ہے۔"
26 "میرا ایمان ہے کہ؟"
☆ "جو ہماری قسمت میں خدا تعالیٰ نے لکھ دیا ہوتا ہے وہ ہی ملتا ہے۔"
27 "غصے کے معاملے میں؟"
☆ "دماغ پٹھانوں والا پایا ہے اچانک ہی دماغ کا میٹر گھوم جاتا ہے ویسے بھی میں اصلی پٹھان ہوں۔"
28 "غصے میں میرا ری ایکشن؟"
☆ "کھانا پینا چھوڑ دیتا ہوں۔"
29 "مجھے شرمندگی ہوتی ہے؟"
☆ "اسکرین پہ اپنی پرفارمنس دیکھ کر کہ اف میں نے کتنی بری اداکاری کی ہے۔"
30 "کیا بننا چاہتا تھا؟"
☆ "اچھا اچھا پڑھ کر کوئی وائیٹ کالر جاب کرنا چاہتا تھا۔ مگر جب شوبز میں سیٹنگ ہو گئی تو پھر اسے ہی پروفیشن بنا لیا۔"
31 "گھر والوں کا رد عمل؟"
☆ "والد تو چاہتے تھے کہ چونکہ میں نے بی بی اے کیا ہے تو مجھے بینکنگ سائیڈ پہ جانا چاہیے جبکہ والدہ بہت خوش ہیں کہ میں اس فیلڈ میں آ گیا ہوں۔"
32 "کس ملک میں مستقل رہائش چاہتا ہوں؟"
☆ "سعودی عرب میں۔"
33 "مجھے وہ لڑکیاں بری لگتی ہیں؟"
☆ "جو کثرت سے جھوٹ بولتی ہیں اور جو اپنی مشرقی روایات کو بھول جاتی ہیں۔"
34 "آئینہ کیا بتاتا ہے؟"
☆ "کہ اللہ تعالیٰ نے دل سے بنایا ہے۔"
35 "جب بہت پیسہ کمالوں گا تب؟"
☆ "تب ساری دنیا گھوموں گا کیونکہ مجھے گھومنے اور دنیا دیکھنے کا بہت شوق ہے۔"
36 "کس شخصیت کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہوں؟"
☆ "صرف اور صرف اپنی ماں کو۔"
37 "میں بہت محتاط رہتا ہوں؟"
☆ "لڑکیوں سے دوستی کرنے میں، کیونکہ ہمارے معاشرے میں لڑکیوں سے دوستی کا غلط مطلب لے لیا جاتا ہے۔"
38 "ایک بات جو مجھے بہت بری لگتی ہے؟"
☆ "کہ جس کام کو کرنے سے میں انکار کر دیتا ہوں اس کو بار بار کرنے کو کہا جاتا ہے۔"
39 "میں حیران ہوتا ہوں؟"
☆ "کہ کسی زمانے میں رشتے دار اور اپنے بہت قریبی لوگ اپنوں کی ترقی سے خوش ہوتے تھے اور فخر سے سب کو بتایا کرتے تھے مگر اب سب میں حسد کا مادہ بھر گیا ہے۔"
40 "میں ڈرتا ہوں؟"
☆ "اپنی موت سے۔۔۔ کیونکہ پھر میری امی اکیلی ہو جائیں گی۔"
41 "کھانے کے لیے میری پسندیدہ جگہ؟"
☆ "ویسے کھانا لذیذ ہو تو ہر جگہ کھانے میں مزہ آتا ہے اور گھر پر ہوں تو پھر دل چاہتا ہے کہ چٹائی پہ بیٹھ کر کھانا کھائیں۔"
42 "کن چیزوں پہ بہت خرچ کرتا ہوں؟"
☆ "کھانے پینے پہ اور شاپنگ پہ۔"

43 "اپنی کمائی سے جو چیز خریدی؟"
☆ "وہ ایک شاندار گاڑی ہے۔ جس کے بارے میں سوچا کرتا تھا۔"
44 "میرے گھر والوں کو پسند نہیں؟"
☆ "میری لاپروائیاں۔۔۔ چیزوں کو ادھر ادھر رکھ کر چلا جاتا ہوں۔"
45 "سگنل پہ کھڑے ہو کر جائزہ لیتا ہوں؟"
☆ "نئی گاڑیوں کا اور لوگوں کا کردار ڈھونڈنے کی کوشش کرتا ہوں۔"
46 "تھکن کے باوجود کہاں جانے کے لیے تیار رہتا ہوں؟"
☆ "کہیں نہیں۔۔۔ صرف اور صرف اپنے بستر پر اور پھر 5-7 منٹ میں گہری نیند سو جاتا ہوں۔"
47 "فریش محسوس کرتا ہوں جب؟"
☆ "جب میں گھر ہوتا ہوں اور عموماً شام کا وقت مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔"
48 "آج کے دور کی بہترین ایجاد؟"
☆ "جنریٹر اور یو پی ایس۔۔۔ ہاہاہا۔۔۔"
49 "میں سیکھتا ہوں؟"
☆ "اپنی غلطیوں سے سیکھتا ہوں اور دوسروں کے تجربے سے سیکھتا ہوں۔"
50 "ایک شخصیت جس نے میری زندگی بنانے میں اہم رول ادا کیا؟"
☆ "میری پیاری امی جان۔"
51 "دروازے پہ کوئی فقیر آ جائے تو؟"
☆ "خالی ہاتھ نہیں لوٹاتا بلکہ دس پندرہ روپے دے دیتا ہوں۔"
52 "کن تقریبات میں جانا پسند نہیں؟"
☆ "انتہائی فضول قسم کی جو میری نظر میں فضول ہوں۔"
53 "میرے پسندیدہ مشروبات؟"
☆ "سیب اور انار کے جوسز۔"
54 "جادو کی چھڑی سے کیا حاصل کرنا چاہوں گا؟"
☆ "اپنے لیے شہرت اور گھر والوں کے لیے صحت و تندرستی۔"
55 "انجوائے کرتا ہوں؟"
☆ "جھوٹ بول کر، مگر پھر بتا بھی دیتا ہوں کہ بھئی میں جھوٹ بول رہا تھا۔"
56 "کھانے پر کب غصہ نکلتا ہے؟"
☆ "جب کوئی بات نہ مانے تو پھر کھانا پینا چھوڑ دیتا ہوں۔"
57 "کوئی لڑکی گھورے تو؟"
☆ "تو اچھا ہی لگے گا (قہقہہ) لڑکیوں کا گھورنا کب برا لگتا ہے۔"
58 "گھر کے کس کونے میں سکون ملتا ہے؟"
☆ "گھر تو نام ہی سکون کا ہے۔ جب گھر آتا ہوں تو بہت اچھا محسوس کرتا ہوں۔"
59 "لوگ کہتے ہیں؟"
☆ "بابر تمہاری آنکھیں بہت خوب صورت ہیں۔"
60 "لوگ جھوٹ بولتے ہیں کہ؟"
☆ "کہ ہمارے پاس فلاں کام کے لیے وقت نہیں ہے۔ وقت کی قلت کا رونا روتے ہیں جبکہ میں کہتا ہوں کہ اگر انسان چاہے تو اپنی پسند کے سب کاموں کے لیے وقت نکال سکتا ہے۔"
61 "میرا پسندیدہ تہوار؟"
☆ "رمضان المبارک اور پھر چاند رات۔"
62 "چھٹی کا دن کیسے گزارتا ہوں؟"
☆ "سارا دن گھر رہ کر اور شام کو دوستوں کے درمیان رہ کر۔"
63 "محبت کے بارے میں میرے تاثرات؟"
☆ "لوگ کہتے ہیں کہ محبت ایک بار ہوتی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ بار بار ہوتی ہے۔"
64 "ملک میں تبدیلی کس طرح آ سکتی ہے؟"
اب آئے گی جب مئی میں نئے الیکشن ہوں گے۔

☆ ☆

نبیلہ عزیز

دردِ دل

بڑی حویلی کے تمام مکین وقار آفندی سے بڑی عقیدت اور محبت رکھتے ہیں اور علیزے تو اپنے بابا کی شخصیت سے بہت ہی متاثر ہے۔

مدحیہ اور نبیل حیات دو ہی بہن بھائی ہیں، مدحیہ انتہائی بگڑی ہوئی اور خود سر لڑکی ہے، وہ انگلینڈ کی رنگینیوں میں مکمل طور پہ رنگ چکی ہے، جس کے پیش نظر فائزہ بیگم، نبیل کو پاکستان شفٹ ہونے کا مشورہ دیتی ہیں، لیکن مدحیہ پاکستان جانے سے انکار کر دیتی ہے، جس پہ نبیل اور فائزہ بیگم بے حد پریشان ہیں۔

زری کو اپنے بھائی عبداللہ کے دوست سے محبت ہے، مگر وہ کسی کو بھی اس راز میں شامل نہیں کرنا چاہتی اور یہ جذبہ اندر ہی اندر پنپ رہا ہے۔

عدیل کافی عرصہ سے نوکری کی تلاش میں ہے، مگر ہر روز مایوسی اور ناکامی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا، بے بسی اور مجبوری سے تنگ آ کر خودکشی کرنے کا سوچتا ہے، لیکن ایسے میں ایک روز اسے ڈھابے میں چائے پیتے ہوئے باؤ امتیاز مل جاتا ہے، جو اسے کام کی آفر کرتا ہے، جس پر عدیل کافی خوش ہوتا ہے، اسی خوشی میں وہ کام کی بابت پوچھنا بھول جاتا ہے۔

منصور حسین ایک غریب اور میٹرک پاس آدمی ہے، وہ مبارک خان کے توسط سے بڑی حویلی میں وقار آفندی سے نوکری مانگنے آتا ہے، وقار آفندی کوئی بھی جگہ خالی نہ ہونے کے باعث اسے دوبارہ آنے کا کہہ کر واپس بھیج دیتے ہیں اور وہ مایوسی سے واپس لوٹ جاتا ہے۔

دارا آذر شاہ کا شمار ملک کے بہترین اور منجھے ہوئے وکیلوں میں ہوتا ہے، وہ اپنے قول و فعل کا بہت پکا آدمی ہے، اس نے کبھی ہارنا نہیں سیکھا، اس کی ماں بتول شاہ کو اپنے بیٹے کی قابلیت اور ذہانت پہ بہت بھروسہ ہے اور اس کا یقین وہ دوسروں کو بھی دیتی ہیں۔

۳۱

اکتیسویں قسط

چوکیدار نے اس کی گاڑی دیکھتے ہی گیٹ پورے کا پورا وا کر دیا تھا۔ اور دل آور اپنے اندر کے غبار کو اندر ہی دباتے ہوئے ایک گہری سانس کھینچتا ہوا گاڑی اک جھٹکے سے اندر لے آیا تھا اور گاڑی باہر روش پہ پارک کرنے کے بعد گاڑی سے نیچے اتر آیا تھا اور اس کے پیچھے بتول شاہ بھی گاڑی سے اتر آئی تھیں ان دونوں کا رخ اندر کی طرف تھا لیکن نبیل انہیں ریسیو کرنے کے لیے خود باہر آچکا تھا۔

"السلام علیکم آنٹی۔۔۔! کیسی ہیں آپ؟" نبیل بے ساختہ ان کے سامنے ذرا جھک گیا تھا۔

"وعلیکم السلام بیٹا۔۔۔! بالکل ٹھیک ہوں اور بہت خوش بھی ہوں۔" بتول شاہ نے بہت فریش موڈ میں جواب دیا تھا۔

"اچھا۔۔۔! وہ کیوں بھلا؟" نبیل نے بھی کافی فریش موڈ میں استفسار کیا تھا کیونکہ وہ خود بھی بہت خوش تھا۔

"وہ اس لیے کہ تم بہت خوش ہو اور کیا ایک ماں کے لیے یہ خوشی کافی نہیں ہے کہ اس کا بیٹا بہت خوش ہے" بتول شاہ نے نبیل کے کندھے پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے پھر اس کے گال کو پیار سے تھپکا تھا۔

"صرف ایک بیٹا خوش ہے نا؟ دوسرے کو کیا ہوا ہے؟ چہرے سے تو یوں لگ رہا ہے جیسے کسی دعوت میں نہیں، بلکہ کسی وفات پہ آیا ہے۔" نبیل نے دل آور کے چہرے کی سمت اشارہ کرتے ہوئے ان سے پوچھا تھا اور بتول شاہ کا کلیجہ دہل گیا تھا۔

"ارے نہیں بیٹا۔۔۔! ایسا نہیں بولتے ہمیشہ اچھا بولنا چاہیے۔" انہوں نے نبیل کو سرزنش کی تھی۔

"اوکے۔۔۔! ایم سوری لیکن یہ تو بتا دیں کہ اسے آخر ہوا کیا ہے؟ صبح جب فون کیا تو تب بھی اس کا موڈ کچھ ایسا ہی ہو رہا تھا بس دوپہر کو جب شوروم میں دیکھا تھا تب قدرے بہتر تھا یعنی کام کے وقت موڈ آن اور آگے پیچھے آف۔۔۔" نبیل کو دل آور کے موڈ سے الجھن ہو رہی تھی۔

"تمہیں میرے موڈ کے آن اور آف ہونے سے کیا پرابلم ہے آخر۔۔۔؟ تمہارا موڈ آن ہے نا؟ بس یہی کافی ہے۔ آج کے دن آن بھی بس تمہارا ہی ہونا چاہیے ہماری خیر ہے تم اپنی فکر کرو۔"

دل آور کو اپنی ذات پہ وہ خول چڑھانا ہی پڑا تھا جو کبھی کسی کو نظر نہیں آیا تھا اور جس کو چڑھا کر وہ اپنے دل کو بھی روند جاتا تھا اور دیکھنے والوں کو خبر بھی نہیں ہوتی تھی یہاں تک کہ عبداللہ اور نبیل کو بھی نہیں۔

"یہ تو تم مجھے ٹالنے کے لیے کہہ رہے ہو نا؟ ورنہ تمہیں پتا ہے کہ ہمیں اپنی اتنی فکر نہیں ہوتی جتنی ایک دوسرے کی فکر ہوتی ہے تمہارا موڈ آن یا آف ہونے سے مجھے پرابلم نہیں ہوگی تو اور کس کو ہوگی؟ یا پھر اس بات سے بھی انکاری ہو تم؟" نبیل تو آج بغور اس کا معائنہ کرنے پہ تلا ہوا تھا اور دل آور اس کی خاطر اپنے دل پہ پاؤں رکھ کے مسکرا دیا تھا۔

"اوکے۔۔۔ اوکے۔۔۔! مان لیا کہ تمہیں پرابلم ہے لیکن تم بھی تو یہ مان لو کہ تمہارا موڈ آج واقعی آن ہے۔" دل آور نے بات کو شرارت اور خوشگواریت کا رخ دے دیا تھا۔

"اوکے۔۔۔ اوکے۔۔۔! میں نے بھی مان لیا کہ میرا موڈ آج واقعی آن ہے۔ پھر۔۔۔؟" نبیل نے بھی شرارت سے پوچھا تھا۔

"پھر تو میں تمہیں بعد میں بتاؤں گا، پہلے تم یہ بتاؤ کہ تیسرا کہاں ہے؟ اس کی گاڑی نظر نہیں آرہی۔" دل آور کا اشارہ عبداللہ کی طرف تھا جس کو نبیل نے فوراً ہی سمجھ لیا تھا۔

"بس کسی کام سے گیا ہے، ابھی تھوڑی دیر میں آجائے گا، ڈونٹ وری۔۔۔ اپنی فیملی یہیں چھوڑ گیا ہے بس تمہاری کمی تھی۔" نبیل آج حقیقتاً چہک رہا تھا اور یہ بات کسی سے بھی چھپی ہوئی نہیں تھی یہاں تک کہ مدیحہ، مومنہ بی بی اور فائزہ بیگم نے بھی محسوس کی تھی اور آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کو اشارے بھی کیے تھے جس پہ نبیل بس مسکرا کے رہ گیا تھا۔

"چلو۔۔۔! یہ کمی بھی پوری ہوگئی ہے اب اور کیا کرنا ہے۔" دل آور اس سے آگے کا پروگرام پوچھ رہا تھا۔

"اب اور کچھ نہیں کرنا بس اندر چلنا ہے۔ ہم نے خوامخواہ اپنے ساتھ ساتھ آنٹی کو بھی کھڑا کر رکھا ہے۔" نبیل نے کہتے ہوئے اندر کی سمت اشارہ کیا تھا اور ساتھ ہی قدم بھی آگے بڑھا دیے تھے۔

"اگر میرے کھڑے ہونے سے تم لوگوں کے موڈ ٹھیک ہو جائیں تو میرے لیے یہی بہت ہے۔" بتول شاہ ان دونوں کو مسکراتے ہوئے دیکھ کر قدرے ریلیکس ہوگئی تھیں اور ان کے ساتھ ہی اندر آگئی تھیں۔

مگر ڈرائنگ روم میں قدم رکھتے ہی ان تینوں کے قدم رک گئے تھے کیونکہ ان کے قدم زری کی آواز نے جکڑ لیے تھے۔

اک تازہ حکایت ہے
سن لو تو عنایت ہے
اک شخص کو دیکھا تھا
تاروں کی طرح ہم نے
اک شخص کو چاہا تھا
اپنوں کی طرح ہم نے
اک شخص کو سمجھا تھا
پھولوں کی طرح ہم نے
وہ شخص قیامت تھا
کیا اس کی کریں باتیں
دن اس کے لیے پیدا
اور اس کی ہی تھیں راتیں
کب ملتا کسی سے تھا
ہم سے ہی تھیں ملاقاتیں
رنگ اس کا شہابی تھا
زلفوں میں تھیں مہکاریں
آنکھیں تھیں کہ جادو تھا
پلکیں تھیں کہ تلواریں
دشمن بھی اگر دیکھیں
سو جان سے دل ہاریں

یونہی اپنی دھن میں نظم سناتے سناتے زری کی نظریں ڈرائنگ روم کے داخلی دروازے کی سمت اٹھی تھیں اور پھر وہیں کی وہیں ٹھہر گئی تھیں دل آور کو لگا کہ وہ اب خاموش ہو جائے گی لیکن نہیں ایسا نہیں ہوا تھا وہ نجانے کس موڈ میں تھی کہ اس نے نظم پڑھنے کا سلسلہ پھر بھی جاری ہی رکھا تھا اور غیر محسوس طریقے سے نظم کے مصرعوں کا نشانہ بھی اسے ہی بنا رکھا تھا۔

کچھ تم سے وہ ملتا تھا
باتوں میں شباہت میں

ہاں تم سا ہی لگتا تھا
شوخی میں شرارت میں
لگتا بھی تم ہی سا تھا
دستور محبت میں

پھر بولتے بولتے نجانے کیوں اس کی آواز میں لرزش آگئی تھی اور آنکھوں کی زمین نم لگنے لگی تھی اور دل آور کے دل کو کچھ ہوا تھا مگر وہ چپ نہیں ہوئی تھی۔

پتا نہیں کیوں آج اس نے نظم مکمل کرنے کا تہیہ کر رکھا تھا۔

وہ شخص ہمیں اک دن
اپنوں کی طرح بھولا
تاروں کی طرح ڈوبا
پھولوں کی طرح ٹوٹا
پھر ہاتھ نہ آیا وہ
ہم نے تو بہت ڈھونڈا
تم کس لیے چونکے ہو
کب ذکر تمہارا ہے
کب تم سے تقاضا ہے
کب تم سے شکایت ہے
اک تازہ حکایت ہے
سن لو تو عنایت ہے
سن لو تو عنایت ہے

زری کی یہ نظم دل آور کے لیے ایک تازہ حکایت نہیں تھی بلکہ "اک تازہ شکایت" تھی اور کسی کی تازہ شکایت سن کر بے چین ہوتے ہوئے بھی اپنے آپ کو بے چین ظاہر نہ ہونے دینا بھی صرف دل آور شاہ کا ہی کمال تھا۔

"واؤ زری۔۔۔! تم نے تو کمال کر دیا ہے۔ بہت ہی خوب صورت نظم ہے۔ ویری ویری نائس۔۔۔!" مدحیہ نے کافی بھرپور انداز میں سراہا تھا اور زری جھینپ کر جھکا گئی تھی۔

"ماشاءاللہ۔۔۔! ماشاءاللہ۔۔۔! بہت ہی عمدہ ذوق ہے میری بیٹی کا۔ بہت اچھا لگا سن کے۔۔۔ ویلڈن۔۔۔"

نبیل اور دل آور کے ساتھ اندر داخل ہوتی بتول شاہ نے بھی کافی کھلے دل سے تعریف کی تھی اور زری اپنے لہجے کی لرزش اور آنکھوں کی نمی چھپاتے ہوئے ان سے ملنے کے لیے ان کے احترام میں اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"تھینک یو آنٹی۔" اس نے ان کے گلے ملتے ہوئے ان کی تعریف پہ شکریہ ادا کیا تھا۔

"نگارش سے سنا تو تھا کہ تمہیں شاعری سے لگاؤ ہے، مگر اس لگاؤ کے ساتھ ساتھ اتنی گہرائی اور اتنا اثر بھی ہے یہ مجھے اندازہ نہیں تھا، مگر آج ہو گیا ہے۔" بتول شاہ مسکراتے ہوئے بتا رہی تھیں اور ان کی بات پہ تقریباً" سبھی مسکرا دیے تھے خصوصاً" نبیل تو کچھ زیادہ ہی مسکرا رہا تھا۔

"اس کا ذوق تو شروع سے ہی عمدہ رہا ہے ہمیشہ ہر معاملے میں۔" فائزہ بیگم نے بھی بتول شاہ سے ملتے ہوئے زری کی ہی تعریف کی تھی، پھر وہ نگارش، مدحیہ اور مومنہ بی بی سے ملی تھیں اور مومنہ بی بی سے مل کر اسے پہچاننے کی کوشش کی تھی انہیں سمجھ نہیں آرہا تھا کہ انہوں نے اس لڑکی کو پہلے کہاں دیکھا ہے؟

"یہ مومنہ بی بی ہیں۔ ہمارے اسلام آباد والے گھر میں آئی تھیں آپ کو یاد ہوگا۔" دل آور ان کی نظروں کی الجھن بھانپ گیا تھا اسی لیے ان کی مشکل آسان کردی تھی کہ کہیں وہ اس الجھن میں نہ الجھتی رہیں اور اس کے یاد دلانے پہ انہیں بھی فوراً" ہی سب کچھ یاد آگیا تھا۔

"اوہ۔۔۔ اچھا اچھا۔۔۔! یہ مومنہ بی بی ہے اتنے عرصے بعد دیکھا ہے ہمیں اسی لیے پہچان نہیں سکی شاید۔۔۔" انہوں نے اثبات میں سرہلاتے ہوئے کہا تھا اور پھر فائزہ بیگم کے ساتھ ہی صوفے پہ بیٹھ گئی تھیں۔

"السلام علیکم۔۔۔! میں لیٹ تو نہیں ہو گیا؟" عبداللہ نے کافی عجلت میں اندر داخل ہوتے ہوئے سلام کیا تھا کیونکہ وہ باہر ڈرائیو وے پہ دل آور کی گاڑی دیکھ آیا تھا اس لیے اسے نہیں پتا تھا کہ دل آور ابھی ابھی آیا ہے یا پھر کافی دیر سے آیا ہوا ہے؟ تبھی اسے اپنے لیٹ ہو جانے کی فکر ہوئی تھی۔

"تم لیٹ ہوئے ہو یا نہیں یہ تو ہمیں نہیں پتا مگر اتنا اندازہ ضرور ہو گیا ہے کہ تمہارے آجانے سے بھابھی کے چہرے پہ بہار آگئی ہے۔۔۔ رنگ آگئے ہیں۔۔۔ رونق آگئی ہے۔۔۔ یقین نہیں آتا تو آنکھ بھر کے دیکھ لو۔"

دل آور نے اپنے موڈ میں چینج لانے کے لیے توپوں کا رخ عبداللہ اور نگارش کی سمت موڑ دیا تھا، شاید اس لیے کہ وہ زری کی نظم کا اثر زائل کرنا چاہتا تھا البتہ یہ اور بات تھی کہ سبھی نے اس کی بات پہ خوب انجوائے کیا تھا اور سب کا دھیان بھی عبداللہ اور نگارش کی طرف ہی ہو گیا تھا اور نگارش جھینپ گئی تھی۔

"چلو۔۔۔! کوئی تو ہے نا جس کے چہرے پہ ہمارے آجانے سے بہار آجاتی ہے، رنگ آجاتے ہیں، رونق آجاتی ہے، تم لوگوں کی طرح چھڑا چھانٹ تو نہیں ہوں نا کہ جن کے آنے اور جانے سے کسی کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

عبداللہ بڑے اطمینان سے ان کو جلانے والے انداز میں کہتا بتول شاہ سے مل کر نگارش کے برابر جا بیٹھا تھا اور اس کے اس طرح بیٹھنے پہ مدحیہ، زری، بتول شاہ اور فائزہ بیگم بھی ہنس پڑی تھیں کیونکہ اس کا انداز ہی کچھ ایسا تھا کہ سب کو ہنسی آئی تھی جبکہ نگارش شرم سے سمٹ کے رہ گئی تھی۔

"پڑے گا فرق۔۔۔ ضرور پڑے گا۔ ہمارے آنے اور جانے سے بھی فرق پڑے گا۔ بس تم چار دن صبر تو کرو کہ آگے ہوتا کیا ہے۔" دل آور کے جواب پہ نبیل بے ساختہ مسکرایا تھا اور زری نے بے ساختہ اس کے چہرے کی سمت دیکھا تھا جس پہ لاپروائی اور شرارت کے آثار نظر آرہے تھے۔

"یعنی کہ ارادہ ہے۔۔۔ فرق لانے کا۔" عبداللہ نے بھی جواباً" ذو معنی لہجے میں پوچھا تھا۔

"کیا ابھی بھی چاہتے ہو کہ ارادہ نہ بنے؟" دل آور بھی لطف اندوز ہونے والے موڈ میں تھا۔

"ارے۔۔۔! نہیں نہیں۔۔۔ میں کیوں نہیں چاہوں گا بھلا؟ بناؤ، بناؤ، ضرور بناؤ اس میں میرا ہی فائدہ ہے آخر بھابھیاں بھی ملیں گی اور بھتیجے، بھتیجیاں بھی، واہ کیا کمال کا سین ہوگا وہ بھی ہر طرف رونق ہی رونق ہوگی۔"

عبداللہ نے بڑی فراخدلی کا ثبوت دیتے ہوئے بڑے شاہانہ انداز میں انہیں اجازت دی تھی اور اس کی اس اجازت پہ سب قہقہہ لگا کر ہنس پڑے تھے۔

"ہوں۔۔۔! واقعی عبداللہ بھائی صحیح کہہ رہے ہیں۔ آپ کو یہ ارادہ ضرور بنانا چاہیے۔ مجھے بھی بھابھیوں کی کمی محسوس ہوتی ہے۔ ابھی تو صرف ایک بھابھی ہے دو اور آجائیں گی تو رونق ہو جائے گی اور پھر اتنی بوریت بھی نہیں ہوگی۔ نہ ہمیں اور نہ آپ کو۔۔۔ کیوں مما۔۔۔! کیا خیال ہے آپ کا؟"

مدحیہ نے کہتے کہتے بتول شاہ سے بھی مشورہ مانگ لیا تھا اور وہ بھلا اس نیک کام میں کون سا پیچھے تھیں انہوں نے بھی فوراً" ہاں میں ہاں ملائی تھی۔

"ارے ہاں بھئی۔۔۔! میرا خیال تم لوگوں سے مختلف کیسے ہو سکتا ہے بھلا۔۔۔؟ میں بھی خیر سے یہی چاہتی ہوں کہ

یہ دونوں جلد از جلد اپنی اپنی بیویاں لے آئیں آخر کچھ ہمیں بھی تو مصروفیت ملے۔" بتول شاہ بھی اس کام میں راضی تھیں اور نبیل اور دل آور دونوں ایک دوسرے کو آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارہ کرکے رہ گئے تھے۔

"بیگم صاحب...! کھانا تیار ہے نیبل پر لگا دیا ہے۔" اس سے پہلے کہ وہ دونوں کچھ کہتے مومنہ بی بی ان سب کو بلانے کے لیے آگئی تھی۔

"چلو جی...! اب بقیہ کانفرنس کھانے کی میز پہ..." عبداللہ کو بہت بھوک لگی ہوئی تھی اس لیے کسی کا بھی انتظار کیے بغیر فوراً" اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"کانفرنس یا کبڈی...؟" دل آور اور نبیل بھی اٹھ کھڑے ہوئے تھے اور عبداللہ کو جان بوجھ کر چھیڑا تھا۔

"کبڈی..." عبداللہ کو کچھ سمجھ نہیں آیا تھا اور وہ دونوں ایک دوسرے کے ہاتھ پہ ہاتھ مارتے ہوئے قہقہہ لگا کر ہنس پڑے تھے۔

"ارے بھئی...! کھانے کی میز پہ کانفرنس نہیں ہوتی بلکہ کبڈی ہوتی ہے اور ہر طرف کبڈی کبڈی کی ہی آواز سنائی دیتی ہے۔ اس لیے تمہیں اٹھتے دیکھ کر ہی احساس ہو رہا ہے کہ تم بھی کھانے کے ساتھ کبڈی کبڈی ہی کرنے جا رہے ہو۔ عزائم خاصے خطرناک لگ رہے ہیں۔" دل آور کے نشانے پہ آج شاید صرف عبداللہ ہی تھا لیکن عبداللہ کو بھلا کیا پروا تھی وہ چاہے کچھ بھی کہتا رہتا۔

"جناب دل آور شاہ صاحب...! بیک گراؤنڈ کے لحاظ سے دیکھو گے تو پنجاب کا باسی اور ذات کا جٹ ہوتا ہوں۔ کھانے کے ساتھ کبڈی تو کروں گا ہی۔ اب میں نبیل حیات تو ہوں نہیں کہ کھانا بھی کھاؤں تو بڑے طور طریقے اور سلیقے کے ساتھ..." عبداللہ نے اپنے ساتھ ساتھ نبیل کو بھی گھسیٹ لیا تھا۔

"اف...! جہاں یہ تینوں موجود ہوتے ہیں وہاں کسی چوتھے کی کیا گنجائش... یہ بھی نہیں دیکھتے کہ کوئی اور بھی پاس ہے یا نہیں؟" فائزہ بیگم خفگی سے اپنے کانوں کو ہاتھ لگاتی ہوئی بتول شاہ کے ساتھ اٹھ کر ڈائننگ روم کی طرف بڑھ گئی تھیں اور وہ سب بھی اٹھ کر ہنستے ہوئے ان کے پیچھے ہی آگئے تھے۔

لیکن جب کرسی پہ بیٹھنے کی باری آئی تھی تو دل آور کے قدم ٹھٹک گئے تھے کیونکہ وہ واش بیسن پہ ہاتھ دھونے کے بعد سب سے آخر میں نبیل کی طرف آیا تھا اور تب تک سب اپنی اپنی کرسیوں پہ بیٹھ چکے تھے لیکن عبداللہ اور نبیل کے ساتھ والی کرسی خالی تھی اور اسی کرسی کے عین سامنے والی کرسی زری کی تھی۔

گویا وہ بیٹھتا تو وہ دونوں آمنے سامنے آجاتے کیونکہ عبداللہ کے مقابل والی کرسی پہ نگارش تھی اور نبیل کے مقابل والی کرسی پہ مدحیہ بیٹھی ہوئی تھی اس طرح دل آور کے مقابل والی کرسی پہ رزی نظر آرہی تھی اور مشکل یہ تھی کہ وہ جگہ چینج بھی نہیں کر سکتا تھا اور یوں کھڑا بھی نہیں رہ سکتا تھا۔

"ارے...! کیا بات ہے؟ اس طرح کھڑے کیا دیکھ رہے ہو؟" نبیل نے گردن موڑ کر دل آور کی سمت دیکھا تھا۔

"بس...! دیکھ رہا ہوں کہ آج تم دونوں نے مجھے سائیڈ پہ کیوں کر دیا ہے؟ حالانکہ تم لوگوں کو پتا ہے کہ مجھے تم دونوں کے درمیان والی جگہ پسند ہوتی ہے۔" دل آور کا ذہن اپنے مطلب کا نقطہ نکال ہی لایا تھا لیکن زری اس کے اس نقطے پہ چونک گئی تھی۔ یعنی وہ اس کے سامنے نہیں بیٹھنا چاہتا تھا۔

"لو جی...! اس میں بھلا کیا مسئلہ ہے؟ یہ لو... ہو گئی تمہاری پسند کی جگہ خالی۔" نبیل لاپرواہی سے کہتے ہوئے اپنی کرسی سے اٹھ کر زری کے سامنے والی کرسی پہ بیٹھ گیا تھا اور دل آور نے مدحیہ کے سامنے والی کرسی سنبھال لی تھی۔

"تھینک یو...!" اس نے آہستگی سے نبیل کا شکریہ ادا کیا تھا۔

"حالانکہ تھینکس تو مجھے تمہارا کہنا چاہیے۔" نبیل نے سرگوشی کے سے انداز میں کہا تھا جسے صرف دل آور ہی سن سکا تھا اور اس کی بات کا مطلب بھی سمجھ گیا تھا کہ اس کا اشارہ زری کی طرف ہے۔

جبکہ دوسری طرف زری کا تن من دھواں دھواں ہو گیا تھا۔ اسے دل آور شاہ کا اتنا گریز اور اس طرح کا بے مہر رویہ اندر ہی اندر کاٹ رہا تھا۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے دل آور کا یہ انداز اسے دیمک کی طرح چاٹ جائے گا اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے کھوکھلی ہو جائے گی۔ اس کے دل کے گوشے وقفے وقفے سے بھیگنے لگے تھے رم جھم باہر نہیں لیکن اندر چھڑ گئی تھی اور وہ بڑی مشکل سے کھانے کا نوالہ حلق سے نیچے اتارنے میں کامیاب ہوئی تھی۔ ورنہ اسے تو یوں لگ رہا تھا کہ جیسے اس کا حلق بھی بند ہو گیا ہو۔

اور ادھر نبیل سمجھ رہا تھا کہ وہ شرم کی وجہ سے سر جھکائے بیٹھی ہے اور اس سے ٹھیک طرح سے کھانا بھی نہیں کھایا جا رہا۔ لیکن اصل مسئلہ کیا ہے...؟ وہ ہمیشہ کی طرح آج بھی انجان تھا۔

✲ ✲ ✲
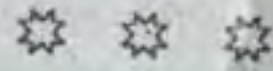
اپنے گھر کے دروازے کے باہر گلی میں بائیک رکنے کی آواز پہ مغرب کی نماز کے بعد دعا مانگتی مریم نجانے کیوں بری طرح چونک گئی تھی اور اس کا دل بھی کسی انجانے خیال سے بے قابو ہو کر دھڑک اٹھا تھا اور وہ جلدی جلدی چہرے پہ ہاتھ پھیر کر جائے نماز سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی لیکن ابھی وہ جائے نماز تہ کر ہی رہی تھی کہ اتنے میں دروازے پہ زور سے دستک ہوئی تھی اور مریم کا دل اچھل کر حلق میں آگیا تھا اور ٹانگیں کانپنے لگی تھیں۔

اس کا خیال اور وہم ووسوسے جودت آفندی کی سمت ہی گھوم رہے تھے۔ اسے ہر آہٹ پہ اس کا ہی خدشہ ستا رہا تھا اور دل کو طرح طرح کے خوف جکڑے جا رہے تھے کیونکہ دل آور شاہ کے ایکشن کے بعد وہ کوئی بھی کسی بھی قسم کا ری ایکشن دے سکتا تھا اور مریم کو اس کی کمینگی پہ پورا یقین تھا کہ وہ بدلے کے طور پہ کچھ الٹا سیدھا ضرور کرے گا مگر اتنی جلدی...؟ یہ اسے امید نہیں تھی۔

"کون ہے؟" دروازے پہ دوبارہ دستک ہوئی تو عابدہ خاتون کچن سے نکل آئی تھیں۔

"امی...! دروازہ کھولیں... میں ہوں عدیل۔" باہر سے عدیل کی آواز سنائی دی تھی اور مریم کو یوں لگا جیسے کسی نے اس کا مٹھی میں جکڑا ہوا دل ایکدم سے آزاد چھوڑ دیا ہو اور اسے ایک گہری اور سکھ کی سانس ملی ہو۔ اور وہ اپنے دل پہ ہاتھ رکھتے ہوئے شانت سی ہو گئی تھی۔

"عدیل...!" اتنے میں عابدہ خاتون نے حیران ہوتے ہوئے دروازہ کھول دیا تھا کیونکہ عدیل نے کبھی بھی اس طرح زوردار دستک نہیں دی تھی۔

"جی...! میں ہی ہوں... آپ کو یقین کیوں نہیں آرہا؟" عدیل کے دونوں ہاتھ چیزوں سے لدے پھندے تھے اور وہ ہنستا ہوا ان کی حیرانی کو انجوائے کرتا ہوا اندر آگیا تھا۔

"تم نے پہلے کبھی اس طرح دستک جو نہیں دی۔" انہوں نے اپنی حیرانی کی وجہ بتائی تھی۔

"اوہ...! تو آپ اس لیے حیران ہو رہی ہیں؟ وہ دراصل میرے دونوں ہاتھوں میں شاپرز تھے بڑی مشکل سے دستک دے پایا ہوں اس لیے میری دستک روٹین سے ہٹ گئی تھی۔"

عدیل نے کہتے ہوئے آگے بڑھ کے دونوں ہاتھوں میں پکڑے ہوئے شاپرز صحن میں رکھی چارپائی پہ ڈال دیے تھے۔

"ارے واؤ...! اتنی ساری چیزیں۔" ایمان کمرے سے نکلتے ہی چہک اٹھی تھی۔

"ہوں...! اور یہ سب تم لوگوں کے لیے ہیں۔" عدیل نے اس کا گال تھپکا تھا۔

"تھینک یو بھائی۔۔۔! آپ کتنا خیال رکھتے ہیں سب کا۔" ایمان اس کی مشکور ہوئی تھی۔
"پاگل۔۔۔! یہ سب تم لوگوں کی دعائیں ہیں اور کچھ نہیں اور ویسے بھی تم سب کا خیال میں نہیں رکھوں گا تو اور کون رکھے گا۔" عدیل نے ایمان کے سر کو ہلاتے ہوئے مریم کی طرف دیکھا تھا جو برآمدے میں ہنوز ایک ہی پوزیشن میں کھڑی تھی۔
"ارے۔۔۔! تم اس طرح چپ کیوں کھڑی ہو؟ کیا ہو گیا ہے بھئی۔۔۔؟ ادھر آؤ میرے پاس۔۔۔"
عدیل کو مریم کے اس طرح چپ کھڑے رہنے پہ حیرت ہوئی تھی اور اسی حیرت کے مارے اسے اپنے قریب بلا لیا تھا اور مریم اپنے وہم اور خدشوں سے چونک کر اپنے دل میں چھپے خوف کو ذرا دیر کے لیے پرے جھٹکتی ہوئی جائے نماز برآمدے کی شیلف پہ رکھ کے عدیل کی سمت آ گئی تھی۔
"جی۔۔۔" وہ آ کر عدیل کے پاس کھڑی ہو گئی تھی۔
"لگتا ہے تم میری دستک پہ اور اتنی ساری چیزوں پہ حیران نہیں ہوئیں۔ اس لیے اب میرا خیال ہے کہ تمہیں بھی حیران کر ہی دوں تو بہتر ہے۔" عدیل کو سب سے زیادہ مریم کے تاثرات اور اس کی خوشی دیکھنے کی بے چینی ہو رہی تھی۔
"آپ حیران کرنا چاہتے ہیں۔۔۔؟ وہ کیسے۔۔۔؟" مریم نے اس کی بات میں دلچسپی لینے کی کوشش کی تھی۔
"وہ کیسے۔۔۔؟ ابھی بتاتا ہوں۔" وہ مریم کے کندھے کے گرد بازو لپیٹتے ہوئے اسے دروازے کے عین سامنے لے آیا تھا عابدہ خاتون اور ایمان بھی ناسمجھی سے دیکھ رہی تھیں کہ وہ آخر کر کیا رہا ہے؟ کام سے آتے ہی عجیب عجیب حرکتیں کرنے لگا ہے حیرت ہے۔ پہلے تو ایسا کبھی نہیں کیا اس نے۔۔۔
وہ اس کو کھڑا کر کے خود باہر نکل گیا تھا اور دو منٹ بعد وہ بڑی احتیاط سے دروازے کے باہر بنے سیڑھی نما چبوترے سے کھڑے پرے بائیک کو دھکیلتا ہوا اندر آ گیا تھا اور وہ سب حیران کی حیران رہ گئی تھیں۔
"ارے۔۔۔! بائیک۔۔۔؟ یہ کس کی ہے۔۔۔؟" اب کی بار مریم کو بھی شدید حیرت ہوئی تھی۔
"میری۔۔۔!" عدیل نے بائیک لا کر صحن کے بیچوں بیچ کھڑی کر دی تھی۔
"سچ بھائی۔۔۔؟" ایمان یکدم چہکتے ہوئے اچھل پڑی تھی اور مریم کا بھی کچھ ایسا ہی حال تھا وہ عدیل کو حیران اور سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔
"ہاں سچ۔۔۔! یہ میرے باس نے مجھے دی ہے اور یہ بائیک اب ہمیشہ میرے پاس ہی رہے گی' میری جاب بھی اسٹارٹ ہو گئی ہے آج۔۔۔ اور یہ بائیک بھی اسی جاب کا حصہ ہے۔"
عدیل آج حقیقتاً بہت خوش لگ رہا تھا اور اس نے ان سب کو بھی خوش کرنے کی پوری پوری کوشش کی تھی۔
"کیا واقعی آپ صحیح کہہ رہے ہیں۔۔۔؟" مریم کو جیسے ابھی بھی یقین نہیں آ رہا تھا۔
"ارے میری جان۔۔۔! مجھے تم لوگوں سے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے بھلا۔۔۔ مجھے دل آور شاہ کے شوروم میں مینیجر کی جاب مل گئی ہے اور انہوں نے جاب کے ساتھ ساتھ جو ضروری سہولیات تھیں وہ بھی مہیا کی ہیں۔۔۔ یہ دیکھو۔۔۔" عدیل نے جیب سے چمکتا ہوا موبائل نکال کر ان کے سامنے کر دیا تھا اور مریم دل آور شاہ کے نام پہ ٹھہر سی گئی تھی اس کا خیال پھر سے دن والے واقعے کی طرف چلا گیا تھا اور اسے اندر سے بے چینی ہوئی تھی کہ کہیں دل آور شاہ نے عدیل کو کچھ بتا نہ دیا ہو۔۔۔؟ لیکن پھر دوسرے ہی سیکنڈ اسے یہ سوچ کر اپنے آپ کو ڈھارس دینی پڑی تھی کہ اگر عدیل کو کچھ پتا ہوتا تو وہ اس وقت اتنا خوش نہیں ہو سکتا تھا اور اس وقت اس کے لیے یہی تسلی کافی تھی لہٰذا سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اسے بھی عدیل کی خوشی اور کامیابی پہ خوش ہونا پڑا تھا اور اس نے عدیل کے ہاتھ

سے موبائل تھام لیا تھا جسے وہ بڑے اشتیاق سے دیکھنے لگی تھی اور عابدہ خاتون دل آور شاہ کو دعائیں دیتی ہوئی فاروق نیازی کو بتانے چل دی تھیں۔۔۔!

☼ ☼ ☼

"میرا خیال ہے کہ ہمیں اب چلنا چاہیے۔" ڈنر کے ایک گھنٹے بعد عبداللہ نے وال کلاک سے ٹائم دیکھتے ہوئے نبیل سے اجازت چاہی تھی۔

"اتنی جلدی۔۔۔؟" نبیل نے بھی بے ساختہ کلاک کی سمت ہی دیکھا تھا۔

"یار۔۔۔! ساڑھے گیارہ ہو رہے ہیں۔ یہاں سے نکلنے اور گھر پہنچنے تک ساڑھے بارہ' پونے ایک بجے کا ٹائم ہو جائے گا اور ویسے بھی تمہیں پتا ہے کہ گھر صرف ملازموں کے رحم و کرم پہ ہے' حالات اتنے خراب ہیں کہ کسی پر بھی بھروسہ کرنا فضول ہے' اس لیے تم لوگ ابھی بیٹھو۔۔۔ انجوائے کرو۔۔۔ بس ہم چلتے ہیں۔۔۔" عبداللہ کہتے ہوئے صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"ارے بیٹا۔۔۔! تھوڑی دیر اور بیٹھتے نا۔۔۔؟ پھر دوبارہ کب فرصت ملتی ہے بھلا۔ ابھی تو ہم نے کھل کے باتیں ہی نہیں کیں۔" بتول شاہ نے عبداللہ کو روکنے کی کوشش کی تھی۔

"واقعی آنٹی۔۔۔! یہ تو آپ صحیح کہہ رہی ہیں۔ ہم نے ابھی تک ٹھیک طرح سے فرصت سے بیٹھ کر باتیں ہی نہیں کیں لیکن خیر کوئی بات نہیں۔۔۔ ان شاءاللہ زندگی رہی تو ضرور بیٹھیں گے اور باتیں بھی کریں گے۔ ابھی رات بھی کافی ہو رہی ہے' گھر جانے میں ٹائم لگے گا میرے ساتھ یہ دونوں نہ ہوتیں تو شاید میں بھی آپ لوگوں کے ساتھ بیٹھ ہی جاتا' مگر اب ان کو بھی تو لے کر جانا ہے' ویسے بھی مجھے لگ رہا ہے کہ زری کو نیند آ رہی ہے' کھانا کھانے کے بعد سست ہو گئی ہے۔"

عبداللہ نے زری کے بجھے بجھے چہرے کی سمت دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا تھا جس پہ باقی سب نے بھی بے ساختہ زری کی سمت دیکھا تھا مگر دل آور نے اپنی نظروں کو اس بے ساختگی سے بھی روک لیا تھا۔ اس نے باقی سب کی طرح زری کی طرف دیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

"نہیں۔۔۔! ایسی بات نہیں ہے۔ مجھے نیند نہیں آ رہی۔۔۔ بس سر درد کر رہا ہے۔ اس لیے آرام کرنا چاہتی ہوں۔" زری نے اپنی سستی کی وجہ بتائی تھی اور اس بتانے میں بھی اس کا لہجہ کافی سست سا تھا۔

"چلو پھر ٹھیک ہے۔۔۔! تم لوگ جاؤ اور آرام کرو۔۔۔ ان شاءاللہ پھر بات ہو گی۔ تم سے تو باتیں بھی بہت سی کرنی ہیں۔" بتول شاہ نے پھر دوبارہ انہیں روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

اور وہ تینوں ان سب سے ملنے کے بعد باہر آ گئے تھے۔ نبیل اور فائزہ بیگم انہیں گاڑی تک چھوڑنے کے لیے آئے تھے اور پھر ان لوگوں کے جانے کے بعد فائزہ بیگم' بتول شاہ' مدیحہ اور مومنہ بی بی چاروں ڈرائنگ روم میں بیٹھ گئی تھیں جبکہ نبیل دل آور کو ساتھ لیے باہر لان میں نکل آیا تھا۔

"آج موسم واقعی بہت اچھا ہو رہا ہے۔" نبیل نے آسمان پہ ٹمٹماتے ستاروں کو دیکھتے ہوئے بڑے موڈ بڑی ترنگ میں کہا تھا۔

"ہوں۔۔۔! شاید۔۔۔" دل آور کا لہجہ دھیما تھا۔

"شاید نہیں یار۔۔۔! سچ مچ موسم بہت خوب صورت ہو رہا ہے' اتنا خوب صورت کہ کسی حسینہ کے سامنے اپنے دل کے سارے جذبات کھول کے رکھ دینے کو جی چاہ رہا ہے۔ مگر افسوس کہ حسینہ گھر چلی گئی ہے۔" نبیل آج اپنے سارے راز کہہ دینے اور سارے اظہار کر دینے کے لیے بے قرار ہو رہا تھا۔

"کیا مطلب۔۔۔؟ گھر چلی گئی ہے؟" دل آور نے انجان بننے کے لیے تھوڑی سی کوشش کی تھی۔

"دل آور۔۔۔!" نبیل نے بڑے دل سے اسے مخاطب کیا تھا۔

"ہوں۔۔۔" وہ بمشکل بول پایا تھا۔

"تمہارے خیال میں زری کیسی لڑکی ہے۔" نبیل کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ سوال کیا کرے۔

"کیا مطلب۔۔۔؟ کیسی لڑکی ہے؟ یہ کیسا سوال ہے آخر۔۔۔؟" دل آور نے خفگی سے پوچھا تھا۔

"یار۔۔۔! میرا مطلب ہے کہ میرے لیے کیسی رہے گی؟ میرے ساتھ۔۔۔ میری لائف پارٹنر بن کر۔۔۔؟"

نبیل کے حواس عجیب بہکے بہکے سے محسوس ہو رہے تھے اور دل آور کو اپنے جیتے جاگتے دل کو کسی سرد خانے میں رکھنا پڑا تھا تاکہ وہ کسی بھی احساس اور جذبات سے عاری ہو جائے اور اسے کچھ بھی محسوس نہ ہو۔

"ہوں۔۔۔! اچھی ہے اور تمہاری لائف پارٹنر بن کر تو اور بھی اچھی رہے گی۔"

نبیل اس کا دوست تھا' اس کا یار تھا اور یار کے لیے کچھ تو کہنا ہی تھا چاہے اس کہنے کہنے میں ہی خود پہ قیامت گزر گئی۔

"دل آور۔۔۔! میں۔۔۔ میں۔۔۔ اس سے بہت محبت کرتا ہوں یار۔۔۔ بہت زیادہ۔۔۔ اب تو مجھے لگتا ہے کہ میری محبت پہ خاموش عشق وارد ہو گیا ہے۔ اسے بس ایک نظر دیکھ لوں اور مہینوں خوش رہتا ہوں لیکن نجانے کیا وجہ ہے کہ کبھی کسی کو بتانے کا اور اس کے سامنے اظہار کرنے کا حوصلہ ہی نہیں ہوا مجھے۔۔۔؟ بس اتنے سالوں سے اپنی خاموشی سے اور اتنے دل سے اسے اور صرف اسے چاہے جا رہا ہوں۔"

نبیل بہت ٹھنڈا اور پر سکون بندہ تھا۔ لیکن آج اس کا اظہار اس کا انداز اور اس کے الفاظ بتا رہے تھے کہ اس کے اندر کتنی شدت اور کتنی ہلچل ہے۔ دل آور گردن موڑ کر اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔

"لیکن دل آور۔۔۔! اب اسے چاہنے کے ساتھ ساتھ دل چاہتا ہے کہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنی زندگی میں لے آؤں اور اپنی بے رنگ زندگی کو اس موسم کی طرح خوب صورت بنا دوں۔ مگر میں یہ بھی جانتا ہوں کہ جب تک تم میرا ساتھ نہیں دو گے تب تک میری زندگی' زندگی نہیں بنے گی۔ اس کا ہاتھ عبداللہ سے صرف تم مانگ سکتے ہو ورنہ مجھ میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ میں خود ایسا کچھ سوچوں یا پھر اپنے گھر والوں سے کچھ کہوں۔ یہ بات صرف تم کر سکتے ہو کیونکہ عبداللہ وغیرہ فیملی سے باہر شادی نہیں کرتے اور اس بات سے مجھے ڈر لگتا ہے۔"

نبیل نے بالآخر اپنا مدعا بیان کر ہی دیا تھا اور دل آور اس کا یہ مدعا تو بیان کرنے سے پہلے ہی اچھی طرح جانتا تھا' اسی لیے تو اس نے اپنے دل کو کسی سرد خانے میں ڈال دیا تھا تاکہ نبیل کے دل پہ کچھ نہ گزرے۔

"نہیں۔۔۔! ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ عبداللہ تمہارے لیے کبھی انکار نہیں کرے گا مجھے یقین ہے۔" دل آور نے نبیل کے کندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے اس کا کندھا دبایا تھا۔

"عبداللہ انکار نہ کرے مگر زری۔۔۔ وہ۔۔۔ وہ تو انکار کر سکتی ہے نا۔۔۔؟ اب اس کے دل میں کیا ہے یہ تو اللہ ہی بہتر جان سکتا ہے۔" نبیل کو اب زری کے دل کی بھی فکر ہو رہی تھی۔

"ہاں۔۔۔! دلوں کے حال تو صرف اللہ ہی بہتر جان سکتا ہے لیکن پھر بھی اللہ سے بہتری کی ہی امید رکھنی چاہیے۔ ان شاءاللہ جو بھی ہو گا بہتر ہی ہو گا۔" دل آور نے اسے مایوس کرنے کی بجائے تسلی دی تھی اور دل آور کے ایسے ہی حوصلے اور تسلیوں کی خاطر ہی تو اس نے یہ کام اسے سونپا تھا۔

"تو پھر تم عبداللہ سے مانگو گے نا زری کا ہاتھ۔۔۔؟" نبیل یہ بھی تسلی کرنا چاہتا تھا۔

"ہوں۔۔۔! مانگوں گا۔۔۔ ضرور مانگوں گا۔۔۔ تمہاری خاطر تو بھیک بھی مانگ سکتا ہوں۔۔۔ یہ تو پھر بھی زری کا ہاتھ ہے۔" دل آور نے بڑے حوصلے اور بڑے ضبط سے کہتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"تھینک یو دل آور۔۔۔! تھینک یو ویری مچ۔۔۔ مجھے پتا تھا کہ جب تمہیں پتا چلے گا تو تم میرا ساتھ ضرور دو گے۔" نبیل کہتے ہوئے دل آور کے گلے لگ گیا تھا اور خوشی کے مارے اس کی پشت تھپکی تھی۔

"تمہارا ساتھ نہیں دوں گا تو اور کس کا دوں گا۔۔۔؟ دن میں بتایا تو تھا کہ تم نبیل حیات نہ ہوتے تو ضرور میری محبوبہ ہوتے۔۔۔" دل آور نے اپنے لہجے اور انداز کو خوش گوار رکھنے کی کوشش کی تھی۔

"بہت شکریہ جناب۔۔۔ بہت بہت شکریہ۔۔۔ یہ بھی اعزاز کی بات ہے میرے لیے۔" نبیل مسکراتے ہوئے اس سے الگ ہوا تھا۔

"ارے واہ۔۔۔! یہاں تو کچھ اور ہی سین چل رہا ہے؟ خیر تو ہے نا؟"

مدحیہ نے باہر نکلتے ہوئے ان کا گلے ملنے کا منظر دیکھ لیا تھا اور اسے واقعی دلچسپ حیرت ہوئی تھی۔

"ہاں جی۔۔۔! خیر ہی ہے بس تمہاری فرمائش پہ تمہاری بھابھی لانے کا سوچ رہے ہیں۔" نبیل نے مدحیہ کے سر پر چپت لگاتے ہوئے کہا تھا۔

"صرف ایک بھابھی۔۔۔؟ میں نے تو دو کے لیے کہا تھا۔" مدحیہ خفا ہوئی تھی۔

"دو بھی ہو جائیں گی ابھی تم شروعات تو ہونے دو۔" نبیل مسکرا رہا تھا۔

"اوکے۔۔۔! کریں شروعات۔ اندھے کو کیا چاہیے دو آنکھیں اور مجھے کیا چاہیے۔ دو بھابھیاں۔۔۔" مدحیہ نے کندھے اچکائے تھے اور اتنے میں فائزہ بیگم اور بتول شاہ بھی باہر آ گئی تھیں اب بتول شاہ کا ارادہ بھی گھر چلنے کا تھا۔

لیکن جب سب کو اللہ حافظ کہنے کے بعد دل آور اپنی گاڑی کی سمت بڑھا تھا تو نبیل نے اسے ایک بار پھر روک لیا تھا۔

"تو پھر کب کرو گے بات۔۔۔؟" اسے بے چینی سی بے چینی ہو رہی تھی۔

"ابھی نہیں۔۔۔! ابھی تم لوگ کراچی سے واپس تو آ جاؤ۔ جس روز مناسب لگا' بات کر لوں گا اور تم آنٹی سے کہنا کہ وہ نگارش بھابھی سے بات کر لیں پھر بات کرنے کے بعد باقاعدہ پرپوزل لے جائیں گے۔" دل آور نے اسے اتنی جلدی کرنے سے روکا تھا۔

"اوکے۔۔۔! جیسا تمہیں مناسب لگے۔" نبیل کو ماننے ہی بنی تھی اور وہ لوگ ان سب سے مل کر واپسی کے لیے نکل آئے تھے لیکن دلوں پہ بہت سا بوجھ لے کر آئے تھے۔

☼ ☼ ☼
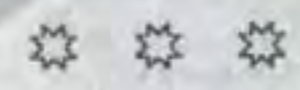
رات خاصی گہری اور سیاہ ہو رہی تھی جب وہ دونوں ماں بیٹا گھر پہنچے تھے۔

بتول شاہ بنا کہے ہی دل آور کے اندر کی کیفیت جانتی تھیں اسی لیے انہوں نے گاڑی میں بھی اسے مخاطب کرنے کی کوشش نہیں کی تھی اور گھر پہنچ کر بھی اپنے آپ کو اس کام سے باز رکھا تھا اس لیے گاڑی سے اترتے ہی وہ خاموشی سے اندر چلی گئی تھیں جبکہ دل آور دس پندرہ منٹ گاڑی سے اتر ہی نہیں سکا تھا۔ وہ ڈرائیونگ سیٹ کی بیک سے سر ٹکائے اور پلکیں موندے نجانے کہاں سے کہاں نکل گیا تھا کہ واپسی کا راستہ ہی بھول گیا تھا۔

مگر اس کے گاڑی سے نہ نکلنے پہ اس کے پالتو بل ڈوگ کو بے چینی ہو رہی تھی اور اس نے ذرا آہستہ اور متوجہ کرنے والے انداز میں بھونکنے کی دوبارہ کوشش کی تھی اور عجیب عجیب خیالوں میں بھٹکتا دل آور اس کی اس کوشش پہ جہاں بھی تھا واپس لوٹ آیا تھا۔

اور تھکے تھکے انداز میں گاڑی کا دروازہ کھول کے نیچے اتر آیا تھا اس کے قدم اندر کی سمت اٹھ رہے تھے لیکن

مین ڈور کے سامنے والی سیڑھیاں چڑھ کر اندر جاتے ہوئے اس کے قدم ٹھٹک گئے تھے۔ اسے ملگجے سے اندھیرے میں لان کی سیڑھیوں پہ کسی کا ہیولا سا نظر آیا تھا اور یہ ہیولا کس کا تھا؟ یہ اسے سمجھنے کے لیے زیادہ دیر نہیں لگی تھی اور دل آور شاہ کے قدم اس کی سمت "مڑ" گئے تھے۔ وہ انہی تھکے تھکے قدموں سے چلتا ہوا اس کے برابر آ بیٹھا تھا اور علیزے نے اپنا آنسوؤں سے تر چہرہ آہستگی سے دوسری طرف موڑ لیا تھا جبکہ دل آور کا چہرہ جھکا ہوا تھا' وہ نیچے سیڑھیوں کی سمت دیکھ رہا تھا۔

"تم جانتی ہو علیزے۔۔۔ مرد کتنا بے بس ہوتا ہے؟ رو بھی نہیں سکتا۔" دل آور کا لہجہ بے حد بوجھل اور بے حد گمبھیر ہو رہا تھا اس کی آواز میں توازن نہیں تھا ہوا میں پتوں کی طرح بکھری جا رہی تھی۔

"تم رو رہی ہو اور مجھے تم پہ رشک آ رہا ہے۔" دل آور کی حالت ہی عجیب سی ہو رہی تھی اور حالت کے ساتھ ساتھ باتیں بھی عجیب سی لگ رہی تھیں۔ علیزے کو ایک پل کے لیے حیرت ہوئی تھی کہ وہ ایسا کیوں کہہ رہا ہے۔ آخر اسے ایسا کیا ہوا ہے کہ وہ اتنا بے بس لگ رہا ہے اور اسے رو لینے والوں پہ رشک آ رہا ہے اور یہ اس کی حیرت ہی تھی کہ وہ اپنا رونا بھول کر اس کی طرف دیکھنے پہ مجبور ہو گئی تھی اس نے چہرہ دل آور کی طرف موڑ لیا تھا لیکن اندھیرا اتنا تھا کہ وہ اس کے چہرے کو واضح نہیں دیکھ پائی تھی تو پھر چہرے کے تاثرات کیسے دیکھ سکتی تھی۔ مگر اتنا ضرور نظر آ گیا تھا کہ وہ اس کے برابر سر جھکائے ہوئے بیٹھا تھا۔

اور اس کا سر جھکا کر بیٹھنا علیزے کے لیے ایک اور حیرت تھی۔

"تمہیں کیا ہوا ہے ڈرائیور۔۔۔؟" آج پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ علیزے نے خود اس سے کچھ پوچھا تھا۔ وہ بھی صرف اس کے متعلق۔۔۔ یوں جیسے دونوں میں بڑے دوستانہ سے تعلقات ہوں۔

"میں ہمیشہ ہر عدالت میں ہر کیس جیت کے گھر آتا تھا علیزے۔۔۔ مگر آج۔۔۔ آج میں محبت کی عدالت میں دل کا کیس ہار کے گھر آیا ہوں۔۔۔ سب کچھ ہار آیا ہوں۔۔۔ سب کچھ چھوڑ آیا ہوں۔۔۔ علیزے۔۔۔ میں۔۔۔ میں دوستی پہ محبت وار آیا ہوں۔۔۔ آج۔۔۔ آج سب کچھ ختم کر آیا ہوں۔۔۔"

انتہائی بے بس انداز میں کہتے کہتے اس کا لہجہ گمبھیر ——— ہو گیا تھا اور علیزے دم سادھے' آنکھیں پھیلائے بے یقین اور حیران پریشان نظروں سے اسے دیکھے جا رہی تھی۔

اسے ہرگز یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ ساری باتیں ڈرائیور کہہ رہا ہے؟

"لیکن۔۔۔! تم تو آج اپنے دوست کی طرف دعوت پہ انوائٹ تھے تم تو وہاں گئے تھے؟"

علیزے کو پتا تھا کہ وہ اپنے دوست کے گھر دعوت پہ گیا ہوا ہے۔ اسے یہ انفارمیشن گل نے دی تھی۔

"ہونہہ۔۔۔! وہ میرے دوست کی طرف سے دعوت نہیں تھی۔ دل لگی تھی۔ دل داری تھی جس میں اس نے اپنے دل کا بوجھ اٹھا کر میرے دل پہ ڈال دیا ہے اور کہتا ہے کہ اب اس بوجھ کو خوشی خوشی اٹھاؤ اور خوش نظر آؤ۔۔۔ لیکن۔۔۔ تم بتاؤ علیزے۔ جس دعوت میں انسان کو اپنے ہی دل کا خون پینا پڑے کیا وہ دعوت ہوتی ہے؟"

دل آور کی عجیب بہکی بہکی باتیں علیزے کو کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھیں۔ اسے بھلا کیا اندازہ ہو سکتا تھا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اور کیا نہیں۔

"بتاؤ نا علیزے۔۔۔ کیا وہ دعوت ہوتی ہے؟" اس نے علیزے کی سمت گردن موڑتے ہوئے اسے بولنے پہ اکسایا تھا جواب دینے پر اصرار کیا تھا مگر وہ کیا بولتی؟ کیا جواب دیتی آخر۔۔۔؟ اس کے کچھ پلے پڑتا تب نا۔۔۔!

"خیر۔۔۔! میں بھی پاگل ہوں۔۔۔ تم سے پوچھ رہا ہوں۔۔۔ تم سے۔۔۔ جس کا کبھی دل سے اور دل کے کسی کیس سے واسطہ ہی نہیں پڑا۔ جسے پتا ہی نہیں ہے کہ عدالت کون سی ہے؟ جرم کس کا ہے؟ کیس کون سا ہے؟ مجرم کون ہوتا ہے اور مدعی کون کہلاتا ہے۔"

اس نے استہزائیہ سے انداز میں کہتے ہوئے سر جھٹکا تھا جیسے علیزے پہ مسکرا رہا ہو۔
"تم بہت اچھی لڑکی ہو علیزے..... بہت اچھی۔ ان ساری باتوں سے کوسوں دور ہو..... انجان ہو..... آزاد ہو..... پتا ہی نہیں کہ یہ سب کیا ہوتا ہے؟ رئیلی علیزے.....! بہت خوش قسمت ہو تم....." ول آور کہتے کہتے اٹھ کھڑا ہوا تھا اور دوبارہ اپنے قدم اندر کی سمت موڑ دیے تھے۔
"ڈرائیور.....!" اس نے پیچھے سے بے ساختہ اسے پکارا تھا اور ول آور کے قدم ایک پل کے لیے رک سے گئے تھے۔
"سوری یار.....! میں نے تمہیں خوامخواہ ڈسٹرب کردیا..... پلیز کیپ اٹ اپ....."
وہ اس سے معذرت کرکے مزید رکے بغیر اندر چلا آیا تھا اور علیزے پیچھے دیکھتی رہ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"گڈ مارننگ آذر بھائی.....!" آذر صبح تیار ہو کر سیڑھیاں اتر کے نیچے آ رہا تھا جب انوشہ اور کومل اچانک ہی سامنے آگئی تھیں۔
"گڈ مارننگ.....!" جواباً آذر نے بھی اسے وش کیا تھا۔
"کیسے ہیں آپ.....؟" یہ سوال کومل کی طرف سے آیا تھا اور آذر آگے بڑھتے بڑھتے ٹھہر گیا تھا۔
"ٹھیک ہوں.....! اللہ کا کرم ہے۔ آپ سنائیں۔" اسے بھی آخر فارمیلٹی تو نبھانی ہی تھی۔
"ہوں.....! میں بھی ٹھیک ہوں۔ ڈیڈ کیسے ہیں؟ گھر کب آئیں گے؟" کومل جان بوجھ کر بات کو طول دے رہی تھی آخر اتنے دنوں بعد دیکھا تھا اور موڈ بھی فریش تھا۔
"امید ہے آج شام تک ڈسچارج ہو جائیں گے۔ آپ سب بس دعا کریں ان کے لیے....."
"لیکن آذر بھائی.....! مما تو آج اسپتال جانے کے لیے تیار ہیں۔ دانیال بھائی سے کہہ رہی تھیں کہ مجھے بھی ساتھ لے جانا۔" انوشہ کو ڈیڈ کے ڈسچارج ہونے کا سن کر عائشہ آفندی کا خیال آیا تھا۔
"ارے نہیں نہیں.....! اس کی ضرورت نہیں ہے، وہ آرام سے گھر پہ رہیں ڈیڈ آج ضرور گھر آجائیں گے۔ وہ گھر پہ ہی مل لیں گی ان سے....." آذر نے ان کے جانے کا سن کر نفی میں سر ہلایا تھا۔
"یہ بات اب مما کو کون سمجھائے۔" انوشہ نے کندھے اچکائے تھے۔
"اوکے.....! میں بات کرتا ہوں ان سے..... ابھی ناشتا کرلوں۔" وہ کہہ کر ڈائننگ روم کی طرف چلا آیا تھا۔
"گڈ مارننگ.....!" اس نے اسرار آفندی اور ثروت بیگم کو وش کیا تھا۔
"گڈ مارننگ.....! جیتے رہو..... خوش رہو..... بیٹھو یہاں....." وہ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئی تھیں۔
"تھینک یو.....!" وہ ان کے برابر ہی کرسی کھینچ کے بیٹھ گیا تھا۔
"آفس جا رہے ہو؟" انہوں نے اس کی تیاری دیکھ کر بڑی نرمی اور پیار سے پوچھا تھا۔
"نہیں.....! اسپتال جا رہا ہوں۔" اس نے جوس کا جگ اٹھاتے ہوئے نفی میں سر ہلایا تھا۔
"کیوں.....؟ آج تو شاید بھائی صاحب اسپتال سے ڈسچارج ہو جائیں گے نا۔"
"جی.....! ہو جائیں گے..... تو کیا ان کو پورے دن کے لیے اکیلا چھوڑ دیں؟ اور اسپتال کے جو بلز وغیرہ ہیں وہ کس نے کلیئر کرنے ہیں؟" وہ جوس کا گلاس اٹھاتے ہوئے الٹا ان سے پوچھ رہا تھا۔
"نہیں.....! میں تو بس اس لیے پوچھ رہی تھی کہ دانیال بھی شاید اسپتال ہی جا رہا ہے اس لیے تم آفس جاؤ گے۔" ثروت بیگم سمجھ گئی تھیں کہ آذر کو ان کا سوال برا لگا ہے اسی لیے انہوں نے جواباً وضاحت پیش کی تھی۔
"میں آفس نہیں جاؤں گا دانیال آفس جائے گا۔ پہلے اسپتال جا کر ڈیڈ اور آنی سے ملے گا پھر آفس جائے گا البتہ میں ڈیڈ کے پاس ہی رہوں گا۔" آذر نے انہیں ذرا سمجھا کے بتایا تھا اور وہ سمجھ بھی گئی تھیں۔
"ہوں.....! اچھی بات ہے تمہارا جانا ضروری ہے تم انہیں ساتھ لے کر ہی گھر آنا۔ آفس کی فکر مت کرو میں بھی آفس ہی جا رہا ہوں۔" اسرار آفندی کہہ کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔
"عون اور عدید اسکول چلے گئے؟" آذر نے رجو سے استفسار کیا تھا آج کل آسیہ آفندی کی غیر موجودگی میں عون اور عدید کی ذمہ داری رجو پہ ہی تھی اور ان کے سارے کام وہی سرانجام دے رہی تھی۔
"جی.....! چلے گئے ہیں..... مبارک خان لے گیا ہے ساتھ....." رجو نے اثبات میں جواب دیا تھا۔
"ہوں..... ٹھیک ہے میرے ناشتا ختم کرنے تک تم آنی کا ناشتا لے آؤ میں ساتھ لے جاؤں گا البتہ احمد اور زین گھر آکر ناشتا کریں گے۔" آذر نے ناشتا شروع کرنے سے پہلے رجو کو ہدایت دی تھی اور وہ سر ہلاتے ہوئے واپس مڑ گئی تھی۔
"کب چلنا ہے تم نے.....؟" آذر کے عقب سے دانیال کی آواز ابھری تھی۔
"بس یہ ناشتا ختم کرلوں..... کیوں؟ تمہیں کیا جلدی ہے؟" آذر نے ناشتے کی طرف اشارہ کیا تھا۔
"مجھے جلدی نہیں ہے امی کو جلدی ہے وہ تیار کھڑی ہیں۔" دانیال نے بے چارگی سے کہا تھا۔
"لیکن دانیال عائشہ پھوپھو کیوں جا رہی ہیں؟ ڈیڈ آج گھر تو آ ہی جائیں گے۔ پھر جانے کا کیا فائدہ....." آذر نے خفگی سے کہا۔
"فائدے اور نقصان کا مجھے نہیں پتا۔ بس وہ جانے پہ بضد ہیں اس لیے میں انہیں منع نہیں کر سکتا ہمیں کیا؟ ابھی چلی جائیں شام کو ڈیڈ اور آنی کے ساتھ ہی واپس آجائیں گی۔"
دانیال نے کندھے اچکائے اور آذر اس کی بات پہ چپ ہو گیا تھا۔ پھر انہیں عائشہ آفندی کو ساتھ لے کر ہی اسپتال جانا پڑا تھا۔

☼ ☼ ☼

تم کس لیے چونکے ہو — کب تم سے شکایت ہے
کب ذکر تمہارا ہے — اک تازہ حکایت ہے
کب تم سے تقاضا ہے — سن لو تو عنایت ہے

وہ تکیے میں چہرہ چھپائے بیڈ پہ اوندھے منہ پڑا تھا لیکن رات سے اب تک ذہن میں بس یہی الفاظ بار بار چکرا رہے تھے اور اس کا دماغ اس حد تک بوجھل ہو رہا تھا کہ اس کا اپنے بیڈ سے اٹھنے اور باہر نکلنے کو دل ہی نہیں چاہ رہا تھا حالانکہ وہ اتنی دیر تک بستر میں پڑے رہنے کا عادی نہیں تھا، وہ تو صبح سویرے ہی بستر چھوڑ کے اٹھ جاتا تھا مگر آج پہلی بار وہ اتنا بے دل ہوا تھا کہ دنیا کو دیکھنے کو ہی دل نہیں مان رہا تھا۔ بہت دیر اسے یونہی پڑے پڑے گزر گئی تھی۔
اور جب بے چینی حد سے سوا ہوئی تو وہ یکدم کمبل ہٹا کر اٹھ بیٹھا تھا اور بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پہ رکھا سگریٹ کا پیکٹ اور لائٹر اٹھا کر سگریٹ سلگا لیا تھا، یونہی سگریٹ پھونکتے ہوئے موبائل پہ نظر پڑی تھی۔ اس کا دل چاہا وہ عبداللہ کو کال کرے مگر موبائل اسکرین پہ دو میسجز دیکھ کر اس نے کال کا ارادہ ترک کر دیا تھا کیونکہ یہ میسجز عبداللہ اور نبیل کے تھے وہ دونوں کراچی جانے کے لیے روانہ ہو چکے تھے، اور جانے سے پہلے انہوں نے باقاعدہ اسے میسجز کیے تھے اس لیے اب راستے میں انہیں کال کرنا فضول تھا۔
"ول آور.....! دروازہ کھولو بیٹا....." وہ اپنے دھیان میں گم موبائل ہاتھ میں پکڑے دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں سگریٹ سلگائے بیٹھا تھا جب بتول شاہ کی پریشان آواز کے ساتھ دروازے پہ دستک بھی سنائی دی تھی۔

اور دل آور نے بے ساختہ چونکتے ہوئے سگریٹ ایش ٹرے میں مسل دیا تھا اور اٹھ کر دروازہ کھول دیا تھا۔
"جی۔۔۔! السلام علیکم۔۔۔" اس نے کافی ڈھیلے ڈھالے انداز میں سلام کیا تھا۔
"تم ابھی تک تیار نہیں ہوئے؟" بتول شاہ کافی پریشان اور عجلت میں لگ رہی تھیں۔
"کیوں۔۔۔؟ خیریت۔۔۔؟" اب کی بار دل آور بھی ٹھٹک گیا تھا وہ واقعی بہت پریشان لگ رہی تھیں۔
"ہوں۔۔۔ خیریت ہے بھی اور نہیں بھی۔۔۔ وہ دراصل ہمارے کالج کی ایک لیکچرار ہیں مسز وقاص آفریدی۔۔۔ آج صبح لاہور آتے ہوئے ان کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے وہ اس وقت اسپتال میں ہیں' اس لیے مجھے ابھی اسپتال پہنچنا ہے۔ ان کی بیٹی کی کال آئی تھی انہیں پتا تھا کہ میں لاہور آئی ہوئی ہوں۔" انہوں نے کافی گھبرائے ہوئے لہجے میں بتایا تھا اور دل آور کے تنے ہوئے اعصاب پھر سے ڈھیلے پڑ گئے تھے۔
"تو اس میں آپ کو اتنا گھبرانے کی کیا ضرورت ہے؟ گلاب خان کو اپنے ساتھ لیں اور اسپتال پہنچ جائیں۔"
"نہیں بیٹا' گھبرانے والی بات تو ہے نا۔۔۔ وہ دراصل پشاور کی رہنے والی ہیں۔ یہاں لاہور میں ان کا اور کوئی جاننے والا نہیں ہے اور اس مشکل وقت میں ان کی بیٹی نے مجھے آواز دی ہے۔ اس لیے میرا فرض بنتا ہے کہ میں فوراً سے پیشتر ان کے پاس پہنچوں۔"
انہوں نے اپنی پریشانی کی اصل وجہ بتائی تھی اور پھر دل آور کو بھی ان کی عجلت کی سمجھ آگئی تھی۔
"ٹھیک ہے آپ گلاب خان کے ساتھ چلی جائیں۔ مجھے فی الحال آفس جاکر ایک کلائنٹ سے ملنا ہے اور فارغ ہوتے ہی میں بھی وہیں اسپتال ہی آجاؤں گا۔"
دل آور نے ان کے کندھوں پہ ہاتھ رکھ کے انہیں تسلی دی تھی اور ہلکے سے مسکرا اٹھی تھیں۔ "جیتے رہو' سدا آباد رہو۔" وہ اس کی پیشانی چوم کر باہر نکل گئی تھیں اور دل آور کا دل نہ جانے کیوں لرز گیا تھا۔ وہ جب بھی کبھی انہیں اس طرح گہری نظر سے دیکھتا تھا تو اس کے دل پہ اسی طرح ایک سایہ سا لہرا جاتا تھا۔
"اماں۔۔۔!" وہ بے ساختہ نہ چاہتے ہوئے بھی انہیں پکار بیٹھا تھا اور وہ سیڑھیاں اترتے اترتے ٹھہر گئی تھیں۔
"ہاں' کہو؟" وہ یوں ہی ریلنگ پہ ہاتھ رکھے ہوئے اس کی سمت مڑی تھیں۔ وہ اپنے بیڈروم کے دروازے کی چوکھٹ میں کھڑا تھا۔
"میں آجاؤں آپ کے ساتھ؟" اچانک ہی اس کا دل ان کے ساتھ جانے کو چاہا تھا۔
"ارے نہیں میری جان۔۔۔ تم ابھی آفس جاکر اپنے کلائنٹ سے ملو' پھر بعد میں آجانا۔"
"لیکن اماں! میرا دل بہت اداس ہے۔ میں آپ کے ساتھ جانا چاہتا ہوں' باتیں کرنا چاہتا ہوں' کلائنٹ سے پھر مل لوں گا۔" دل آور نے بچوں کی طرح ان کے ساتھ جانے کی ضد کی تھی۔
"بری بات بیٹا! کام میں کوتاہی نہیں کرتے۔ کلائنٹ بھی آخر مجبور ہوتے ہیں اور تم تو وقت پہ کام کرنے کے عادی ہو۔ یہ سستی تمہیں سوٹ نہیں کرتی۔ شاباش تم آفس جاؤ' پھر وہاں سے اسپتال آجانا۔" وہ کہہ کر اس کو نرمی سے دیکھتی ہوئی پلٹ کر سیڑھیاں اتر گئی تھیں اور دل آور ایک بار پھر لپک کر سیڑھیوں کی ریلنگ کے قریب آیا تھا۔
"آپ جارہی ہیں؟" اس نے عجیب بے کلی سے انداز میں بے تکا سا سوال کیا تھا۔
اور بتول شاہ راہداری کی سمت بڑھتے بڑھتے ایک بار پھر رک گئی تھیں اور سر اٹھا کر سامنے سیڑھیوں کی ریلنگ کے قریب کھڑے دل آور کو دیکھا تھا۔
"ہاں۔۔۔ جارہی ہوں۔۔۔ کیوں؟ کوئی کام ہے کیا؟" انہوں نے سوالیہ نظروں سے دیکھا تھا۔ "ہاں' کام تو بہت سے ہیں' مگر فی الحال آپ سے یہی پوچھنا تھا کہ آپ نے ناشتا کیا ہے یا نہیں؟" اس نے دھیمے' مگر سنجیدہ انداز میں پوچھا تھا اور بتول شاہ اس کی اس قدر فکرمندی پہ دیکھ کے رہ گئی تھیں۔
"نہیں' میں نے ناشتا نہیں کیا۔ صرف ایک کپ چائے کا لیا ہے' لیکن ڈونٹ وری' لنچ ایک ساتھ ہی کریں گے' اوکے؟" انہوں نے اسے مطمئن کرنے کے لیے بہلایا تھا۔
"ہوں! ٹھیک ہے' میں بھی ناشتا نہیں کرتا۔ لیکن ڈونٹ وری' لنچ ایک ساتھ ہی کریں گے' اوکے؟"
اس نے بھی جواباً انہی کے سے انداز میں جواب دیا تھا۔ جس پہ بتول شاہ نے اسے خفگی سے گھورا تھا۔
"شاہ! یہ کیا ضد لگا رکھی ہے تم نے؟ مجھے جانے دو گے یا نہیں؟" وہ کافی خفگی سے بولی تھیں۔
اور دل آور کو ذرا دیر کے لیے سنبھلنا پڑا تھا۔ ورنہ وہ اس پہ غصہ بھی ہوسکتی تھیں۔
"اوکے! اب کچھ نہیں کہتا' جائیں آپ۔" اس نے ان کے جانے کے لیے رضامندی دے دی تھی۔
"نیچے آکر ناشتا کرو اور آفس جاؤ' اللہ حافظ۔" وہ پھر اسے اللہ حافظ کہہ کر آگے بڑھ گئی تھیں اور دل آور پھر سے مضطرب ہو اٹھا تھا۔ اس کا دل پھر سے ان کے پیچھے لپکنے کو چاہا تھا اور اس نے پھر سے اس چاہ کو پورا کیا تھا۔ اور تیزی سے دھڑ دھڑ کرتا سیڑھیاں اترتا ہوا نیچے آگیا۔ اس کے قدم بتول شاہ کے پیچھے پیچھے ہی اٹھ رہے تھے اور وہ باہر ڈرائیو وے تک آگیا تھا۔ جبکہ بتول شاہ گاڑی کے قریب پہنچ چکی تھیں۔
"اماں۔۔۔" اس نے مین ڈور کے سامنے والی سیڑھیاں اترتے ہوئے پھر پکارا تھا اور گاڑی کا دروازہ کھولتی بتول شاہ خفگی سے جھنجلا کر واپس مڑی تھیں۔
"ہوں۔۔۔ اب کیا ہوا ہے؟" وہ دل آور کو سرتاپا دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھیں۔
"پلیز اماں اور کچھ نہیں کہنا' بس صرف اتنی سی بات کہنی ہے کہ آپ مجھے آج ایک کام کی اجازت دے دیں صرف ایک کام کی اجازت' پلیز۔"
وہ ان کے قریب عین ان کے سامنے آکھڑا ہوا تھا اور بتول شاہ اس کی اتنی سنجیدگی پہ ٹھٹک گئیں۔
"کیسی اجازت؟ کس کام کی اجازت؟" وہ کافی الجھے ہوئے اور نا سمجھ سے انداز میں پوچھ رہی تھیں۔
"علیزے کو بڑی حویلی چھوڑنے کی اجازت' پلیز اماں' آپ صرف ایک بار اجازت دے دیں۔ بس پھر سارا معاملہ ختم ہوجائے گا۔ میں اسے آج ہی بڑی حویلی چھوڑ آؤں گا۔ پلیز' پھر آپ جو بھی کہیں گی میں کروں گا' کبھی آپ کے سامنے انکار نہیں کروں گا۔ کبھی کسی بات پہ "اف" بھی نہیں کروں گا۔ پلیز' ایک بار اسے چھوڑنے کی اجازت دے دیں۔"
دل آور نے انہیں کندھوں سے تھامتے ہوئے جیسے التجا سی کی تھی۔ وہ آج کے دن ان سے یہ بات منوالینا چاہتا تھا۔ تاکہ وقار آفندی کے ڈسچارج ہونے کے ساتھ ہی وہ اسے بھی بڑی حویلی چھوڑ آتا۔
لیکن بتول شاہ اس کی بات سن کر چپ سی ہوگئی تھیں۔ وہ آخر کیسے یوں کھڑے کھڑے اجازت دے دیتیں کہ چلو ٹھیک ہے' جاؤ جاکر علیزے کو چھوڑ آؤ۔ آخر انہیں بھی تو کچھ وقت چاہیے تھا۔ کچھ سوچنے کے لیے' کچھ سمجھنے کے لیے' جبکہ وہ تھا کہ ہتھیلی پہ سرسوں جما رہا تھا۔
"میری واپسی کا انتظار کرو' آج شام تک یہ فیصلہ بھی ہوجائے گا۔" وہ اپنے کندھوں سے اس کے ہاتھ ہٹاتے ہوئے خاصے فیصلہ کن لہجے میں بولی تھیں اور پھر آگے بڑھ کے گاڑی کے کھلے ہوئے دروازے سے اندر بیٹھ گئی تھیں۔ گلاب خان پہلے ہی ڈرائیونگ سیٹ پہ تیار بیٹھا تھا اور بتول شاہ کے بیٹھتے ہی اس نے گاڑی اسٹارٹ کرلی تھی۔
اور دل آور کے دیکھتے ہی دیکھتے گاڑی آہستہ آہستہ پیچھے سرکتی ہوئی گیٹ سے نکلی اور آنکھوں سے اوجھل ہوگئی تھی اور وہ وہیں کا وہیں کھڑا رہ گیا تھا۔

بتول شاہ دل آور کی باتوں میں الجھ کر مطلوبہ اسپتال کا نام ہی بھول گئی تھیں۔

اور اپنے اندازے کے مطابق ہی دو، تین اسپتالز کے چکر کاٹ لیے تھے۔ مگر مسز وقاص آفریدی کا انہیں کہیں بھی پتا نہیں چلا تھا اور جس نمبر سے ان کی بیٹی کی کال آئی تھی وہ نمبر بار بار ٹرائی کرنے پر بھی بزی جا رہا تھا۔ بتول شاہ گاڑی میں بیٹھی بری طرح جھنجلا رہی تھیں اور ان کے ساتھ گلاب خان بھی خوار ہو رہا تھا۔ وہ بھی تقریباً" ہر اسپتال میں اس نام کی خاتون کا پتا کرتا پھر رہا تھا مگر پتا ندارد۔

"بیگم صاحبہ! میرا خیال ہے آپ گھر چلی جائیں اور نام و پتا مجھے دے دیں، میں اور بھی اسپتالوں میں جا کر پتا کر لیتا ہوں۔ جب معلوم ہو گیا تو بعد میں آپ کو بھی لے آؤں گا۔"

گلاب خان نے بتول شاہ کی پریشانی کے خیال سے انہیں گھر جانے کا مشورہ دیا تھا۔

مگر بتول شاہ اتنی جلدی اور اتنی آسانی سے مایوس ہو کر واپس نہیں جا سکتی تھیں۔ کیونکہ اس وقت ان کی کولیگ کی زندگی اور موت کا مسئلہ تھا۔ وہ اس طرح یہ کام اپنے گھر کے ملازم کے ذمے لگا کر خود گھر جانے کو ہرگز تیار نہیں تھیں۔

"فی الحال یہ جو سامنے اسپتال ہے۔ تم وہاں گاڑی روکو۔ میں خود پتا کرتی ہوں۔" انہوں نے سامنے نظر آتے ایک بڑے سے اسپتال کی بلند و بالا عمارت کی طرف اشارہ کیا تھا اور گلاب خان دیکھ کے رہ گیا تھا۔

"بیگم صاحبہ۔ ایکسیڈنٹ کے زخمی کو اتنے بڑے اسپتال میں کبھی بھی نہیں لایا جاتا۔ یا تو لوگ اٹھا کر سرکاری اسپتال لے جاتے ہیں یا پھر کسی چھوٹے موٹے پرائیویٹ اسپتال لے جاتے ہیں۔ بڑے بڑے اسپتالوں میں تو قدم رکھنے کی بھی فیس ادا کرنا پڑتی ہے۔ اس لیے ادھر کا کوئی بھی رخ نہیں کرتا۔"

گلاب خان نے واقعی ایک سمجھ دار ملازم ہونے کا ثبوت پیش کیا تھا، مگر وہ بھی سمجھتیں تب نا؟

"لیکن، پتا کر لینے میں کیا حرج ہے بھلا؟" انہوں نے اپنی کہی تھی۔

"جی ٹھیک ہے۔ جیسے آپ کی مرضی۔" گلاب خان نے تابعداری سے کہتے ہوئے گاڑی اسپتال کی پارکنگ میں روک دی تھی اور تیزی سے نیچے اتر کر بیک ڈور کھول دیا تھا اور وہ بھی گاڑی سے اتر آئی تھیں۔ اسپتال کی وسیع و عریض پارکنگ کا احاطہ اور ڈرائیو وے کا طویل راستہ تیز تیز قدموں سے طے کرتی ہوئی وہ سیدھی اسپتال کے ریسپشن تک جا پہنچی تھیں۔

وہاں پہلے سے ہی بہت رش تھا۔ کان پڑی آواز بھی سنائی نہیں دے رہی تھی۔ لیکن پھر بھی بتول شاہ بہت سے لوگوں کے درمیان سے راستہ بناتی ہوئی ریسپشن پہ کھڑی لڑکی تک پہنچ ہی گئی تھیں۔ جو پہلے ہی اتنے سارے لوگوں کی وجہ سے گھبرائی ہوئی تھی۔

"مسز وقاص آفریدی نام کی پیشنٹ کا پتا کرنا ہے۔ کیا وہ اسی اسپتال میں ہیں؟"

بتول شاہ نے اس لڑکی کو بڑی مشکل سے اپنی طرف متوجہ کیا تھا اور اس لڑکی نے بے دھیانی سے سر ہلا دیا تھا۔

"یس میڈم۔ وہ اسی اسپتال میں ہیں۔" اس نے ایک نظر سامنے رکھے رجسٹر کو دیکھا تھا۔ "کہاں ہیں وہ؟" بتول شاہ کو جیسے ایک دم سے کچھ تسلی اور ڈھارس مل گئی تھی۔

"جی... روم نمبر ایک سو تین... سیکنڈ فلور۔" اس لڑکی نے جلدی جلدی بتا کر رجسٹر بند کر دیا تھا اور دوسرے ہنگامہ مچاتے لوگوں کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔ حالانکہ پہلے اس ریسپشن پہ تین لڑکیاں آن ڈیوٹی ہوتی تھیں۔ لیکن اس وقت وہ بے چاری اکیلی پھنسی ہوئی تھی اور اتنے زیادہ لوگوں کو گائیڈ کر کر کے اس کے حواس اڑے ہوئے تھے۔ مگر بتول شاہ یہ نہیں جانتی تھیں کہ ان کی اپنی جلد بازی اور عجلت کے ساتھ ساتھ اس لڑکی کی یہ بے دھیانی اور اڑے حواس انہیں کہاں سے کہاں لے جائیں گے؟

زندگی کا ایک ایسا مقام اور ایک ایسا لمحہ، جس سے بچتے ہوئے اور جس سے بھاگتے ہوئے ایک زندگی ہو گئی تھی۔ آج وہی مقام اور وہی لمحہ ان کے سامنے آگیا تھا۔

وہ اپنی عجلت میں سیکنڈ فلور کے روم نمبر ایک سو تین کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تھیں اور سامنے بیڈ پہ نظر آتے وجود کو دیکھتے ہی پتھر کی ہو گئی تھیں۔ حالانکہ سامنے نظر آتا وجود بھی پتھر کا ہی تھا۔ بس فرق صرف اتنا تھا کہ وہ وجود بستر پہ پڑا تھا اور بتول شاہ ابھی اپنے پتھر سے وجود کو لیے اپنے قدموں پہ کھڑی تھیں۔ مگر کس طرح کھڑی تھیں؟ یہ شاید وہ بھی نہیں جانتی تھیں۔

"ت... ت... ہ... ہ...؟" وقار آفندی پہ جیسے نزع کا وقت آن پہنچا تھا۔ ان کی زبان اور ان کے جسم پہ اک لرزا سا طاری ہو گیا تھا اور ٹشو سے ان کا منہ صاف کرتی آسیہ آفندی نے یک دم چونک کر اپنے پیچھے دیکھا تھا اور اپنے پیچھے دیکھتے ہی ان کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔

"زہرہ؟" آسیہ آفندی سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے لپک کر ان کے قریب آئی تھیں۔

"زہرہ... یہ... یہ... میں کیا دیکھ رہی ہوں؟ یہ... تم ہی ہو نا؟ تم... تم کہاں چلی گئی تھیں؟"

آسیہ آفندی نے بتول شاہ کے پتھر وجود کو اپنے دونوں ہاتھوں سے تھام لیا تھا، لیکن بتول شاہ جواباً" کچھ بھی نہیں کہہ سکی تھیں۔ وہ تو جیسے بے حس و حرکت سی کھڑی تھیں۔

"السلام علیکم!" اتنے میں دانیال اور آذر عائشہ آفندی کا چیک اپ کروا کر وہیں آگئے تھے۔ لیکن ان کے وہاں آنے تک وقار آفندی کے روم کا منظر بدلا ہوا تھا۔ وہاں جو چہرہ نظر آرہا تھا۔ وہ ان سب کے لیے ہی ناقابل یقین تھا۔ خصوصاً" عائشہ آفندی اور وقار آفندی کے لیے۔

"زہرہ؟" عائشہ آفندی بے ساختہ خوشی اور اشتیاق کے مارے بتول شاہ کے گلے لگ گئی تھیں اور عائشہ آفندی کا یہ گلے لگنا بتول شاہ کو بائیس سال پیچھے لے گیا تھا اور وہ یک دم کرنٹ کھا کے پیچھے ہٹی تھیں... مگر عائشہ آفندی نے ان کا اس طرح پیچھے ہٹنا نوٹ ہی نہیں کیا تھا۔

"زہرہ! کہاں چلی گئی تھیں تم؟ میں نے تمہیں کہاں کہاں نہیں ڈھونڈا؟ کہاں کہاں نہیں گئی میں؟ میں پاگل ہو گئی تھی تمہارے لیے، مگر تم کہیں نہیں ملیں، کہیں بھی نہیں۔ کیا اس طرح گم ہو جاتے ہیں؟ کہ اپنوں کو خبر بھی نہ دیں؟ کیا تمہیں کبھی میرا خیال بھی نہیں آیا؟ کیا تم نے کبھی یہ بھی نہیں سوچا کہ تمہاری عائشہ پہ کیا گزری ہو گی؟"

عائشہ آفندی بتول شاہ کو دونوں کندھوں سے تھامتے ہوئے رو پڑی تھیں۔

اور بتول شاہ نے پتھرائی ہوئی نظروں سے پہلے وقار آفندی کو، پھر آسیہ آفندی کو، پھر عائشہ آفندی کو اور پھر آذر اور دانیال کو دیکھا تھا، ان سب کی نظریں بھی بتول شاہ پہ ہی تھیں۔

"کس پہ کیا گزری؟ میں سب جانتی ہوں، مگر مجھ پہ کیا گزری، یہ کوئی بھی نہیں جانتا... تم بھی نہیں۔" انہوں نے عائشہ آفندی کے ہاتھ نرمی سے پکڑ کر پیچھے ہٹا دیے تھے اور ادھر وقار آفندی کے منہ سے خاصی بلند قسم کی کراہ نکلی تھی۔ انہوں نے اٹھنا چاہا تھا مگر بے بسی آڑے آگئی تھی۔ وہ زہرہ بتول شاہ سے کچھ کہنا چاہتے تھے۔ مگر کہہ نہیں پا رہے تھے۔

"ت... ت... ہ... م... معا... ف... ی۔"

وقار آفندی کے منہ سے نکلنے والے ٹوٹے بکھرے الفاظ تھے جو بتول شاہ کو بھی توڑ کے رکھ گئے تھے اور وہ یک دم اک جھٹکے سے واپس جانے کے لیے مڑی تھیں۔ لیکن انہیں واپس مڑتے دیکھ کر وہ سب ہی پریشان ہو گئے تھے۔

"زہرہ آنٹی! پلیز رکیے، کہاں جا رہی ہیں آپ؟" آذر یک دم ان کے راستے میں حائل ہو گیا تھا۔

"پلیز آنٹی! آپ بیٹھ کر بات کریں۔ آخر ہوا کیا تھا؟" دانیال بھی سامنے آگیا تھا۔

لیکن بتول شاہ کا یہاں رکنا انگاروں پہ لوٹنے کے برابر تھا اور وہ انگاروں پہ کیسے ٹھہر سکتی تھیں؟ اس لیے وہاں موجود سبھی نے انہیں روکنے کی پوری پوری کوشش کی تھی۔ مگر وہ وہاں رک نہیں سکی تھیں اور دیکھتے دیکھتے ہی
وقار آفندی کی حالت ایک دم سے ابتر ہوگئی تھی۔ آسیہ آفندی اور آذر وغیرہ ان کی طرف لپکے تھے اور ادھر عائشہ آفندی تھیں جو زہرہ بتول شاہ کے پیچھے انہیں پکارتی ہوئی سیڑھیاں اتر آئی تھیں۔ مگر بتول شاہ کی سماعتوں میں گونجتی چیخوں کے سوا انہیں کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ کسی آندھی طوفان کی طرح اسپتال کے احاطے سے باہر نکلی تھیں۔

"زہرہ پلیز۔۔۔ رکو تو سہی، مجھے بتاؤ تو سہی، کیا ہوا تھا۔ تم کیوں چلی گئی تھیں؟ پلیز رکو، زہرہ، خدا کے لیے میری بات تو سنو۔"

عائشہ آفندی ان کے پیچھے پیچھے انہیں پکارتی ہوئی آرہی تھیں اور بتول شاہ اندھادھند تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی پارکنگ میں اپنی گاڑی کی طرف جانے کی بجائے باہر روڈ کی سمت آگئی تھیں۔ ان کا چہرہ جھکا ہوا تھا۔ آنسو زاروقطار بہہ رہے تھے۔ سماعتوں میں اپنی ہی چیخوں کا شور گونج رہا تھا اور سامنے کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا کہ وہ اس وقت کہاں ہیں؟ اور کس طرف جارہی ہیں؟ لیکن پیچھے عائشہ آفندی ہانپ گئی تھیں۔ ان کو پکار پکار کر تھک گئی تھیں۔ مگر ہوا وہی تھا جو قسمت میں ازل سے لکھ دیا گیا تھا۔ حالانکہ ان کو سڑک کی طرف بھاگتے دیکھ کر گلاب خان بھی گاڑی وہیں چھوڑ کر ان کے پیچھے بھاگا تھا۔

لیکن تب تک بہت دیر ہوچکی تھی اور فضا میں ان کی چیخ کی آواز اور ٹائر چرچرانے کی آواز گونجتی رہ گئی تھی۔ گاڑیوں کے اتنے اژدھام میں دو گاڑیاں آپس میں ٹکراتے ٹکراتے بچی تھیں اور تیسری گاڑی بتول شاہ کو روندتی ہوئی گزر گئی تھی۔ مگر ہر طرف یک دم سناٹا سا چھا گیا تھا۔

گلاب خان اور عائشہ آفندی پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتے رہ گئے تھے۔

☆ ☆ ☆

"اماں۔۔۔"

وہ اپنے آفس میں بیٹھا بتول شاہ کا نمبر ڈائل کر رہا تھا۔ جب اچانک ہی اس کے ہاتھ سے موبائل چھوٹ کر نیچے کارپٹ پہ جا گرا تھا اور اس کے منہ سے بے ساختہ ہی اماں کا لفظ ادا ہوا تھا۔

وہ صبح سے ہی بڑا اپ سیٹ تھا۔ اس لیے موبائل کے یوں ہاتھ سے چھوٹنے پہ اور زیادہ مضطرب ہوگیا تھا اور اس نے فوراً "موبائل اٹھا کر دوبارہ ان کا نمبر ڈائل کیا تھا۔ مگر ان کے نمبر پہ کوئی رنگ نہیں جارہی تھی۔ دو، تین بار ٹرائی کرنے کے بعد اس نے گلاب خان کے نمبر پہ ٹرائی کیا تھا۔

اور تین، چار مرتبہ رنگ بجنے کے بعد گلاب خان نے کال ریسیو کرلی تھی۔ لیکن پیچھے بہت زیادہ شور سنائی دے رہا تھا اور اس شور کے درمیان کھڑا گلاب خان رو رہا تھا۔

"گلاب خان۔۔۔ کہاں ہو تم؟ اماں کہاں ہیں؟" دل آور کو عجیب سی بے چینی ستا رہی تھی۔

"صاحب۔۔۔ وہ۔۔۔ وہ بیگم صاحبہ کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے۔ صاحب آپ جلدی پہنچو، ورنہ دیر ہوجائے گی۔" گلاب خان نے روتے ہوئے بڑی مشکل سے اسے بتایا تھا اور دل آور یک دم اپنی جگہ سے کھڑا ہوگیا تھا۔ اس کے کانوں میں سائیں سائیں ہونے لگی تھی اور وہ روح تک کانپ گیا تھا۔

"گلاب خان! اماں کو زیادہ چوٹیں تو نہیں آئیں؟" یہ سوال پوچھتے ہوئے اس کی آواز لرز رہی تھی کہ مبادا اسے کچھ اور ہی سننے کو نہ مل جائے۔

"بہت چوٹیں آئی ہیں صاحب۔۔۔ بہت چوٹیں آئی ہیں۔۔۔ بس اللہ سے ان کی زندگی کی خیر مانگیں۔"
گلاب خان دکھ اور اذیت سے بتاتے ہوئے بلک رہا تھا اور دل آور کو یوں لگا تھا کہ جیسے اس کے دل و دماغ کا دھواں نکل گیا ہو اور ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا چھا گیا ہو۔ پھر اس کے بعد اسے نہیں خبر تھی کہ اس کے ہاتھ سے موبائل کب گرا تھا؟ اسے ٹھوکر کہاں لگی؟ وہ گاڑی تک کیسے پہنچا تھا اور اس نے یہ سارا سفر کب اور کیسے طے کیا تھا؟ اس کا دماغ بس گھوم رہا تھا اور پوری دنیا میں جیسے تاریکی چھائی ہوئی نظر آرہی تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ اسپتال کی راہداری میں بلبلائے ہوئے شیر کی طرح چکر کاٹ رہا تھا۔
صبح سے شام ہوگئی تھی۔ لیکن بتول شاہ کو ابھی تک ہوش نہیں آیا تھا۔ وہ آئی سی یو میں مسلسل زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہی تھیں۔ لیکن نہ زندگی جیت رہی تھی اور نہ موت ہارنے کو تیار تھی۔

اور دل آور شاہ کی حالت ایسی تھی کہ جیسے جان نزع پہ آئی ہوئی تھی۔ جیسے اب نکلی کہ تب نکلی۔ وہ صبح سے اب تک اس ایک راہداری میں چکر کاٹ کاٹ کر پاگل ہوگیا تھا۔ گلاب خان اور اس کے سوا کسی تیسرے کو ابھی تک اس ایکسیڈنٹ کی خبر نہیں تھی اور ابھی وہ نبیل اور عبداللہ کو فون کرکے بتانے کا سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک ایک ڈاکٹر اور نرس آئی سی یو کا دروازہ کھول کر باہر نکل آئے تھے اور دل آور تیزی سے ان کے قریب آیا تھا۔

"مبارک ہو! آپ کی مدر ہوش میں آچکی ہیں۔ آپ تھوڑی دیر کے لیے ان سے مل سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ اس وقت زیادہ بات کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔"

ڈاکٹر نے اس کا کندھا تھپکتے ہوئے اسے تسلی دی تھی اور دل آور کے ساتھ ساتھ گلاب خان نے بھی اللہ کا شکر ادا کیا تھا اور پھر وہ تیزی سے آئی سی یو کی سمت بڑھ گیا تھا۔

"اماں!" دل آور کی دبنگ قسم کی آواز اس وقت بے حد دھیمی اور بے جان سی لگ رہی تھی۔ وہ مرے مرے قدموں سے چلتا ہوا ان کے بیڈ کے قریب آکھڑا ہوا تھا۔ ان کا پورا جسم سفید پٹیوں میں لپٹا ہوا تھا۔ دو، دو ڈریس لگی ہوئی تھیں۔ چہرے پہ خراشوں کے نشان نظر آرہے تھے اور انتہائی اذیت سے بند پلکوں کو انہوں نے بڑی مشکل سے کھولتے ہوئے دل آور کی سمت دیکھا تھا۔

اور چہرے پہ ایک درد سے گندھی ہوئی مسکراہٹ ابھر کر معدوم ہوگئی تھی۔

"تمہیں بتایا تھا نا" آج میری زندگی کا آخری دن ہے۔ اس لیے مجھے جانے سے روک رہے تھے؟ اور۔۔۔ اور مجھے بتا ہی نہیں چلا کہ میرا بیٹا کیا چاہ رہا ہے؟ کیوں بے چین ہو رہا ہے؟ ہونہہ۔۔۔ اور میں سمجھ ہی نہیں سکی۔" بتول شاہ بڑی مشکل سے اپنی باقی ماندہ ہمتیں مجتمع کرتے ہوئے اس سے بات کرنے کی کوشش کر رہی تھیں ورنہ درد اور تکلیف اتنی تھی کہ "اف" بھی کرنا مشکل لگ رہا تھا۔

"پلیز اماں۔۔۔ ایسا کچھ مت کہیں۔۔۔ آپ ان شاء اللہ جلدی ٹھیک ہوجائیں گی۔ آپ نے ہر حال میں ٹھیک ہونا ہے، صرف میرے لیے، میرے لیے جینا ہے آپ نے، ورنہ اکیلا ہوجاؤں گا، ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اکیلا۔" دل آور نے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام لیا تھا۔ اس کی آواز کافی بھیگی ہوئی لگ رہی تھی۔

"یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ میں۔۔۔ میں۔۔۔ تمہیں اکیلا چھوڑ کر کیسے جاسکتی ہوں بھلا؟ اب تک جو زندہ ہوں تو تمہارے لیے ہی تو زندہ ہوں ورنہ تم جانتے ہو کہ نہ جانے کب کی مرگئی ہوتی؟"

بتول شاہ کے آنسو نہ چاہتے ہوئے بھی کنپٹیوں تک بہہ نکلے تھے اور دل آور کا دل مٹھی میں آگیا تھا۔

"لیکن اماں! آپ کو اب بھی جینا ہے، اب بھی زندہ رہنا ہے، میری خاطر، صرف میرے لیے، میری زندگی میں اور ہے ہی کون، صرف آپ کے سوا؟ آپ کے بغیر تو میرے لیے زندگی کا تصور بھی سوہان روح ہے۔" دل آور نے کہتے ہوئے اپنے دائیں ہاتھ سے ان کی آنکھوں سے آنسو صاف کیے تھے۔ مگر اب ان آنسوؤں کو رستہ مل گیا تھا۔ وہ تھمنے ہی نہیں دے رہے تھے۔

"نہیں بیٹا! زندگی میں کوئی بھی ہمیشہ ساتھ نہیں رہتا۔۔۔ نہ ماں' باپ۔۔۔ نہ اولاد۔۔۔ اور نہ ہی دوست احباب۔ ایک نہ ایک دن سب ساتھ چھوڑ جاتے ہیں۔۔۔ لیکن کوئی فرق نہیں پڑتا۔ زندگی بس چلتی ہی رہتی ہے۔" بتول شاہ کہتے کہتے ذرا دیر کے لیے سانس لینے کو رکی تھیں۔ ان کی سانس اکھڑنے لگی تھی۔ "میں جانتی ہوں رشتوں کے حوالے سے تمہارا دامن بالکل کورا ہے' بالکل خالی ہے۔ نہ بہن بھائی' نہ کزن' نہ کوئی اور رشتہ دار۔۔۔ کچھ بھی تو نہیں ہے تمہارے پاس۔۔۔ تم نے ساری زندگی میرے ساتھ' میری طرح تنہا گزار دی' زری کو چاہا اور وہ چاہ بھی پوری نہ ہو سکی۔ میرے لیے اس سے بڑی دکھ کی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ میرے دل آور کو زری ہی نہ مل سکی۔ وہ زری جس کو میں نے ہزاروں بار دلہن بنے تیرے پہلو میں کھڑے دیکھا ہے۔ ہزاروں بار اسے اپنی بہو کے روپ میں اس کے ماتھے پہ بوسہ دے کر اپنے سینے سے لگایا ہے اور کل اسی زری کو تبیل کا سمجھ کر دل کی بات ہی نہیں کی اور تم کہتے ہو کہ میرے بغیر زندگی کا تصور بھی سوہان روح ہے۔ ہونہہ۔۔۔ تم زری کے بغیر رہ سکتے ہو تو پھر بتول شاہ کے بغیر بھی رہ سکتے ہو۔ کیونکہ مجھے پتا ہے کہ تمہارا بہت بڑا جگرا ہے۔ تم اپنے دل سے ٹکرا سکتے ہو تو پوری دنیا سے ٹکرا سکتے ہو اور تمہارے ان ہی حوصلوں کو دیکھ کر یہ کہنے کا حوصلہ کیا ہے کہ پلیز علیزے سے نکاح کر لو۔ اس کی زندگی داغ دار ہونے سے بچا لو۔ مجھے سرخرو کر دو' میری قبر پہ علیزے کی آہوں کا بوجھ مت ڈالو۔۔۔ ورنہ مجھے قبر کا سکون بھی نصیب نہیں ہو گا۔"

بتول شاہ نے بالآخر اسے کہہ ہی دیا تھا۔ مگر تب تک ان کا تنفس تیز ہو چکا تھا اور ان کی سانسوں کی یہ رفتار دیکھ کر نرس نے یک دم تمام ڈاکٹرز کی ٹیم کو الرٹ کر دیا تھا۔

"اماں! آپ ٹھیک تو ہیں نا' کیا ہو گیا ہے آپ کو؟ ادھر میری طرف دیکھیں۔"

ان کی ایسی حالت دیکھ کر دل آور کے چھکے چھوٹ گئے تھے۔ اسے اپنی نظروں کے سامنے زمین و آسمان چکراتے ہوئے نظر آئے تھے۔ ڈاکٹرز نے اس کے ہاتھ سے بتول شاہ کا ہاتھ چھڑا لیا تھا اور دل آور کو لگا جیسے انہوں نے اس کے ہاتھ سے زندگی کا دامن چھڑا لیا ہو۔

"سر پلیز۔۔۔ آپ فی الحال تھوڑی دیر کے لیے باہر چلے جائیں؟" ڈاکٹر نے کافی پریشانی اور عجلت میں اسے باہر جانے کا کہا تھا۔ مگر دل آور باہر کیسے جاتا۔ اس کا دل بتول شاہ کی طرف کھنچ رہا تھا۔

"آیئے سر! آپ باہر آجایئے۔" نرس اسے زبردستی چھوڑنے کے لیے باہر دروازے تک آئی تھی اور پھر دروازہ بند کر دیا گیا تھا۔

"شاہ۔۔۔" بتول شاہ نے جیسے تڑپ کے پکارا تھا۔ انہوں نے آئی سی یو سے باہر نکلتے دل آور کی پشت دیکھی تھی اور انہیں یوں لگا کہ جیسے وہ ہمیشہ کے لیے ان کی نظروں سے اوجھل ہو گیا ہو۔ اسی لیے وہ تکلیف کے باوجود تڑپی تھیں۔ مگر ڈاکٹرز نے ان کی کنڈیشن کور کرنے کے لیے انجکشن دینے شروع کر دیے تھے۔

لیکن وہ اب زندگی کے اس سنگین اسٹیج پر تھیں۔ جہاں ان پہ بے ہوشی اور غنودگی کا انجکشن بھی اثر نہیں کر رہا تھا اور وہ اپنی کراہوں کے درمیان ڈاکٹرز سے التجا کر رہی تھیں۔

"پپ پلیز ڈاکٹر صاحب۔۔۔ صرف۔۔۔ صرف۔۔۔ ایک بار۔۔۔ میرے شاہ کو بلا دیں۔۔۔ مجھے صرف ایک بار دیکھ لینے دیں۔" بتول شاہ کی بات سے ڈاکٹرز کا دل بھی جیسے دکھ سے بھر گیا تھا اور انہوں نے ساری ٹریٹ منٹ کچھ دیر کے لیے ترک کرتے ہوئے دل آور شاہ کو اندر بلا لیا تھا۔

"اماں! اب کیسی طبیعت ہے آپ کی؟ تکلیف کم ہوئی یا نہیں۔" وہ لپک کے پاس آیا تھا۔

"تکلیف۔۔۔ کم۔۔۔ ہو سکتی ہے۔۔۔ اگر۔۔۔ تم۔۔۔ کرو۔۔۔ تو؟" بتول شاہ نے ہاتھ اٹھا کر اس کے چہرے کو چھونے کی کوشش کی تھی۔ مگر ڈرپ لگی ہوئی تھی۔ اس لیے ہاتھ وہیں کا وہیں رہ گیا تھا۔

"ہاں۔۔۔ ہاں۔۔۔ میں کروں گا ضرور کروں گا۔ آپ کہیں کیا بات ہے؟" اس نے فوراً" اثبات میں سر ہلایا تھا اور ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام کر اپنے ہونٹوں سے لگا لیا تھا۔

"میں۔۔۔ میں۔۔۔ نے۔۔۔ آج۔۔۔ وہ۔۔۔ وقار۔۔۔ آفندی۔۔۔ کی حالت۔۔۔ دیکھی ہے۔۔۔ وہ۔۔۔ وہ۔۔۔ اپنی سزا۔۔۔ اسی۔۔۔ دنیا۔۔۔ میں۔۔۔ بھ۔۔۔ بھگت۔۔۔ چکا۔۔۔ ہے۔۔۔ تت۔۔۔ تم۔۔۔ اب۔۔۔ علیز۔۔۔ ے۔۔۔ کو۔۔۔ سزا۔۔۔ مت۔۔۔ دو۔۔۔ میرا۔۔۔ خدا۔۔۔ گواہ۔۔۔ ہے۔۔۔ میں نے۔۔۔ آج۔۔۔ وقار۔۔۔ آفندی۔۔۔ کو معاف کیا۔۔۔ معاف کیا میں نے۔"

بتول شاہ کے الفاظ سے عرش فرش کانپ گئے تھے اور دل آور شاہ تو جیسے کھڑے قد سے ڈھے گیا تھا۔

اس کی ماں زندگی کی تلخیوں کا آج ایک اور پیالہ پی گئی تھی اور وہ زندگی اور موت کے پل صراط پہ جھولتی بتول شاہ کو دیکھ کے رہ گیا تھا۔ دل آور کی سرخ آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے اور وہ انہی آنسوؤں کے درمیان انہیں ہی دیکھتا جا رہا تھا۔

"دیکھو۔۔۔ مجھے۔۔۔ میری۔۔۔ قبر کی۔۔۔ اذیت۔۔۔ سے آزاد۔۔۔ کر دو۔۔۔ پر۔۔۔ سکون۔۔۔ کر دو۔۔۔ مجھے۔۔۔ زری۔۔۔ کو۔۔۔ تو۔۔۔ تم۔۔۔ چھوڑ ہی چکے۔۔۔ ہو۔۔۔ علیز۔۔۔ ے۔۔۔ کو اپنا لو۔۔۔ میری خاطر۔۔۔ نکاح۔۔۔ کر۔۔۔ لو۔۔۔ اس سے۔۔۔ آج ہی۔۔۔ ابھی۔۔۔ میری۔۔۔ نظروں۔۔۔ کے سامنے۔۔۔ پھر۔۔۔ پھر۔۔۔ کوئی۔۔۔ دکھ۔۔۔ کوئی اذیت۔۔۔ نہیں رہے گی۔۔۔ تاقیامت۔۔۔ سکون۔۔۔ میں آجاؤں۔۔۔ گی۔۔۔ اور۔۔۔ کچھ۔۔۔ نہیں۔۔۔ تو۔۔۔ میرے۔۔۔ ہاتھوں کی لاج رکھ۔۔۔ لو۔"

انہوں نے انتہائی مشکل سے اٹک اٹک کر' ٹھہر ٹھہر کر اپنی بات مکمل کی تھی اور بہتے آنسوؤں کے ساتھ اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے تھے اور دل آور نے تڑپ کر ان کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لیے تھے۔ پھر ان کے ہاتھوں کو بڑے ضبط سے تھپک کر یک دم پلٹا اور آئی سی یو سے باہر نکل گیا تھا اور اسے اس طرح باہر نکلتے دیکھ کر گلاب خان بڑی تیزی سے اس کے قریب آیا تھا۔

"کیا بات ہے صاحب؟ سب ٹھیک تو ہے نا؟ بیگم صاحبہ کیسی ہیں اب؟ زیادہ پریشانی کی بات تو نہیں ہے نا؟" گلاب خان خاصا متفکر اور پریشان نظر آرہا تھا۔ کیونکہ دل آور کی حالت ہی کچھ ایسی دکھائی دے رہی تھی۔ "گلاب خان' تم گھر جاؤ۔۔۔ اور۔۔۔ علیزے کو لے کر آؤ' اسے بتاؤ جا کر کہ میں نکاح کی تیاری کیے بیٹھا ہوں۔" اس نے جواباً" جو کچھ کہا تھا وہ گلاب خان کو حیران پریشان کر دینے کے لیے کافی تھا۔ مگر اس میں اتنی جرات نہیں تھی کہ وہ اس سے کوئی سوال کرتا۔ اس لیے فوراً" سر جھکا کر حکم کی تعمیل کرتا پلٹ کر چلا گیا تھا۔

☼ ☼ ☼
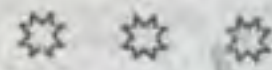
وہ بیسمنٹ کے فرش پہ لگے بستر پہ لیٹی' چہرے پہ کلائی رکھے اپنے گھر کی چار دیواری میں موجود اپنے تمام رشتوں کو سوچتی ہوئی ان کے درمیان سانس لے رہی تھی' ان کو محسوس کر رہی تھی' ان کے ساتھ جی رہی تھی جب اچانک کسی کے قدموں کی آہٹ پہ یک دم چونک سی گئی تھی اور اپنے ہنستے بستے گھر کی چار دیواری سے ایک پل میں دل آور شاہ کے بیسمنٹ میں آپہنچی تھی اور اس نے اپنے چہرے سے کلائی ہٹا کر فوراً" سامنے دیکھا تھا۔ اس کے سامنے گلاب خان سر اور نظریں جھکائے ہوئے کھڑا تھا اور زبان سے چپ تھا مگر علیزے کو اس وقت اس کی چپ بھی کافی انہونی سی چپ لگ رہی تھی کیونکہ گلاب خان کا انداز ہی کچھ ایسا تھا اور اس کے انداز سے ہی علیزے کی سماعتوں میں عجیب سی خطرے کی گھنٹی بجنے لگی تھی اور وہ یک دم پریشان سی ہو کر اٹھ کے بیٹھ گئی تھی۔

"کیا ہوا ہے گلاب خان؟ سب ٹھیک تو ہے نا؟" علیزے کے اپنے چہرے پر بھی تفکر کے سائے لہرانے لگے تھے۔

"بیگم صاحبہ کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔ وہ صبح سے اسپتال میں ہیں۔ مجھے صاحب نے بھیجا ہے میں آپ کو لینے

کے لیے آیا ہوں۔"

گلاب خان اس کے سامنے صاف صاف نہیں کہہ سکا تھا کہ وہ اسے نکاح کے لیے لینے آیا ہے۔

"ڈرائیور کی مما کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے؟ اوہ مائی گاڈ۔۔۔ یہ تو بہت برا ہوا ہے۔" علیزے نے اپنا دل تھام لیا تھا۔

اسے واقعی بہت صدمہ ہوا تھا۔ دل آور شاہ بے شک اسے جتنا بھی برا لگتا تھا مگر بتول شاہ اسے کبھی بھی بری نہیں لگی تھیں، بلکہ نہ جانے کیا بات تھی کہ علیزے کا ہمیشہ دل چاہتا تھا کہ وہ اس سے بات کریں اور اسے کچھ دیر اپنے پاس اپنے ساتھ بیٹھنے دیں مگر سچویشن ہی ایسی ہوتی تھی کہ اسے کبھی بھی یہ موقع نصیب نہیں ہوا تھا۔ "برے سے بھی زیادہ برا ہوا ہے بی بی جی لیکن اس وقت زیادہ بات کرنے کا وقت نہیں ہے ورنہ دیر ہو جائے گی۔ آپ جلدی سے میرے ساتھ چلیں۔"

گلاب خان نے اسے پھر چلنے کے لیے کہا تھا اور علیزے ٹھٹک گئی تھی۔

"میں چلوں؟ میں۔۔۔؟" وہ بے یقینی سے پوچھ رہی تھی۔

"جی۔۔۔ آپ۔۔۔ صاحب نے آپ کو ہی بلایا ہے۔" گلاب خان نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"لیکن! مجھے کیوں بلایا ہے؟ میرا کیا کام؟" علیزے کو اتنے مہینوں کے بعد اپنے کہیں جانے کا سن کر سچ مچ یقین نہیں آرہا تھا۔ یوں جیسے گلاب خان اس کے ساتھ مذاق کر رہا ہو۔

گلاب خان نے اب کی بار اس کے سر پہ بم پھوڑا تھا اور علیزے یک دم بدک کے رہ گئی تھی۔

"نکاح؟" اس کے منہ سے ایک اور ناقابل یقین لفظ ادا ہوا تھا۔

"جی ہاں۔۔۔ نکاح۔" گلاب خان اسے بس یقین دلائے جا رہا تھا اور وہ بے یقین ——— ہوتی جا رہی تھی۔

"مگر وہ ڈرائیور کی مما کا ایکسیڈنٹ؟ وہ۔۔۔ وہ تو اسپتال میں۔۔۔؟" اس نے بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔

"جی! بیگم صاحبہ کا ایکسیڈنٹ ہوا ہے اور یہ نکاح بیگم صاحبہ کی خواہش پہ ہی ہو رہا ہے اور ہوگا بھی اسپتال میں ہی اس لیے اس وقت آپ کو میرے ساتھ اسپتال ہی چلنا ہے۔"

گلاب خان نے اسے ساری سچویشن بتا دی تھی اور علیزے سن کر چپ کی چپ بت بن گئی تھی۔

آخر اس کے پاس کہنے کے لیے تھا ہی کیا؟ سب کچھ اس مقام پہ آخر ختم ہو گیا تھا۔ اب تو وہ اپنی ذات سے بھی دستبردار ہونے کو تھی۔

لیکن اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ اتنی آسانی سے اٹھ کر گلاب خان کے ساتھ چل پڑتی۔ بلکہ اس کا تو یہ سوچ کر ہی جسم ٹھنڈا پڑ گیا تھا کہ وہ اپنا آپ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس "ڈرائیور" کو سونپ رہی ہے۔ جو اس کا، اس کے باپ کا اور اس کے پورے خاندان کا دشمن ہے اور جس سے علیزے کو خود بے پناہ نفرت ہے جسے وہ دیکھنا بھی نہیں چاہتی جس کو وہ جان سے مار دینا چاہتی ہے۔

لیکن کیا کرتی؟ اس ڈرائیور کے سوا کوئی اس کی عزت بھی تو نہیں ڈھانپ سکتا تھا۔

اور یہی سوچ کر اس کے قدم زمین سے اٹھے اور آگے بڑھنے لگے تھے اور اس کے پیچھے پیچھے گلاب خان بھی بیسمنٹ سے باہر آگیا تھا۔ باہر کھڑی گل اسے دیکھ کر قریب آگئی تھی۔ اس کے ہاتھ میں بڑی سی سیاہ رنگ کی شیشے جڑی دھاگے کی کڑھائی والی چادر تھی۔ یہ چادر گل نے اپنے میکے سے خاص طور پہ علیزے کے لیے منگوائی تھی اور آج علیزے کو نکاح کے لیے جاتے دیکھ کر وہ جلدی سے وہ چادر اٹھا لائی تھی۔

"علیزے بی بی! آپ نے کہا تھا جب آپ کو ضرورت ہوگی تو آپ یہ چادر لے لیں گی اور میرا خیال ہے کہ آج سے زیادہ آپ کو اس چادر کی ضرورت پھر کبھی نہیں ہوگی۔" گل نے وہ چادر اس کے سامنے پھیلائی تھی اور علیزے نے وہ چادر چپ چاپ اس کے ہاتھ سے لے کر اوڑھ لی تھی اور کچھ بھی کہے بغیر باہر نکل گئی تھی۔ لیکن گل اور گلاب خان ایک دوسرے کو دیکھ کے رہ گئے تھے۔

☼ ☼ ☼

گاڑی سے اترتے ہوئے اس کے ہاتھ پاؤں کانپ رہے تھے۔ اور جسم و جان برف کی مانند سرد پڑ چکے تھے۔ اسے لگ رہا تھا کہ وہ کسی بھی وقت کہیں بھی لڑکھڑا کر گر جائے گی۔ مگر نہ جانے کیسے اور کس طرح وہ اپنے آپ کو سنبھالتی ہوئی گلاب خان کی معیت میں چلتی اندر اسپتال کی راہ داری تک آگئی تھی۔ جہاں دل آور شاہ زندگی میں پہلی بار فقیرانہ انداز میں لاچار، بے بس اور مفلس نظر آرہا تھا۔ جسے دیکھ کر لگ ہی نہیں رہا تھا کہ وہ دل آور شاہ ہے۔

"صاحب جی!" گلاب خان نے قریب آکر اسے متوجہ کیا تھا اور دل آور نے اس کی آواز پہ چونک کر اپنے دائیں طرف دیکھا تھا اور گلاب خان کے قریب ہی سیاہ چادر میں لپٹی ہوئی علیزے نے بھی اسے ہی دیکھا تھا۔ دونوں کی نظروں کا تصادم ہوا تھا اور دونوں کی نظریں ہی جھک گئی تھیں کیونکہ دونوں ہی بے بس تھے۔ نظریں نہ جھکاتے تو اور کیا کرتے؟ لیکن وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ نظروں کے ساتھ ساتھ اپنے اپنے مقام پہ دونوں کی ذات بھی جھک گئی ہے۔ حالات نے انہیں ہرا دیا تھا اور دو ہارے ہوئے لوگ زندگی کی جنگ کی شروعات کرنے جا رہے تھے۔

اور اس شروعات سے پہلے اک دوسرے کو دیکھ کر دونوں کے دل میں ہی عجیب عجیب سے ابال اٹھے تھے۔ مگر یہ وقت وہ نہیں تھا کہ دل میں اٹھنے والے کسی ابال یا کسی درد پہ دھیان دیا جاتا۔ بلکہ یہ وہ وقت تھا جس میں اپنے آپ کو اور اپنی ذات کو بھول جانا ہی بہتر تھا اور ان دونوں نے ایسا ہی کیا تھا۔ بھول گئے تھے سب کچھ۔۔۔ سب ہی کچھ۔

"گلاب خان۔۔۔ اندر آجاؤ۔" دل آور آہستگی سے کہہ کر پلٹ گیا تھا اور گلاب خان اس کا اشارہ سمجھتے ہوئے علیزے کو اپنے ساتھ لیے اس کے پیچھے ہی آگیا تھا۔ حالانکہ آئی سی یو میں جانے کی کسی کو بھی اجازت نہیں تھی۔ لیکن محض بتول شاہ کی خوشی کی خاطر ڈاکٹرز نے یہ چھوٹ بھی دے دی تھی۔

"آنٹی۔۔۔" علیزے بے ساختہ تڑپ کر ان کی سمت بڑھی تھی اور انہوں نے اپنی درد سے ٹوٹتی ہوئی سانسوں کے درمیان بڑی مشکل بڑی دقت سے پلکیں اٹھا کر علیزے کو دیکھا تھا۔ مگر علیزے کا چہرہ ان کی آنکھوں میں دھندلا گیا تھا "آنٹی! یہ سب کیا ہوگا؟ کیوں ہو گیا ہے؟ آپ تو صبح تک بالکل ٹھیک تھیں؟" علیزے ان کا ہاتھ تھامتے ہوئے روہانسی سی ہو گئی تھی۔

"م۔۔۔ میں۔۔۔ نے کہا تھا کہ آج۔۔۔ شام۔۔۔ تک۔۔۔ تمہارے۔۔۔ حوالے۔۔۔ سے۔۔۔ کوئی۔۔۔ فیصلہ ہو جائے۔۔۔ گا۔۔۔ اور۔۔۔ دیکھ لو۔۔۔ شام۔۔۔ بھی۔۔۔ ہو گئی۔۔۔ ہے۔۔۔ اور۔۔۔ اور۔۔۔ فیصلہ بھی۔"

وہ اپنی آخری سانسوں سے بھی جنگ لڑ رہی تھیں اور علیزے کا دل ڈوب ڈوب گیا تھا۔

"پلیز آنٹی۔۔۔ ایسا مت کہیں۔۔۔ آپ کو کچھ نہیں ہوگا۔" علیزے نے پہلی بار کسی کو تسلی دینے کی کوشش کی تھی۔

"علیز۔۔۔ ے۔۔۔ میرے۔۔۔ دل آور۔۔۔ ے۔۔۔ کا۔۔۔ اب۔۔۔ اس۔۔۔ دنیا۔۔۔ میں۔۔۔ اور کوئی۔۔۔ نہیں ہے۔۔۔ تمہارے سوا۔۔۔ اس۔۔۔ کا ہمیشہ۔۔۔ ساتھ۔۔۔ نبھانا۔۔۔ وہ بھی۔۔۔ تمہارا ہی۔۔۔ بن کے رہے گا۔۔۔ بلکہ۔۔۔ اب۔۔۔ وہ ہے ہی تمہارا۔۔۔ اس نے۔۔۔ میری۔۔۔ لاج۔۔۔ رکھی۔۔۔ ہے۔۔۔ تم۔۔۔ بھی۔۔۔ میری۔۔۔ بات کی۔۔۔ لاج رکھنا۔۔۔

زندگی... کے... کسی بھی... موڑ پر... وہ... تمہیں نہیں... چھوڑے گا... تم... بھی... اسے... کبھی... مت چھوڑنا... چاہے... زندگی میں... کچھ... بھی... ہو جائے۔"

بتول شاہ کا ہاتھ علیزے کے ہاتھ میں تھا اور علیزے کے اپنے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ ایسی سنگین اور جان لیوا سچویشن اس نے پہلے کب دیکھی تھی بھلا؟

"آیئے مولوی صاحب! اندر آجایئے۔" بتول شاہ کے سرہانے کی سائید میں کھڑا دل آور ان کی باتوں کا بوجھ دل پہ لیے مولوی صاحب کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ مولوی صاحب کے ساتھ ایس پی کامران مہدی اور ایک ڈاکٹر صاحب بھی تھے جنہیں اس وقت بطور گواہ بلایا گیا تھا اور وہ بخوشی آبھی گئے تھے۔ مگر افسوس کہ صورت حال بے حد اذیت ناک اور رنج سے بھرپور تھی۔

جو بھی دیکھ رہا تھا اس دکھ کو دل سے محسوس کر رہا تھا۔ خوشی کے یہ لمحات غم کے لبادے میں لپٹ جائیں گے یہ بھلا کب کسی نے سوچا تھا؟ نہ وقار آفندی نے... اور نہ بتول شاہ۔

جس طرح وقار آفندی کو اپنی بیٹی کی شادی دھوم دھام سے کرنے کا شوق تھا۔

اسی طرح بتول شاہ کے دل میں بھی اپنے بیٹے کی شادی کے حوالے سے بہت ارمان تھے۔

مگر اللہ کو کیا منظور تھا؟ یہ کون جانتا تھا بھلا؟ قبولیت کا وقت آیا تو علیزے نے اپنے سامنے کھڑے دل آور کو دیکھا تھا۔ "ہاں قبول ہے... " علیزے نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔ اس کا ہاتھ بتول شاہ کے ہاتھ میں دبا ہوا تھا۔ جیسے وہ اس کی ہمت بندھا رہی ہوں اور بتول شاہ کا ہاتھ دل آور کے ہاتھ میں تھا۔ جیسے وہ ہمیشہ کے لیے انہیں اپنے پاس رکھ لینا چاہتا ہو... وہ دونوں آمنے سامنے کرسیوں پہ بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک دوسرے کو باآسانی دیکھ بھی سکتے تھے۔ مگر دل آور نے پھر بھی اسے ایک بار بھی نہیں دیکھا تھا۔ حالانکہ علیزے نے اسے تین بار دیکھا تھا۔

"ہاں قبول ہے... ہاں قبول ہے۔" تیسری دفعہ کہتے ہوئے علیزے کی آنکھوں کے قیدی تیزی سے باڑھ پھلانگ آئے تھے اور اس کا ضبط بکھر گیا تھا۔ جس پہ گلاب خان نے آگے بڑھ کے بے حد شفقت سے اور بے حد مان سے اس کے سر پہ ہاتھ رکھ دیا تھا۔

اور جب یہی لمحہ دل آور پہ آیا تو اس کی بھی جیسے پوری کائنات ٹھہر گئی تھی اور دل میں اک لہر سی اٹھی تھی۔ زری... اس کے دل نے بے حد شدت سے پکارا۔ مگر جب اس نے اس پکار پہ یک دم سر اٹھا کر سامنے دیکھا تو سامنے اسے صرف اور صرف علیزے کا چہرہ نظر آیا تھا جو اسے قبول کر چکی تھی اور جس کے ماتھے پہ اب اسی کا نام قسمت بن کر تحریر ہو چکا تھا اور اس چہرے کو دیکھنے کے بعد زری کا چہرہ معدوم سا ہو گیا تھا۔

"آہ..." بتول شاہ دل آور کی ہاں کی منتظر تھیں۔ ان کی کراہ اسے واپس کھینچ لائی تھی اور اس نے بتول شاہ کو دیکھتے ہوئے علیزے کو قبول کر لیا تھا اور ساتھ ہی سائن بھی کر دیے تھے۔

"مبارک ہو بیرسٹر صاحب! مبارک ہو... بہت بہت مبارک ہو۔" ایس پی کامران مہدی، ڈاکٹر زاور مولوی صاحب اسے مبارک باد دے رہے تھے۔ مگر دل آور کو بھلا کب ہوش تھا؟ اس کا دھیان تو بس بتول شاہ کے ہاتھ کی طرف تھا جو ایک دم سے بے جان سا ہو گیا تھا اور علیزے کا ہاتھ بھی ان کی گرفت سے نکل گیا تھا۔ جس پہ وہ دونوں ہی چونک گئے تھے۔ مگر بتول شاہ کے کلمہ پڑھتے ہونٹ ساکت ہو چکے تھے اور دل آور کا دل بند ہو گیا تھا۔

"اماں...!" اس نے بڑی مشکل سے اٹھ کر ان کے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں تھام کر پکارا تھا۔ مگر وہ کیسے جواب دیتیں؟ آخر موت بازی لے گئی تھی اور زندگی چپ چاپ ان کے ہاتھوں میں ہار گئی تھی... مات کھا گئی تھی۔

(باقی آئندہ)

میرا نام آنیہ ہے۔ چھ بہن بھائیوں میں میرا آخری نمبر تھا اور شاید میرے پیدا ہونے پر والدین کو ایسی کوئی ایکسائٹمنٹ بھی نہیں تھی' تو میں بس یونہی پلتی بڑھتی رہی۔

بڑے بہن بھائیوں کو دیکھ کر ہر کام بہت جلد سیکھ لیا میں نے کھانا کھانا' کپڑے بدلنا' منہ ہاتھ دھونا' اسکول کا ہوم ورک اور ٹیسٹ کی تیاری بھی خود ہی کرتا۔ میرے ماں باپ کی توجہ مجھ تک آتے آتے پانچ اولادوں میں بٹ چکی ہوتی تھی۔ محبت اور گرم جوشی تو تھی ہی نہیں اس رشتے میں۔۔۔ بس سرسری سی گفتگو ہوا کرتی تھی ہمارے مابین۔ میرے والدین کو کبھی مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوئی' نہ میں شرارتی تھی نہ ہی بدتمیز۔۔۔ ویسے تو میں ذہین اور قابل بھی نہ تھی کہ ان کو فخر کرنے کا ہی موقع فراہم کردیتی۔ میرا بچپن اور لڑکپن اپنے والدین کو فخر اور شکایت کے مواقع دیے بنا ہی گزرتا چلا گیا۔

بھائی بہنوں میں بھی میری کسی سے خاص دوستی نہ ہو سکی۔ ان کی اپنی دلچسپیاں تھیں۔ ویسے بھی میں فطری طور پر ایک شرمیلی اور کم گو سی لڑکی تھی۔ اپنی موجودگی کا احساس دلانا نہیں آتا تھا مجھے اور میں چاہتی بھی نہیں تھی۔ میرے تو یہ سوچ کر رونگٹے کھڑے ہو جایا کرتے تھے کہ لوگ میری طرف غور سے دیکھ رہے ہیں۔ میں اپنے اندر کی دنیا میں سمٹ کر رہ گئی تھی۔ اور اس تنہائی میں جانے کب میری دوستی اللہ سے ہو گئی۔

اکثر اکیلے بیٹھ کر میں قدرت کے نظاروں سے لطف اندوز ہوتی اور براہ راست اللہ کو مخاطب کرکے اس کی حمد و ثنا کیا کرتی تھی۔ پھر اپنی ذاتی گفتگو کے لیے بھی میں اسے ہی مخاطب کرنے لگی۔ مجھے بہت مزا آتا تھا۔ جیسے ٹیلی فون پر کسی عزیز دوست سے بات کرکے لطف آتا ہے بالکل اسی طرح۔۔۔ ہم دوست کی صورت تو نہیں دیکھ سکتے لیکن جانتے ہیں کہ وہ ہماری بات کو سن رہا ہے۔ بالکل یہی محسوس ہوتا تھا مجھے اس وقت۔۔۔ پھر اللہ تعالیٰ ہر جگہ ہر وقت میرے ساتھ ساتھ رہنے لگا۔ میں اپنی ہر غلطی اسے بتایا کرتی' اپنی ہر خواہش ہر خواب اسی کو سنانے لگی۔

اسکول کے بعد کالج اور پھر یونیورسٹی۔۔۔ وہاں بھی میرا یہی چلن رہا۔ میں بظاہر چپ رہتی لیکن دل ہی دل میں اللہ سے کچھ نہ کچھ کہتی رہتی۔ آسمان کی طرف یوں دیکھا کرتی جیسے وہ مجھے نظر آرہا ہو اور مجھے بہت اچھا لگتا تھا۔ یونیورسٹی میں دوسرا سال تھا کہ مجھے کچھ عجیب سا احساس ہوا۔ ایسے جیسے کوئی بغور میری طرف دیکھ رہا ہے جس سمت سے مجھے نگاہوں کی تپش محسوس ہوتی اس جانب میں جیسے ہی گردن موڑ کر دیکھتی تو زوہیب مجھے کسی اور ہی طرف دیکھتا نظر آتا تھا۔ میں اسے اپنا وہم سمجھ کر پھر سے کام میں مشغول ہو جاتی۔ ویسے بھی وہ ہمیشہ پڑھائی پر دھیان دینے والا ہماری کلاس کا ذہین ترین اسٹوڈنٹ تھا مجھے اس پر کبھی بھی اس طرح کا شک نہیں ہو سکتا تھا۔

لیکن ایک دن جب میں اپنا بیگ بنچ پر چھوڑ کر کینٹین سے کولڈ ڈرنک لے کر واپس آئی تو دیکھا میرے بیگ پر کالے سیاہ مارکر سے جلی حروف میں بیوٹی فل لکھا ہوا تھا میں نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا۔ لوگ تو بہت تھے لیکن میری طرف کسی کی بھی توجہ نہیں تھی' سب اپنے کام میں مصروف تھے۔ کچھ اندازہ نہیں ہو پایا کہ یہ کس کی حرکت تھی؟ میں یکدم ہی بہت خوفزدہ ہو گئی۔ بیگ اٹھا کر میں نے اپنی کولڈ ڈرنک تو وہیں چھوڑ دی اور بک شاپ کی طرف چل پڑی۔ وہاں پہنچ کر انکل سے دو تین شاپر لیے' اپنی کتابیں بیگ سے نکال کر ان میں منتقل کیں پھر واش روم میں جا کر بیگ کو خوب رگڑ رگڑ کر دھونے لگی۔ میری پوری کوشش تھی میں کسی طرح وہ الفاظ مٹانے میں کامیاب ہو جاؤں۔ صد شکر میرا بیگ صاف ہو گیا جو بھی تھا اس نے کم از کم اتنی مہربانی کی تھی کہ بورڈ مارکر ہی استعمال کیا تھا' پرمننٹ نہیں۔ ورنہ وہ کبھی صاف نہ ہو پاتے اور اگر کسی کی نظر پڑ جاتی تو کیا سوچتا۔

خیر میں اپنا دھلا ہوا بیگ دوسرے شاپر میں ڈال کر اپنی کتابیں وغیرہ اٹھا کر گیٹ کے پاس چلی آئی۔ بیگ دھونے کے چکر میں ساری کلاسز مس ہو گئی تھیں اب تو گھر جانے کا وقت ہو رہا تھا مجھے وہاں کھڑے ابھی چند منٹ ہی گزرے ہوں گے کہ رابعہ میرے پاس آگئی وہ میرے ڈیپارٹمنٹ کی تھی اس نے نہایت غور سے میرے ہاتھوں میں ان شاپرز کو دیکھا اور پوچھا۔

"تم نے اپنا بیگ دھو لیا؟"

میں جواب دینے کے بجائے اس کی شکل دیکھنے لگی۔ یعنی کسی نہ کسی کو خبر ہو ہی گئی تھی کہ میرے بیگ پر کچھ لکھا گیا ہے۔ مجھ سے کچھ بولا نہیں گیا' اس نے خود ہی کہا۔

"دراصل میں زوہیب کو میں نے تمہارے بیگ پر مارکر سے کچھ لکھتے دیکھا تھا؟ دور کھڑے ہونے کی وجہ سے میں پڑھ نہیں پائی' کیا لکھا تھا اس نے؟۔۔۔ تم نے تو فوراً" بیگ صاف کرلیا ہے۔۔۔" مجھے بے حد شاک لگا۔۔۔ زوہیب نے میرے بیگ پر ایسا لفظ کیوں لکھا؟ نہیں۔۔۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ زوہیب عالی جیسا ڈیسینٹ لڑکا ایسی حرکت نہیں کر سکتا۔ رابعہ کو ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ ویسے بھی وہ تو دور کھڑی تھی میں اپنے آپ میں الجھ رہی تھی اسی اثناء میں رابعہ کا بھائی اسے لینے آگیا اور وہ چلی گئی۔

جانے کیا کیا سوچتی میں اپنے گھر پہنچی تو باجی نے بتایا کہ مجھے دیکھنے شام میں کچھ لوگ آرہے ہیں۔ سب کچھ بھول بھال کر میں ان کے ساتھ تیاریوں میں مصروف ہو گئی۔

وہ رمیز کے گھر والے تھے جنہیں پہلی ہی ملاقات میں میں پسند آگئی اور انہوں نے رشتہ مانگ لیا۔ میرے والدین کو کوئی اعتراض نہ ہوا' رشتہ قبول کرلیا پھر باقی سب کچھ بہت تیزی سے ہوا مجھے تعلیم کو خیرباد کہنا پڑا گھر میں شادی کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ سب کچھ امی اور بہنیں اپنی پسند سے کر رہی تھیں مجھے ویسے بھی کپڑوں گہنوں میں ایسی دلچسپی نہ تھی اور نہ ہی میں جدید فیشن کے بارے میں کچھ جانتی تھی۔ جو سب نے ٹھیک سمجھا خرید لیا۔ میری کوئی خاص فرمائش نہیں تھی ان سے۔۔۔ شادی بہت اچھے طریقے سے ہوئی۔ رمیز نے بے حد محبت سے مجھے اپنی زندگی میں شامل کرلیا۔

وہ میری توقع سے بڑھ کر اچھے شوہر ثابت ہوئے' بہت محبت کرنے والے اور بہت زیادہ خیال رکھنے والے۔۔۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ خوش تھے وقت گزرتا گیا۔ پہلے ایک بیٹا الہان اور پھر بیٹی رمشہ۔۔۔ میرا خاندان مکمل ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے میری زندگی میں کوئی کمی نہیں رکھی تھی۔ باتیں تو میں اپنے اللہ سے اب بھی کرتی تھی لیکن شکر تو بہت زیادہ ادا کیا کرتی تھی۔ میں اکثر سوچا کرتی کہ میں نے تو دنیا میں ہی جنت پالی ہے جانے آخرت کی جنت کیسی ہوگی۔ میری زندگی سکون اور اطمینان سے بھرپور تھی۔ اسی سکون اور اطمینان میں شادی کے بارہ سال گزر گئے۔ یوں پلک جھپکتے کہ اندازہ ہی نہ ہو سکا۔

ساس سسر کے انتقال کے بعد ہم نئے گھر میں شفٹ ہو گئے۔ جیٹھ نے بھی اپنا گھر الگ بنا لیا تھا۔ لیکن ہم سب میں اچھے تعلقات تھے۔ رمیز نے گھر عین میری پسند کے مطابق بنوایا تھا۔ لان کے پودوں سے لے کر گھر کے دروازوں کی کنڈیوں تک ہر چیز میرا انتخاب تھی۔ رمیز مجھ پر حد سے زیادہ بھروسہ کرتے تھے ہر طرح کا انتظام میں نے سنبھالا ہوا تھا۔ اندر باہر کے سارے کام میں دیکھتی' کھانا بھی خود ہی بناتی اور اپنے پیارے بچوں کو بھی میں ہی پڑھایا کرتی تھی۔ وہ دونوں میری محنت کا پورا صلہ دیا کرتے اور اپنی اپنی کلاس میں بہترین پوزیشنز حاصل کیا کرتے تھے۔ رمیز کا کاروبار بھی دن دگنی رات چوگنی ترقی کر رہا تھا۔

ایک عورت کو اور کیا چاہیے؟ اچھا شوہر' دو صحت مند بچے' رہنے کو خوبصورت سا گھر اور روپے پیسے کی فراوانی۔۔۔ میری آئیڈیل زندگی میں کسی چیز کی کمی نہیں تھی۔۔۔ کہ ایک دن میری ملاقات زوہیب سے ہوئی۔

میرے جیٹھ کی ویڈنگ اینی ورسری تھی جس کا انتظام ایک ہوٹل میں کیا گیا تھا۔ بہت سے مہمان مدعو تھے۔ دعوت اچھی رہی تھی ڈنر کے بعد جب ہم باہر

نکلے تو رمیز نے مجھے ریسپشن پر رکنے کے لیے کہا۔
"تم یہیں ٹھہرو میں گاڑی لے کر آتا ہوں۔" وہ باہر نکل گئے اور میں سرہلا کر وہیں ان کا انتظار کرنے لگی۔
۔۔۔ میں نے ساڑھی پہن رکھی تھی اور میرا ہائی ہیل پہن کر اتنی دور تک سڑک پر چلنا بھی دشوار تھا لیکن الہان اور رمشہ اپنے پاپا کے ساتھ پارکنگ لاٹ کی طرف جا چکے تھے۔
میں ریسپشن میں دیوار کے ساتھ رکھی کونسول ٹیبل پر آئینے کے سامنے سجی اکے بانا فلاور ارینجمنٹ کو نہایت انہماک سے دیکھ رہی تھی تبھی کسی نے آہستگی سے مجھے پکارا۔ تھوڑا حیران ہو کر میں نے آئینے میں دیکھا اور پھر تیزی سے مڑی۔ "زوہیب" میرے سامنے کھڑے تھے۔
میں نہیں جانتی کچھ لمحوں کے لیے میرا دل دھڑکنا کیوں بھول گیا' میری ہموار سانس اچانک سینے میں اٹک سی کیوں گئی تھی اور میں پلکیں کیوں نہیں جھپک پا رہی تھی۔ یہ بے اختیاری عمل۔۔۔ جو زوہیب کو یوں تیرہ سال بعد اپنے سامنے پا کر مجھ سے یونہی سرزد ہوئے۔۔۔ ورنہ میں نے ایسا تو نہیں چاہا تھا۔
دوسری جانب زوہیب کی حالت بھی مجھ سے کچھ مختلف نہ تھی وہ بس ایک بار زیر لب میرا نام پکارنے کے بعد یونہی کھڑے تھے۔ ہم دونوں کا انہماک زوہیب کے موبائل کی تیز آواز سے ٹوٹ گیا۔ انہوں نے چونک کر اپنا فون جیب سے نکالا تھا اور میں۔۔۔ ایک گہری سانس لے کر اپنی ہتھیلی سے ماتھے پر آئے پسینے کو صاف کرنے لگی۔ بار بار پلکیں جھپکتے میں نے خود پر قابو پانے کی کوشش کی۔ سنبھلنے میں کچھ تو وقت لگتا لیکن زوہیب نے اس کا موقع نہیں دیا۔ اپنے سیل فون پر آئی کال سنے بغیر ہی ڈس کنکٹ کر کے ایک بار پھر میری طرف متوجہ ہوگئے' جوش سے بھرپور آواز نے مجھے مخاطب کیا۔
"آنیہ تم۔۔۔؟ مجھے یقین نہیں آرہا۔۔۔ کیسی ہو تم؟" انہوں نے براہ راست میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے میرا حال چال پوچھا اور میں ان کی آنکھوں میں حیرت اور خوشی کے ملے جلے تاثرات دیکھ رہی تھی۔ لیکن کچھ اور بھی تھا ان کی آنکھوں میں۔۔۔ میں نے نظریں چرالیں اور کچھ اٹکتے ہوئے جواب دیا۔
"میں۔۔۔ ٹھیک ہوں۔۔۔" اپنی ہی آواز اس قدر غیر مانوس سی معلوم ہو رہی تھی مجھے۔ اسی دعا سلام کے بعد انہوں نے میرا سیل نمبر مانگا جو میں نے فوراً" ہی دے دیا۔ وہ مجھے دیکھ کر بے انتہا خوش تھے۔۔۔ اور میں بھی۔ ایک دوسرے کو اتنے سالوں بعد جو دیکھا تھا میرے ذہن میں تو یونیورسٹی کی ہر یاد تازہ ہوگئی تھی۔ ہم دونوں ہنس ہنس کر باتیں کرنے لگے۔
میں کہاں آئی تھی؟ کہاں کھڑی تھی؟ کس کا انتظار کر رہی تھی؟۔۔۔ یہ سب کچھ میرے دماغ سے نکل چکا تھا ہوش تب آیا جب الہان نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر مجھے مخاطب کیا۔
"ماما چلیں' پاپا کب سے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔۔۔" اور میں نہ چاہتے ہوئے بھی زوہیب کو اللہ حافظ کہہ کر وہاں سے چلی آئی۔
گاڑی میں رمیز نے پوچھا "کس سے باتیں کر رہی تھیں؟" اور پہلی بار نہ جانے کیوں میں نے رمیز سے جھوٹ بولا۔
"ہمارے دور کے رشتہ دار تھے۔۔۔ کافی سالوں بعد نظر آئے تھے اس لیے۔۔۔ سوری آپ کو ویٹ کرنا پڑا۔۔۔" میں نے فوراً" ہی ان سے معذرت کی اور رمیز نے "اٹس او کے" کہہ کر بات ختم کر دی اور گاڑی چلانے لگے۔ میں نے کبھی ان سے کچھ نہیں چھپایا تھا جو وہ مجھ پر شک کرتے۔ لیکن میں راستے بھر یہی سوچتی رہی کہ آخر میں نے رمیز کو سچ کیوں نہیں بتایا۔۔۔؟
میں اپنے موبائل کے معاملے میں بالکل ہی پھسڈی ہوں۔ اکثر اس کی بیٹری ختم ہوئے کئی دن گزر جاتے ہیں اور مجھے چارج کرنے کا خیال ہی نہیں آتا پھر رمشہ ہی میرے ہینڈ بیگ سے نکال کر اسے چارج کرتی ہے اور مجھے بھی خیال رکھنے کی تاکید کرتی ہے۔

لیکن۔۔۔ اس دن زوہیب سے بات کرنے کے بعد میں نے اپنے فون کو وقت پر چارج کرنا شروع کر دیا تھا۔
جی ہاں! زوہیب کا فون۔۔۔ انہوں نے مجھے کال کی تھی۔ اس رات تو ٹھیک سے بات ہو نہیں سکی تھی۔ اگلی صبح جب انہوں نے فون کیا تو میں بچوں کو اسکول اور رمیز کو آفس روانہ کر چکی تھی۔ یہ وقت میرا اطمینان سے چائے پینے کا تھا۔
ان کا فون آیا اور ہم دونوں نے بہت باتیں کیں۔۔۔ بہت ساری۔ وہ میرے بارے میں پوچھتے رہے۔ میں نے اتنے سال کیا کیا؟ کیسی زندگی گزاری اور میں ان کے ہر سوال کا تفصیل سے جواب دیتی رہی۔ مجھے زندگی نے بہت اچھا برتا تھا' کبھی بھی کسی قسم کا پچھتاوا تھا نہ ملال۔ میں نے انہیں سب کہہ سنایا۔ میرے بارے میں سب کچھ جاننے کے بعد وہ تھوڑی دیر کے لیے خاموش ہوگئے۔ میں نے چائے کا آخری گھونٹ بھر کر مگ سامنے میز پر رکھ دیا اور صوفے پر آرام سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ پھر میں نے ان کی خاموشی کو محسوس کیا۔ "ہیلو"۔۔۔ کہیں کال ڈس کنکٹ تو نہیں ہوگئی مگر نہیں فوراً" ہی آواز دوبارہ سنائی دی۔
"میں تم سے کچھ پوچھنا چاہتا تھا آنیہ۔۔۔؟"
"جی پوچھیے۔۔۔" میں تو فارغ ہی تھی۔ صفائی والی ماسی کے آنے میں ابھی کافی ٹائم تھا اور تب تک کسی قسم کی مداخلت کا کوئی امکان بھی نہیں تھا۔ ویسے بھی میں اب تک ان کے سوالوں کے ہی جواب تو دے رہی تھی۔
"پوچھ لیں۔۔۔ جو پوچھنا ہے آپ کو۔۔۔" میں نے ان کی جھجک محسوس کر کے ہمت بندھائی تھی۔۔۔ پھر بھی وہ تھوڑا ٹھہر ٹھہر کر بولے تھے۔۔۔
"آنیہ۔۔۔" میں نے نام سن کر اپنا سیل فون کان کے ساتھ مزید چپکا لیا تھا' انہوں نے کہا۔
"میں تم سے پوچھنا چاہتا تھا کہ اتنے سالوں میں کبھی ایک دن یا ایک لمحے کے لیے ہی سہی۔۔۔ تمہیں میری یاد آئی؟" اور میں۔۔۔ ایک بار پھر سانس روکے بیٹھی تھی۔ یہ زوہیب کا سوال نہیں تھا جس نے مجھے سن کر دیا یہ تو ان کا لہجہ تھا جس نے رگوں میں دوڑتے خون کو یکلخت منجمد کر کے بہنے سے روک دیا تھا۔ میں خاموش۔۔۔ چپ چاپ بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی اور زوہیب کا فقرہ دھماکہ خیز ثابت ہوا تھا میرے سکون کی دھجیاں اڑ کر رہ گئیں جب انہوں نے کہا۔
"میں تم سے شادی کرنا چاہتا تھا آنیہ۔۔۔ تم مجھے بہت اچھی لگتی تھیں۔۔۔ تمہارے چلے جانے کے بعد میں نے بڑی مشکلوں سے تمہارا گھر ڈھونڈا تھا لیکن تب تک بہت دیر ہو چکی تھی۔ میں چپ چاپ واپس چلا آیا۔ میرے دل کی بات دل ہی میں رہ گئی مجھے کبھی سکون نہیں ملا۔۔۔ میں نے تمہیں سچے دل سے چاہا ہے آنیہ! میں آج بھی تم سے بہت محبت کرتا ہوں۔۔۔" یہ انہوں نے کیا کہہ دیا تھا۔۔۔ میں نے حیران پریشان ہو کر موبائل کان سے ہٹایا اور نگاہوں کے سامنے لا کر گھورتی چلی گئی۔ اسی لمحے میرا فون ڈیڈ ہوگیا' اس کی بیٹری ختم ہوگئی تھی۔
مجھے کبھی اپنی اس کاہلی پر اتنا غصہ نہیں آیا تھا جتنا اس روز آیا۔ غصہ میں جھنجلاتی میں صوفے سے اٹھی' فون چارجر میں لگایا اور زمین پر سوئچ کے پاس بیٹھ گئی۔ لیکن کال ڈس کنکٹ ہو چکی تھی۔ اس دن دوبارہ فون نہیں آیا ان کا اور میں تمام دن زوہیب کے بارے میں ہی سوچتی رہی۔
میں تو ایک معمولی سی لڑکی تھی سادہ اور بے وقوف سی۔ چادر لے کر یونیورسٹی آیا جایا کرتی تھی۔ اس لیے نہیں کہ میں کوئی باپردہ یا بہت دین دار لڑکی تھی بلکہ اس لیے کہ میں ڈرپوک تھی اور مجھے چادر کے حصار میں قید اپنا وجود محفوظ لگتا تھا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ چادر مجھے دنیا کے ہر شر سے بچا لے گی۔ اسے اوڑھ کر میں جیسے قلعہ بند ہو جایا کرتی تھی۔ یونیورسٹی میں میں نے کبھی کلاس ڈسکشن پروگرام وغیرہ میں بھی حصہ نہیں لیا تھا۔ کسی شعبے میں غیر معمولی کارکردگی نہیں دکھائی تھی تو پھر۔۔۔ تو پھر آخر کیوں؟ کیسے؟
میں سوچ سوچ کر حیران ہوئی جا رہی تھی مجھے سمجھ ہی نہیں آرہا تھا کہ زوہیب جیسے قابل' ہونہار اور

نہایت خوبرو شخص کو آخر مجھ میں ایسا کیا نظر آیا جو وہ مجھ سے محبت کرنے لگے۔ وہ تو کبھی کسی لڑکی کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتے تھے جبکہ میں نے خود بہت سی لڑکیوں کو ان سے بات کرنے کے بہانے ڈھونڈتے دیکھا تھا۔ مگر زوہیب نے کبھی غیر ضروری گفتگو نہیں کی تھی ان لڑکیوں سے بھی جو اداؤں کے تیر چلا کر مردوں کو گھائل کرنے کی پوری صلاحیت رکھتی تھیں۔

میں جتنا سوچ رہی تھی اتنا الجھ رہی تھی۔ اس کے باوجود زوہیب کی محبت پر یقین نہ کرنے کی میری پاس کوئی وجہ نہیں تھی ان کا لہجہ ان کے جذبہ کی سچائی کی گواہی دے چکا تھا۔ اس لیے ... مجھے ہتھیار ڈالنے پڑے۔ دل نے تسلیم کرلیا کہ ہاں زوہیب نے مجھے چاہا ان کی محبت سچی تھی اور ہے۔ مجھے یکایک خود پر فخر محسوس ہونے لگا۔ زوہیب جیسے خاص الخاص شخص نے مجھے کبھی اس شدت سے چاہا تھا کہ زندگی بھر کے لیے میرے ساتھ کی تمنا کی تھی میں خوشی سے دیوانی ہونے لگی۔

مجھے بھی یاد آنے لگا کہ یونیورسٹی لائف میں کس طرح ہر پل ہر دم میں ان کی ہر سرگرمی پر نظر رکھا کرتی تھی۔ اس وقت میں سمجھ نہیں سکی تھی آج سمجھ میں آرہا تھا کہ میں بھی انہیں پسند کرتی تھی' بے حد پسند کرتی تھی ان کی وجاہت اور شریفانہ مزاج سے متاثر لڑکیوں میں میرا بھی شمار ہوتا تھا۔ ہر امتحان میں ٹاپ کرنا' ہر مضمون میں ان کی نمایاں کارکردگی' خوش اخلاقی اور پر اعتماد شخصیت سے میں بے حد مرعوب تھی۔

ان دنوں تنہائی میں جب کبھی اپنے جیون ساتھی کے بارے میں سوچا کرتی کہ اسے کیسا ہونا چاہیے تو خود بخود زوہیب کا سراپا بند آنکھوں میں اتر آتا تھا۔ میرے شوہر کو ایسا ہونا چاہیے۔ ویل ایجوکیٹڈ اور کانفیڈنٹ' زوہیب کی طرح... ڈریسنگ اور ہیئر اسٹائل بھی ایسا... لاشعوری طور پر میں انہیں اپنا آئیڈیل بنا بیٹھی تھی۔

رمیز مجھے پہلی ہی نظر میں کیوں اچھے لگے تھے اس کا ادراک مجھے اب ہو رہا تھا۔ آپ کو بھی جان کر حیرت ہوگی کہ رمیز اور زوہیب میں حد درجہ مماثلت تھی اور شاید یہی وجہ تھی کہ میں رمیز سے محبت کرنے لگی تھی مجھ پر آج یہ انکشاف ہو رہا تھا کہ میں نے دراصل زوہیب کی محبت رمیز کی جھولی میں ڈالی تھی۔

زوہیب سے میں کبھی اپنے جذبات کا اظہار نہیں کرپائی تھی لیکن رمیز سے شرعی رشتہ ہونے کی حیثیت سے میں نے دل کھول کر اپنی محبت کا اظہار کیا تھا اور اب تک کر رہی تھی۔ شادی کے اتنے سال گزر جانے کے باوجود ہماری محبت میں کوئی کمی نہیں آئی تھی لیکن... شاید... اصل محبت مجھے زوہیب سے تھی اور رمیز میری زندگی میں زوہیب کا سایہ بن کر اس محبت کو وصول کرتے رہے تھے۔

وہ پورا دن خواب و خیال کی دنیا میں بھٹکتی رہی... اک لمحہ اسی احساس کے زیر اثر گزارا۔ کیسا جادوئی تجربہ ہوتا ہے چاہا جانا... مجھے اپنے ماں باپ کے گھر میں کبھی اہمیت نہیں دی گئی تھی' اسکول کالج میں کبھی قابل توجہ نہیں سمجھا گیا تھا۔ وہ پورا عرصہ یادوں کی کتاب میں بنا جلی حروف کے درج تھا۔ آج اس باب کو محبت اور چاہ کا عنوان مل رہا تھا تو میں بھلا اعتراض کیوں کرتی۔

انسان تو ہر عمر میں اپنی اہمیت کا احساس چاہتا ہے میں بھی تو انسان ہوں۔ زوہیب کے اعتراف نے میری زندگی کی بہت سی خالی جگہوں کو یکدم پر کردیا تھا۔ کون کہتا ہے جوانی لوٹ کر نہیں آتی؟ میں تو عمر کے چونتیسویں برس میں بھی اپنے آپ کو ٹین ایجر محسوس کر رہی تھی... وہی دوشیزگی' وہی بانکپن' وہی جوانی... ہاں... زوہیب کے ان دو جملوں نے مجھے سر سے پاؤں تک سرشار کردیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"کاش' کاش یہ فون چارجڈ ہوتا تو..." میں نے تاسف سے اپنے سیل فون کی طرف دیکھا۔ جو کل سے چارجڈ ہونے کے باوجود خاموش تھا۔ دوپہر کا کھانا کھا کر دونوں بچے اپنے کمروں میں تھے۔ کچھ دیر لیٹ کر میں بھی آرام کیا کرتی تھی۔ اپنے کمرے میں چلی آئی۔ ہمیشہ میرا فون اس وقت سائلنٹ موڈ پر ہو جاتا تھا آج میں نے ایسا کچھ نہیں کیا تھا مجھے زوہیب کی کال کا انتظار تھا۔

شام کی چائے میں لان میں بیٹھ کر پیتی ہوں۔ پانچ بج رہے تھے' اپنا پسندیدہ ڈائجسٹ اور چائے کا مگ لے کر میں لان میں چلی آئی۔ ہر روز میں یونہی شام کو باہر بیٹھتی اور مغرب کی اذان سننے کے بعد ہی گھر میں واپس جایا کرتی تھی لیکن آج میرے ساتھ میرا سیل فون بھی تھا۔ وہ سیل فون جسے میں ہمیشہ پرس میں یا تکیے کے نیچے رکھ کر بھول جایا کرتی تھی۔ آج کا پورا دن میری نظروں سے اوجھل نہیں ہوا تھا کیونکہ "دل" نے ایسا ہونے دیا تھا۔

چائے پیتے ہوئے میں نے ڈائجسٹ پڑھنے کی کوشش کی۔ لفظ آنکھوں کے سامنے گڈمڈ سے ہونے لگے۔ میرا دھیان ہر بار بھٹک کر زوہیب کی طرف چلا جاتا۔ کوئی ایک فقرہ مکمل نہ پڑھ پائی تھی میں... پھر میں نے ڈائجسٹ بند کرکے رکھ دیا اور اپنا فون ہاتھ میں پکڑ کر بیٹھ گئی۔ اسی لمحے ایک میسج موصول ہوا۔ وہ UnKnown نمبر میرے لیے ہرگز اجنبی نہیں رہا تھا۔ وہ زوہیب کا بھیجا ہوا میسج تھا۔ دھڑ دھڑ دھڑکتے دل کے ساتھ میں نے "view" پر انگلی رکھ دی... اور زوہیب کا میسج میری آنکھوں کے سامنے تھا۔

"کیا ناراض ہوگئی ہو؟" فقط ایک ہی جملے پر مشتمل وہ پیغام میری روح کی گہرائیوں تک اترتا چلا گیا۔ اتنی محبت' اتنی اپنائیت تھی اس فقرے میں... کیسا لگاؤ ظاہر ہوا تھا۔ انہیں میری ناراضی کی پروا تھی۔ میرا دل پگھلنے لگا اور میں نے میسج کا جواب لکھنا شروع کردیا۔

"نہیں میں ناراض نہیں ہوں... ناراض تو آپ کو ہونا چاہیے تھا۔" میں نے ٹائپ کرکے فوراً "سینڈ" کردیا۔ ان کا جواب بھی چند سیکنڈ بعد ہی موصول ہوگیا۔

"نہیں۔ میں تم سے کبھی ناراض نہیں ہوسکتا' کبھی بھی نہیں اور تم... پلیز خفا مت ہونا' میں جانتا ہوں تمہاری شادی ہوچکی ہے زندگی کے اس موڑ پر مجھے تم سے ایسی باتیں نہیں کہنی چاہیے تھیں لیکن اس رات تمہیں سامنے دیکھ کر مجھے اپنے آپ کو سنبھالنا مشکل ہوگیا۔ میں تم سے محبت کرتا ہوں' یہ بات کہے بغیر میں رہ نہیں سکا... بس اس لیے..."

وہ میسج ادھورا ہو کر بھی مکمل تھا... میں لب بھینچے اس Text کو پڑھ رہی تھی' میں نے جواب دیا۔

"میں بھی آپ سے خفا نہیں ہوسکتی آپ نے تو مجھے میری نظروں میں معتبر کردیا ہے۔ آپ جیسے شخص نے مجھے چاہا... یقین نہیں آتا۔ لیکن اب اعتراف مجھے بھی ہے کہ میں بھی آپ کے لیے ایسا ہی سوچتی تھی جیسا آپ میرے لیے..."

"تم سچ کہہ رہی ہو...؟ آج تم نے مجھے میری محبت کے آگے سرخرو کردیا ہے آنیہ... تھینک یو... تھینک یو سو مچ..."

وہ میرے اظہار کو سن کر خوشی سے بے قابو ہو رہے تھے۔

"زندگی کے کھیل بھی کتنے عجیب ہوتے ہیں۔ ہم دونوں نے ایک دوسرے کو دل ہی دل میں چاہا اور آج تیرہ سال بعد اس محبت کا اظہار کیا ہے... لیکن اب... اب تو کچھ نہیں ہوسکتا۔" میں نے ان کی آواز سنے بغیر ہی ان کا دکھ سمجھ لیا۔

"کوئی بات نہیں زوہیب... اللہ نے ہمارے لیے جو کیا وہی بہتر تھا..." میں نے انہیں تسلی دی۔

"شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو... ویسے بھی ہم دنیا میں واحد تو نہیں... اور بھی ایسے کئی لوگ ہیں جو اپنی محبت سے دور زندگی گزارنے پر مجبور ہیں... کیا تم اپنے شوہر کے ساتھ خوش ہو...؟"

"ہاں میں بہت خوش ہوں... رمیز بہت اچھے شوہر ہیں... مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں... انہوں نے کبھی میری کوئی خواہش رد نہیں کی... آپ

بتائیے۔۔۔ کیا آپ خوش ہیں؟" ہم دونوں بنا توقف ایک دوسرے کو پیغام بھیج رہے تھے۔

"ہاں میں بھی ایک خوش و خرم زندگی گزار رہا ہوں۔ میری بیوی بہت خیال رکھتی ہے میرا۔۔۔ بہت خوب صورت ہے وہ۔۔۔ اور تمہیں پتا ہے؟ اس کی مسکراہٹ بالکل تمہارے جیسی ہے۔۔۔" میں بے اختیار یہ میسج پڑھ کر مسکرادی' تو یہ محبت یقیناً" سچی ہی تھی جو اللہ تعالیٰ نے ہم دونوں کو ایک دوسرے کا نعم البدل عطا فرمایا تھا۔

وہ شام ہمارے درمیان رابطے کا آغاز تھی مجھے اس تعلق میں کوئی قباحت نظر نہیں آرہی تھی۔ ہم دونوں اپنی اپنی زندگیوں میں خوش تھے۔ ایک دوسرے میں ہماری دلچسپی صرف اس حد تک ہی تھی کہ ہم یونیورسٹی میں ایک ساتھ پڑھ چکے تھے۔ میں مجبور تھی' دو بچوں کی ماں تھی اور زندگی کے اس مقام پر تھی جہاں عورت خود مختار ہوتی ہے۔ میری نظر میں اپنے کلاس فیلو سے محض چند میسجز کا تبادلہ کوئی ایسی قابل اعتراض حرکت تو تھی نہیں جو میرا کردار مشکوک ہوجاتا۔ میرا دل مطمئن تھا۔

زندگی ایک ہفتہ آگے بڑھ چکی تھی۔ اس دوران جانے کتنی بار ہم نے فون پر باتیں کی تھیں۔ اور اس کا اثر میرے مزاج پر بھی ہوا تھا۔ اپنی فیملی لائف میں پہلے سے کہیں زیادہ خوش و خرم تھی۔ بات بے بات قہقہے لگاتی ہنستی چلی جاتی۔ میرا ضمیر مطمئن تھا۔

ٹھیک ہی تو کیا ہم نے۔۔۔ دل کی بات دل میں نہیں رہنی چاہیے۔۔۔ صحیح کہتے ہیں یہ لوگ۔۔۔ میں ایک مشہور اشتہار میں "سب کہہ دو" کی تلقین سن کر خود کو بھی شاباش دیتی۔۔۔ مجھے بھی تو سکون ملا تھا اپنے دل کی بات کہہ کر۔۔۔

"اب ہم صرف میسجز تک محدود نہیں تھے۔۔۔ باتیں بھی کرتے تھے اور۔۔۔ بہت زیادہ کرتے تھے۔

"تم مجھے آپ نہ کہا کرو۔۔۔ نام لیا کرو میرا۔۔۔ تمہارے منہ سے اپنا نام سننا اچھا لگتا ہے مجھے۔۔۔" انہوں نے کہا اور میں نے مان لیا۔ ان کی خواہش کا احترام کرنا تو لازم تھا نا۔۔۔ اور میں نے گفتگو میں بار بار ان کا نام لے کر مخاطب کرنا شروع کردیا۔ مجھے بھی اچھا لگتا تھا۔

ہم یونیورسٹی کے زمانے کی باتیں کرتے' ٹیچرز کو یاد کرتے' لیکچرز کے دوران پیش آنے والے بہت سے اہم اور غیر اہم واقعات کو دہراتے' دوستوں کے مذاق یاد کرکے ہنستے رہتے۔ ہمارے پاس ایک دوسرے سے کہنے کے لیے بہت کچھ تھا۔

اب یہ کوئی ایسی قابل اعتراض سرگرمی تو نہیں ہے' میں سوچتی' خود کو دن میں کم و بیش ہزار مرتبہ یہ یقین دلاتی کہ میں "کچھ" غلط نہیں کررہی اور۔۔۔ جواباً" دل کی خاموش بے کیف دھڑکن سے بے نیاز ہوکر اسی کال کے انتظار میں لمحہ لمحہ گن کر گزارنے لگتی۔

مجھے لگا میرا دل مطمئن ہے۔۔۔

مجھے لگا۔۔۔ میرا ضمیر۔۔۔ مطمئن ہے۔۔۔ اور یہ۔۔۔ کافی تھا۔

"زوہیب سے بات ہوسکتی ہے۔۔۔؟" میں نے پوچھا اور پھر فوراً" ہی مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوگیا۔ میں نے رمیز کے آفس فون کیا تھا' لینڈ لائن سے۔۔۔ اور ۔۔۔ میں نے کال ڈس کنکٹ کردی۔ پھر ریسیور بھی واپس رکھ دیا۔ ہر روز بلاناغہ زوہیب سے فون پہ باتیں کرنے کا نتیجہ تھا یہ۔۔۔ بار بار ان کا نام پکارنے کی ایسی عادت ہوگئی تھی کہ اب "رمیز" کے بجائے میرے منہ سے "زوہیب" کا نام نکل گیا تھا۔ یہ غلطی معمولی نہیں تھی' چھوٹی نہیں تھی کہ میں اسے نظر انداز کردیتی۔ اس کوتاہی نے مجھے سوچ میں ڈال دیا تھا۔

"کیا میں "رمیز" کا مقام "زوہیب" کو دے رہی ہوں۔۔۔؟" میں یونہی آہستگی سے چلتی ہوئی گھر سے باہر آگئی۔ آسمان کی جانب دیکھا۔۔۔ اور نظریں چرالیں۔۔۔ پھر تیز قدموں سے واپس گھر کے اندر لوٹ آئی۔

"کیا ہم کہیں مل سکتے ہیں۔۔۔؟"

"نہیں۔۔۔" جس تیزی سے انہوں نے پوچھا اسی تیزی سے میں نے بھی جواب دیا تھا۔ لیکن اپنے فوری جواب پر میں خود بھی ٹھٹک گئی تھی' حیران تھی۔ زوہیب نے میرا قطعی انکار سن کر فوراً" ہی گفتگو کا رخ دوسری جانب موڑ دیا' میرا دھیان بٹ گیا۔ فون رکھنے کے بعد میں نے سوچا آخر میرے انکار کی وجہ کیا تھی؟

"انکار ہی کرنا چاہیے تھا۔۔۔ زوہیب سے اکیلے ملاقات کرنا غلط تھا۔۔۔"

بہت دنوں بعد۔۔۔ ہاں بہت زیادہ دن گزر گئے تھے۔۔۔ اس آواز کو سنے ہوئے۔۔۔ میں نے وہ آواز سنی' اس کی تائید کی اور پھر۔۔۔ غضب ہوگیا۔

تو کیا غیر مرد کو اپنا پرسنل نمبر دینا درست تھا؟

اسے میسج کرنا صحیح تھا؟

شادی شدہ ہوکر کسی اور سے اظہار محبت کرنا ٹھیک تھا؟

گھنٹوں فون پر ہنستا کھلکھلانا جائز تھا؟

وہ آواز پھر خاموش نہیں ہوئی تھی اور مجھے معلوم ہوا کہ اب تک۔۔۔ میرا ضمیر مطمئن تھا اور نہ ہی میرا دل۔۔۔ وہ تو بس خاموش ہوگئے اور مجھے حال پر چھوڑ دیا تھا۔ جس طرح۔۔۔ جس طرح اللہ نے مجھے چھوڑ دیا تھا۔

مجھے اس دن احساس ہوا جانے کتنے دنوں سے میں نے اپنے اللہ سے کچھ بھی نہیں کہا تھا شاید تب سے۔۔۔ جب سے میں نے زوہیب سے رابطہ جوڑا تھا۔ ہاں۔۔۔ تب ہی مجھے اس کی موجودگی کا احساس بھی نہیں ہورہا تھا' ہر دم آس پاس' میرے ساتھ ساتھ رہنے والا میرا دوست' میرا اللہ میرا رب۔۔۔ میری طرف متوجہ نہیں تھا۔ وہ میری طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔۔۔ کیوں؟

کیا اس نے مجھ سے منہ پھیر لیا ہے۔۔۔؟ میں بے کل ہوگئی۔

اللہ مجھ سے ناراض ہے؟ مجھ سے خفا ہے؟۔۔۔ لیکن کیوں؟

میں نے ایسا کیا کیا؟

زوہیب کی غلط فرمائش پر فوراً" انکار کردیا تھا میں نے۔۔۔ ان سے ملنے تو نہیں گئی نا۔۔۔ تو پھر؟ میں نے کچھ بھی غلط نہیں کیا۔۔۔ تو پھر۔۔۔؟

اوائل عمر سے ہی میں قرآن مجید ترجمہ کے ساتھ پڑھتی تھی۔۔۔ کیونکہ میں جاننا چاہتی تھی کہ اللہ نے اپنے بندوں کو کیا پیغام دیا ہے۔۔۔ حدیث و سنت کی کتابیں پڑھتی تھی کیونکہ مجھے تجسس تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے قرآن پر کس طرح عمل کرکے دکھایا ہے' دین کے بارے میں کیا کیا بتایا ہے۔ اور یہ شوق مجھے اس دعا کے بار بار مانگنے پر نصیب ہوا تھا' جو ایک بار ہمارے قاری صاحب نے ایک واقعہ سناتے ہوئے بتائی تھی۔

"یہ ہندوستان میں رہنے والے دو دوستوں کی کہانی ہے۔ ایک مسلمان اور دوسرا ہندو تھا۔ دونوں کمسن بچے ایک ہی جماعت میں پڑھتے تھے۔ اس دن اتفاق سے وہ ہندو لڑکا اپنے دوست کے ساتھ اس کی دینیات کی کلاس میں آکر بیٹھا ماسٹر صاحب بچوں کو اللہ سے ہدایت مانگنے کی تلقین کررہے تھے جس پر اس ہندو لڑکے نے سوال کیا۔

"اگر میں اللہ سے دعا مانگوں کہ یارب مجھے سیدھا راستہ دکھا تو کیا آپ کا اللہ مجھے بھی سیدھا راستہ دکھائے گا؟"

ماسٹر صاحب نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے جواب دیا۔

"ہاں کیوں نہیں۔۔۔ اللہ تو سب کا ہے اور معصوم بچوں سے تو بہت محبت کرتا ہے۔۔۔ تم دعا کیا کرو کہ یااللہ مجھے سیدھا راستہ دکھا' وہ ضرور تمہیں سیدھا راستہ دکھائے گا۔"

اس دن کے بعد وہ بچہ ہر دم اپنے لیے اللہ سے ہدایت مانگا کرتا تھا جس کی بدولت اسے خواب میں حضور صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی زیارت نصیب ہوئی اور اس نے سچے دل سے اسلام قبول کرلیا۔"

مجھے اس واقعے نے اتنا متاثر کیا تھا کہ میں بھی ہر دم یہی دعا کرنے لگی تھی۔ اللہ نے میری ہر قدم پر رہنمائی کی۔۔۔ وہ میرے ساتھ ساتھ رہا۔۔۔ غلط کام کرنے سے

میں ہمیشہ جھجکتی رہی۔۔۔ رکتی رہی۔ یہ دعا میں نے ہمیشہ کی' اور اللہ مجھے سیدھا راستہ دکھاتا رہا۔ میں نے دین کو سمجھا' گناہ و ثواب کے بارے میں جانا۔۔۔ اور شادی کے بعد بھی کافی عرصہ یہی دعا کرنا میرا معمول رہا کہ یا اللہ مجھے سیدھا راستہ دکھا۔۔۔

دن بہ دن میرا اعتماد بڑھنے لگا' میرے کیے گئے فیصلے درست ثابت ہوتے تھے' میں زندگی سے بہت کچھ سیکھ چکی تھی میرا اٹھایا کوئی قدم غلط نہیں ہو سکتا۔ مجھے دین کی بھی اچھی معلومات تھیں مجھے معلوم تھا صحیح کیا ہے اور غلط کیا؟ اس پر بھی یقین تھا۔۔۔ اور شیطان تو جاہلوں کو اپنا آلہ کار بناتا ہے۔۔۔ میرا کیا بگاڑ لے گا۔۔۔؟

اور۔۔۔ یہی زعم۔۔۔ مجھے لے ڈوبا تھا۔

نفس ایک بار بے لگام ہو جائے تو سرپٹ دوڑتا چلا جاتا ہے۔۔۔ ضمیر کا زوردار چابک مارے بغیر اسے روکا نہیں جا سکتا اور میرا ضمیر تو ہمیشہ سے مطمئن رہا تھا۔ کم از کم اس دن تک' جب تک مجھے یہ ڈر تھا کہ میں بھٹک بھی سکتی ہوں اگر اللہ مجھے ہدایت نہ دے تو۔۔۔

جب میں مطمئن ہوتی گئی۔۔۔ میرا خوف بھی کم ہوتا گیا۔ میں زمین پر قدم جما کر کھڑی تھی محفوظ مقام پر۔۔۔ شادی شدہ عزت دار عورت۔۔۔ اپنے گھر میں راج کرنے والی۔۔۔ ایک ذمہ دار ماں۔۔۔

ایک ایک کر کے میرے تمام خوف ختم ہو چکے تھے۔

اور میں نڈر تھی۔ اس بے خوفی کی بہت ساری وجوہات تھیں۔ ضبط نفس کے بہت سارے ثبوت تھے میرے پاس۔ میں نے ہمیشہ برائی سے بچنے کی کوشش کی تھی' کبھی کوئی غلط کام نہیں کیا تھا' کبھی چھپ کر کوئی کام نہیں کیا تھا۔ کبھی ایسا کوئی کام نہیں کیا تھا جو میرے والدین کے لیے شرمندگی کا باعث ہوتا۔

بات طے ہو جانے کے بعد جب رمیز نے مجھے اپنے ساتھ لنچ پر لے جانا چاہا تو میں نے انکار کر دیا تھا۔ گھر والوں سے چھپ کر ایسا کرنے کی ہمت نہیں تھی میرے اندر۔ مگر رمیز کا اصرار جاری رہا تو باوجود ان کی ناراضی کا خوف دل میں ہوتے ہوئے میں نے قطعی انداز میں کہہ دیا۔

"آج میرے والدین میرے سرپرست ہیں' کل آپ ہوں گے۔ اگر آج میں انہیں دھوکہ دوں گی تو کل آپ سے بھی وفاداری نہیں کر سکوں گی۔" بس اتنا کہ کر میں نے فون بند کر دیا تھا۔ مجھے اپنے فیصلے پر اعتماد تھا کہ میں نے ٹھیک کیا ہے' اور رمیز نے شادی کے بعد میری سوچ کو بے حد سراہا بھی تھا۔ لیکن اب؟۔۔۔ اب میں کیا کر بیٹھی تھی؟

وہ آواز مجھ سے مخاطب ہوئی اور میں شرمندگی کے مارے خود سے نظر ملانے کے قابل بھی نہ رہی۔ کاش۔۔۔ کاش زمین شق ہو جائے اور میں اس میں سما جاؤں۔۔۔

ندامت کے بوجھ تلے میں گھٹ گھٹ کر سسکیاں بھر رہی تھی کہ میرے سامنے رکھا سیل فون کسی میسج کی آمد کا اشارہ دینے لگا۔

"کل رات سے تمہاری بہت یاد آ رہی ہے۔۔۔ میں جانتا ہوں تم بھی میرے بارے میں سوچ رہی ہو۔۔۔" زوہیب کا میسج پڑھ کر میں زمین میں گڑ گئی' دل چاہا خود کو سنگسار کر لوں۔۔۔

یہ میں کیا کر رہی تھی؟

بات بڑھتے بڑھتے کہاں تک جا رہی تھی۔۔۔ یا اللہ یہ میں نے کیا کر دیا۔۔۔ کیوں کیا میں نے یہ سب کچھ۔۔۔ میں روتے ہوئے اپنے اللہ کو یاد کرنے لگی پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ میں نے اسے پکارا اور وہ میری طرف متوجہ نہ ہوا ہو۔۔۔

"صرف ندامت کا اظہار کافی نہیں"۔۔۔ میں نے روتے روتے سر اٹھایا۔۔۔ میرے اندر کوئی آواز مجھ سے مخاطب تھی۔۔۔

"اس غلطی کو ٹھیک کرنا ہو گا۔۔۔" اس نتیجے پر پہنچتے ہی میں نے اپنا فون اٹھایا اور زوہیب کو میسج کرنے لگی۔

"نہیں۔۔۔ میں آپ کے بارے میں نہیں سوچ رہی تھی۔ آپ بھی اپنے گھر پر توجہ دیں۔۔۔ اپنی بیوی کا خیال رکھیں۔۔۔ الٹی سیدھی باتیں مت سوچا کریں۔۔۔!"

"اس میں الٹی سیدھی کیا بات ہے؟ ہم دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔۔۔ اور محبت کا اظہار کرنا غلط نہیں ہوتا۔۔۔"

ان کے الفاظ اس سوچ کے عکاس تھے جو ہمارے معاشرے میں ہر انسان کے ذہن پر خوامخواہ مسلط ہو چکی ہے۔ جس سے محبت ہو فوراً" اس سے کہہ دو۔۔۔ اپنے جذبات چھپاؤ مت ان کا اظہار کر دو۔۔۔ احساسات دل میں جمع نہ ہونے دو۔۔۔ انہیں متعلقہ شخص کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گوش گزار کرو۔۔۔ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ ہم کیا ہوتے جا رہے ہیں؟ "نفس کے غلام"۔۔۔ اور میں انہیں کیا الزام دیتی۔۔۔ خود میں نے بھی تو یہی کیا تھا۔۔۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ ہر بات کہنے کی نہیں ہوتی۔ میں نے ان سے وہ سب باتیں کہیں جو مجھے نہیں کہنی چاہیے تھیں اور اب۔۔۔ میں ان سے وہ سب کچھ کہہ دینا چاہتی تھی جو مجھے کہنا چاہیے تھا۔

"میں اپنے شوہر کے علاوہ کسی سے محبت نہیں کرتی۔۔۔" یہ صاف اور قطعی جواب۔۔۔ زوہیب کے لیے انتہائی غیر متوقع ثابت ہو گا جو انہوں نے اسی وقت مجھے کال کر دی۔

"لیکن تم نے تو کہا تھا۔۔۔" فون کان سے لگاتے ہی ان کی آواز سنائی دی تھی لیکن میں نے بیچ میں ہی بات کاٹ دی۔

"میں آپ کو اپنی بات سمجھا نہیں پائی زوہیب۔۔۔ یہ میری سب سے بڑی غلطی تھی۔ مگر میں نے اپنی پوری زندگی میں صرف اور صرف ایک مرد کو چاہا ہے میرے شوہر "رمیز"۔۔۔ جنہیں اللہ نے میرے لیے چنا۔۔۔"

ایک گہری سانس لے کر میں نے دوبارہ کہنا شروع کیا۔

"زوہیب یونیورسٹی میں میں نے آپ کی شرافت اور اعلا کردار کو ہمیشہ عزت کی نگاہ سے دیکھا۔ میرے دل میں آپ کے لیے بے حد احترام تھا۔ تبھی جب رابعہ نے مجھے بتایا کہ میرے بیگ پر آپ نے کچھ لکھا تھا تو میں نے یقین نہیں کیا تھا۔ میں مان ہی نہیں سکتی تھی کہ آپ جیسا ڈیسنٹ شخص ایسی حرکت بھی کر سکتا ہے۔۔۔"

"میری نیت بری نہیں تھی آنیہ میں تو۔۔۔" ان کے مدافعانہ انداز میں اعتراف بھی چھپا تھا' اور میں نے ایک بار پھر انہیں بات پوری نہیں کرنے دی۔

"میں آپ کو الزام نہیں دے رہی۔۔۔ میں تو خود کو مورد الزام ٹھہرا رہی ہوں۔ میں نے کبھی کوئی بددیانتی نہیں کی تھی' چھپ کر کوئی کام نہیں کیا تھا۔۔۔ مجھ سے بہت بڑی غلطی ہو گئی۔۔۔ مجھے اس دن آپ سے بات نہیں کرنی چاہیے تھی' اپنا نمبر نہیں دینا چاہیے تھا۔۔۔ آپ کو میسج نہیں کرنے چاہیے تھے۔۔۔ یہ سب

کچھ پہلے دن سے ہی غلط تھا۔" میں رونے لگی۔

"مجھے نہیں کرنا چاہیے تھا..... میں اپنے اللہ سے بہت شرمندہ ہوں....."

"تم ایسے مت سوچو..... مجھے نہیں لگتا، ہم نے کوئی غلط کام کیا ہے....."

"کیا ہے۔" میں نے پرزور انداز سے تردید کی۔

"میں نے بددیانتی کی ہے، ناشکری کی ہے..... آپ سے بات کرتے ہوئے بے اختیاری میں جانے کیا کیا کہہ گئی۔ مجھے نہیں کہنا چاہیے تھا۔ بے اختیاری ہمیشہ بھٹکا دیتی ہے اور میں..... میں بھٹکنا نہیں چاہتی....."

"تم پلیز رومت..... ایسا بھی کیا ہو گیا ہے.....؟"

"آپ نہیں سمجھیں گے زوہیب..... کیونکہ آپ کی غلطی ایسی بڑی نہیں ہے..... اتنی ہولناک نہیں..... جتنی میری ہے..... جس لڑکی کو آپ نے چاہا وہ غیر شادی شدہ تھی..... اور جب میں نے آپ سے اقرار کیا تو میں کسی اور کی امانت تھی۔ میں تو زندگی بھر خود سے نظر نہیں ملا پاؤں گی....." میں بلک بلک کر رونے لگی۔ میں جلد سے جلد اس بات کو ہمیشہ کے لیے بند کر دینا چاہتی تھی۔

"آئندہ ہماری کوئی بات نہیں ہو گی....." یہ آخری جملہ ادا کرتے ہی میں نے اپنا فون زور سے فرش پر پھینک دیا جو گرتے ہی ٹکڑوں میں تقسیم ہو گیا۔ میں خود بھی فرش پر سجدہ ریز ہو گئی، میرا رواں رواں پکار اٹھا۔

"مجھے معاف کر دے میرے اللہ..... میں بہت نادم ہوں..... مجھے معاف کر دے....." میں گڑگڑاتے ہوئے رو رو کر سجدے میں پڑی اللہ سے اپنے تمام گناہوں کی معافی مانگ رہی تھی۔ اور اب..... وہ بھی میری طرف متوجہ تھا۔ مجھے دیکھ رہا تھا..... لیکن میں..... میں تو سر اٹھانے کے قابل نہیں تھی۔

میرا دل بہت بے چین تھا.....

☆ ☆ ☆

"رمیز اور میری شادی کی بیسویں سالگرہ....."

رمشہ اور الہان ہم دونوں سے زیادہ پرجوش تھے، اہتمام ان ہی دونوں نے کیا۔ ہنسی خوشی کھلکھلا... خوشیوں سے بھری تقریب اپنے اختتام کو پہنچی۔ رمیز نے کمرے میں واپس آ کر میرا گفٹ دیا۔ دو خوبصورت کنگن..... میں نے فوراً انہیں پہن کر دکھائے، ان کا شکریہ ادا کیا۔ ان کا تحفہ تو میں صبح ہی انہیں دے چکی تھی گولڈ کی ٹائی پن اور کف لنکس۔

کچھ دیر باتیں کرنے کے بعد رمیز میرے سامنے سے اٹھ کر لباس تبدیل کرنے باتھ روم میں چلے گئے اور میں نے زیور رکھنے کے لیے ڈریسنگ ٹیبل کی دراز کھولی۔

بے اختیار ہی میری نظر اپنے عکس پر جا رکی..... اور ٹھہر گئی۔ کچھ عرصہ ہوا..... میں اپنے آپ سے نظر ملانے لگی تھی بہت مشکل سے ہمت کر سکی تھی میں..... ورنہ اس غلطی کو یاد کرتے ہی آج بھی میری رگوں میں تیزاب دوڑنے لگتا ہے جب میں بھٹک گئی تھی۔ اللہ مجھے ہدایت نہ دیتا تو میں کبھی راہ یاب نہ ہوتی۔ یوں بھی گناہ میں بے حد کشش ہوتی ہے۔ آج بھی میں دعا کرتی ہوں کہ "اے اللہ مجھے سیدھا راستہ دکھا....."

کیونکہ زندگی آخری سانس تک کبھی بھی..... کوئی بھی..... امتحان لے سکتی ہے..... کبھی ہمیں معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ آزمائش ہے اور کبھی..... خبر بھی نہیں ہوتی..... ہم کسی خواب، کسی سوچ کے زیر اثر زندگی کی رعنائیوں میں گم یونہی کوئی راہ ایسی چن لیتے ہیں جو ہمیں ہر قدم منہ کے بل گراتی چلی جاتی ہے۔ میری دعا ہے کہ اللہ مجھے بلکہ ہم سب کو ایسی کھوٹی راہ اپنانے سے محفوظ رکھے۔ اگر کبھی..... غلطی سے اس راہ کے مسافر بن بھی جائیں تو..... پہلی ٹھوکر لگتے ہی واپس پلٹ آنا چاہیے..... کیونکہ واپسی کا راستہ آخری سانس تک بند نہیں ہوتا۔

☆ ☆

مکمل ناول

عنیقہ محمد بیگ

خواب جلتی آنکھیں

سعد، حمنہ کی کالز اگنور کرنے لگا مگر حمنہ نے اسے فون کرنا نہیں چھوڑا تھا۔ وہ صبح باتھ لینے واش روم چلا گیا۔ جب دادی حلیمہ اس کے کمرے میں داخل ہوئیں وہ سعد کی چیزوں کو سنبھال رہی تھیں کہ سعد کے سیل فون کے بجنے پر چونکیں وہ آہستہ قدموں کے ساتھ بیڈ کی طرف بڑھیں جہاں سعد کا سیل فون پڑا تھا۔ اسکرین پر، انہوں نے حمنہ کا نام دیکھا تو حلیمہ کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا انہوں نے کانپتے ہاتھوں سے سیل فون کان سے لگایا۔

دوسری طرف حمنہ کی آواز ابھری جو رو رو کر بولی۔

"سعد میں ہارون کو چھوڑ کر تمہارے پاس آرہی ہوں۔"

حلیمہ اس کی بات سن کر دنگ رہ گئیں انہوں نے بولنا چاہا مگر انہیں یوں لگا جیسے ان کی زبان پر تالے پڑ گئے ہوں۔

"سعد۔۔۔۔ ہارون سے میں بہت جلد طلاق لے لوں گی تم میرے ہو۔" وہ چیخی جب ہارون اسے کمرے میں داخل ہوتا نظر آیا۔ ہارون اس پر آکر چیخا۔

"پاگل ہو گئی ہو حمنہ کیوں تم تین زندگیاں برباد کرنے پر تلی ہو۔" ہارون نے شاید اس سے سیل فون چھین کر پٹخا حلیمہ ساری بات سن کر کانپنے لگیں سیل فون کی لائن کٹ چکی تھی اور حلیمہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ وہ غور سے سیل فون کی طرف دیکھ رہی تھیں جب سعد تولیہ کے ساتھ بال خشک کرتا ہوا واش روم سے باہر نکلا۔

"دادی اماں" وہ گھبرایا اس کے ہاتھ سے تولیہ چھوٹ گیا۔

"وہ۔۔۔۔ وہ حمنہ" حلیمہ کے منہ سے ڈر کے مارے بات مکمل نہیں ہو رہی تھی۔

"دادی اماں کیا ہوا؟ آپ اتنی ڈری ہوئی کیوں ہیں۔" سعد نے فکرمندی سے ان کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

حلیمہ نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا لیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

سعد ان سے رونے کی وجہ پوچھ رہا تھا مگر در حقیقت وہ خود کو حمنہ کی اس زندگی کا قصوروار سمجھ رہی تھیں ان کی وجہ سے سعد، ہارون اور حمنہ کی زندگی برباد ہو رہی ہے۔ جیسا کہ حمنہ نے ان سے بات کر کے ظاہر کیا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ رات کو باورچی خانے کا کام کر کے اپنی ماں کے لیے دودھ کا گلاس لے کر کمرے میں پہنچی تو وہ اداس بیٹھی ہوئی نظر آئیں۔

"اماں۔۔۔۔ دودھ" اس نے ماں کو دودھ کا گلاس تھمایا۔ سکینہ نے دودھ کا گلاس تھام لیا اور ایک سپ لے کر بولیں۔

"گھر میں کتنی خاموشی چھا گئی ہے کلثوم اور ارسلان کے جانے پر میں بہت اداس ہو گئی ہوں۔"

"تو آپ بھی دبئی ان کے ساتھ چلی جاتیں۔" کرن نے مسکرا کر مشورہ دیا۔

"تم سارا دن آرڈر تیار کرنے میں مصروف رہتی ہو

میرا کبھی سوچا سارا دن ادھر ادھر کے کام ڈھونڈ کر مصروف رہنے کی کوشش کرتی ہوں۔" سکینہ نے ناراضی ظاہر کی جب کرن نے شاپر میں سے ایک قمیص نکال کر اس کی کڑھائی کرنا شروع کردی۔

"اماں اچھا اب یہ رکھ دی قمیص چلیے اب باتیں کرتے ہیں۔" کرن نے قمیص کو واپس شاپر میں رکھ دیا اور ان کی طرف دیکھنے لگی۔

"بیٹا اب میں چاہتی ہوں کہ ارسلان جب گھر آئے گا تو تم دونوں کی شادی کروادوں مدیحہ کی طرح میں تمہارا گھر بھی بسا دیکھنا چاہتی ہوں۔" سکینہ نے اپنی سوچ واضح کی۔

"اچھا اماں آپ فکر کیوں کررہی ہیں مدیحہ کا بھی تو انتظار کرنا ہوگا۔" اس نے ماں کو پیار سے سمجھایا جو اب اس کی شادی کے لیے بے صبری ہورہی تھیں۔

"بس بیٹی تو نے بہت محنت کرلی اب میں مزید تجھے کام کرتے دیکھنا نہیں چاہتی۔" سکینہ نے لرزتی آواز سے اپنے دل کی بات کردی جو دن رات کرن کو کڑھائی کا کام کرتے دیکھ کر کڑھتی تھیں۔

"اماں آپ میری فکر کیوں کررہی ہیں۔" وہ اپنے بستر سے اٹھ کر ان کے پاس آکر بیٹھ گئی۔

"دیکھ اب تیری رنگت کیسی مرجھائی سی لگ رہی ہے۔۔۔ اپنی آنکھیں تو دیکھ سوجی ہوئی ہیں۔" سکینہ نے پیار سے اس کے گال کو چوم کر بتایا۔

"اماں میں بالکل ٹھیک ہوں۔" اس نے ماں کا ہاتھ چوم کر انہیں تسلی دی جبکہ کئی دنوں سے اس کی آنکھوں میں شدید درد ہورہا تھا۔

"میری گود میں سر رکھو میں سر دبا دیتی ہوں۔" سکینہ نے پیار سے اسے حکم دیا اس نے ماں کی بات سے نفی نہ کی اس نے خاموشی سے ماں کی گود میں سر رکھ دیا۔ سکینہ کے سر دبانے اور آنکھیں سہلانے سے اسے بہت سکون ملا اسے کب نیند آگئی وہ نہیں جانتی تھی اس کی آنکھ کھلی تو وہ سکینہ کے ساتھ ان کے بستر پر لیٹی ہوئی تھی اس نے آنکھیں مسلتے ہوئے وال کلاک کی طرف دیکھا صبح کے چار بج رہے تھے اس نے بستر کو چھوڑا اور واش روم کی طرف قدم بڑھادیے فجر کی اذان ہونے لگی۔

جب اس نے اپنے منہ پر پانی کے ٹھنڈے چھینٹے مارے اس کی آنکھوں میں اب درد مزید ــــــ شدت اختیار کرگیا تھا اس نے آئینے میں خود کو دیکھا اس کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں اس نے اپنی آنکھوں کو ہاتھوں سے مسلا ایک آہ اس کے حلق سے نکلی اور اس نے اپنی آنکھوں سے ہاتھ ہٹادیے اور وہ آنکھیں کھول کھول کر آئینے میں ان کا معائنہ کرنے لگی کہ کہیں کوئی زخم تو اس کی آنکھوں میں نہیں ہوگیا۔

☼ ☼ ☼

وہ دبئی میں اس کے ساتھ خوب گھوما پہلے کبھی اس نے دبئی دیکھا نہیں تھا۔ یشا اپنے کاموں سے فارغ ہوئی تو اس نے ارسلان کو پھر دبئی کی سیر کروائی۔

"ارسلان آپ نے کرن کے لیے کیا پسند کیا؟" وہ اک جیولری شاپ میں آکھڑا ہوا تو وہ بھی اس کے پاس آکر پوچھنے لگی۔

"یہ۔۔۔ یہ انگوٹھی کیسی ہے؟" اس نے ڈھیر ساری انگوٹھیوں میں سے ایک کی طرف اپنی انگلی دکھا کر پوچھا۔

"واؤ۔۔۔ بہت پیاری ہے۔" وہ انگوٹھی دیکھ کر بولی۔

اس نے وہ انگوٹھی شاپ والے سے طلب کی اور یشا کی طرف بڑھا کر بولا۔

"یہ آپ کے لیے!" یشا جو باقی انگوٹھیاں دیکھ رہی تھی ارسلان کی بات پر چونکی اور ہنس کر حیرت سے بولی۔

"ریئلی۔۔۔ یہ میرے لیے تم نے خریدی۔"

"جی۔" وہ اسے پیار سے دیکھ کر بولا یشا نے وہ انگوٹھی پہن لی اور اسے مسکرا کر دکھانے لگی۔

"ریئلی بہت اچھی ہے نا؟" اس نے ارسلان سے پھر انگوٹھی کی خوب صورتی کی وضاحت چاہی۔

"آپ کے ہاتھوں میں زیادہ اچھی لگ رہی ہے۔" وہ یشا کو دیکھ کر مسکرانے لگا۔

"واؤ انگوٹھی کے ساتھ ساتھ مجھے آپ کی بات بھی اچھی لگی۔" یشا نے ہنستے ہوئے اپنا کریڈٹ کارڈ پرس سے نکالا اور دوکاندار کی طرف بڑھایا۔

"یہ۔۔۔ یہ آپ کیا کررہی ہیں؟" اس نے یشا کا ــــ کارڈ جھٹ سے اس کے ہاتھ سے پکڑا۔

"کیا ہوا؟" یشا نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"یہ میری طرف سے آپ کے لیے تحفہ ہے اس کا بل میں ادا کروں گا۔" اس نے جلدی سے اپنے والٹ میں سے پیسے نکالے۔

"اوہو میں نے خریدی یا تم نے بات تو ایک ہی ہے۔" وہ مسکرائی۔ اس سے پہلے کہ ارسلان لب کھولتا یشا کا سیل فون بج اٹھا وہ ہنستے ہوئے سیل کان سے لگا کر شاپ سے باہر نکل گئی اس نے خوشی خوشی انگوٹھی کا بل ادا کیا وہ انگوٹھی ساٹھ ہزار کی تھی آج سے پہلے اس نے اتنا قیمتی تحفہ کبھی نہیں خریدا تھا وہ سوچ کر مسکرایا اور پھر اس نے شاپ سے باہر قدم بڑھادیے۔

☼ ☼ ☼

اس نے ہسپتال سے چھٹی کرلی حلیمہ کی صحت کافی بگڑ گئی تھی اس نے اپنی دادی کو نیند کا انجکشن دینا مناسب سمجھا جو کہ حمنہ اور ہارون کی باتیں سن کر بہت پریشان ہوگئی تھیں کہ کہیں حمنہ کا یہ فیصلہ سعد کے لیے نقصان کا باعث نہ بن جائے آہستہ آہستہ حلیمہ نیند کی آغوش میں چلی گئیں۔ نوری گھر آئی تو ایک ملازمہ نے حلیمہ کی صحت کے متعلق بتایا وہ فکرمندی سے دادی کے کمرے کی طرف بڑھی جہاں سعد افسردہ بیٹھا ہوا اسے نظر آیا۔

"اب دادی اماں کیسی ہیں؟" نوری نے فکرمندی سے پوچھا اور حلیمہ کی طرف دیکھا وہ سو رہی تھیں۔

"جی نیند کا انجکشن دیا ہے وہ کافی بے چین سی ہوگئی تھیں۔" سعد نے آہ بھری۔

"یوں آپ کب تک دادی جان کو پریشان کرتے رہیں گے آپ جانتے ہیں کہ وہ آپ کے لیے اپنی صحت بگاڑ لیتی ہیں۔" نوری نے سعد کو صاف صاف بتایا جو اس نے محسوس کیا تھا۔

"آپ کو کیا لگتا ہے کہ میں نہیں جانتا۔" وہ افسردگی سے اسے دیکھ کر بولا۔

"آپ شادی کرلیں۔" نوری نے دادی کے دل کی بات جھٹ سے کردی اور اس کے جواب کی منتظر ہوگئی۔

"میں بہت جلد شادی کرلوں گا آپ پلیز دادی جان کو اس بات کی تسلی دے دیں۔" اس نے کچھ سوچ کر جواب دیا حلیمہ کی آج حالت دیکھ کر وہ ــ خود اپ سیٹ ہوگیا تھا وہ حمنہ کے لیے بھی اپ سیٹ تھا کہ وہ اسے کیسے سمجھائے کہ وہ ہارون کی زندگی تباہ نہیں کرسکتا۔

"سچ تم جلد شادی کرلوگے۔" نوری نے اس کی بات کی دوبارہ تصدیق چاہی۔

"جی ہاں جونہی دادی کو ہوش آتا ہے آپ پلیز ان کو

سمجھا دینا۔ میرے خیال میں آپ ان کو اچھے طریقے سے سمجھا دیں گی۔" اس نے نوری سے مدد مانگی کہ وہ دادی کو کسی بھی طرح سے مطمئن کر دے۔

"کیا ہم لڑکیاں دیکھنی شروع کر سکتے ہیں؟" نوری نے ہچکچاہٹ سے پوچھا اور اس کی طرف غور سے دیکھا۔

"جی ہاں..." اس نے جواب دیا اور پھر خاموشی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔

نوری کے چہرے پر سکون سا چھا گیا وہ حلیمہ کے پاس آ بیٹھی اور دل ہی دل میں اس گھر کے لیے دعائیں مانگنے لگی۔ اسی گھر کی وجہ سے تو اس کے گھر کا چولہا جل رہا تھا اور وہ دادی سے بہت محبت کرنے لگی تھی۔ جس محبت کی کوئی قیمت نہیں تھی۔

☼ ☼ ☼

اس نے روٹی بیلی اور گرم توے پر ڈالی اس کی آنکھوں میں عجیب سا دھواں سا چھا گیا۔ وہ تیزی سے اپنی آنکھوں کو مسلنے لگی اس کو ہر چیز دھوئیں میں لپٹی نظر آ رہی تھی وہ تیزی سے سنک کی جانب بڑھی اور اس نے اپنی آنکھوں پر زور زور سے پانی کے چھینٹے مارے مگر دوبارہ آنکھیں کھولنے پر وہ دھواں غائب نہیں ہوا تھا وہ منہ میں بڑبڑائی۔

"یا خدایا میری آنکھوں کے سامنے دھواں سا کیوں چھا گیا ہے۔" اس نے زور سے آنکھیں مسلیں اس کے ناک میں جلنے کی بدبو سمانے لگی۔ تو وہ توے کے پاس پہنچی اسے روٹی اور توا دھوئیں کے بادلوں میں لپٹا محسوس ہوا۔ اس نے روٹی توے سے اٹھانی چاہی تو اس کا ہاتھ بھی توے کے ساتھ جا ٹکرایا ایک زور کی چیخ اس کے منہ سے نکلی۔

سکینہ جو تخت پر تسبیح پڑھ رہی تھیں کرن کی آواز پر دوڑی چلی آئیں کرن کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے کہ اچانک اس کی آنکھوں پر چھایا اندھیرا (دھواں) غائب ہو گیا۔

"کیا ہوا میری بچی۔" سکینہ نے گھبرا کر باورچی خانے میں آ کر پوچھا۔

"اماں وہ ہاتھ جل گیا۔" اس نے اپنا ہاتھ دکھایا جو سرخ ہو چکا تھا۔

"اوہو یہ کیسے ہوا۔" سکینہ نے فریج میں سے دوا نکالی اور جلدی سے اس کے ہاتھ پر لگائی۔

"اماں۔" اس نے تیزی سے دوا لگنے پر ماں کا ہاتھ پکارا۔

"بس... بس کچھ نہیں میری بچی۔" سکینہ نے اچھی طرح سے دوائی پورے ہاتھ پر لگائی اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے اور وہ لرزتی آواز سے بولی۔

"اماں اب میں کڑھائی کیسے کروں گی؟"

"توبہ ہے لڑکی ہاتھ جل گیا مگر تمہیں کام کی پڑی ہے۔" سکینہ نے چولہا بند کیا اور گرم توے کو سنک پر رکھا اور پانی کا نل اس پر کھول دیا۔

"اماں یہ کب تک ٹھیک ہو گا۔" اس نے اپنے ہاتھ کو دیکھ کر فکر مندی سے پوچھا۔

"اوہو بس یہ سمجھو کہ خدا تعالیٰ نے تمہارا ہاتھ اس لیے جلایا ہے کہ تم کچھ دنوں تک کام سے باز رہو۔" سکینہ نے دوبارہ سے توا چولہے پر رکھا اور روٹی کا پیڑا بنانے لگیں۔

"اماں! اب آپ کو کام بھی کرنا پڑے گا۔" وہ معصومیت سے ماں کی طرف دیکھنے لگی۔

"اچھا ہے کام میں مصروف رہوں گی تو وقت گزر جائے گا کلثوم کی غیر حاضری نے مجھے اداس کر دیا اب جب فون آئے گا تو میں صاف صاف کہہ دوں گی کہ جلدی لوٹ آؤ۔" سکینہ نے روٹی بیلتے ہوئے بتایا۔

تقریباً" ایک مہینہ ہو رہا تھا کہ اس نے ارسلان کی صورت نہیں دیکھی تھی اس کا بھی دل بہت اداس تھا تین چار دفعہ ارسلان نے اسے پانچ پانچ منٹ کی کال کی تھی اور ہر بار کسی کام کا کہہ کر اسے فون بند کرنا پڑا تھا کرن اس وجہ سے خود فون نہیں کر رہی تھی سکینہ نے اسے آرام کرنے کا حکم دیا وہ بستر پر آ کر لیٹ گئی۔ اس نے سیل فون اٹھایا اور ارسلان کے نمبر پر کال کر دی۔

دوسری طرف ارسلان نے کال پک نہ کی اس نے دوبارہ سے کال کی مگر پھر ناکامی ہوئی۔ اس نے سیل فون میں پڑی تصویروں کو دیکھنا شروع کر دیا پرانی تصویریں دیکھ کر اس کے لبوں پر مسکراہٹ چھا گئی کہ یک دم اس کی آنکھوں میں وہی دھواں دوبارہ سا چھا گیا اس نے آنکھیں مزید کھولیں اور ان کو زور زور سے مسلنا شروع کر دیا۔ پھر کافی دیر تک اس نے اپنی آنکھیں بند رکھیں۔ جن میں شدید درد ہونے لگا تھا۔

☼ ☼ ☼
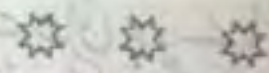
اس نے سارا دن سو کر گزارا وہ نیند سے بیدار ہوئی تو شام کے سات بج چکے تھے اس نے بستر کو چھوڑا اور کمرے سے سکینہ کو آوازیں دیتی ہوئی باہر آ گئی۔

"اماں... اماں۔" سکینہ باورچی خانے میں کام کر رہی تھیں۔ کرن کی آواز پر انہوں نے باورچی خانے سے اسے آواز دی تو وہ ماں کے پاس آ کھڑی ہوئی۔

"اماں آپ نے مجھے جگایا کیوں نہیں؟" وہ منہ بسور کر پوچھنے لگی۔

سکینہ مسکرا کر بولیں۔

"میں کیوں جگاتی اتنے برسوں کے بعد تو دوپہر میں سوئی تھی اب تجھے میٹھی نیند میں سوتے دیکھا تو خدا کا شکر ادا کیا ورنہ تو شیطانوں کی طرح دوپہر میں بھٹکتی رہتی تھی۔"

"اماں آپ کیوں کام کر رہی ہیں چلیے باورچی خانے سے باہر نکلیں۔" اس نے ماں سے ڈوئی پکڑ لی۔

"اچھا بابا تھوڑا سا اور آرام کر لیتی تو کیا حرج ہوتا سارا دن گھر کے کاموں کے بعد کڑھائی کرنے بیٹھ جاتی ہو کاش کہ مجھ میں تھوڑی ہمت آ جائے اور میں تیرے ساتھ کڑھائی کرنے میں مدد کروں۔" سکینہ نے اسٹول پر آہستگی سے بیٹھ کر اسے احساس دلایا کہ وہ اس کو آرام دینا چاہتی ہیں۔

"اماں میں کاموں سے نہیں گھبراتی یہ آپ کی پرورش کا نتیجہ ہے۔" اس نے ہنس کر ماں کو جواب دیا۔

"میں نہیں چاہتی کہ تم میری طرح ساری زندگی جاب کرتی رہو۔" سکینہ نے کچھ سوچ کر آہستگی سے جواب دیا۔

"اماں جاب! میں جاب تھوڑی کر رہی ہوں۔" وہ مسکرائی۔

"کام تو ہے نا.... چاہے گھر بیٹھ کر ہی کیوں ہو رہا ہو عورت گھر کے کام کاج کرتی اچھی لگتی ہے اور مرد گھر کے باہر کام کرتا اچھا لگتا ہے۔" سکینہ نے اسے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"اماں یہ آرڈر مکمل ہو جائیں گے تو پھر ارسلان گھر بنوانے کا کام شروع کروا دیں گے جونہی گھر مکمل ہو گا میں پھر یہ کڑھائی کا کام چھوڑ دوں گی۔" اس نے ماں کو تسلی دی جو کافی دنوں سے دیکھ رہی تھی کہ سکینہ اب اس کے کام کرنے کے حق میں نہیں ہیں۔

"چلو ٹھیک ہے مگر گھر مکمل ہونے کے بعد تم صاف صاف ارسلان سے کام کرنے کے لیے انکار کر دو گی۔" سکینہ نے کچھ سوچتے کہا۔

"اماں آپ کیا سوچ رہی ہیں کیا میں جان سکتی ہوں۔" کرن نے ماں کی فکر مندی جاننے کی کوشش کی جن کا چہرہ مرجھا سا گیا۔

"میں بس تیری بہتری کا سوچتی ہوں.... دن رات محنت کر رہی ہے۔ مجھے پیسوں کا کیا کرنا ہے بس تیرا گھر بس جائے یہ سوچتی رہتی ہوں۔" سکینہ نے ٹھنڈی آہ بھری۔

"اماں آپ اداس ہو جاتی ہیں تو میرا دل بھی اداس ہو جاتا ہے۔" کرن نے چولہے کی آنچ دھیمی کر دی اور ماں کے پاس بڑے اسٹول پر آبیٹھی۔

"کلثوم نے کافی دنوں سے فون نہیں کیا اور نہ ہی ارسلان نے۔ کہیں مدیحہ کی طبیعت خراب نہ ہو گئی ہو۔" سکینہ نے مدیحہ کی ناساز طبیعت کو سوچ کر فکر مندی ظاہر کی جسے ڈاکٹر نے بیڈ ریسٹ کرنے کا حکم دیا ہوا تھا۔

"اماں آپ فکر نہ کریں آج آپ خود فون کر لیجیے گا۔" کرن نے سکینہ کو پیار سے مشورہ دیا جبکہ آج رات وہ خود ارسلان سے بات کرنا چاہ رہی تھی۔

"ہاں یہ ٹھیک ہے اچھا تو پھر میں بیلنس لوڈ کروا آتی ہوں۔" سکینہ نے اپنی چادر کھول کر اوڑھتے بتایا اور باورچی خانے سے باہر چلی گئیں وہ کافی دیر تک سکینہ کی باتوں کو سوچنے لگی کہ وہ اس کے کام کرنے کے کیوں خلاف ہو رہی ہیں جبکہ وہ گھر سے باہر بھی نہیں جا رہی ہے۔ مگر اسے کچھ سمجھ نہ آیا البتہ اس کا سر ضرور چکرانے لگا اور آنکھوں میں بھی عجیب سا درد سما گیا۔

☼ ☼ ☼

"یہ کیسی ہے....؟" حلیمہ نے اک تصویر نوری کو دکھائی وہ بہت پیاری لڑکیوں کی تصویریں دیکھ رہی تھی کہ حلیمہ کا دل اک لڑکی پر اٹک سا گیا اور اس نے اپنی پسند نوری پر ظاہر کی۔

"جی دادی یہ ماشاء اللہ بہت پیاری ہے۔" نوری نے حلیمہ کی چوائس کو پسند کیا اور لڑکی کی تصویر غور سے دیکھنے لگی۔

"ایسا نہ ہو کہ سعد کو یہ لڑکی پسند نہ آئے۔" دادی نے یک دم سوچ کر کہا۔

"آپ فکر نہ کریں مجھے امید ہے کہ سعد کو لڑکی ضرور پسند آجائے گی۔"

"میری دعا ہے کہ وہ بس اس لڑکی کو پسند کرے پھر دو ہفتے کے اندر اندر ہی اس کی شادی کر دوں گی مجھے حمنہ کی باتیں سن کر بہت ڈر لگ رہا ہے۔" حلیمہ نے حمنہ کو یاد کر کے نوری کو بتایا۔

"اوہو دادی جان آپ فکر نہ کریں ہارون سے سعد نے خود بات کر لی ہے اور اس میں سعد کا کیا قصور ہے کہ حمنہ نے ہارون سے الگ ہونے کا فیصلہ کر لیا ہے ہارون جانتا ہے کہ سعد نے حمنہ کو اسی دن بھلا دیا تھا جب وہ اس کی بیوی بنی تھی۔" نوری سے سعد نے ہارون کی بات کا تذکرہ کیا تھا تاکہ وہ دادی کو ریلیکس کر سکے جو ہارون کی وجہ سے ڈر رہی تھی۔

"بیٹی حمنہ کا گھر میں تباہ ہوتے دیکھنا نہیں چاہتی اگر ایسا کچھ ہوا تو وہ میرے سعد کی زندگی میں واپس آجائے گی میں اس کو کبھی سعد کی زندگی میں نہیں آنے دوں گی وہ لڑکی صرف اپنی ذات سے محبت کرتی ہے۔" حلیمہ نے اپنے اندیشے کا اظہار کیا۔

"آپ فکر نہ کریں ایسا کچھ نہیں ہو گا۔ ہارون کبھی اسے طلاق نہیں دے گا وہ اس کو اچھی طرح سے جانتا ہے کہ وہ اس وقت غلط فیصلہ کر رہی ہے۔" نوری نے حمنہ کے متعلق ساری بات سے حلیمہ کو مطمئن کیا جیسا کہ سعد نے اسے بتایا تھا۔

"بس بیٹی تم بھی دعا کرنا کہ یہ لڑکی سعد کو پسند آجائے۔" حلیمہ نے مسکراہٹ لبوں پر سجا کر لڑکی کی تصویر پھر دیکھی۔

"دادی شادی کے سارے سوٹ میں خود ڈیزائن کروں گی۔" اس نے خوشی خوشی اپنے ہنر کا اظہار کیا۔

"ہاں.... ہاں سعد نے مجھے بتایا تھا کہ تم کسی ملیشا ڈیزائنر کی اسسٹنٹ رہ چکی ہو۔" حلیمہ نے اس سے پوچھا۔

"جی ہاں۔" اس کا چہرہ یک دم ملیشا کے نام پر بجھ گیا۔

"کیا ہوا؟" حلیمہ نے اس کا ہاتھ تھام لیا جس کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔

"بس دادی اپنے برے دن یاد آگئے۔" نوری نے اپنے آنسوؤں کو پونچھ کر جواب دیا۔

"اللہ بہت بڑا ہے وہ ہر انسان کے لیے اچھا سوچتا ہے شاید تمہاری یہاں میرے پاس آنے میں ہی کوئی بہتری ہو۔" حلیمہ نے اسے تسلی دی۔

"جی دادی اور اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے آپ جیسی دادی مجھے ملیں۔" نوری نے مسکرا کر حلیمہ کا ہاتھ چوم لیا۔

"جیتی رہو میری بچی۔" حلیمہ نے اس کے سر پر پیار دیا اور وہ حلیمہ کے گلے سے لپٹ گئی۔

☼ ☼ ☼

وہ دونوں ایک ہوٹل میں لنچ کر رہے تھے آج وہ روز کی طرح کچھ زیادہ ہی پیاری لگ رہی تھی اور وہ کھانے سے زیادہ اسے دیکھ رہا تھا۔

"شکر ہے کہ یہاں سب کو ہمارا کام اچھا لگا۔" ملیشا نے کھانے سے انصاف کرتے ہوئے اس سے بات کی۔

"ہاں تم نے کافی محنت جو کی اس کا صلہ تو یہی ملنا تھا۔" اس نے ہنس کر اس کی تعریف کی۔

"میری محنت اتنی زیادہ نہیں جتنا کہ کرن آپ کی منگیتر نے میرا ساتھ دیا اس کے ہنر نے میری سوچ کو نکھار کر پیش کیا۔ رئیلی میں تم دونوں کی بہت شکر گزار ہوں۔" اس نے کرن کو یاد کیا۔

"یہ بات ٹھیک ہے مگر ڈیزائن تو تمہارے ہوتے ہیں اگر اچھا ڈیزائن نہ ہو تو اس پر کیا جانے والا کام بھی اچھا نہیں لگتا۔" اس نے ملیشا کے ہنر کو سراہا۔

"واہ یہ بات تم نے درست کی۔" وہ مسکرائی اور کھاتے کھاتے اسے دیکھنے لگی۔

"ملیشا کبھی کبھی مجھے تمہارا ساتھ خواب لگتا ہے۔" اس نے ہنس کر کہا۔

"کیوں کیا مطلب؟" وہ مسکرائی۔

"وہ پہلی دفعہ جب میرے ہاتھ سے سوپ کا باؤل۔" اس نے ہنس کر وہ واقعہ یاد کروایا۔

"ہاہا.... یاد ہے۔" وہ ہنستی چلی گئی۔

"یہ دیکھو!" اس نے اپنے بال ماتھے سے ہٹا کر اسے دکھایا چوٹ کا نشان اب بھی موجود تھا۔

"ہاہا غلطی میری تھی۔" اس نے فوراً" اعتراف کیا۔

"توبہ تمہارا غصہ اف میں تو دو دن تک سو نہیں پایا تھا۔"

"کیوں میں غصے میں چڑیل نظر آتی ہوں جو دو رات تم سو نہیں سکے۔" وہ ہنستی چلی گئی۔

"نہیں، نہیں میں سو اس لیے نہیں پایا تھا کہ میں نے پہلی دفعہ اتنی پیاری لڑکی کو دیکھا تھا۔" اس نے پیار سے اس کی تعریف کی۔

"رئیلی میں اتنی پیاری ہوں کہ کسی کی نیند چرا سکتی ہوں۔" اس نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

"سچ کہہ رہا ہوں۔" اس نے مسکرا کر جواب دیا۔
"ایسی بات ہے تو پھر دو دن تک ہی تم کیوں نہیں سو سکے تمہیں تو پھر ہر رات نیند نہیں آنی چاہیے۔" اس نے بات مکمل کر کے قہقہہ لگایا۔
"یہ بھی تم نے ٹھیک کہا۔" وہ ہنستے ہوئے بولا۔
"یاد ہے کہ میں نے تمہیں معاف کر دیا تھا۔" اس نے اس دن والی بات کو دہرایا۔
"ہاں ہاں وہ آپ کی دوست فرحی نے شاید آپ کے کان میں کچھ کہا تھا۔ ایسی کیا بات کر دی تھی؟ جو آپ نے معاف کر دیا۔" اس نے حیرت سے پوچھا۔ وہ خوب ہنسی اور پھر مسکرا کر بولی۔
"فرحی کو تمہارے معصوم چہرے پر ترس آ گیا تھا۔"
"آپ کی نظر میں معصوم نہیں تھا کیا؟" اس نے پیار سے پوچھا۔
"معصوم اپنا چہرہ اس طرف کرو۔" یشا نے اسے دائیں دیکھنے کو کہا۔
اس نے دائیں طرف اپنے چہرے کا رخ کیا اور پھر یشا نے اس کے چہرے کا رخ بائیں جانب کروایا وہ خوب ہنسا وہ مسکرا کر بولی۔
"معصوم ہو بہت معصوم۔"
"تھینک یو..." اس نے مسکرا کر اسے دیکھتے جواب دیا۔
"وہ چوٹ کا نشان کدھر ہے؟" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اس نے ماتھے سے بال ہٹائے وہ اس کے رد عمل پر حیرت زدہ سا ہو گیا جس نے آگے بڑھ کر اس کی چوٹ کو اپنے نرم ہاتھ سے سہلایا۔
"مجھے معاف کر دیجیے۔" اور مسکرا کر کہا۔
یشا اس کے بہت قریب تھی اس نے یک دم نظریں چرا لیں جس کی آنکھوں میں یشا کے لیے بے پناہ پیار ابھر آیا تھا۔ اس سے پہلے یشا مزید کچھ بولتی اس کا سیل فون بج اٹھا وہ دوبارہ کرسی پر بیٹھی اور اس نے سیل فون اپنے کان سے لگایا۔ وہ باتوں میں مصروف ہو گئی اور وہ یشا کو دیکھتا ہی رہ گیا جو اس کے دل میں اتر چکی تھی۔

☼ ☼ ☼
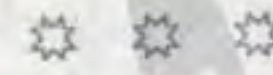
وہ مریض کا چیک اپ کر رہا تھا جب اس کا سیل فون بار بار بجنے لگا مجبوراً اس نے اپنے موبائل کو silent پر کر دیا حمنہ اسے کئی دفعہ کال کر چکی تھی اور وہ اس سے بات نہیں کرنا چاہتا۔
آخر کار حمنہ نے اس کو میسج کرنا شروع کر دیے مریض سے فارغ ہو کر اس نے فکر مندی سے میسجز پڑھے۔
اس کا رنگ فق ہو گیا اس نے لکھا تھا۔ کہ وہ پاکستان اس کے پاس آ رہی ہے۔ اس نے جلدی سے حمنہ کو کال بیک کی دوسری طرف حمنہ نے فوراً کال پک کی۔
"سعد تم جانتے ہو کہ ہارون کے ساتھ میں نہیں رہ سکتی اس لیے میں تمہارے پاس آ رہی ہوں۔" اس نے روتے روتے بتایا۔
"حمنہ پلیز تم کیوں اپنی زندگی تباہ کر رہی ہو پاکستان آ کر تم ہارون کو بھی کھو دو گی۔" سعد نے اسے سمجھانا چاہا جو بے قابو سی ہو رہی تھی۔
"میں نے ہارون کو ضد میں پایا میں تمہیں سزا دینا چاہتی تھی پلیز سعد میں تمہاری محبت کو بھول نہیں سکتی پلیز مجھ سے شادی کر لو ہارون سے شادی میری غلطی تھی پلیز میری غلطی کو معاف کر کے مجھے اپنا لو۔ میں پاکستان تمہارے پاس رہوں گی تمہیں لندن شفٹ کرنے کے لیے بھی ڈسٹرب نہیں کروں گی۔" حمنہ نے روتے روتے اس سے معافی مانگی۔
"حمنہ... پلیز خود کو سنبھالو تم ہارون کی بیوی ہو ایسا ممکن نہیں۔"
"کیوں ممکن نہیں یہاں ہزار شادیاں ہوتی ہیں اور ہزار شادیاں ٹوٹتی ہیں اور پھر لوگ دوسری شادی کر لیتے ہیں میں بھی ایسا کر لوں گی تو کون سی بڑی بات ہے۔" اس نے خفا... لہجے سے بتایا۔
"دیکھو حمنہ ہم دونوں میں سوچ کا فرق ہے

تمہارے نزدیک شادی کا بندھن وہ نہیں ہے جو میں محسوس کرتا ہوں ہمارے معاشرے میں طلاق لینا بری بات ہے تم میری وجہ سے ہارون کے دل سے مت کھیلو پلیز حمنہ۔" اس نے افسردگی سے اسے سمجھایا۔
"میں پاکستان آ رہی ہوں اور میں جانتی ہوں کہ میرے وہاں آنے پر تم میری غلطی کو معاف کر دو گے۔" اس نے اپنا فیصلہ سنایا۔
"نہیں شاید میں پھر تمہیں کبھی معاف نہیں کر پاؤں گا۔" اس کا لہجہ مضبوط ہو گیا۔
"یہ تو وقت ہی بتائے گا۔" اس نے بھی مضبوط لہجے میں بات کی اور کال کاٹ دی۔
وہ دیر تک سیل فون کو دیکھتا رہا اور پھر اس نے جلدی سے دادی کو کال کی۔
دوسری طرف حلیمہ نوری کے ساتھ گپ شپ لگا رہی تھیں کہ پوتے کا نمبر دیکھ کر انہوں نے فوراً کال پک کی۔
"ہیلو بیٹا۔" حلیمہ نے پیار سے کہا۔
"دادی آپ اس لڑکی کے گھر کب چلنے کو کہہ رہی تھیں۔" سعد نے فکر مندی سے پوچھا۔
"بیٹا جب تم کہو کیوں کیا ہوا؟" حلیمہ اس کی بات پر حیرت سے بولیں۔
اس نے خود کو سنبھالا اور پھر بولا۔
"دادی آج رات میں فری ہوں اگر آپ جانا چاہیں تو؟" اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔
"ہاں... ہاں میرے بچے میں ان لوگوں کو ابھی فون کرتی ہوں۔" حلیمہ کا چہرہ کھل اٹھا۔
نوری کو بھی بات سمجھ آ گئی کہ سعد لڑکی دیکھنے جانا چاہتا ہے۔ اس نے دادی کا ہاتھ تھام لیا۔
"میں شام سات بجے آ جاؤں گا۔" اس نے وقت بتایا۔
"ہاں' ہاں" حلیمہ کی آواز پر جوش سی ہو گئی سعد نے اللہ حافظ کہہ کر فون کاٹا اور منہ میں بڑبڑایا۔
"میری شادی ہو جانے پر شاید ہارون کا گھر بچ جائے۔" اس نے سوچتے ہوئے... خود کو تسلی دی۔ مگر حمنہ کے جملے اس کے ذہن میں گھومنے لگے کہ میں پاکستان آ رہی ہوں۔ اس نے اپنی آنکھیں موند لیں جس کو سوچوں نے جکڑ لیا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ کپڑے دھو کر بالٹی چھت پر لے آئی آج اس نے صبح صبح کام ختم کر لیے کیوں کہ وہ پھر کڑھائی کا کام زیادہ کرنا چاہتی تھی۔ ارسلان کا اسے آرڈر کے سلسلے میں فون آیا تھا کہ مارکیٹ میں اگلے مہینے انہیں آرڈر دینا ہو گا۔
وہ تار پر کپڑے پھیلا رہی تھی کہ زور کا چکر اسے آیا اور پھر سے اس کی آنکھوں کے سامنے عجیب سا اندھیرا چھا گیا اسے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا اس نے مضبوطی سے رسی کو تھام لیا اور اپنی اس کیفیت سے گھبرا سی گئی کافی دیر تک وہ اپنی آنکھیں مسلتی رہی مگر اسے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا اس نے رسی کی مدد سے خود کو سہارا دیا اور آہستہ آہستہ قدم بڑھانے لگی اور منہ میں فکر مندی سے بڑبڑائی۔
"یا خدا... یہ کیسا اندھیرا میری آنکھوں پر چھا سا گیا۔" اس کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی اس نے نیچے آنے کے لیے آہستہ آہستہ قدم رکھنے شروع کر دیے مگر کچھ نظر نہ آنے کے باعث وہ سیڑھیوں سے گرتی چلی گئی۔ کرن کی چیخ سن کر سکینہ جو باتھ روم میں وضو کر رہی تھیں وہ باہر کی طرف دوڑی چلی آئیں کرن کے ناک منہ سے خون بہہ رہا تھا اور وہ بے ہوش تھی۔
سکینہ پریشانی کی حالت میں اس کی طرف لپکیں انہوں نے جلدی سے کرن کا سر اپنی گود میں رکھا اور چادر سے اس کی ناک سے نکلتا ہوا خون صاف کرنے لگیں اپنی بیٹی کی یہ حالت دیکھ کر ان کو اپنی ٹانگوں سے جان نکلتی محسوس ہوئی مگر ہمت کر کے انہوں نے کرن کو تخت پر لٹایا اور باہر محلے میں کسی سے مدد مانگنے کو دوڑیں۔
کرن کو محلے کی کچھ عورتوں نے سہارا دے کر رکشا میں ڈالا... اور سکینہ محلے کی ایک عورت کی مدد سے

سعد کے کلینک آپہنچیں۔
"سعد بیٹا میری بچی۔" سکینہ روتے ہوئے اس کے آفس میں آگھسیں۔
"اماں جی کیا ہوا؟" سعد ان کے رد عمل پر گھبرایا پچھلے پانچ سال سے وہ سعد کی پیشنٹ تھیں اور سعد کو بیٹا کہہ کر مخاطب کرتی تھیں اور سعد نے بھی ان کو ماں کا درجہ دیا ہوا تھا۔
"کرن باہر وہ ..... وہ سیڑھیوں سے گر گئی۔" سکینہ نے بدحواسی سے آدھی ادھوری بات بتائی۔
"میں دیکھتا ہوں آپ فکر نہ کریں۔" وہ آفس سے باہر نکل کر ایمرجنسی روم میں چلا گیا جہاں کرن کو نرسوں نے منتقل کیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"نوری تم بھی چلو۔" حلیمہ تیار ہو کر ہال میں آئیں تو انہوں نے نوری کو بھی حکم دیا۔
"میں ..... میں کیسے جا سکتی ہوں۔" نوری نے ہچکچا کر کہا۔
"کیوں تم سعد کی بہن نہیں ہو کیا؟" حلیمہ نے خفگی سے پوچھا۔
"دادی اماں ایسی بات نہیں آپ لوگ پہلے بات پکی کر لیں پھر میں کسی دن لڑکی دیکھنے آپ کے ساتھ چلی جاؤں گی۔" نوری نے فکر مندی سے جواب دیا۔
"اوہو..... بعد میں بھی تو جانا ہے پھر آج کیوں نہیں؟" حلیمہ نے اس کا ہاتھ تھام کر پوچھا جو انہیں کافی نروس سی لگی۔
"دادی میں غریب گھرانے سے تعلق رکھتی ہوں کوئی وہاں مجھے جاننے والا ہوا تو وہ الٹی باتیں نہ بنا دیں۔" نوری نے اپنی غربت کو ظاہر کر کے اپنے اندر کا ڈر بتایا۔
"اوہو نوری تم کیوں برا سوچ رہی ہو میری بچی ایسا کچھ بھی نہیں ہو گا۔"
"وہ لوگ کیا سوچیں گے کہ میں ملازمہ اور مجھے اتنی اہمیت۔" اس نے فکر مندی سے کہا۔
"تم اپنے ذہن کو صاف کرو لوگوں کی تو بعد میں بات کرو میری بچی گھر میں اور بھی ملازم ہیں مگر کوئی میرا دل جیت سکا تمہارے آنے سے میری صحت بھی کتنی اچھی رہنے لگی ہے تم بھی تو مجھ سے بہت پیار کرتی ہو کبھی چھٹی نہیں کرتیں وقت پر مجھے دوائی دینا نہیں بھولتی ہو اپنے دل سے پوچھا کیا یہ تمہاری محبت میرے لیے صرف اک مالک کی حد تک ہے یا پھر تم مجھے اپنی ماں سمجھتی ہو۔" حلیمہ کی آنکھیں بھر آئیں۔
"دادی اماں میں نے یتیم خانے میں پرورش پائی ماں کیا ہوتی ہے یہ آپ سے مل کر مجھے احساس ہوا۔" نوری نے ان کا ہاتھ چوم لیا۔
"تو پھر چلو اپنی ماں کا حکم مانو اور جلدی سے تیار ہو جاؤ۔" حلیمہ نے حکم جاری کیا۔
"ان کپڑوں میں؟" اس نے سادا سا لباس پہن رکھا تھا وہ حیرت سے انہیں دیکھنے لگی۔
"تم ایسا کرو گھر چلی جاؤ ہم لوگ تمہیں وہاں سے پک کر لیں گے۔" حلیمہ نے کچھ سوچ کر جواب دیا۔
"جی اچھا۔" نوری حلیمہ کی محبت دیکھ کر انکار نہ کر پائی اور ان کے سینے سے لپٹ کر رونے لگی جنہوں نے نوری کو بیچ میں اپنے گھر کا فرد بنا لیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"آپ ایسا کریں یہ ادویات لے آئیں پھر میں کرن کو سمجھا دوں گا کہ ان کا استعمال کیسے کرنا ہے۔" سعد نے ایک پرچے پر لکھتے ہوئے سکینہ سے بات کی۔
کرن بستر پر خاموشی سے لیٹی ہوئی تھی اس کے سر اور ناک کے اردگرد کافی چوٹیں آئی تھیں۔
سکینہ کے ..... چلے جانے کے بعد وہ اس سے مخاطب ہوا۔
"کرن اب کیا محسوس کر رہی ہیں؟" سعد نے پیار سے پوچھا۔
"سر اور آنکھوں میں بہت درد ہے۔" اس نے آہستہ آواز سے بتایا۔
"دیکھو کرن میں سکینہ جی کے سامنے آپ سے بات کرنا نہیں چاہتا پلیز آپ کڑھائی کا کام چھوڑ دیں آپ کی آنکھیں اب برداشت نہیں کر رہی ہیں۔" سعد نے افسردگی سے بتایا۔
وہ حیرت سے انہیں تکنے لگی اس کا رنگ فق ہو گیا جس نے اپنے کڑھائی کے آرڈر مکمل کرنے تھے۔
"آپ کو یوں بار بار چکر آنا آپ کی آنکھوں کے سامنے دھواں چھا جانا یہ کام آپ کی آنکھوں کی نسوں کو تکلیف دے رہا ہے اس کے برے اثرات بھی ہو سکتے ہیں اس لیے آپ کو اب کڑھائی کا کام نہیں کرنا ہو گا۔" سعد نے اسے کھل کر بتایا جس کی رپورٹ پڑھ کر اسے بھی دکھ ہوا تھا کہ اس کی آنکھوں میں اب وہ سکت نہیں رہی جو عام آنکھ میں ہوتی ہے۔
"کیا میں کبھی کام نہیں کر پاؤں گی۔" اس نے افسردگی سے پوچھا۔
"جی ہاں اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو مجھے افسوس سے کہنا پڑے گا کہ آپ اپنی نظر بھی کھو سکتی ہیں۔ مگر ابھی احتیاط کرنے سے آپ اپنی بینائی کی حفاظت کر سکتی ہیں۔" اس نے فکر مندی سے اس کی آنکھوں کے متعلق بتایا۔
اس کی آنکھیں پرنم ..... ہو گئیں جس ..... آرڈر کے مکمل ہونے پر اسے جو رقم ملنی تھی اس سے وہ اپنے گھر کا خواب دیکھ رہی تھی اسے یوں لگا جیسے اس کی جلتی آنکھیں اس کے خواب جلا دیں گی۔

☼ ☼ ☼

سعد کا حرا نامی لڑکی سے رشتہ طے ہو گیا حلیمہ بہت خوش تھیں لڑکی اور اس کا گھرانہ انہیں بہت اچھا لگا اور دونوں فیملیز کے مشورے سے اگلے ہفتے منگنی کی رسم ادا کرنے کا فیصلہ ہوا۔
"تم خوش تو ہو بیٹا۔" وہ ہسپتال سے گھر آیا۔ تو رات کے کھانے پر حلیمہ کی بات اس سے ہی ہوئی۔
"جی دادی۔" اس نے مطمئن ہو کر جواب دیا۔
"حرا بہت پیاری بچی ہے۔" حلیمہ نے حرا کی تعریف کی۔
اس نے خاموشی سے کھانے پر دھیان رکھا۔
"تم اداس کیوں ہو؟" حلیمہ نے اس کے رد عمل پر پوچھا جو انہیں الجھا الجھا دکھائی دے رہا تھا۔
"نہیں دادی ایسی کوئی بات نہیں بس آج کرن کی رپورٹ دیکھ کر دل اداس سا ہو گیا۔"
"کیا ہوا کرن کو یہ وہی بچی ہے جو اپنی کزن کا علاج کروانے آئی تھی۔" حلیمہ نے تصدیق چاہی۔
"جی دادی ..... اپنے منگیتر کی خاطر اس نے اپنی آنکھوں کو اذیت دے دی۔" اس نے فکر مندی سے بتایا۔
"کیا مطلب؟ میں کچھ نہیں سمجھی۔" حلیمہ نے حیرت سے پوچھا۔
"دادی جان کرن کڑھائی کا کام کرتی ہے وہ اپنے منگیتر کی مالی مدد کر رہی تھی اس نے یہ کام ایک گھر کے لیے کیا تھا مگر اسے محنت کرتے ہوئے یہ اندازہ نہیں ہوا کہ اس کی نظر کمزور ہو رہی ہے ریئلی دادی میں اس کی محنت اس کے جذبے کو دیکھ کر حیران ہوں کہ اس نے اتنی محنت اپنی محبت کو سہارا دینے کے لیے کی ہے۔"
"کرن بہت حساس بچی تھی وہ تمہارے لیے بھی بہت اپ سیٹ ہو گئی تھی۔ میں اس کے لیے دعا کروں گی کہ خدا تعالیٰ اس کی آنکھوں کو آرام دے۔" حلیمہ نے اسے یاد کیا۔
"دادی مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ اپنی آنکھیں نہ کھو دے۔" وہ فکر مندی سے بولا۔
"نہیں ..... نہیں ایسی بات مت سوچو تم نے اسے منع تو کیا ہے کہ اب وہ کسی بھی قیمت پر کام نہیں کرے گی۔" حلیمہ نے فکر مندی سے پوچھا۔
"جی دادی جان میں نے اپنا فرض تو پورا کیا اور میں نے اس کی رپورٹ لندن ہسپتال میں بھی بھیجی ہیں تاکہ میں اس کے لیے اچھی ادویات کا ارینج کر سکوں۔" سعد نے اپنی آج کی کارروائی کے متعلق انفارم کیا۔
"خدا تعالیٰ تمہیں اس بات کا اجر دے گا ..... اور

شاید تمہارے مریضوں کی دعا سے حرا جیسی شریف لڑکی تمہاری زندگی میں آگئی ہے۔"

"اچھا تو آپ کی تیاری مکمل ہو گئی۔" اس نے پیار سے پوچھا۔

"ہاں بس تم اپنے لیے اچھا سا تھری پیس پسند کر لو ان شا اللہ پرسوں جا کر منگنی کر آئیں گے اور پھر تھوڑے عرصے کے بعد شادی کی بات کریں گے۔" حلیمہ نے اپنا پروگرام بتایا۔

"ٹھیک ہے.... میں کل جلد آجاؤں گا پھر آپ کے ساتھ ہی شاپنگ کے لیے نکلوں گا۔" اس نے مسکرا کر بتایا۔

"یہ تو بہت اچھا رہے گا میں تو خود تمہارے ساتھ جانا چاہ رہی تھی آخر کو سب کی نظریں تم پر ہوں گی۔" حلیمہ نے مسکرا کر اپنی سوچ ظاہر کی اور اس کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

☼ ☼ ☼

وہ بہت خوش تھی آج دبئی سے ارسلان واپس آرہا تھا اس نے پچھلے ایک ہفتے سے کڑھائی کا کام چھوڑ دیا۔ سکینہ اس کی ماں ہر بات سے انجان تھی آج اس نے گرین رنگ کا سوٹ پہنا ہوا تھا اور وہ بہت پیاری لگ رہی تھی آج کافی دنوں کے بعد ارسلان نے اسے دیکھنا تھا۔

اس نے بڑے پیار سے ارسلان کی من پسند ڈش تیار کی چکن بریانی کو دم پر اس نے رکھا ہوا تھا اور وہ تیار ہو کر رائتہ بنانے کی غرض سے باورچی خانے کی طرف لپکی کہ مین ڈور پر دستک ہوئی۔ ارسلان آگیا ہے شاید اس نے خوشی سے دروازے کی جانب قدم بڑھائے دروازہ کھلا تو وہ سامنے تھا اس کو دیکھ کر کرن کی آنکھوں کا درد غائب ہو گیا۔

"میرا انتظار ہو رہا تھا کیا؟" وہ سامان لے کر اندر داخل ہوا۔ سکینہ بھی اپنے کمرے میں دروازے کی دستک سن کر باہر نکل آئیں۔

"آؤ بیٹا...." سکینہ اس کے گلے سے لگیں اور ان کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔

"اوہو اب رونے کی کیا بات ہے اب تو میں واپس آگیا ہوں۔ جتنا آپ نے مجھے یاد کیا خالہ میں نے بھی آپ لوگوں کو یاد کیا۔" اس نے کرن کو دیکھ کر مسکرا کے بتایا۔

"مدیحہ کیسی ہے؟" سکینہ نے فوراً مدیحہ کی خیریت دریافت کی۔

"جی مدیحہ ٹھیک ہے مگر اسے بیڈ ریسٹ ڈاکٹر نے بتایا ہے اب باہر جتنے بھی ملازم ہوں اپنا جو خیال رکھ سکتا ہے وہ بات تو نہیں اماں تو آپ کے بنا بہت اداس ہیں مگر مدیحہ کی وجہ سے واپس نہیں آسکیں۔"

"ہاں ہاں.... کلثوم نے ٹھیک ہی کیا جو مدیحہ کے پاس ہی ٹھہر گئیں۔" سکینہ نے کلثوم کے فیصلے کو اہمیت دی۔

"اف کرن بہت بھوک لگی ہے جلدی سے بتاؤ آج کیا بنایا ہے؟ ہوٹلوں کے کھانے کھا کھا کر تنگ آچکا ہوں۔" اس نے مسکرا کر کرن سے پوچھا۔

"چکن بریانی۔" وہ مسکرائی۔

"بیٹا تم فریش ہو جاؤ ابھی کرن کھانا لگا دیتی ہے۔" سکینہ نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"اوکے خالہ۔" وہ سامان لے کر اوپر پورشن کی سیڑھیاں چڑھ گیا۔

اور وہ باورچی خانے میں آکھڑی ہوئی۔ اس نے جلدی سے ابلے آلوؤں کے چھوٹے چھوٹے پیس کیے اور ٹماٹر کھیرے کے چھوٹے چھوٹے پیس کاٹ کر اس نے دہی میں تمام آمیزہ ڈال کر رائتہ تیار کر لیا۔ وہ ٹرے میں چکن بریانی نکال رہی تھی جب وہ اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

"میں کھانا لا رہی ہوں۔" اس نے مسکرا کر بتایا۔

"آج تو آپ بہت پیاری لگ رہی ہیں۔" اس نے فوراً کہا اور اس کا وجود سر سے پاؤں تک دیکھنے لگا۔ وہ مسکرائی۔

"اچھا شکریہ۔" کرن نے ٹرے کو ٹیبل پر رکھا۔ اور اس کو مسکراتے دیکھا اس سے پہلے کہ وہ [illegible]

کے متعلق بات کرتی اس کا سیل فون بجنے لگا۔

"ہیلو میشا ہاں ہاں۔"

کرن کو اندازہ ہو گیا کہ میشا کا فون آیا ہے پانچ منٹ کے بعد اس نے فون رکھا اور اس کی طرف دیکھ کر بولا۔

"تم نے کام کر لیا ہو گا۔"

"نہیں۔" وہ گھبرا کر بولی۔

"کیا کیا مطلب۔" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"ارسلان میری طبیعت۔" اس نے کچھ کہنا چاہا مگر اس نے بتانے ــــ فکر مندی سے کہا۔

"پلیز کرن اس ہفتے میں ہی کام مکمل کر دو میشا نے کہا ہے اور پھر تم جانتی ہو کہ اس آرڈر کا سارا پیسہ میں گھر بنانے کے کام پر لگا دوں گا۔" ارسلان نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"ہاں.... ہاں۔" اس کی آواز دب سی گئی اور چہرے کی رنگت زرد سی پڑ گئی۔

"ہمارا اپنا گھر ہو گا میں نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ میں اتنی جلدی گھر کے لیے زمین خرید لوں گا یہ کرن صرف تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔" وہ خوشی سے اسے دیکھنے لگا۔ وہ بمشکل مسکراہٹ لبوں پر سجا کر بولی۔

"بس باقی باتیں بعد میں کھانا ٹھنڈا ہو جائے گا۔" اس نے رائتہ کا ڈونگا ٹرے میں سجایا۔

"یہ لیجیے میں آپ کی مدد کر دیتا ہوں۔" اس نے بریانی کی ٹرے اٹھالی اور باورچی خانے سے نکل کر سکینہ کے کمرے کی طرف چل پڑا اس نے باقی سامان پلیٹیں چمچے اور رائتہ کا ڈونگا ٹرے میں تیزی سے رکھا اور پھر باورچی خانے سے نکل آئی۔ مگر ارسلان کے آرڈر مکمل کرنے والی بات سے اس کا سر بھاری ہو چکا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ بستر پر لیٹا تھا اور سونے کی کوشش کر رہا تھا مگر نیند تھی جو اس کی آنکھوں سے بھاگ گئی تھی میشا کے ساتھ گزرا ہر لمحہ اسے یاد آنے لگا۔

"میشا شاید مجھے پسند کرنے لگی ہے؟" اس نے خود سے سوال کیا اور پھر خود ہی اپنے آپ کو جواب دینے لگا میشا نے مجھے کتنے پیار سے چھوا تھا اور پھر وہ اتنے بڑے ڈیزائنر نعمان کی پارٹی چھوڑ آئی تھی میری پسند کی انگوٹھی کو اس نے جھٹ سے پہن لیا اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ وہ مجھے پسند کرنے لگی ہے۔ مگر شاید کرن کا منگیتر ہونے کی وجہ سے وہ مجھ سے اپنی پسند کا اظہار نہیں کر پا رہی اس نے یک دم کرن کے متعلق سوچا تو اس کے چہرے پر افسردگی سی چھا گئی۔

"یہ.... یہ میں کیا سوچ رہا ہوں میں تو کرن سے محبت کرتا ہوں۔ پھر کیوں میں میشا کے متعلق سوچ رہا ہوں مجھے ایسا نہیں سوچنا چاہیے اس نے خود کو روکا مگر مزید اس بات پر اپ سیٹ سا ہو گیا اس نے دوسری طرف کروٹ بدلی تو ہلکی سی دستک اس کے کمرے کے دروازے پر ہوئی۔

"کون؟" اس نے کروٹ بدل کر پوچھا۔

"میں ہوں کرن۔" وہ اندر داخل ہو کر بولی۔ اس کے ہاتھ میں ٹرے تھی جس پر دو چائے کے مگ تھے۔ جن میں سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ وہ بستر پر اٹھ کر بیٹھا اور ٹیک لگا کر بولا۔

"تمہاری چائے بھی مجھے وہاں بہت یاد آتی رہی۔" اس نے سپ لے کر بتایا۔

"اچھا چائے یاد کی کھانا یاد کیا بس یاد نہیں کیا تو مجھے۔" اس نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

"اوہو تمہیں تو یاد کیا تھا۔" وہ ہنسا۔

"اچھا۔" وہ ہنسی اور اس نے چائے کا سپ لیا۔

"کرن کام کب تک مکمل ہو جائے گا؟" اس نے چائے کا سپ لے کر پوچھا وہ جو اس سے باتیں کرنے آئی تھی ارسلان نے پھر مشکل سوال پوچھ لیا۔

"جی بس وہ کچھ دن اور لگ جائیں گے۔" اس نے بجھے لہجے سے جواب دیا۔

"اچھا کل پلیز مجھے جلدی جگا دینا میشا کے ساتھ اک میٹنگ میں جانا ہے۔" اس نے جلدی سے چائے کے سپ لے کر کہا تھا وہ کرن سے کترا رہا تھا۔ جیسے وہ اس کے اندر کی نئی تبدیلی کو سمجھ نہ جائے۔

"ٹھیک ہے تم سو جاؤ میں کل جلدی جگا دوں گی۔" اس نے خالی کپ ٹرے میں رکھے اور مسکرا کر باہر چلی آئی۔

اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی بھی کام کرنا شروع کر دیا اور پوری رات لگا کر اس نے دو قمیصوں کی کڑھائی کا کام کر لیا تقریباً" رات کے تین بج رہے تھے جب اس کی آنکھوں میں شدید درد ہونے لگا وہ درد کے ساتھ تڑپنے لگی۔ اس نے سعد کے لکھے ڈراپ آنکھوں میں ڈالے تب جا کر اسے کچھ سکون محسوس ہوا۔ اب اسے سعد کی باتوں سے اندازہ ہو گیا تھا کہ کڑھائی کا کام سچ میں اس کی بینائی کو ختم کر دے گا اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور کتنی دیر روتے روتے کب اس کی آنکھ لگ گئی اور وہ خوابوں کی دنیا میں کھو گئی۔

☼ ☼ ☼

حمنہ نے رات کے آخری پہر اپنا بیگ سنبھالا اور آہستہ قدموں سے مین گیٹ کی طرف بڑھی آج اسے ٹھیک سات بجے کی فلائٹ سے پاکستان جانا تھا۔ ہارون اپنی بیوی سے بے خبر سو رہا تھا اور وہ موقع پا کر باہر نکل آئی گاڑی اسٹارٹ ہوئی تو تب جا کر ہارون کی آنکھ کھلی رات کے تین بج رہے تھے اور حمنہ بستر پر نہ ملی وہ آنکھیں مسلتے اٹھ بیٹھا۔ اس نے حمنہ کے سیل فون پر کالز کرنی شروع کر دیں۔ جس کو اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ رات کے آخری پہر گھر سے نکلی ہے۔

دوسری طرف حمنہ نے کال پک کر لی۔

"حمنہ تم کہاں ہو؟" ہارون نے فکر مندی سے

"میں ..... میں پاکستان جا رہی ہوں۔" حمنہ نے صاف صاف بتایا۔

"کیا مطلب؟ تم کیسے جا سکتی ہو؟" اس کا چہرہ غصے سے لال ہو گیا۔

"میں تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتی۔" اس نے خفا لہجے سے جواب دیا۔

"دیکھو حمنہ پلیز گھر آ ؤ یہ مسئلہ یوں ایک دوسرے سے دور جا کے حل نہیں ہونے والا ہے۔"

"بس تم مجھے طلاق دے دو تم اچھی طرح سے جانتے ہو تم سے شادی کرنا میری ضد تھی۔" اس نے لفظ چبا چبا کر ادا کیے۔

"پلیز حمنہ تم سمجھ کیوں نہیں رہی کہ میں تمہیں طلاق نہیں دے سکتا۔" اس نے بے بسی سے جواب دیا۔ جو یونیورسٹی کے دنوں سے اس سے بے پناہ محبت کر رہا تھا بس اس نے اپنی محبت کا اظہار نہیں کیا تھا۔

"اچھا تو ٹھیک ہے تم مجھے طلاق مت دو۔ میں کورٹ میں کیس کر کے طلاق لے لوں گی۔" اس نے غصہ سے کال کاٹ دی۔ اور گاڑی کی اسپیڈ تیز کر دی۔ تیز اسپیڈ میں گاڑی چلا رہی تھی کہ سامنے سے اوباش لڑکوں کی گاڑی نے اس کی گاڑی کو ٹکر مار دی۔ اس کی گاڑی روڈ سے فٹ پاتھ پر چڑھ گئی اس کو نقصان نہ پہنچا البتہ گاڑی اسٹارٹ نہ ہوئی وہ تیزی سے اتری اور اس نے غصے سے ان اوباش لڑکوں کی گاڑی کو دیکھا جو شراب کے نشے میں تھے۔

گاڑی میں تین لڑکے اس کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگے ان میں سے ایک لڑکا شراب میں جھولتا ہوا اس کے پاس آیا اور اس کے پاس آکر کھڑا ہوا۔

"میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

"شٹ اپ دفع ہو جاؤ۔"

"آپ کو کیسے اکیلا چھوڑ سکتا ہوں۔"

اس لڑکے نے اس کا بازو تھام لیا۔ اس نے غصے سے بازو چھڑوایا اور اس لڑکے کو طمانچہ دے مارا لڑکے نے اپنے دونوں ساتھیوں کو پکارا۔

"ادھر آؤ آج رات کے لیے یہ سامان مزا دے گا۔"

اپنی طرف لڑکوں کو بڑھتا دیکھ کر اس نے جلدی سے گاڑی میں سے اپنا سیل فون اٹھایا اور ہارون کو کال کی۔ دوسری طرف ہارون نے فوراً" کال پک کی۔

"ہیلو ہارون ' ہارون وہ کچھ غنڈے پرکس روڈ پر۔"

وہ اپنی طرف ان لڑکوں کو بڑھتا دیکھ کر ــــ بولی تھی۔

"میں آ رہا ہوں تم ڈرنا مت۔" ایک زور کی چیخ حمنہ کی سنائی دی اور اس کا فون کٹ گیا ہارون تیزی سے باہر کی طرف بھاگا۔

☼ ☼ ☼

صبح وہ آنکھیں مسلتی ہوئی اٹھی تو اسے آنکھوں میں درد کے ساتھ ہر چیز دھوئیں میں لپٹی نظر آ رہی تھی۔ زمین پر ٹٹول کر چپلیں پہنیں اور بمشکل اپنے کمرے سے باہر نکلی۔

سکینہ پودوں کو پانی دے رہی تھیں کرن کی آمد پر انہوں نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"بیٹی آج کافی دیر تک سوتی رہی ہو۔ طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔"

"اماں ..... اماں۔" وہ گھبرا کر ان کی طرف بڑھنے لگی اسے اپنی ماں کا چہرہ بھی صاف نظر نہیں آ رہا تھا۔

"کیا ہوا؟ کرن؟" سکینہ کے ہاتھ سے پائپ چھوٹ گیا۔ وہ گھبرا کر اس کی طرف بڑھیں جس کا چہرہ زرد سا تھا اور وہ بری طرح آنکھیں مسل مسل کر کھول رہی تھی۔

"اماں مجھے دھندلا دھندلا نظر آ رہا ہے۔" وہ گھبرا کر بولی اور اس نے ماں کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا۔

"کیا مطلب؟" سکینہ کرن کی بات پر بوکھلا سی گئیں۔

"اماں مجھے کچھ دنوں سے صاف دکھائی نہیں دے رہا تھا مگر آج تو بہت کم دکھائی دے رہا ہے۔" وہ رونے لگی۔

"نہیں ' نہیں میری بچی کے ساتھ خدا تعالیٰ کچھ برا نہیں کر سکتا۔ مجھے اپنے خدا پر بھروسہ ہے تمہیں کچھ نہیں ہو گا۔" سکینہ کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے اور انہوں نے کرن کو اپنے سینے سے لگا لیا۔

کرن نے ماں کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا تھا اسے بہت ڈر لگ رہا تھا اور ڈاکٹر سعد کی بات یاد آنے لگی کہ اگر اس نے مزید آنکھوں سے کام لیا تو وہ اپنی آنکھیں کھو دے گی اس بات کو سوچ کر وہ سہم سی گئی اور اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

☼ ☼ ☼

وہ بلیک پینٹ کوٹ میں بہت پیارا لگ رہا تھا آج وہ حرا کو اپنے نام کی انگوٹھی پہنانے والا تھا اس نے آئینے میں اپنا جائزہ لیا اور پھر کمرے سے باہر جانے کے لیے اس نے قدم اٹھائے تو اس کا سیل فون بجنے لگا۔

سیل پر ایک انجان نمبر سے کال آ رہی تھی مگر نمبر لندن کا تھا اس نے اٹھانا مناسب سمجھا اس کے کافی دوست لندن میں بھی رہتے تھے فون پر اس کا دوست شہزاد تھا۔

"ہیلو ' ہیلو سعد میں شہزاد ....." سعد کے دوست نے اسے پکارا۔ اس کی آواز بہت گھبرائی ہوئی تھی۔

"ہاں ' ہاں شہزاد کیا ہوا؟ تم اتنے گھبرائے ہوئے کیوں ہو۔" اس نے فکر مندی سے پوچھا۔

"سعد وہ حمنہ۔" اس سے بات مکمل نہیں ہو رہی تھی۔ وہ جو ان دونوں کا دوست تھا اس نے حمنہ کے ساتھ ہونے والے حادثے کا تذکرہ کرنا چاہا مگر اس کی زبان اس کا ساتھ نہیں دے پا رہی تھی۔

"کیا ہوا حمنہ کو؟" وہ گھبرایا۔

"حمنہ کے ساتھ..... حمنہ کے ساتھ کچھ لڑکوں نے ....." شہزاد نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"وہ کیسی ہے کہاں ہے ہارون کدھر ہے بولو مجھے بتاؤ۔" وہ اس کی بات سن کر پھٹ پڑا۔

"سعد وہ ہسپتال میں ہے اور میں ہارون کے ساتھ ہی تھا۔ ہارون کا بھی برا حال ہے حمنہ تم سے ملنے پاکستان آ رہی تھی مگر راستے میں اس کے ساتھ یہ برا حادثہ پیش آ گیا میں نے تمہیں بتانا ضروری سمجھا۔" شہزاد نے افسردگی سے بات ختم کی۔

"میں لندن آ رہا ہوں۔" سعد نے فوراً" کہا اور بات ختم کر دی۔ اس کی آنکھوں میں نمی سی تیرنے لگی۔ جس نے حمنہ کو بھی محبت سے چاہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"ڈاکٹر صاحب میری بچی کی بینائی ٹھیک ہوجائے گی۔" سکینہ کرن کو لے کر ہسپتال پہنچیں وہاں انہیں سعد نہیں ملا البتہ ڈاکٹر ظفر نے کرن کی آنکھوں کا چیک اپ کیا اور سکینہ کو ساری بات بتائی کہ آنکھوں سے بہت زیادہ باریک کام لینے پر اس کی نظر کافی کمزور ہوگئی ہے تو سکینہ نے فکر مندی سے پوچھا۔

"یہ تو ڈاکٹر سعد ہی آپ کو اس کیس کے متعلق بتا سکیں گے۔ انہوں نے پہلے بھی کرن کا معائنہ کر کے انہیں ہدایت دی تھی۔" ڈاکٹر ظفر نے جواب دیا اور پھر کرن کے لیے کچھ ادویات لکھ کر دیں۔

"مگر میں تو اس بات سے انجان تھی۔" سکینہ نے کرن کی طرف دیکھ کر فکر مندی سے ڈاکٹر ظفر کو بتایا۔

"اب آپ کے علم میں یہ بات آگئی ہے۔ پلیز ان کا مکمل خیال رکھا جائے۔" ڈاکٹر ظفر نے کرن کو دیکھ کر ہدایت دی۔

کرن سر جھکائے بیٹھی تھی اسے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ اپنی ماں کو کیا جواب گھر جا کر دے گی۔

سکینہ نے کرن کو اپنا سہارا دے کر اٹھایا وہ ماں کا ہاتھ تھام کر آہستہ آہستہ قدم اٹھا کر ہسپتال سے باہر آگئی سکینہ نے جلدی سے ایک رکشا روکا اور اس میں کرن کو احتیاط سے بٹھایا اس کو اپنی ماں کے چہرے پر عجیب سا ڈر محسوس ہوا مگر سکینہ نے اس کے ساتھ رکشا میں کوئی بات نہ کی۔

گھر آکر سکینہ نے اپنے سہارے سے اسے تخت پر بٹھایا اور پھر دروازہ بند کر کے اس کے پاس آبیٹھیں ...... اور کرن کا ہاتھ تھام کر بولیں۔

"بیٹی تو نے مجھ سے اتنی بڑی بات کیوں چھپائی؟"

"اماں ...... اماں وہ، وہ۔" اس کی زبان نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا اور پھر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

سکینہ کی آنکھیں بھی بھر آئیں مگر انہیں کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ اپنی بیٹی کو کس طرح تسلی دیں جنہیں خود تسلی کی ضرورت تھی۔ انہیں یوں لگا جیسے ان کی بیٹی کی خوشیاں جل گئی ہوں۔

دونوں ماں بیٹی خود کو تسلی بھی نہیں دے پائیں کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

کرن نے جھٹ سے آنسو پونچھے وہ جانتی تھی کہ ارسلان آج جلدی آنے والا ہے۔

سکینہ نے بوجھل قدموں سے دروازہ کھولا ان کی آنکھیں رو رو کر سرخ ہو چکی تھیں انہوں نے نظریں چرا کر دروازہ کھول دیا۔

ارسلان اندر داخل ہوا اور فکر مندی سے میشا کے آرڈر کے مکمل ہونے کے متعلق بولا۔

"کرن کام مکمل ہوگیا ہے کیا؟" اس نے پوچھا۔

دوسری طرف کرن خاموش رہی جبکہ سکینہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے ارسلان نے سکینہ کو روتے دیکھا تو بوکھلا سا گیا۔

"کیا ہوا ہے خالہ؟" اس نے فکر مندی سے پوچھا۔

سکینہ اس کی بات پر مزید پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں تو ارسلان نے فکر مندی سے کرن کی طرف دیکھا۔

"کرن ...... خالہ اور تم ہم اتنی اداس کیوں نظر آرہی ہو کیا بات ہے پلیز خالہ کیوں رو رہی ہیں؟ سب خیریت تو ہے۔" وہ گھبرا سا گیا اور اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

کرن نے بولنا چاہا مگر وہ کچھ نہ بول سکی البتہ اس کی آنکھوں سے بھی آنسو ٹپکنے لگے ارسلان مزید پریشان ہوگیا اس کا ذہن مدیحہ کی طرف گیا۔

"کرن کہیں مدیحہ کو تو کچھ نہیں ہوگیا۔" اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔ اس کا چہرہ فق ہو چکا تھا۔

"نہیں، نہیں۔" کرن اس کی بات پر بول اٹھی۔ اس نے ارسلان کو تسلی دی۔ جس کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی تھی۔

"کیا ہوا؟ تم دونوں کیوں رو رہی ہو پلیز مجھے بتاؤ۔" اس نے تڑپ کر کرن کے ہاتھ تھام لیے تھے۔ سکینہ روتے ہوئے بولیں۔

"میری بچی کے سارے خواب جل گئے نہ جانے اس میں اللہ کی کیا رضا ہے۔" سکینہ نے کرن کے سر پر پیار دیا۔

"کیا مطلب؟ کرن تمہیں کیا ہوا ہے۔" وہ چونکا اور اس نے کرن کو گھور کر دیکھا۔

"ارسلان ...... وہ میری آنکھیں۔" اس نے ڈر ڈر کر کہنا چاہا مگر زبان نے ساتھ نہ دیا۔

"کیا ہوا تمہاری آنکھوں کو۔" ارسلان نے اس کی آنکھوں کی طرف دیکھا وہ حیرت زدہ تھا۔

"کرن ...... کرن کی آنکھوں کی بینائی ختم ہو رہی ہے۔" سکینہ نے روتے ہوئے ارسلان کو سچ بتایا ...... جو پریشانی کے عالم میں کرن کی آنکھوں کو دیکھ رہا تھا۔

"کیا؟ آپ کیا کہہ رہی ہے۔" اس کو یوں لگا جیسے اس کے قدموں سے زمین کسی نے کھینچ لی ہو۔

"کرن نے اپنی آنکھوں کی پروا کیے بغیر دن رات کام کیا اور اس کی وجہ سے اس کی بینائی" سکینہ نے روتے ہوئے بات کو ادھورا چھوڑ دیا اور وہاں ان دونوں کو چھوڑ کر کمرے میں چلی آئیں ان سے مزید بات نہیں ہو پا رہی تھی۔

"کرن ...... کرن کیا یہ سچ ہے۔" اس نے کرن کو تھام کر پوچھا اور کرن نے سر ہلا کر دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا لیا اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

☼ ☼ ☼

"دادی جان حمنہ سے میں نے محبت کی تھی اور اس وقت اس کو میری ضرورت ہے۔" اس نے اٹیچی کو گھسیٹ کر بیرونی دروازے تک لے کر جاتے مڑ کر جواب دیا۔

"آج تمہاری منگنی ہے بیٹا! وہ لوگ ہمارا انتظار کر رہے ہوں گے نوری کچھ تو اس لڑکے کو سمجھاؤ۔" حلیمہ نے فکر مندی سے نوری کو مخاطب کیا جو خود سعد کے اس اچانک فیصلے پر گھبرا گئی تھی اور حمنہ کے بارے میں خبر سن کر پریشان بھی تھی۔

"میں ...... میں اتنا ہی کہنا چاہوں گی کہ سعد تمہارا اس وقت لندن جانا مناسب نہیں ہوگا۔"

"کیوں؟" وہ چیخا اور نوری کے پاس اٹیچی دھکیل کر آکھڑا ہوا۔

"میرا مطلب تھا کہ سعد اگر تم وہاں گئے تو ہارون کے نزدیک کبھی حمنہ نہیں آسکے گی اس لیے حمنہ اور ہارون کے لیے یہی بہتر ہے اور پھر تمہاری وجہ سے حمنہ کے ساتھ یہ حادثہ ......" اس نے بات ڈرتے ڈرتے ادھوری چھوڑ دی سعد کا چہرہ غصے سے سرخ جو ہو چکا تھا۔

"بیٹا نوری ٹھیک کہہ رہی ہے ہارون سے میری بات ہوئی ہے وہ حمنہ کے پاس ہی ہے اور پھر اس وقت تم حمنہ کے پاس چلے گئے تو مزید ان کا تعلق کمزور ہوجائے گا۔" حلیمہ نے سعد کا ہاتھ تھام کر اسے سمجھانا چاہا۔

"آپ کو شاید میری کیفیت کا اندازہ نہیں ہو رہا اس لیے آپ مجھے لندن جانے سے روک رہی ہیں۔" اس کی آنکھوں میں آنسو بھر گئے۔

"بیٹا تمہاری ذہنی کیفیت کے بارے میں جانتی ہوں حمنہ اور تمہاری بہتری کے لیے ہی تمہیں روک رہی ہوں میرے بچے۔" حلیمہ نے اس کو اپنے سینے سے لگا لیا ...... جس کا درد اس کے چہرے پر صاف عیاں تھا۔

"حمنہ مجھے معاف کر دو مجھے معاف کر دینا۔" اس نے دل میں اسے یاد کر کے کہا تھا اور اپنی آنکھیں موند لیں جس میں حمنہ کے لیے آنسو لڑ آئے تھے اور اس کی پلکیں بھیگ گئی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"آؤ ...... آؤ ارسلان میں تمہیں ہی فون کرنے والی تھی کہ ابھی تک آرڈر کرن نے مکمل نہیں کیا؟ مارکیٹ میں دو دن تک مال لازمی بھیجنا ہے ورنہ میشا بوتیک کا نام خراب ہوجائے گا۔" اس نے فکر مندی سے بتایا۔

"وہ ...... وہ میشا! آرڈر مکمل نہیں ہوگا۔" اس نے فکر مندی سے جواب دیا۔ جس کا چہرہ بجھا ہوا تھا۔

"کیوں؟" وہ حیرت سے چیخی جس کے کرتے کی ڈیمانڈ بہت زیادہ آرہی تھی۔

"میشا وہ کرن کی آنکھوں ......" اس نے کرن کو

سوچ کر دکھی دل سے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"کیا ہوا آنکھوں کو؟" اس نے مزید حیرت ظاہر کی اور اپنے لبوں کو کچلا ایسا وہ اکثر غصے میں کرتی تھی اور آرڈر مکمل نہ ہونے پر وہ بہت پریشان سی ہو گئی تھی۔

"یشا کرن کی بینائی پر کام کرنے کی وجہ سے بہت زیادہ اثر پڑ گیا ہے۔ اور وہ اب صحیح طور پر کسی کو دیکھ بھی نہیں پا رہی تو ایسے میں آرڈر اب وہ مکمل نہیں کر سکے گی میں خود بہت پریشان ہو گیا ہوں میری وجہ سے کرن کی آنکھیں۔" اس نے بجھے لہجے سے ساری بات یشا کے سامنے رکھ دی۔

یشا نے ساری بات سنی اور پھر کافی دیر تک خاموش بیٹھی سوچتی رہی۔

"یشا میں جانتا ہوں کہ یشا بوتیک کو اس وقت مال کی بہت ضرورت ہے مگر اب کیا ہو سکتا ہے۔" ارسلان نے اس کے بجھے چہرے پر اس کو تسلی دی کہ وہ اس کے ساتھ ہے۔

"ارسلان تمہیں کیسے یقین ہے کہ وہ صحیح طور پر کچھ نہیں دیکھ پا رہی۔" یشا نے یکدم مسکرا کر پوچھا۔

"کیا مطلب؟" یشا کے اچانک سوال اور رویے پر وہ بوکھلایا۔ وہ ہنستے ہوئے بولی۔

"ارسلان میرے خیال میں کرن تم سے جھوٹ بول رہی ہے۔" اس نے سوچتے ہوئے بتایا۔

"جھوٹ کیسا جھوٹ؟ یشا تم کیا کہہ رہی ہو۔" ارسلان نے حیرت سے پوچھا۔

"اس نے کبھی تم سے اپنی آنکھوں کی تکلیف کا ذکر کیا؟ پھر اچانک کیسے وہ دیکھ نہیں پا رہی ہے مجھے تو کرن کا یہ ڈراما لگتا ہے۔ میں اس بات پر یقین نہیں کر سکتی۔" اس نے مزید ارسلان کو عجیب سی سوچ دے دی۔

"وہ' وہ ایسا کیوں کرے گی۔" ارسلان نے حیرت سے پوچھا وہ یشا کی بات پر بوکھلا کر اسے دیکھنے لگا۔

"تم میرے دوست ہو اور ہر وقت میرے ساتھ رہ رہے ہو پھر ایسے میں کوئی بھی لڑکی بے شک میں کیوں نہ ہوں شک میں پڑ سکتی ہے۔ میرے خیال میں کرن ہماری دوستی کو شک کی نظر سے دیکھ رہی ہے اس لیے اس نے اپنی آنکھوں کا بہانہ بنا کر ہم دونوں کے درمیان دیوار کھڑی کرنے کی کوشش کی ہے۔" یشا نے مسکراہٹ لبوں پر سجا کر اسے بتایا۔

"مجھے یقین نہیں آ رہا۔" وہ گھبرایا۔

"اوہو ارسلان تم بہت معصوم ہو اور پھر اچانک کیسے آنکھوں پر اتنا اثر پڑ گیا ہے مجھے یقین نہیں آتا البتہ سوری اگر تمہیں میری بات بری لگی۔" یشا نے خفگی بھرے لہجے سے اس کی نفی کر دی۔

"یشا مجھے تم پر یقین ہے میں بھی یہ بات سن کر حیران ہو گیا تھا۔ مگر اب تمہاری بات سے میں سب سمجھ گیا ہوں۔۔۔ خالہ سکینہ ہمیشہ کرن کے کام کرنے پر خفا خفا سی لگتی تھیں مگر تم یقین کرو اگر کرن نے تمہارے بوتیک کو نقصان پہنچانے کے لیے اتنا بڑا جھوٹ بولا ہے تو میں اسے کبھی معاف نہیں کروں گا۔" اس کے چہرے پر خفگی چھا گئی۔

"ارسلان وہ تم سے بہت محبت کرتی ہے تم اسے سمجھاؤ شاید وہ دوبارہ سے کام کر دے تم جانتے ہو کہ مجھے کتنا نقصان ہو گا اور اتنی جلدی میں کرن کی طرح ماہر لڑکی کہاں سے تلاش کر سکوں گی۔" یشا نے پیار سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"ہاں۔۔۔ ہاں تم فکر مت کرو میں کرن سے بات کرتا ہوں۔" ارسلان اس کے پیار بھرے جملوں سے پگھل گیا اور اس کو بھی کرن کی آنکھوں والی بات ڈراما لگنے لگی۔

"کیا میں اندر آ سکتی ہوں۔" فرحی جو دروازے پر ان کی ساری بات سن چکی تھی اس نے دونوں کو چونکایا۔ دونوں نے مڑ کر اسے دیکھا اور وہ ان دونوں کو دیکھ کر مسکرانے لگی۔

☼ ☼ ☼

"آپ فکر مت کریں دادی سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔" نوری نے حلیمہ کو تسلی دی۔۔۔ جو اپنے کمرے میں بے چینی سے ٹہل رہی تھیں۔

"وہ لوگ ہمارے متعلق کیا سوچ رہے ہوں گے مجھے تو حرا کی ماں کی آواز سے اندازہ ہو گیا ہے وہ لوگ ہم لوگوں سے اب رشتہ نہیں جوڑیں گے۔"

"نہیں' نہیں آپ برا کیوں سوچ رہی ہیں وہ لوگ سمجھ دار ہیں اور پھر ہم لوگوں نے دو دن ہی منگنی کی رسم آگے کی ہے۔" نوری نے فکر مندی سے جواب دیا۔

"نہ جانے سعد کی خوشیوں کو کس کی نظر لگ گئی ہے جب بھی خوشیاں اس کے پاس آئیں یک دم اس کے ہاتھ خالی ہو جاتے ہیں اور پھر حمنہ کے ساتھ حادثے والی بات کو وہ کبھی بھلا نہیں پائے گا۔ ابھی حمنہ کی جدائی کا غم وہ سہہ رہا تھا کہ اب حمنہ کے ساتھ حادثہ۔" حلیمہ کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔

"دادی بس خدا سے دعا کریں خدا سعد کو صبر عطا کرے۔" نوری کی بھی آنکھیں پرنم سی ہو گئیں۔

"پچھلے دو گھنٹے سے کمرہ بند کر کے بیٹھا ہے مجھے بہت اس کی فکر ہو رہی ہے۔" حلیمہ نے گھڑی پر نظریں جما کر بتایا۔

"دادی آپ اسے تنہا چھوڑ دیں اس وقت بار بار اس سے بات کریں گی تو وہ مزید اپ سیٹ ہو جائے گا۔" نوری نے حلیمہ کا ہاتھ تھام کر انہیں بٹھایا۔

"نوری تم گھر جاؤ تمہیں کافی دیر ہو گئی ہے بچے تمہاری راہ دیکھ رہے ہوں گے۔" حلیمہ کو یک دم وقت دیکھ کر بچوں کا خیال آیا۔

"میں۔۔۔ میں دادی آپ لوگوں کو کیسے چھوڑ کر چلی جاؤں میں ایسا کرتی ہوں آج رات آپ کے پاس ٹھہر جاتی ہوں۔" نوری نے کچھ سوچ کر جواب دیا۔

"اچھا تو پھر ایسا کرو۔۔۔ ڈرائیور کو بھیج کر بچوں کو بلوا لو۔" حلیمہ نے بھی نوری کی بات پر ہاں میں سر ہلایا وہ بھی نوری کی موجودگی میں خود کو بہتر محسوس کرتی تھیں نوری کمرے سے باہر چلی گئی اور حلیمہ کے لب حمنہ کے لیے دعا گو ہو گئے۔

☼ ☼ ☼
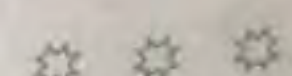
"تم۔۔۔ تم ارسلان ایسا کیسے سوچ سکتے ہو میرا یقین کرو میں نے ایسا کوئی جھوٹ نہیں بولا ہے۔" وہ گھبرا کر کرن پر غصے سے برسا۔ سکینہ بازار سے سودا سلف لینے گئی تھیں۔ جب کرن نے بمشکل چیزوں سے ٹکرا ٹکرا کر دروازہ کھولا تھا۔

"تم اندھی بننے کا ڈھونگ کر رہی ہو کرن تمہیں یشا سے جلن ہے اس لیے مجھے یشا سے دور رکھنے کے لیے تم نے یہ سازش سوچی ہے۔" ارسلان غصے سے بولتا چلا گیا۔

"خدا کے لیے ارسلان مجھ پر اتنا بڑا الزام مت لگاؤ میں اتنی گھٹیا نہیں ہوں۔" اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔

"تمہیں نظر آتا ہے' بس تم جان بوجھ کر یہ کام نہیں کرنا چاہتیں شاید اب تم یہ سوچنے لگی ہو کہ محنت تم کرتی ہو اور سارا پیسہ میرے بینک میں جا رہا ہے تمہیں دولت چاہیے تو میں تمہیں تمہارا حصہ دیتا ہوں میں بھی تمہارا حق نہیں مارنا چاہتا۔" اس نے لفظ چبا چبا کر ادا کیے۔

"ارسلان تم ایسا کیا کہہ رہے ہو میں نے کبھی ایسی بات نہیں سوچی۔ میرا یقین کرو میں اندھے پن کا کیوں ڈراما کروں گی جبکہ میں جانتی ہوں یہ سب کچھ تو ہم اپنے گھر کے لیے کر رہے ہیں۔" کرن نے روتے ہوئے جواب دیا۔

"اگر تمہیں گھر کی اتنی فکر ہوتی تو تم کام کرنے سے منع نہ کرتیں۔" ارسلان نے غصے سے جواب دیا۔

"تمہارا کیا مطلب ہے کہ میری بیٹی جھوٹ بول رہی ہے۔" سکینہ سودا سنبھالتی ہوئی صحن میں داخل ہو کر بولیں جنہوں نے ارسلان کی ساری بات سن لی تھی۔ ارسلان نے خفگی سے کہا۔

"خالہ میں جانتا ہوں کہ آپ کو کرن کا کام کرنا پسند نہیں ہے مگر میں سارا پیسہ گھر پر ہی لگانے والا تھا۔ مگر شاید آپ کو مجھ پر اعتماد نہیں رہا اور آپ نے کرن کے ساتھ مل کر یہ ڈراما رچایا ہے۔" ارسلان نے خفگی سے جواب دیا۔

سکینہ نے ایک زور کا طمانچہ ارسلان کے منہ پر

رسید کیا۔

"بدتمیز تم نے یہ سوچا بھی کیسے کہ کرن تم سے جھوٹ بھی بول سکتی ہے۔"

"مگر مجھے اس بات پر یقین بھی نہیں اور جہاں یقین نہ رہے وہاں رشتہ بھی قائم نہیں رہتا میں یہ گھر چھوڑ کر جارہا ہوں میری طرف سے کرن آزاد ہے۔"

"کیا؟ تم پاگل ہوگئے ہو جو مجھ پر اور کرن پر یقین نہیں کررہے۔"

"ہاں خالہ شاید میں پاگل ہوگیا ہوں اور میں مزید یہاں ٹھہرنا نہیں چاہتا اللہ حافظ۔" ارسلان نے دروازے کی طرف قدم بڑھادیے۔

"ارسلان میری بات تو سنو۔" کرن جسے ارسلان دھوئیں میں لپٹا ہوا نظر آرہا تھا وہ اس کی طرف لپکی مگر وہ دروازہ پھلانگ کر باہر نکل گیا۔

سکینہ یہ منظر دیکھ کر ہکا بکا رہ گئیں اور پھر یک دم ان کے دل میں شدید درد اٹھا اور وہ زمین پر آرہی تھیں۔

"اماں۔۔۔ اماں آپ کو کیا ہوگیا ہے۔" کرن ماں کی طرف لپکی کرن کو اپنی ماں کا چہرہ نظر نہیں آرہا تھا جو نیلا ہورہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"اللہ نے مجھے سزا دی ہے سوری میں تمہیں اپنی زندگی سے نکالنا چاہتی تھی خدا نے مجھے اتنا قابل ہی نہ رکھا کہ میں کسی کی زندگی میں شامل ہوسکوں۔" حمنہ نے ہارون کی طرف دیکھ کر معافی مانگی جو اسے گھر لے آیا تھا۔

"ایسی باتیں نہیں کرتے بس یہ حادثہ بھول جاؤ۔" ہارون نے پیار سے اس کا ہاتھ تھام کر جواب دیا۔

"کیا تم میری ساری غلطیاں بھول سکتے ہو۔" اس کی آنکھیں پر نم سی ہوگئیں۔

"تم نے کوئی غلطی نہیں کی پھر معافی کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔" ہارون نے پیار بھرے لہجے سے اسے امید دلائی۔

"کیا سعد کو میرے ساتھ ہونے والے حادثے کی خبر ہے۔" حمنہ نے لرزتی آواز سے پوچھا۔

"ہاں میں نے اسے انفارم کیا تھا مگر اس کی جگہ اس کی دادی نے کال ریسیو کی تھی۔ تم اس سے بات کرنا چاہتی ہو تو میں ابھی کروادیتا ہوں۔" ہارون نے سیل فون جیب سے نکال کر سعد کا نمبر نکالنے کی کوشش کرنا شروع کردی۔

"نہیں میں سعد سے بات نہیں کرنا چاہتی۔" اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

"پلیز حمنہ تم روتی ہو تو میں بے چین ہوجاتا ہے پلیز خود کو سنبھالو۔" ہارون نے پیار سے کہا۔

"ہارون میں آپ کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی پلیز اگر آپ مجھے زندہ دیکھنا چاہتے ہو تو مجھے طلاق دے دو کیوں کہ میں آپ کے قابل نہیں رہی ہوں۔" وہ روتے ہوئے سر جھکا کر بولی۔

"تم میری بیوی ہو اور حمنہ اگر کوئی برا حادثہ میرے ساتھ ہوجاتا تو کیا تم مجھے بری حالت میں چھوڑ کر جاسکتی تھیں۔" اس نے شائستگی سے پوچھا۔

"ہارون میں تمہاری محبت کا احترام کرتی ہوں مگر ریئلی میں تم سے طلاق لے کر تنہا زندگی گزارنا چاہتی ہوں۔" اس نے نظریں جھکا کر بتایا۔

"اچھا ٹھیک ہے میں تمہیں بہت جلد آزاد کردوں گا مگر جب تک تمہاری صحت بہتر نہیں ہوتی۔"

"میں ٹھیک ہوں۔" وہ لرزتی آواز میں بولی۔

"اوکے۔۔۔ اچھی بات ہے کہ تم نے خود کو بہتر سمجھنا شروع کردیا۔ میں تمہارے لیے سوپ بنا کر لاتا ہوں۔" وہ خوشگوار موڈ سے بولا۔

"نہیں ہارون میں سوپ نہیں پیوں گی بس تم ماما کو فون کرو کہ وہ مجھے یہاں سے لے جائیں۔"

"آنٹی گھر پر نہیں ہیں وہ بزنس کے سلسلے میں دبئی گئی ہیں۔" اس نے اس کی ماں کے متعلق خبر دی۔

اس نے سرد آہ بھری اور آنکھیں موند لیں ہارون خاموشی سے باہر نکل آیا جو جانتا تھا کہ حمنہ کے والدین کی لاپرواہی سے وہ اندر سے بہت ٹوٹ چکی تھی۔

"نہیں میری اماں مجھے چھوڑ کر نہیں جاسکتیں ایسا کیسے ہوسکتا ہے۔" محلے کی ایک عورت نے اسے بتایا تو وہ چیخی اور اپنی ماں کے سینے سے لپٹ گئی۔

"بیٹی صبر سے کام لو سکینہ اس دنیا میں نہیں رہیں۔" عورتوں نے اس کے سر پر پیار دیا۔

"نہیں اماں، آپ آپ مجھے چھوڑ کر نہیں جا سکتیں۔" اس نے روتے ہوئے ماں کو ہلایا۔ سکینہ گہری نیند سو چکی تھیں۔

"بیٹی اپنے رشتے داروں کو اطلاع دے دو۔" ایک عورت نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔

"رشتے دار۔۔۔ میرا تو کوئی نہیں۔" وہ رونے لگی۔

ایک محلے کی عورت ہاجرہ آگے بڑھی "ارسلان کدھر ہے اس کو فون کرو۔" ہاجرہ نے ارسلان کا نام لیا۔

"خالہ آپ آپ فون کریں۔" اس نے تخت پر تکیے کے نیچے رکھا موبائل اسے دیا۔

"کرن بیٹی تمہیں کیا ہوگیا ہے تم کیا دیکھ نہیں سکتیں۔" ہاجرہ نے حیرت بھری نظروں سے اسے دیکھا۔ محلے کی باقی خواتین کو بھی اس بات کا علم ہوگیا سب اس کو حیرت سے دیکھنے لگیں۔

"جی خالہ اب میں پہلے جیسا نہیں دیکھ سکتی۔" اس نے روتے ہوئے بتایا۔

"یا اللہ" ہاجرہ نے اسے گلے سے لگالیا اور پھر ایک عورت نے سیل فون سے ارسلان کے نمبر پر کال کردی۔ ارسلان کے نمبر پر کئی بار فون کیا گیا مگر اس نے کال ریسیو نہ کی۔ وہ عورت پریشانی سے بولی۔

"ہاجرہ باجی ارسلان فون نہیں اٹھا رہا ہے۔" کرن پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"کرن بیٹی کوئی تو تمہارا عزیز ہوگا جس پر تم اعتبار کرسکتی ہو۔" ہاجرہ نے اسے تسلی دے کر پوچھا۔

"ہاجرہ خالہ میرا کوئی نہیں۔" وہ ارسلان کے فون نہ اٹھانے پر تڑپ کر بولی تھی۔

"نہیں میری بچی اس وقت حوصلے صبر سے کام لو۔"

"خالہ آپ آپ ڈاکٹر سعد کو بلوالیں۔" اس نے یک دم ڈاکٹر سعد کا نام لیا۔

"اچھا بیٹی میں ابھی کسی کو ہسپتال بھیج کر انہیں پیغام دیتی ہوں۔" ہاجرہ نے اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا۔

وہ رو۔۔۔ رہی تھی اور محلے کی عورتیں اس کی بے بسی پر باتیں کررہی تھیں۔

☼ ☼ ☼

کرن کے گھر سے میت اٹھ جانے کے بعد لوگ جانے لگے۔ اس وقت میں سعد نے اس کے تنہا ہونے پر اس کا ساتھ دیا۔ خالہ ہاجرہ بھی جب تسلی دے کر اپنے گھر چلی گئیں تو وہ بالکل اکیلی رہ گئی تھی "یا خدا یہ میرے ساتھ تو نے کیا کردیا۔ میری آنکھیں چھین لیں اور میری ماں جو میرا سہارا تھی وہ بھی اس دنیا سے چلی گئی میں کس کے سہارے یہاں جیوں گی۔" کرن لرزتی آواز سے خود سے مخاطب ہوئی ابھی وہ اپنی سوچ میں کھوئی ہوئی تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

اس کا دل دھڑک اٹھا وہ دروازے کی دستک پر بہت خوفزدہ سی ہوگئی مگر پھر یک دم اسے خیال آیا کہ شاید ارسلان کو اطلاع مل گئی ہے۔ وہ خود کو سنبھال کر دروازے پر پہنچی اور ہلکی آواز میں بولی۔

"کون ہے؟"

"میں۔۔۔ میں سعد ہوں۔" سعد نے سنجیدگی سے بتایا وہ اس کے تنہا رہ جانے پر کافی اپ سیٹ تھا اس لیے گھر جانے کے بجائے دوبارہ اس کی طرف لوٹ آیا وہ حمنہ کے حادثے کی وجہ سے کرن کو اکیلا چھوڑنا نہیں چاہ رہا تھا۔

"آپ اس وقت؟" وہ لرزتی آواز سے بولی اسے صرف ڈاکٹر سعد کی پرچھائی نظر آرہی تھی۔

"آپ یہاں اکیلی کیسے رہ سکتی ہیں۔" اس نے فکر مندی سے پوچھا اور اس کی طرف دیکھنے لگا جس کی آنکھیں رو رو کر اب سوج چکی تھیں۔

"جس طرح اللہ نے مجھے تنہا کردیا وہ ہی مجھے یہاں

اکیلے رہنے کی ہمت عطا کردے گا۔" وہ جواب دے کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"پلیز.... میرا مطلب آپ کا دل دکھانا نہیں تھا آپ اپنے منگیتر کو اطلاع دیں آپ کا یوں اکیلے رہنا مناسب نہیں۔" سعد نے فکرمندی سے اسے سمجھایا جو اپنے پلو سے آنسو پونچھنے لگی جس نے سوچ لیا تھا کہ اسے اپنی ماں کی طرح دل بڑا کرکے جینا ہوگا۔

"میں نے ارسلان کو بہت فون کیا.... مگر اس کا نمبر آف ہو گیا۔ وہ اماں اور مجھ سے خفا ہو کر گیا تھا مگر اسے کیا معلوم کہ جس سے وہ خفا ہوا ہے وہ اب اس دنیا میں نہیں رہی۔" کرن نے وہ آخری لمحہ یاد کیا کہ ارسلان کے منگنی توڑنے پر اماں کیسے خوفزدہ سی ہو گئی تھیں اور پھر انہوں نے یہ دنیا ہی چھوڑ دی اس کی آنکھوں سے پھر آنسو ٹپکنے لگے۔

"آپ خود کو سنبھالیں کرن۔" سعد نے اسے تسلی دی۔

"میں آپ کا احسان زندگی بھر نہیں چکا سکتی آپ نے میرے لیے بہت کچھ کیا ہے۔" اس نے سعد کا شکریہ ادا کرنا چاہا۔

"کرن آپ سب باتیں بھول جائیں آپ آرام کریں میں آپ کے لیے کچھ کھانے پینے کا بندوبست کرتا ہوں۔" سعد نے ٹائم دیکھ کر اندازہ لگایا کہ وہ صبح سے بھوکی ہوگی۔

"نہیں.... نہیں آپ گھر جائیے.... دادی اماں آپ کے لیے پریشان ہو رہی ہوں گی۔" اس نے ہلکی آواز سے اسے جانے کا کہہ دیا۔

"میں آپ کو یہاں اکیلا چھوڑ کر نہیں جا سکوں گا۔" اس نے مضبوط لہجے سے بات کا جواب دیا اس کے لہجے میں اتنا اپنا پن تھا کہ کرن اس کی بات پر نفی نہ کر سکی۔

"آپ دروازہ اندر سے بند کرلیں۔ میں پندرہ منٹ تک آجاؤں گا۔" سعد نے اسے تسلی دی اور گھر سے باہر نکل آیا اس نے دروازہ بند کیا۔ اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔....

☆ ☆ ☆

"میں ہارون کی بیوی تھی اور میں نے سعد کو ... اللہ تعالیٰ نے مجھے سزا دی ہے اور حقیقتاً" یہ سزا مجھے ہارون کے ساتھ بے وفائی کرنے پر اللہ نے دی میرے اندر کتنی اکڑ آگئی تھی کہ میں ہارون کی ذات کو کچھ سمجھ ہی نہیں رہی تھی ہارون سے شادی میرے لیے مذاق تھی صرف سعد کو احساس دلانے کے لیے میں نے ہارون کی زندگی کا مذاق بنا دیا میں بہت بری ہوں بہت بری اس لیے تو برے لوگوں کے ساتھ برا ہوتا ہے۔" وہ آئینے کے سامنے بیٹھی تھی اور اندر ہی اندر خود سے باتیں کر رہی تھی۔

"مجھے جینا نہیں چاہیے مجھے مرجانا چاہیے جس شخص کے ساتھ میں نے انتہا کی بدتمیزی کی اس کو دھتکارا اسی شخص نے مجھے سہارا دیا اور سعد نے میری خیریت معلوم کرنے کے لیے اک فون تک نہیں کیا۔ میں کتنی غلط تھی مجھے ہارون کی محبت کا احساس ہی نہ ہو سکا محبت تو ہارون کرتا ہے میرے ساتھ اتنا بڑا حادثہ ہونے کے باوجود وہ مجھے کتنا چاہتا ہے۔ میرا کتنا خیال رکھتا ہے اور سعد جس کی محبت نے مجھے کچھ نہ دیا سوائے دکھ کے اور میں صرف ضد کی خاطر اسے پانا چاہ رہی تھی مجھے میری ضد کرنے کی عادت نے مار ڈالا۔ شاید ممی پاپا نے میری ہر ضد پوری کرنے کی وجہ سے میری ذات کو خود غرض بنا دیا تھا ممی پاپا کے پاس میرے لیے وقت کہاں ہوتا تھا اور شاید میں جان بوجھ کر ضد کرتی تھی کہ میں ان کو اپنی طرف متوجہ کرلوں گی مگر وہ مجھے وقت دینے کے بجائے میری ہر جائز ناجائز خواہش پوری کرتے چلے گئے۔" اس نے روتے ہوئے خود کو آئینے میں دیکھ کر جواب دیا۔

"مجھے ہارون کی محبت کا احترام کرنا چاہیے مگر میں اس کی محبت کے قابل بھی تو نہیں رہی۔"

"حمنہ تم میری محبت کے قابل ہو۔" وہ دروازے میں کب سے آکر کھڑا تھا اس نے حمنہ کی ساری باتیں سن لی تھیں حمنہ یک دم چونکی اور اس نے پلٹ کر ہارون کو دیکھا۔

اس نے اپنے قدم حمنہ کی طرف بڑھا دیے.... "میں سچ میں تمہیں کبھی سمجھ ہی نہیں پایا تم نے ہمیشہ ہر جگہ میرا ساتھ دیا۔"

ہارون نے کوئی جواب نہ دیا اور پیار سے اس کے آنسو پونچھنے لگا۔ وہ خود بخود اس کے سینے سے لپٹ گئی۔

"مجھے خود سے کبھی جدا نہ کرنا۔" وہ تڑپ کر کہنے لگی۔ اور اس نے پیار سے اس کے ماتھے پر بوسہ دیا۔ حمنہ اس کی باہوں میں سمٹ کر خود کو محفوظ سمجھنے لگی اور اس نے مزید گرفت مضبوط کرلی۔

☆ ☆ ☆
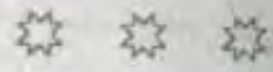
"کیا تم نے کرن سے بات کی تھی۔" ییشا کے آفس میں وہ سر جھکائے بیٹھا تھا۔ تو ییشا نے فکرمندی سے پوچھا۔

"ہاں.... میں نے بات کی تھی مگر وہ اپنے ڈرامے کو سچ بتا رہی ہے۔" ارسلان نے خفگی سے بتایا۔

"اوکے کچھ دن اس سے دور رہو گے تو وہ خود بخود تمہیں سچ بتا دے گی تم نے اپنا نمبر تو آف کر دیا ہے نا۔" ییشا نے فکرمندی سے پوچھا۔

"ہاں اس نے بہت فون کیے تھے مگر میں نے فون بند کر دیا اور ابھی تک بند ہے۔" ارسلان نے ییشا کی طرف پیار سے دیکھ کر جواب دیا۔ جیسے وہ اس کو احساس دلانا چاہ رہا تھا کہ وہ اس کی ہر بات مانتا ہے۔

"ارسلان تم کچھ دن میرے گھر پر رہ سکتے ہو.... اگر تمہیں کوئی اعتراض نہ ہو۔" ییشا نے پیار سے اس کی طرف دیکھ کر آفر کی۔

"اس سے اچھی خبر کیا ہو سکتی ہے کہ میں تمہارے ساتھ رہوں۔" وہ ہنسنے لگا۔

"اور اک اچھی خبر مزید تمہیں دینی ہے کل رات کی فلائٹ سے تم میرے ساتھ لندن جا رہے ہو۔" اس نے خوشی سے بتایا۔

"سچ کیا!" وہ حیرت سے بولا۔

"جی ہاں ہمارے مشتے بوتیک کے ڈیزائن وہاں بھی ہر کسی کو اچھے لگے ہیں میں مشتے بوتیک کی ایک برانچ لندن میں اوپن کر رہی ہوں۔" اس نے خوشی سے بتایا۔

"واؤ.... ییشا یہ تو ڈبل خوشی تم نے مجھے دی ہے۔" وہ فریش سا ہو گیا۔

"خبر تو خوشی کی ہے مگر کرن نے بے وفائی کر دی۔ ریکلی کرن کو زیادہ پیسہ چاہیے تھا تو وہ مجھ سے بات کر سکتی تھی۔" ییشا نے یک دم تیکھے لہجے سے ارسلان کو بتایا۔

"میں خود کرن کو نہیں سمجھ سکا اس کے لیے میں تم سے معافی چاہتا ہوں۔" ارسلان نے سر جھکا لیا۔

"اٹس اوکے ارسلان کرن تم سے دور رہے گی تو شاید اسے اپنی غلطی کا احساس ہو جائے اور وہ پھر سے کام کی طرف متوجہ ہو جائے۔" ییشا نے اپنا اندازہ لگا کر بتایا۔

"ہم لندن کتنے مہینے کے لیے جا رہے ہیں۔" ارسلان نے فکرمندی سے پوچھا۔

"تقریباً" تین ماہ کے لیے ہمیں وہاں رہنا ہوگا کیوں تم کس لیے پوچھ رہے ہو۔" ییشا نے حیرت سے پوچھا۔

"نہیں اماں شاید چار ماہ کے بعد واپس لوٹ کر آرہی ہیں اس لیے پوچھا ہے۔"

"ہم ان سے پہلے ہی لوٹ آئیں گے یہ اپنا سیل فون مجھے دے دو۔" اس نے ہاتھ بڑھا کر سیل فون مانگا۔ وہ اس کی بات پر حیرت سے اسے تکنے لگا وہ ہنسی۔

"تمہارے لیے اک نیا نمبر اور اک نیا سیل فون ارینج کر دیتی ہوں۔" اس نے بتایا۔

ارسلان نے خوشی سے اپنا سیل فون اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ وہ اس کی ہر بات خوشی سے مان رہا تھا اور ایسا کرنے سے اس کا دل مطمئن ہوتا تھا اس کے دل نے مکمل طور پر کرن کو بھلا دیا تھا۔ اب وہ ییشا کے ساتھ ہر وقت رہنا چاہتا تھا اور ییشا بھی اس کے ساتھ خوش دلی سے پیش آرہی تھی جس کی وجہ سے وہ کرن سے

بے خبر ہوتا جا رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

"آپ کب تک ارسلان کے نمبر پر فون کرتی رہیں گی۔ پلیز میرے خیال میں آپ کو میرے ساتھ چلنا چاہیے۔" اس نے کرن کی بے بسی کو دیکھ کر آخر مضبوط لہجے سے بات کی۔

"میں اس کی اجازت کے بغیر کیسے آپ کے ساتھ جا سکتی ہوں وہ میرا منگیتر ہے۔" اس نے ہلکی آواز سے جواب دیا۔

"اس کو آپ کا خیال ہونا چاہیے دوسرا دن ہونے کو آ رہا ہے اور وہ ابھی تک گھر نہیں آیا۔" رات کے نو بج رہے تھے سعد نے فکر مندی سے جواب دیا۔

"آپ پلیز۔۔۔ اس سیل فون میں سے مدیحہ کے نمبر پر کال ملا دیں۔" اس نے لرزتی آواز میں آخر کار خالہ کلثوم کو یاد کرتے کرتے ان سے بات کرنے کا فیصلہ کیا۔

"او کے۔۔۔" سعد نے سیل فون اس سے پکڑا۔ اور مدیحہ کے نمبر پر کال لگا دی۔ تیسری بیل پر دوسری طرف سے سیل فون کسی نے اٹھا لیا۔

"ہیلو مدیحہ۔" کرن نے فوراً" پوچھا۔

"جی میں مدیحہ نہیں عابدہ ہوں مدیحہ باجی ہسپتال میں ہیں ان کی طبیعت خراب ہے۔" اس عورت نے تیکھے لہجے سے بتایا۔

"خالہ کلثوم سے بات ہو سکتی ہے۔" کرن نے لرزتی آواز سے پوچھا۔

"وہ بھی اپنی بیٹی کے ساتھ ہسپتال گئی ہیں۔۔۔ آپ کون ہیں؟" اس ملازمہ نے بے زاری سے پوچھا۔

"میں۔۔۔ میں کرن۔" اس نے بات مکمل کرنا چاہی۔ مگر اس سے مزید اک لفظ ادا نہ ہوا اور وہ فون بند کر کے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

سعد اس کے رونے پر مزید پریشان سا ہو گیا اور اس کے فیصلے کا انتظار کرنے لگا۔

"آپ پلیز مجھے اکیلا چھوڑ دیں میں یہاں اکیلی رہ لوں گی۔" اس نے روتے روتے سعد کی پرچھائی سے بات کی۔

"نہیں میں آپ کو یہاں اکیلا نہیں چھوڑ سکتا" وہ اس کی بات پر اب غصہ کرنے لگا۔

"آپ کا مجھ سے کوئی رشتہ نہیں میں کیسے آپ کے گھر پر رہ سکتی ہوں۔"

وہ سر جھکائے روتی چلی گئی وہ خود کو بہت کمزور محسوس کر رہی تھی۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اب اسے اپنے لیے کیا کرنا چاہیے۔

"دادی جان۔۔۔ آپ میری دادی جان سے تو ملی ہیں آپ ان کے پاس تو رہ سکتی ہیں نا۔" اچانک سعد نے دادی جان کا نام لیا اسے ہر حال میں کرن کو تحفظ دینا تھا حمنہ کے حادثے کی وجہ سے کرن کو کبھی بھی تنہا چھوڑ نہیں سکتا تھا۔ اس لیے اس نے حلیمہ کا تذکرہ کیا۔

اس نے اپنے آنسو پونچھے اور لرزتی آواز سے بولی۔

"ڈاکٹر سعد میں آپ کا احسان کبھی نہیں اتار سکوں گی جو آپ میرے لیے کر رہے ہیں"

"اب پلیز چلیے مزید باتیں گھر جا کر ہوں گی اب آپ میرے ساتھ چل رہی ہیں۔" سعد نے شائستگی سے پوچھا۔

"جی۔" اس نے دھیمے لہجے سے سر ہلا کر جواب دیا۔

"تو چلیے۔" سعد نے شائستگی سے کہا اس نے قدم بڑھا دیے۔

☆ ☆ ☆

کرن کے ساتھ ہونے والے سانحہ کے متعلق ساری بات سن کر حلیمہ کے آنسو آ گئے ۔ وہ لرزتی آواز سے بولیں۔

"بیٹی اسے اپنا ہی گھر سمجھو۔ جب تک تمہاری خالہ کلثوم واپس نہیں آ جاتیں۔"

"دادی۔۔۔ میں آپ کے گھر کا کام کر دیا کروں گی۔" کرن نے ان کی پرچھائی سے بات کی۔

"نہیں بیٹی تم کچھ برا نہ سمجھو کام کرنے کے لیے یہاں بہت ملازم ہیں۔ بس تمہارا کام یہ ہو گا کہ تم مجھ سے باتیں کرتی رہنا۔" حلیمہ نے اس کے آنسو پونچھے

"دادی مجھے اماں بہت یاد آتی ہیں۔" وہ دادی کا ہاتھ تھام کر ٹوٹ سی گئی۔

"بس رو نہیں ان کے لیے دعا کرو وہ تمہیں خواب میں ضرور ملنے آئیں گی تمہیں بھی سکون ملے گا قرآن پاک کی تلاوت کرو۔"

دادی بار بار اس کے سر پر پیار دے کر احساس دلا رہی تھیں کہ وہ تنہا نہیں ہے۔

☆ ☆ ☆

"ہاں فرحی کیا خبر لائی ہو۔" میشا نے فون پک کر کے پوچھا جس نے کرن کے متعلق اس کی خبر لینے کے لیے بھیجا تھا۔

"میں کرن کے گھر گئی تھی مگر وہاں تالا پڑا تھا۔" فرحی نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"وہ کیوں؟ تم نے کسی سے پوچھا کہ وہ لوگ کہاں ہیں۔" میشا نے فکر مندی سے پوچھا جس کا مقصد تھا کہ کرن اس کے لیے دوبارہ سے کام کرنے لگے۔

"ہاں پوچھا تھا۔ کرن کی والدہ کی ڈیتھ ہو گئی تھی۔۔۔ جس کی وجہ سے وہ گھر چھوڑ کر چلی گئی اور وہاں میشا محلے کے لوگ بتا رہے تھے کہ کرن کی بینائی بہت کمزور ہو گئی ہے۔" فرحی نے افسردگی سے بتایا۔

"کیا؟ کیا یہ سچ ہے؟" میشا کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔

"رئیلی میشا میں نے پہلے بھی تمہیں کہا تھا کہ شاید وہ صحیح ہو۔ مگر تم میری بات سمجھ نہیں رہی تھیں اب کوئی انفارمیشن مزید ملے گی تو تمہیں بتا سکوں گی۔" فرحی نے افسردگی سے بتایا جسے کرن کے متعلق جان کر بہت دکھ ہوا تھا۔

"میں ارسلان سے بات کرتی ہوں۔" میشا گھبرا سی گئی۔

"اچھا واپس کب آ رہی ہو۔" فرحی نے افسردگی سے پوچھا۔

"تقریباً" ایک مہینے کے بعد واپسی ہو گی۔ یہاں کا سارا کام میرے ساتھ ارسلان دیکھ رہا ہے۔" "فرحی میرا ایک کام کرو گی؟" میشا نے یکدم پوچھا۔

"ہاں بولو۔" فرحی نے سنجیدگی سے کہا۔

"تم نوری کو جانتی ہو نا۔" میشا نے فکر مندی سے پوچھا۔

"ہاں۔۔۔ ہاں میں جانتی ہوں کیوں آج تمہیں نوری کی یاد کیوں آئی۔" میشا سے فرحی نے جھٹ پوچھا۔

"وہ بہت مخلص لڑکی تھی تم پلیز اس کے پاس جانا اور میرا میسج دینا کہ وہ بوتیک کو دوبارہ سے جوائن کر سکتی ہے۔" میشا نے کچھ سوچ کر فیصلہ لیا۔

"اچھا۔۔۔ میں نوری سے مل لوں گی۔" فرحی نے اسے تسلی دی جو جانتی تھی کہ ان دنوں میشا کے بوتیک پر بہت زور شور سے کام چل رہا ہے کرن کے کپڑے ہاتھوں ہاتھ لوگ لے رہے تھے جس سے مارکیٹ میں ہر کوئی میشے بوتیک کا نام لے رہا تھا۔

فرحی سے ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد میشا نے فون کاٹ دیا۔ وہ سکینہ کی وفات کے بارے میں سوچنے لگی کہ کیا وہ ارسلان کو سچائی بتا دے یا پھر کام ختم ہونے کے بعد وہ یہ راز بتائے۔ وہ گہری سوچوں میں ڈوب گئی کہ اسے اپنے بوتیک کے لیے مزید کیا کرنا چاہیے کیوں کہ کرن سے اب اس کو کوئی امید نہیں رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

ہارون نے حمنہ کا اتنا خیال رکھا تھا کہ وہ آہستہ آہستہ اس حادثے کو بھول گئی۔ آج ہارون کی برتھ ڈے تھی اور اس نے ساری چیزیں جو ہارون کی پسند کی تھیں اپنے ہاتھوں سے تیار کی تھیں۔

"مجھے یقین نہیں ہو رہا کہ یہ سب کھانا تم نے بنایا ہے؟" ہارون نے ہنس کر ٹیبل پر سجے کھانے دیکھ کر

اس سے بات کی۔
"آپ کو میرا سرپرائز اچھا لگا کیا؟" حمنہ نے پیار سے پوچھا۔
"جی بہت اچھا۔" ہارون نے کرسی پر بیٹھتے جواب دیا۔۔۔۔ وہ بھی اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی آج اس نے ہلکا میک اپ کیا تھا کتنے دنوں کے بعد آج وہ تیار ہوئی تھی۔
"میرا گفٹ۔۔۔" وہ کھانا کھاتے کھاتے یک دم بولا۔

"گفٹ۔۔۔! ہاں آپ کے لیے گفٹ بھی ہے پہلے کھانا ختم کرلیں۔" اس نے مسکرا کر بتایا۔ وہ خوشی سے بولا۔
"کھانا بہت مزے کا ہے مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم اتنا اچھا کھانا بھی بنا سکتی ہو۔" ہارون نے ہنستے ہوئے اس کی تعریف کی۔
وہ بھی اس کی بات پر ہنسنے لگی اس کا چہرہ پھول کی طرح کھل اٹھا ہارون کو حمنہ کا ساتھ خواب ہی لگ رہا تھا۔ اس نے کبھی حمنہ کو یوں مسکراتے نہیں دیکھا تھا۔
کھانے کے بعد حمنہ نے اچھی سی کافی بنائی اور پھر وہ دونوں کافی پینے لگے۔
"آپ نے مجھے میرا گفٹ نہیں دیا۔" ہارون نے پھر گفٹ کے متعلق بات چھیڑی۔ حمنہ نے کافی کا سپ لیا اور پیار سے بولی "اپنا ہاتھ دیجیے۔" حمنہ نے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھا کر کہا۔ ہارون نے اپنا ہاتھ حمنہ کے ہاتھ میں دے دیا۔
"میں آپ کے ساتھ ہمیشہ رہنا چاہتی ہوں۔۔۔۔ کیا آپ مجھے اپنی زندگی میں شامل کرسکتے ہیں۔۔۔۔ میں نے ہمیشہ آپ کو دکھ دیا مگر آپ نے ہمیشہ مجھے خوشی دی میں آپ جیسے عظیم انسان کے ساتھ اب ساری زندگی رہنا چاہتی ہوں اگر آپ کی اجازت ہو۔" حمنہ نے لرزتی آواز سے ساری بات ختم کی۔
ہارون کا چہرہ کھل اٹھا وہ حمنہ کو پانا ہی تو چاہتا تھا۔ اس نے حمنہ کے ہاتھ پر بوسہ دیا حمنہ شرما سی گئی ہارون اسے پیار سے تکتا رہ گیا اس نے اپنی محبت کو حمنہ کی آنکھوں میں صرف اس کے لیے پیار [illegible] کے لیے اس نے اللہ تعالیٰ کا دل میں ہی لاکھ [illegible] کیا۔

☼ ☼ ☼

"کرن، تمہارا سیل فون بج رہا ہے۔" کرن [illegible] رہی تھی۔ جب نوری کو رنگ کی آواز سنائی دی۔ نوری نے ٹیبل پر رکھا سیل فون اٹھایا اور نام [illegible] فکرمندی سے بولی۔
"مدیحہ کا نام اسکرین پر آرہا ہے۔"
"ہاں۔۔۔ ہاں آپی مجھے فون دیجیے۔" کرن [illegible] آنکھیں پرنم سی ہوگئیں اس نے کال پک کی تو دو[illegible] طرف مدیحہ کی آواز سنائی دی۔
"ہیلو کرن" مدیحہ نے بات شروع کی جو بہت [illegible] آواز سے بولی تھی۔
اس سے پہلے کہ کرن خود کو سنبھال کر کچھ بو[illegible] مدیحہ نے رونا شروع کردیا۔
"کیا ہوا ہے؟ مدیحہ۔" کرن کی آواز مزید بجھ گئی۔
"اماں۔۔۔ اماں میری طبیعت بگڑتی دیکھ کر گھبرا [illegible] گئیں اور انہیں شاید ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔"
"تو خالہ کہاں ہیں اب اور کیسی ہیں؟" کرن نے گھبرا کر روتے ہوئے پوچھا۔
"ہاں اماں ٹھیک ہیں مگر ہسپتال میں ہیں۔" مدیحہ نے لرزتی آواز سے بتایا۔
"تمہاری طبیعت کیسی ہے۔" کرن نے اس [illegible] طبیعت کے متعلق پوچھا۔
"میری طبیعت بھی کچھ خاص ٹھیک نہیں ہے ڈاکٹر نے اگلے ماہ کی تاریخ دی ہے تم میرے لیے دعا [illegible] اور ہاں پلیز ارسلان سے کہو کہ اس کا نمبر کیوں [illegible] ہے مجھے اماں کے متعلق اسے اطلاع دینی ہے۔ اماں اس سے اور تم سے بات کرنا چاہتی ہیں ابھی تو میں گھر کھانے کی غرض سے آئی ہوں، بہت جلد تمہاری اماں سے بات کروادوں گی۔ خالہ سکینہ سے میری بات کروا دو۔" مدیحہ نے بات کرتے کرتے کہا۔
"اماں۔۔۔ اماں۔" اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ اس نے اپنی ماں کے متعلق کہنا چاہا مگر مدیحہ کے امید سے ہونے کی وجہ سے اس نے سکینہ کے فوت ہونے کی خبر چھپالی۔
"اماں۔۔۔ بازار گئی ہیں۔" اس نے مضبوط لہجہ رکھ کر جھوٹ بول دیا۔
"خالہ سے کہنا کہ پلیز میرے اور اماں کے لیے دعا کریں اور پلیز ارسلان کو مناسب وقت دیکھ کر یہ خبر دینا کرن آپی آپ تو جانتی ہیں کہ ارسلان بھائی اماں سے کتنا پیار کرتے ہیں۔"
"ہاں۔۔۔ ہاں تم فکر نہ کرو میں ارسلان کو موقع دیکھ کر اطلاع دوں گی۔" کرن نے اسے تسلی دی جو خود اندر سے کھوکھلی ہوگئی تھی۔
"اچھا اپنا خیال رکھنا۔" مدیحہ نے پھر پیار سے کہا اور خدا حافظ کہہ کر فون بند کردیا نوری جو کرن کی بات سن چکی تھی اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔۔۔۔ وہ کرن جیسی لڑکی کی صابر ذات پر حیران تھی۔ جس کی دنیا اجڑ چکی تھی مگر اس نے پھر بھی مدیحہ کی طبیعت کی وجہ سے سب کچھ چھپالیا۔۔۔ کرن کی آنکھوں سے آنسو تو نہیں نکلے تھے۔ البتہ وہ کسی گہری سوچ میں ڈوب سی گئی۔

☼ ☼ ☼

"فکر کیوں کرتی ہو۔ اس گھر کو تم اپنا ہی گھر سمجھو۔" کرن نے روتے ہوئے رات کو حلیمہ کو بتایا تو حلیمہ نے اس کا ہاتھ تھام کر تسلی دی۔
"دادی جان ارسلان کا فون بند ہے میں کیسے اس تک اطلاع دوں نہ جانے وہ کہاں ہوگا۔" کرن نے روتے روتے اپنی تکلیف ظاہر کی۔
"کرن ارسلان بیشا کے ساتھ لندن گیا ہوا ہے۔" سعد نے کمرے میں داخل ہو کر بتایا جس نے دروازے پر اس کی باتیں سن لیں۔
"لندن۔۔۔" اس کا چہرہ بجھ سا گیا اور وہ گھبرا سی گئی کہ اب مزید اسے یہاں ٹھہرنا ہوگا وہ دادی اور سعد پر کب تک بوجھ بن سکتی تھی۔
"آپ نے پتا کیا ہوگا کہ وہ کب تک آئیں گے۔" کرن نے لرزتی آواز سے پوچھا۔
"آفس والوں نے تقریباً" تین ماہ کا عرصہ بتایا ہے۔" سعد نے افسردگی سے بتایا جو جانتا تھا کہ کرن یہ خبر سن کر مزید ٹوٹ جائے گی۔
"کوئی نمبر؟" کرن نے لرزتی آواز سے پوچھا۔
"نمبر کل شاید وہ دے دیں گے۔ میں ارسلان کو بتانے کی غرض سے میشے بوتیک گیا تھا آپ فکر نہ کریں، بہت جلد ارسلان آپ کو یہاں سے آکر لے جائے گا۔" سعد نے اسے تسلی دی۔
"ہاں۔۔۔۔ ہاں بیٹی تم فکر مت کرو بس اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ ارسلان تمہارا منگیتر تمہیں اپنا بنالے اور تم اچھی زندگی جیو۔" حلیمہ نے اس کے سر پر پیار دیا۔
"آپ لوگوں نے کھانا کھالیا۔" سعد نے موضوع تبدیل کیا۔
"نہیں بیٹا بس تمہارا ہی انتظار کر رہے تھے۔" حلیمہ نے پیار سے جواب دیا۔
"چلو کرن بیٹی۔" حلیمہ نے اٹھتے ہی کرن کا ہاتھ تھاما۔
حلیمہ آہستہ قدموں سے باہر چلی گئیں اور کرن آہستہ آہستہ قدم اٹھانے لگی۔
"آپ فکرمند نہ ہوں میں نے کچھ رپورٹیں آپ کی مختلف ملکوں میں بھیجی ہیں شاید آپ کی آنکھوں کی روشنی واپس آجائے۔" سعد نے اس کا افسردہ چہرہ دیکھ کر اسے تسلی دی۔
"آپ پلیز کسی بھی طرح میرا رابطہ ارسلان سے کروادیں۔" کرن نے چلتے چلتے اس سے بات کی۔
"جی، جی ضرور ان شاءاللہ کل پھر جا کر نمبر حاصل کرنے کی کوشش کروں گا۔" سعد نے اس کی بات پر دوبارہ سے اسے تسلی دی جو کرن کے احساسات کو سمجھتا تھا۔
سعد کے سہارے سے وہ ڈائننگ ٹیبل پر آبیٹھی

سعد نے ہی اس کے لیے کھانا نکالا وہ اپنی لاچارگی سے لرز گئی آنسو تھے جو بار بار آنکھوں سے نکلنا چاہتے تھے مگر وہ دادی اور سعد کو اپنی وجہ سے مزید ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتی تھی۔ جنہوں نے مصیبت کے وقت میں اسے سہارا دیا تھا۔

دادی کھانا ختم کر کے اٹھ کر چلی گئیں وہ بھی ان کے ساتھ ہی جانا چاہتی تھی مگر ——— سعد نے مزید اسے کھانے کا حکم دیا۔ اب کی دفعہ سعد کی آواز میں خفگی تھی۔ اس نے آہستہ آہستہ کھانا شروع کر دیا جو آدھی روٹی کھا کر خاموش بیٹھی تھی۔

"آپ خود کو کیوں اذیت دے رہی ہیں۔" تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد سعد نے خفگی سے پوچھا۔

"نہیں، نہیں بس مجھے بھوک ہی اتنی تھی۔" وہ سعد کی خفا بھری آواز پر گھبرا سی گئی۔

"آپ کے نزدیک میں کیا ہوں۔" سعد نے خفگی سے پوچھا۔ وہ اس کے سوال پر گھبرا سی گئی کہ وہ اس بات کا کیا جواب دے اور ایسا سوال سعد اس سے کیوں کر رہا ہے۔

"آپ شاید مجھے بہت گھٹیا انسان سمجھتی ہیں جو خود کو ہمارے گھر میں غیر محفوظ سمجھ رہی ہیں آپ یقین کریں یہاں آپ کی عزت پر کبھی آنچ نہیں آئے گی اس لیے پلیز آپ اس گھر کو اپنا سمجھیں اچھی طرح سے کھانا کھائیں جو ادویات آپ لے رہی ہیں اس کے ساتھ آپ کو متوازن غذا کھانا بھی ضروری ہے۔" سعد نے اسے اک لمبا چوڑا لیکچر دیا جس سے وہ کافی شرمندہ ہوئی۔

"میں آئندہ آپ کو شکایت کا موقع نہیں دوں گی۔" وہ سہمی سی آواز میں بولی تھی۔

"تھینک یو۔" سعد نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"سعد کے جانے کے بعد اس نے پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا ایسے وقت میں اسے ارسلان کے سہارے کی ضرورت تھی اس نے شدت سے اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگنی شروع کر دیں کہ ارسلان کا رابطہ جلد اس کے ساتھ ہو جائے۔

☼ ☼ ☼

وہ آفس میں بیٹھی سوچوں میں گم تھی یہاں ارسلان اس کی کافی مدد کر رہا تھا اور وہ ارسلان کو فری باتیں نہیں بتانا چاہ رہی تھی جو جانتی تھی کہ ارسلان ساری بات سن کر فوراً "پاکستان جانے کا کہہ دے گا اس کے لیے یشا بوتیک سے زیادہ کچھ نہیں تھا اس لیے اس نے ارسلان سے ساری بات چھپالی۔ وہ سوچوں میں تھی کہ ارسلان آفس میں داخل ہوا اور اس نے سارے کام کی تفصیل بتائی جو یشا نے اس کو سونپی ہوئی تھی۔

"گڈ تم نے سارا کام مکمل کر لیا۔۔۔ اب کہیں باہر کھانا کھانے چلیں۔" یشا نے پیار سے پوچھا۔

"ہاں۔۔۔ ہاں کیوں نہیں میں نے بھی کھانا نہیں کھایا میں یہی سوچ رہا تھا کہ تمہارے ساتھ کھاؤں اور ہاں یشا ایک ضروری بات مجھے کرنی تھی یہ نمبر کام نہیں کر رہا مجھے اماں سے بات کرنی تھی کیا میں تمہارا نمبر استعمال کر سکتا ہوں۔" ارسلان نے اسے سیل فون نکال کر پرابلم بتائی۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں ضرور۔" یشا کا رنگ فق ہو گیا۔ اس نے اپنا سیل فون اسے تھما دیا۔

"ہیلو مدیحہ تم کیسی ہو اماں کیسی ہیں۔" ارسلان نے پرجوش انداز سے پوچھا۔

"اماں ٹھیک ہیں بھائی آپ کہاں ہو آپ کو دو مہینے سے ہزار فون کر چکی ہوں آپ کا نمبر بند تھا کرن آپی سے بات ہوئی تھی۔ انہوں نے آپ کو میرے فون کے متعلق کچھ نہیں بتایا۔" مدیحہ نے ایک ہی سانس میں سب کچھ پوچھا۔

"نہیں۔۔۔ نہیں۔" اس نے کرن کا نام سن کر موضوع تبدیل کر دیا اور جھٹ سے پوچھا۔

"اماں کدھر ہیں؟" مدیحہ کے ساتھ ہی کلثوم بیٹھی ہوئی تھیں انہوں نے مدیحہ کو ارسلان کو بتانے سے انکار کر دیا۔ مدیحہ نے بھی ارسلان پر پھر ظاہر نہ کیا کہ شاید کرن کوئی مناسب وقت دیکھ کر ساری بات بتا دے۔

کلثوم نے ہلکی آواز میں ارسلان سے بات چیت کی اور کرن کا خیال رکھنے کی تاکید کی۔ ارسلان کے چہرے پر خفگی سی چھا گئی جب اس نے فون بند کیا۔

"کیا ہوا؟" یشا ارسلان کی ساری باتیں سنتی رہی اسے پتا چل گیا کہ کرن کی ساری باتیں مدیحہ اور کلثوم تک بھی نہیں پہنچی ہیں اس نے یہ دیکھ کر لمبا سانس چھوڑا جس کے چہرے پر ڈر کا تاثر چھا سا گیا تھا۔ وہ یشا بوتیک کے لیے مخلص شخص چاہتی تھی اور ارسلان کی صورت میں اسے وہ شخص مل گیا تھا جو اس کا ہر کام اس کے مطابق سرانجام دے رہا تھا جس پر وہ بہت مطمئن تھی۔

"کرن کا خیال رکھنے کی تاکید کر رہی تھیں وہ جب کرن کا اصل روپ دیکھیں گی تو انہیں اندازہ ہو گا کہ کرن نے پیسوں کی خاطر کیا چال چلی تھی۔"

"اوہو کرن کو بھول جاؤ اور چلو کھانا کھانے چلتے ہیں۔" یشا نے فوراً "اس کی بات کاٹی۔

"میں بھی کیا باتیں لے کر بیٹھ گیا۔" وہ اٹھ کر بولا۔

"پلیز ارسلان تم اپ سیٹ نہ ہوا کرو رئیلی میں اپ سیٹ ہو جاتی ہوں۔" یشا نے معصومیت سے اسے دیکھتے کہا۔

"یشا رئیلی اگر تم نہ ہوتیں تو شاید آج میں اسی ہوٹل کا ایک معمولی ویٹر ہوتا اور کرن کے احسانات تلے مر جاتا۔" ارسلان نے افسردگی سے بتایا۔

"پرانی باتیں بھول جاؤ۔۔۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔" یشا نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ وہ اس کے بہت قریب تھی۔

"کب تک میرا ساتھ دو گی۔" اس نے یشا کے دونوں ہاتھ تھامے اور پیار سے پوچھا۔

"ہمیشہ ساری زندگی تمہارا ساتھ دوں گی۔" یشا نے کھلکھلا کر اسے جواب دیا۔

"میں سچ میں مر جاؤں گا۔" وہ بولا یشا کے ساتھ وہ ہر چیز بھول بیٹھتا تھا اسے یشا سے محبت ہو چکی تھی اور اس محبت کو پانے کے لیے وہ کچھ بھی کر سکتا تھا۔

"اوہو مر جاؤ گے تو مجھے ہوٹل میں کھانا کون کھلانے لے کر جائے گا۔" وہ ہنسی۔

پھر ارسلان کے ساتھ ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر وہ اپنے بوتیک سے نکلی۔ ارسلان اس کی بے تکلفی پر بہت مطمئن ہو گیا کہ یشا بھی اس کو پسند کرنے لگی ہے اسی وجہ سے اس نے گاڑی کو تیز بھگایا کہ یشا کو شوق تھا۔

☼ ☼ ☼

نوری نے تیسری دفعہ کال کی مگر کسی نے فون نہیں اٹھایا کرن اس کی آواز کی منتظر تھی۔

"نوری آپی کیا ہوا؟"

"کوئی فون نہیں اٹھا رہا۔" نوری نے فکر مندی سے بتایا جسے ہسپتال سے سعد نے ارسلان کا نمبر لکھوایا تھا اور اب وہ بار بار ارسلان کے نمبر پر کال کر رہی تھی۔

چوتھی دفعہ کال کرنے پر ارسلان نے فون اٹھا ہی لیا اور وہ غصے سے بولا۔

"کرن پلیز مجھے کال مت کرو میں تم سے اب اپنا ہر رشتہ توڑ چکا ہوں میں کرن نہیں یہ بیچے بات کریں۔" نوری نے ارسلان کی بات سن لی۔ اس نے گھبرا کر کرن کو فون دیا۔

"ارسلان۔" کرن نے جھٹ سے فون پکڑ کر کہا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ تقریباً" پندرہ دن کے بعد وہ ارسلان سے بات کر رہی تھی۔

"کرن تم نے جو ڈراما رچایا اس کے لیے میں تمہیں کبھی معاف نہیں کر سکتا اس لیے پلیز مجھے فون اب مت کرنا۔"

"ارسلان میری بات تو سنو تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔" اس نے یقین دلانے کی کوشش کی وہ ارسلان کو یک دم اپنی ماں کی خبر نہیں دینا چاہتی تھی۔

"تمہیں یہ لگتا تھا کہ میں یشا سے محبت کرنے لگا ہوں۔ جبکہ تمہارے شک نے میرے اندر یشا کی محبت بھر دی تمہیں میں آزاد کر چکا ہوں کرن اور بہت جلد میں یشا کو پرپوز کرنے والا ہوں۔ تمہیں اس لیے بتانا چاہ رہا تھا کہ تم مجھے بار بار فون مت کرنا۔" ارسلان نے سخت لہجے میں بات کی۔

"اگر ایسی بات ہے تو میں تمہیں کبھی نہیں روکوں گی۔" کرن جو اپنی ماں کھو چکی تھی ارسلان کی سنگاری بات سن کر اس نے خود پر قابو پا کر جواب دیا جو جان چکی تھی کہ ارسلان کو یشا اور اس کی دولت بھا چکی ہے اس لیے تو اس نے سب سچ بتا کر اپنی جان چھڑوائی۔

ارسلان کرن کے یک دم جواب پر بوکھلا سا گیا اور فوراً بولا۔ "تمہارے مجھ پر بے شمار احسانات ہیں میں تمہیں پیسے بھیجتا رہوں گا۔" ارسلان نے شرمندگی سے بات ختم کی۔

دوسری طرف فون کٹ چکا تھا ارسلان کافی دیر تک پریشان رہا مگر پھر یشا نے اسے اتنے کاموں میں الجھا دیا کہ وہ کرن کو بھول کر یشا کی دنیا میں کھو گیا جس کے لیے یشا ہی اس کی کل کائنات تھی۔

☆ ☆ ☆

مدیحہ کو اللہ تعالیٰ نے چاند سا بیٹا دیا تھا کلثوم نے بڑے پیار سے فون کر کے اسے اطلاع دی۔

"خالہ مدیحہ کیسی ہے؟" اس نے پیار سے پوچھا۔

"مدیحہ میری بچی ٹھیک ہے تم سناؤ تم لوگ ٹھیک ہو سکینہ کدھر ہیں جب بھی فون کرتی ہوں وہ گھر پر نہیں ہوتیں۔" کلثوم نے فکرمندی سے پوچھا۔

"ابھی گھر پر نہیں ابھی ابھی بازار نکلی ہیں۔" کرن نے خود کو قابو کر کے جھوٹ بولا اس کی آنکھوں میں آنسو آنے لگے۔ اس کا دل چاہا کہ وہ چیخ چیخ کر خالہ کلثوم کو سچائی بتائے کہ وہ کس طرح سے تپ رہی ہے وہ خاموش رہی۔

"بس بیٹی بہت جلد پاکستان واپس لوٹ رہی ہوں میں جانتی ہوں کہ سکینہ مجھ سے خفا ہے؟ اسے خفا بھی ہونا چاہیے میں یہاں مدیحہ کے پاس آ بیٹھی ہوں میں نے تمہارا اور اس کا نہیں سوچا۔ بس جلدی آ کر ارسلان اور تمہاری شادی کا فرض ادا کروں گی۔" کلثوم نے کرن کو تسلی دی۔ جنہیں کرن سے بات چیت کرتے وقت ہمیشہ یہ احساس ہوتا تھا کہ وہ بہت افسردہ ہے۔

"خالہ جان آپ فکر کرنا چھوڑ دیں اماں آپ سے ناراض نہیں ہیں۔"

"اچھا بیٹی میں نے یہاں سے کچھ جیولری خریدی ہے تمہیں کچھ چاہیے تو فون پر بتا دینا۔"

"نہیں خالہ مجھے کچھ نہیں چاہیے بس آپ پاکستان آجائیں۔" اس نے ہلکی آواز سے کہا۔

"آجاؤں گی بہت جلد۔"

"خالہ جان مدیحہ کو میری طرف سے مبارکباد دے دینا۔" کرن نے پیار سے مدیحہ کے لیے پیغام دیا۔

"بس بیٹی جو نہی ہوش میں آئی ہے میں تمہاری بات کرواتی ہوں۔" کلثوم نے خوشی سے جواب دیا وہ نانی بننے پر بہت خوش تھیں۔

کرن نے اپنے سارے غم بھلا کر ڈھیر ساری دعائیں مدیحہ کے نام کیں اور فون بند کیا اور سکینہ کے لیے تسبیح اٹھا کر درود پاک پڑھنے لگی۔ اسے درود پاک کثرت سے پڑھنے پر سکون ملتا تھا اس نے پھر اونچی آواز سے درود پاک پڑھنا شروع کر دیا اور کافی دیر تک پڑھتی رہی جب تک نیند اس کی آنکھوں میں نہیں چھا گئی۔

☆ ☆ ☆
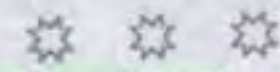
دو ماہ ہو رہے تھے کرن سعد پر بوجھ بنی تھی ایسا وہ سوچ رہی تھی اس لیے آج اس نے گھر کے کاموں میں نوری کی مدد کرنا چاہی جو حلیمہ کے لیے سوپ تیار کر رہی تھی۔

"نہیں کرن تم یہاں بیٹھو۔" نوری نے اسے سنبھالا جو کچن میں آ کر بولی کہ آج وہ اس کے ساتھ کام کرے گی۔

"نوری آپی آپ نے میرا دو ماہ تک بہت خیال رکھا۔ میرا بھی فرض بنتا ہے کہ میں آپ کے لیے کچھ کروں۔" کرن نے نوری کا ہاتھ تھام کر اسے جواب دیا۔

"اچھا ٹھیک ہے.... میں وقت آنے پر تم سے کام ضرور لوں گی۔" نوری نے ہنس کر فریج میں سے اس کے لیے جوس نکالا اور اسے تھمایا۔

"نوری آپی مجھے نہیں پینا۔" اس نے برا سا منہ بنا لیا۔ وہ نوری کو ہر وقت اپنا دکھ سنانا نہیں چاہتی تھی جو اس کے لیے کافی پریشان رہتی تھی اس نے دل میں سوچ لیا تھا کہ وہ دادی سعد اور نوری کے سامنے کبھی آنسو نہیں بہائے گی جنہوں نے برے وقت میں فرشتہ بن کر اس کا ساتھ دیا تھا۔

"تم جوس نہیں پیو گی تو سعد مجھ پر آ کر خفا ہو گا وہ تمہارے لیے بہت پریشان رہتا ہے سعد بہت اچھا ہے خدا تعالیٰ ہمیشہ اسے خوشیاں عطا کرے جس طرح اس نے تمہیں سہارا دیا اس طرح مجھے بھی اسی نے سہارا دیا ورنہ شاید میں کب کی اس دنیا کو چھوڑ کر چلی جاتی۔" نوری نے اپنا ماضی یاد کیا تو اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

"نوری آپی، آپ کے ساتھ....؟" کرن نے بات ادھوری چھوڑ دی وہ نوری کے زخم تازہ کرنا نہیں چاہتی تھی۔

"میں ڈیزائنر بننا چاہتی تھی یتیم خانے میں ہی میری تربیت ہوئی اور وہاں یتیم خانے میں ہی سلائی کا کام سیکھا پھر عمر سے میری شادی ہوئی۔ مگر بدقسمتی سے حماد اور ہادیہ کو ایک دن اسکول چھوڑتے وقت ایک کار حادثے میں وہ دنیا چھوڑ کر چلے گئے۔ میرے پاس سلائی کا ہنر تھا بس یوں سلائی کا کام کرتے کرتے اک دن مجھے اک بڑی ڈیزائنر کے پاس ملازمت مل گئی۔ میں نے بہت محنت کی مگر میری اک غلطی پر مجھے ملازمت سے نکال دیا۔ دو بچوں کو پالنا بھی تھا بہت مشکل دن ہو گئے اور پھر اک دن سعد مل گیا اور پھر اب تک وہ ہی میرا سہارا ہے میں نے اس کی صورت میں اک بھائی کو پایا ہے۔ خدا تعالیٰ اسے لمبی عمر دے۔" نوری نے اپنی ساری بات سنا دی اس کی آنکھیں پرنم سی ہو گئیں کرن کی آنکھوں سے بھی آنسو نکل پڑے۔

"ارے یہ کیا تمہیں میں نے رلا دیا۔" نوری نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"کاش میری آنکھیں ٹھیک ہو جائیں، جس طرح میں نے میشے بوتیک کے لیے محنت کی آپ کے لیے بھی کوئی کام کر دیتی۔"

"تم یشا کے لیے کام کرتی تھیں۔" نوری نے یک دم میشے بوتیک کے نام پر چونکتے پوچھا۔

"ہاں نوری آپی میں نے بہت کام کیا مگر انہوں نے مجھ سے میری زندگی چھین لی آج کل ارسلان یشا جی کے پاس کام کر رہا ہے اور، اور...." اس نے بات ادھوری چھوڑ دی کہ ارسلان اب اس سے محبت کرتا ہے اور شادی بھی کرے گا۔

"یشا بہت خود غرض لڑکی ہے اسے صرف خود سے پیار ہے اور اپنے بوتیک کے لیے وہ کچھ بھی کر سکتی ہے تم یشا اور ارسلان کو بھول جاؤ اور سوچو کہ تمہیں تنہا زندگی کیسے گزارنی ہے تمہاری آنکھیں ٹھیک ہو جائیں تو تم اپنا بوتیک کھولنا۔" نوری نے کہا۔

کرن کی بھی آنکھیں پرنم سی ہو گئیں۔ وہ اپنی آنے والی زندگی کے بارے میں سوچ رہی تھی کہ وہ کب تک سعد پر بوجھ بنی رہے گی۔

☆ ☆ ☆

سعد بستر پر لیٹا کرن کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ وہ کرن کو کیسے بتائے کہ ارسلان اس کی طرف سے بہت لاپروا ہو گیا ہے۔ اس نے خود سے ارسلان کو فون کیا تھا

کہ وہ کرن کو یہاں سے لے جائے مگر ارسلان نے اس کا فون کاٹ دیا تھا سعد کا دل چاہا کہ وہ کرن کو اس کی حقیقت سے آگاہ کردے کہ اب وہ ارسلان کی امید چھوڑ دے وہ نہیں جانتا تھا کہ ارسلان نے کرن سے منگنی ختم کردی کرن ارسلان کی بات سعد سے چھپا رہی تھی اور سعد کرن سے ارسلان کے رویے کو چھپا رہا تھا مگر سعد نے سوچ لیا تھا کہ وہ بہت جلد کرن سے اس سلسلے میں بات کرے گا پھر اٹھ کر لیپ ٹاپ پر کام کر رہا تھا کہ اسے حمنہ کی ای میل نظر آئی اس نے فکر مندی سے وہ ای میل پڑھی۔

"ہیلو سعد امید کرتی ہوں کہ تم اچھے ہوگے اور ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے اپنا فرض بخوبی سرانجام دے رہے ہوگے۔ تم شروع سے بہت ذمہ دار تھے ہر رشتے کو تم نے اپنی ذمہ داری سمجھا میں تمہیں سمجھ نہ سکی۔ میرے ساتھ برا حادثہ ہوا مگر تم نے مجھ سے رابطہ نہ کیا ۔شاید تم اس وقت رابطہ کرلیتے تو میں مزید غلط راستے پر چل پڑتی ہارون اپنے شوہر کی محبت کو میں نے تمہاری وجہ سے دیکھا اور میں سچ میں بہت خوش قسمت ہوں کہ مجھے ہارون جیسا شوہر ملا ہارون نے میرا بہت خیال رکھا اتنا کہ میں ہر بری یاد کو بھول گئی ہوں ہارون کا دل بہت بڑا ہے انہوں نے سچے دل سے مجھے معاف کردیا اور اب میں ہارون کے بغیر رہنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی...... تمہیں اس لیے ای میل کی ہے کہ میں چاہتی ہوں کہ تم بھی اپنی زندگی میں آگے بڑھ جانا اور مجھے بھول جانا۔ میں ہارون کے ساتھ اتنی خوش ہوں کہ تمہیں فون کرنا اب مناسب نہیں سمجھتی امید کرتی ہوں کہ تم بھی مجھے معاف کردو گے۔ جتنا میں نے تمہیں پریشان کیا اب اجازت چاہتی ہوں۔ اپنا خیال رکھنا۔" اور آخر میں حمنہ ہارون اس نے اپنا پورا نام لکھا ہوا تھا۔

سعد کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں اور وہ منہ میں بڑبڑایا۔ اللہ تعالیٰ تمہیں ہمیشہ ہارون کے ساتھ خوش رکھے...... وہ بہت مطمئن دکھائی دینے لگا جو حمنہ کے لیے ہر وقت فکر مند رہتا تھا اور دعا گو بھی۔

☆ ☆ ☆

"دادی...... دادی۔" وہ اپنے کمرے سے نکل کر حلیمہ کے کمرے تک آگئی۔ حلیمہ نے جھٹ سے اس کا ہاتھ تھاما اور فکر مندی سے بولیں بیٹی نوری کو آواز دے کر بلوا لیا ہوتا۔

"دادی جان وہ ہر وقت کام میں لگی رہتی ہیں اگر اپنا بھی بوجھ ڈال دوں گی تو وہ اپنا کام کیسے ختم کریں گی۔"

"تم مجھے آواز دے دیتیں۔" حلیمہ نے پیار سے اس کے گال کو چھوا۔

"آپ کیا کر رہی تھیں۔" کرن نے ارد گرد پڑے کپڑے دیکھ کر پوچھا۔

"یہ بس کچھ پرانے کپڑے تھے ان کو دیکھ رہی ہوں۔" حلیمہ نے اپنے کام کے متعلق آگاہ کیا۔

"یہ کپڑے تمہارے دادا کے زمانے کے ہیں۔" حلیمہ نے ہنستے ہنستے جتایا۔

"اچھا۔" وہ مسکرانے لگی۔

"یہ قمیص مجھے بہت پیاری ہے...... مگر یہ بازو۔" حلیمہ نے فکر مندی سے بازو کی طرف دیکھا جو ایک طرف سے ادھڑا ہوا تھا۔

"یہ قمیص کا بازو ادھڑا ہوا ہے ابھی نوری فارغ ہوتی ہے تو اس سے سلواتی ہوں۔" حلیمہ نے قمیص ایک طرف رکھ کر بتایا۔

"دادی جان مجھے دیجیے قمیص میں سی دیتی ہوں۔"

"نہیں بیٹی! نہیں۔" حلیمہ کو شرمندگی ہوئی کہ انہوں نے کرن کی سامنے یہ بات کردی۔

"دادی آپ مجھے دیں تو شاید میں کرلوں۔" اس نے ہنس کر جواب دیا۔

"اچھا بیٹی یہ لو۔" دادی نے اس کو قمیص تھما دی دادی اس کے لیے بہت فکر مند سی ہوگئیں

"دادی مجھے سوئی دھاگا دے دیں۔" اس نے قمیص کے بازو کا وہ حصہ ایک سرے سے دوسرے سرے کے ساتھ ملاتے ہوئے کہا۔

"اچھا بیٹی میں نوری سے منگواتی ہوں۔"

نوری پانچ منٹ کے بعد اس کے سر پر آکھڑی ہوئی۔ نوری تیزی سے بولی۔

"میں سی دیتی ہوں۔" اس نے تیزی سے سوئی میں دھاگا ڈال کر کہا۔

"ہاں کرن نوری سی دیتی ہے۔" حلیمہ نے فکر مندی سے سمجھایا۔

"پلیز آپی...... آپ مجھے سوئی دھاگا دیجیے......" وہ ان دونوں کی بات پر مسکرانے لگی۔

"کرن۔" نوری نے کچھ سمجھانا چاہا مگر کرن فوراً" بول پڑی۔

"پلیز نوری آپی سوئی دھاگا دے دیں۔" کرن نے معصومیت سے مانگا کہ نوری انکار نہ کرسکی۔ دادی اور نوری کے دیکھتے ہی دیکھتے کرن نے بڑی مہارت کے ساتھ وہ بازو سی دیا۔

نوری اور دادی حیرت زدہ سی ہوگئیں۔

"ماشاء اللہ۔" دادی نے اس کے سر پر پیار دیا نوری کی بھی آنکھیں بھر آئیں۔

"دادی ہمیں جب کڑھائی کرتے کرتے تھک جاتی تھیں تو اکثر آنکھوں کو بھی بند کرلیتی تھی مگر میرا ہاتھ چلتا رہتا تھا۔" کرن نے پیار سے بتایا۔

"کرن مجھے دیکھ کر بہت خوشی ہوئی دیکھو خدا تعالیٰ کی ذات کتنی عظیم ہے اس نے تمہیں ایک آزمائش سے گزارا اور تمہیں کھرے کھوٹے کی پہچان کرائی۔ مگر تمہارا ہنر ویسے ہی تمہارے پاس ہے۔" نوری کے خوشی سے آنسو نکل پڑے۔

"اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی دو بیٹیاں دے دیں خدا تعالیٰ ہمیشہ تم دونوں کو ہنستا مسکراتا رکھے۔" حلیمہ نے باری باری دونوں کے سر پر پیار دیا۔ نوری پھر دادی کا ہاتھ تھام کر بولی۔

"دادی میری سوچ اور کرن کا یہ ہنر سب کو پیچھے چھوڑ دے گا۔ میں اس سال اسٹائل میں اپنے ڈیزائن ضرور بھیجوں گی۔"

"ہاں...... ہاں یہ ٹھیک رہے گا آپی میں آپ کا ساتھ دوں گی۔" کرن نے گرمجوشی سے جواب دیا۔

"اللہ تعالیٰ تم دونوں کو کامیابی دے۔" حلیمہ نے پیار سے ان دونوں کی طرف دیکھا۔

کرن بہت مطمئن سی ہوگئی اسے اللہ تعالیٰ نے جینے کا مقصد جو دے دیا تھا۔ جیسے کہ سعد نے ہمیشہ اسے تسلی دی تھی کہ اللہ اسے منزل دکھاوے گا۔

☆ ☆ ☆

پانچ ماہ کے بعد کلثوم اپنے گھر لوٹی تھیں اور ارسلان بہت فکر مند تھا کہ وہ ماں کو کرن کے متعلق کیا بتائے گا جو تقریباً" دو ماہ سے بیشا کے آفس میں رہائش پذیر تھا۔

"گھر پر تالا کیوں ہے۔" ارسلان نے تالے کی چابی جیب سے نکالی تو کلثوم نے فکر مندی سے پوچھا۔

"اماں...... بس سارا دن میرا آفس میں گزرتا ہے اس لیے تالا لگانا پڑتا ہے۔" ارسلان نے نظریں چرائیں۔

"کرن سکینہ بہن کدھر ہیں۔" کلثوم نے گھر کے صحن میں داخل ہو کر حیرانی سے پوچھا گھر کی حالت ایسی تھی جیسے وہ کئی دنوں سے بند پڑا ہو۔

"اماں...... آپ پہلے آرام سے بیٹھیں پھر میں ساری بات بتاتا ہوں۔" ارسلان نے گھبرا کر ماں کا ہاتھ تھام لیا۔

"کرن بیٹی اور سکینہ دونوں کہاں ہیں۔" کلثوم نے فکر مندی سے پوچھا کلثوم کا کھلا چہرہ مرجھا سا گیا۔ جوان دونوں کو دیکھنے ملنے کے لیے بہت بے تاب تھیں۔

"اماں خالہ سکینہ...... خالہ سکینہ اس دنیا میں نہیں ہیں۔" ارسلان نے نظریں جھکا کر بتایا۔

"کیا؟ کیا مطلب سکینہ...... سکینہ کیسے کب تم نے اور کرن نے مجھ سے کیوں چھپایا میری بہن میری پیاری بہن مجھے چھوڑ کر چلی گئی اور تم لوگوں نے مجھے بتایا تک نہیں۔" کلثوم کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔

"اماں میں بھی لندن تھا میرے علم میں یہ بات تین

ماہ کے بعد آئی تھی پھر کیسے آپ کو بتاتا آپ کی طبیعت بھی تو ٹھیک نہیں تھی۔" ارسلان نے نظریں جھکا کر بتایا۔

"کرن بیٹی نے کیسے اکیلے سب کچھ سنبھالا کرن..... کرن کہاں ہے؟" کلثوم نے یکدم حیرانی سے ارسلان کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ اس نے اپنی نظریں جھکا لیں۔

"ارسلان کرن کہاں ہے تم، تم خاموش کیوں ہو۔" کلثوم نے خفگی سے پوچھا۔

"اماں کرن!" ارسلان کی زبان اس کا ساتھ نہیں دے پا رہی تھی۔

"ارسلان بتاؤ کرن کہاں ہے؟" اب کی دفعہ کلثوم نے ارسلان کا گریبان پکڑ لیا۔

"اماں کرن اب اس گھر میں نہیں رہ رہی۔" ارسلان نے ڈرتے ڈرتے بتایا۔

"کیا؟ تم کیا کہہ رہے ہو کیوں وہ اس گھر میں نہیں رہ رہی۔ آخری ایسی کیا وجہ ہوئی کہ اس نے اپنا گھر چھوڑا۔" کلثوم یہ سن کر تڑپ کر پوچھنے لگیں۔

"اماں کرن کی بینائی متاثر ہوئی ہے اور وہ ڈاکٹر سعد کے پاس ان کے گھر میں رہ رہی ہے۔" ارسلان نے کرن کے متعلق بتایا۔

"کیا..... یہ میں کیا سن رہی ہوں اور تم دو ماہ سے پاکستان آئے ہوئے ہو تم کرن کو واپس گھر کیوں نہیں لائے۔" کلثوم نے ارسلان کے منہ پر دو تین تھپڑ مار کر پوچھا ارسلان ماں کے ردعمل پر گھبرا سا گیا سچ ظاہر کرتا تو شاید کلثوم اس کی جان لے لیتیں۔

"اماں آپ آگئی ہیں اب آپ اسے گھر لے آئیں۔" ارسلان نے نظریں چرا کر جواب دیا کلثوم کی نظریں ارسلان پر ٹک سی گئیں وہ خفگی سے بولیں۔

"کرن کو میں نے اپنی بہو کی جگہ دی تھی اور آج بھی اس کی جگہ کوئی نہیں لے سکتا۔" کلثوم نے ارسلان کی طرف دیکھ کر خفگی سے بات ختم کی جو اپنے بیٹے کی نیت بھانپ چکی تھیں کلثوم نے چادر سنبھالی اور تخت سے اٹھ کر خفا لہجے سے کہا۔

"مجھے ابھی کرن کے پاس لے چلو۔" کلثوم نے غصے سے حکم دیا۔

ارسلان نے ادب سے ہاں میں سر ہلایا۔ اور وہ کلثوم کے ساتھ کرن کو گھر لانے کے لیے نکل گیا۔

☼ ☼ ☼

وہ نوری کے ساتھ کپڑوں کو تہہ کر رہی تھی۔ تب حلیمہ نے انہیں بتایا کہ کرن سے ملنے کلثوم اس کی خالہ آئی ہیں۔

"خالہ کلثوم آئی ہیں۔" وہ منہ میں بڑبڑائی۔

"ہاں بیٹی وہ تمہیں لینے کے لیے آئی ہیں اور ساتھ میں ارسلان بھی آیا ہے میں نے سعد کو فون کر دیا ہے وہ بھی آ رہا ہے۔" حلیمہ نے اس کا ہاتھ تھام کر بتایا۔ اس کے ہاتھ لرز رہے تھے اور اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ نوری نے پیار سے کہا۔

"اب رونے کا وقت نہیں دیکھو تمہاری خالہ کلثوم تمہیں لینے آئی ہیں تم یہی تو چاہتی تھیں۔" نوری نے اس کا دوسرا ہاتھ تھام لیا۔

کلثوم اس کے ساتھ لپٹ کر رونے لگیں۔

"کرن بیٹی یہ سب کیسے ہو گیا اور، اور تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا میں سکینہ کو آخری لمحے دیکھ بھی نہ سکی۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

"اماں ہم سب کو چھوڑ کر چلی گئیں اماں نے میری پروا نہیں کی کہ میں کس کے سہارے جیوں گی۔" کرن نے روتے روتے جواب دیا۔ ارسلان شرمندگی سے سر جھکا کر کھڑا رہا۔

"بیٹی میں تیری ماں جیسی نہیں کیا؟ تو نے مجھ سے اتنا بڑا دکھ چھپایا۔ اب بچی میں آگئی ہوں اب تمہیں کبھی خود سے جدا نہیں کروں گی۔" کلثوم نے اس کے ماتھے پر بوسہ دیا۔

ارسلان کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا وہ تو کرن سے رشتہ صاف صاف توڑ چکا تھا اب وہ کیسے اسے کچھ کہہ سکتا تھا۔

"چلو بیٹی اپنا سامان پیک کرو میں اور ارسلان تمہیں لینے آئے ہیں۔" کلثوم نے ارسلان کا نام لیا۔ جنہیں اندازہ تھا کہ ان دونوں کے درمیان کچھ نہ کچھ ضرور ہوا ہے۔

"جی..... جی۔" وہ یک دم سے مرجھا گئی اور اس نے دادی کو پکارا۔

"ہاں..... ہاں بیٹی میری طرف سے اجازت ہے تمہیں تمہارے اپنے لینے آگئے ہیں۔ میں تمہیں کیسے روک سکتی ہوں۔" حلیمہ کی آنکھوں میں نمی بھر آئی۔

"آپ کا مجھ پر بہت بڑا احسان ہے کہ آپ نے برے وقت میں کرن کا ساتھ دیا۔" کلثوم نے حلیمہ کا تہہ دل سے شکریہ ادا کیا۔ حلیمہ کا دل چاہا کہ وہ ارسلان سے پوچھیں کہ اس نے کیسے اک بے سہارا لڑکی کو تنہا چھوڑ دیا تھا کیا اس میں رتی بھر انسانیت نہیں تھی مگر وہ کلثوم کی محبت کرن کے لیے دیکھ کر نہ بول سکیں وہ مزید کرن کو دکھی نہیں کرنا چاہتی تھیں۔

نوری سب کو خاموش دیکھ کر بولی۔

"آپ لوگ بیٹھیے میں آپ کے لیے چائے بناتی ہوں۔"

"نہیں، نہیں بس ہمیں اجازت دیجیے۔" کلثوم نے پیار سے جواب دیا۔ وہ کرن کو بہت جلد گھر لے جانے کو بے تاب تھیں وہ جاننا چاہتی تھیں کہ آخر کار کرن گھر چھوڑ کر یہاں کیوں رہنے آگئی۔

"خالہ وہ ڈاکٹر سعد آجائیں پھر چلتے ہیں۔" کرن نے اپنے محسن کو یاد کر کے جواب دیا۔

ارسلان کرن کی بات سن کر سرخ پڑنے لگا اور پھر سب خاموشی سے بیٹھ گئے حلیمہ نے کرن کی اتنی تعریفیں کیں کہ کلثوم کا دل خوش سا ہو گیا۔ آدھے گھنٹے کے بعد سعد بھی وہاں آ پہنچا وہ بہت پیار سے ان لوگوں سے ملا تھا۔ ارسلان شرمندگی محسوس کر رہا تھا جس نے ہر بار سعد کا فون کاٹا تھا وہ اس سے نظریں نہیں ملا رہا تھا کرن نے سعد سے اجازت لی تو اس نے مسکرا کر کہا۔ "آپ کو اپنے گھر جانے سے بھلا میں کیسے روک سکتا ہوں میری دعا ہے کہ آپ ہمیشہ خوش رہیں۔" سعد نے اسے پیار سے دعا دی۔

ارسلان سعد کی بات سن کر مزید خفا خفا سا نظر آنے لگا جسے کلثوم نے نوٹ کیا، سب سے مل کر کرن واپس اپنے گھر جانے کے لیے تیار ہو گئی۔

گاڑی اسٹارٹ ہوئی تو اس کا دل بجھ سا گیا وہ جانتی تھی کہ ارسلان اسے نہیں بلکہ یشا کو اپنی دلہن بنانا چاہتا ہے اور اس کی موجودگی میں وہ کیسے یہ کر سکے گا وہ سوچوں میں ڈوبی ہوئی تھی اور ارسلان نے گاڑی چلاتے چلاتے کئی بار اسے دیکھا تھا جس نے ایک دفعہ بھی ارسلان سے بات نہیں کی تھی ارسلان نے یہ بات بہت محسوس کی۔

☼ ☼ ☼

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔" اس نے حیرت سے فون پر کسی سے کہا یشا بہت اپ سیٹ سی ہو گئی تھی اس نے دوبارہ پوچھا۔

"آپ سچ کہہ رہے ہیں۔ کیا نوری ہی تھی وہ؟"

"جی ہاں نوری ہی تھی اور انہوں نے کرن بوتیک کے نام سے کپڑوں کی نمائش کروائی ہے۔" یشا کو ایک لڑکے نے تفصیل دی۔

"پھر ان کی نمائش کیسی رہی۔" یشا نے نہ چاہ کر بھی پوچھ لیا۔

"بہت اچھی.....! اور میرے خیال میں اس سال فیشن ویک میں بھی وہ حصہ لیں گی۔" لڑکے نے پھر تفصیل دی۔

"او کے تھینک یو۔" اس نے لڑکے کی بات سن کر فون کاٹ دیا اور فکر مندی سے سوچنے لگی اس کا مطلب تھا کہ کرن اندھی نہیں تھی اور وہ میری دشمن نوری کے ساتھ مل کر میرا مقابلہ کرنا چاہتی ہے۔ یشا غصے سے بڑبڑائی اور اس نے ارسلان کو فون کیا۔

ارسلان کلثوم کے ساتھ بیٹھا تھا اور کرن بھی وہاں پر بیٹھی تھی جس کی وجہ سے اس نے یشا کا فون کاٹ دیا۔ یشا لائن کٹنے پر مزید غصے میں آگئی۔ اس نے بار بار

فون کرنا شروع کردیا۔

"کون ہے فون پر؟" کلثوم غصے سے بولیں۔ جب ارسلان کا بار بار فون بجنے لگا۔

"اماں وہ ییشا جی۔" ارسلان نے بات کو ادھورا چھوڑ دیا۔

"کچھ دیر کے لیے سیل فون آف کردو مجھے تم لوگوں سے ضروری بات کرنی ہے۔" کلثوم نے غصے سے ارسلان کی طرف دیکھا۔ ارسلان نے ماں کا فوراً حکم مانا اور سیل فون بند کردیا۔ ییشا نے نمبر آف دیکھا تو وہ مزید تپ سی گئی اور اس نے اپنے ہونٹ کو کچلا وہ ارسلان کی اس حرکت کو کبھی معاف نہیں کرے گی وہ بڑبڑانے لگی۔

کلثوم نے پھر ارسلان اور کرن سے بات شروع کی۔

"تم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ خفا ہو ایسا میں محسوس کرچکی ہوں۔ مگر میں یہ جاننا نہیں چاہتی کہ تم لوگ آپس میں خفا کیوں ہوئے ہیں — تم دونوں کو صرف یہ بتانا چاہتی ہوں کہ میں کل تم دونوں کا نکاح پڑھوا رہی ہوں۔ اب یہ شادی ہونی ضروری ہے۔" کلثوم نے کرن کے سر پر پیار دے کر بتایا۔

کرن خالہ کلثوم کی بات سن کر چونکی اس سے پہلے کہ وہ لب کھولتی ارسلان خفگی سے بولا۔

"اماں میں کرن سے شادی نہیں کروں گا۔"

"کیوں؟" خالہ کلثوم اس کی نفی پر غصے سے بولیں جنہیں اندازہ ہوگیا تھا کہ ان کا بیٹا کرن کی بینائی متاثر ہونے پر اس سے منہ پھیر رہا ہے کلثوم کے دونوں بچوں کی زندگیاں کرن کی قربانیوں سے بنی تھیں برے وقت میں کلثوم کرن کا ساتھ کیسے چھوڑ سکتی تھیں اس لیے غصے سے ارسلان سے وجہ پوچھی۔

"اماں میں... میں بس کرن کے ساتھ اب نہیں رہنا چاہتا۔" ارسلان نے صاف صاف انکار کردیا کرن کی آنکھیں پرنم سی ہوگئیں اور وہ اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھی۔

"تم پاگل ہوگئے ہو جو کرن سے شادی کے لیے انکار کررہے ہو کرن کے ہم پر کتنے احسانات ہیں تم نے انکار کرنے سے پہلے اک دفعہ تو سوچ لیا ہوتا۔" کلثوم کی آنکھیں بھر آئیں وہ سوچ نہیں سکتی تھیں کہ ان کا بیٹا اتنا خود غرض ہوسکتا ہے۔

"اماں مجھے کرن اور خالہ سکینہ کے سارے احسانات یاد ہیں۔ مگر احسانات کی وجہ سے میں کرن سے شادی کرلوں تو وہ شادی کتنے عرصے چلے گی اور پھر کرن نے میری عزت کا کب خیال رکھا وہ تو پانچ ماہ سے ڈاکٹر سعد کے ساتھ رہ رہی تھی ان دونوں کے درمیان..." ارسلان کہتے کہتے رک گیا۔

"بدتمیز۔" کلثوم نے ایک زور کا طمانچہ ارسلان کے منہ پر رسید کیا۔ کرن کے قدم یہ بات سن کر رک گئے اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔ پہلے دکھ کیا کم تھے جو ارسلان نے مزید اس کے سعد کے ساتھ تعلقات کا الزام لگادیا۔

"خالہ کلثوم..." اچانک کلثوم کو اپنے پیچھے سعد کی آواز سنائی دی۔ جو کرن کی ادویات دینے کے لیے ان کے گھر آیا تھا گھر کا دروازہ کھلا تھا اس لیے وہ اندر داخل ہوگیا۔ اور اس نے اپنے اور کرن پر لگنے والے الزام کو سن لیا تھا۔ سعد کی آواز سن کر کرن بھی خوفزدہ سی ہوگئی۔

"تم... تم بیٹا۔" خالہ کلثوم گھبرا سی گئیں۔

"خالہ اگر آپ کی اجازت ہو تو میں کرن سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔" سعد نے بغیر کسی ڈر کے ارسلان کے سامنے کرن کے رشتے کی بات کرلی۔ کرن واپس پلٹی۔

"کیوں... آپ کیوں مجھ پر احسان کر رہے ہیں۔" کرن نے روتے روتے پوچھا کلثوم کی بھی آنکھیں بھر گئیں جبکہ ارسلان غصے سے باہر نکل گیا۔

"میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا کہ میں کبھی آپ کی عزت پر آنچ نہیں آنے دوں گا پھر آج میری وجہ سے آپ کی عزت پر آنچ آئی ہے۔" سعد نے شائستگی سے اسے پرپوز کرنے کی وجہ بتائی۔

خالہ کلثوم پریشان سی ہوگئیں اور فکرمندی سے بولیں۔

"ابھی سعد تم چلے جاؤ۔ میں اس بات کا جواب تمہیں ابھی نہیں دے سکتی۔" کلثوم نے شرمندگی سے نظریں جھکا کر جواب دیا۔

سعد نے ادویات کرن کے ہاتھ میں تھمادیں اور پھر وہ چلا گیا۔ کرن پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور کلثوم نے اسے سینے سے لگالیا وہ اپنے بیٹے ارسلان کے بدلتے رویے پر بہت پریشان سی ہوگئی تھیں۔

✡ ✡ ✡

"تم پاگل ہو تم نے سوچا بھی کیسے کہ میں ییشا تمہیں اپنا جیون ساتھی چن سکتی ہوں۔" ییشا ارسلان پر چیخی جب اس نے بتایا کہ اس نے اپنی ماں کو کرن کے لیے انکار کردیا ہے اور وہ بہت جلد اپنی ماں کو اس کے گھر لے کر آنے والا ہے تو ییشا اس کی بات پر پھٹ پڑی۔

"ییشا تم... تم نے کہا تھا کہ تم مجھے پسند کرتی ہو۔" ارسلان اس کی بات پر ہکا بکا رہ گیا۔

"پسند... ہاں ایک دوست کی حیثیت سے تمہیں پسند کرتی تھی مگر تم کیا سوچ رہے تھے۔"

"ییشا میں تو تم سے شادی..." اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ جس نے اپنی اک الگ دنیا بنائی ہوئی تھی۔

"تم نے سوچا بھی کیسے؟ مجھے ہنسی آرہی ہے۔" ییشا نے قہقہہ لگایا۔

"پلیز ییشا میں سچ میں تم سے بہت پیار کرتا ہوں تمہیں ہر خوشی دوں گا۔" اس نے اپنی محبت کا کھل کر اعتراف کیا جو ییشا کی بے تکلفی کو محبت سمجھ بیٹھا تھا۔

"تم مجھے کیا خوشیاں دو گے تم تو میرے رحم و کرم پر ہو میں نے تمہیں اس ہوٹل سے یہاں تک پہنچایا اور تم مجھے ہی بے وقوف بنا رہے ہو۔ میں جان چکی ہوں کہ تم نے کرن بوتیک اوپن کیا ہے۔" وہ ہنسی۔

"نہیں... ییشا ایسا کچھ نہیں تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔" وہ گھبرا گیا جو سب باتوں سے انجان تھا۔

"مسٹر ارسلان میرے خیال میں آپ کل سے بلکہ ابھی سے یہاں سے دفع ہوجائیں۔" ییشا نے غصے سے اسے گھورتے حکم دیا۔

"ییشا پلیز تمہیں کیا ہوگیا ہے؟ میں تمہارے خلاف کوئی سازش نہیں کررہا۔" اس نے ییشا کا ہاتھ پکڑنا چاہا۔

"ڈونٹ ٹچ می ورنہ تمہیں پولیس کے حوالے کردوں گی۔" ییشا نے غصے سے اپنا ہاتھ پیچھے کیا۔

"ییشا ریئلی میں تم سے بہت محبت کرنے لگا ہوں پلیز ییشا مجھ پر اعتبار کرو۔" ارسلان کی آنکھیں پرنم سی ہوگئیں جس کا خواب ٹوٹ رہا تھا۔

"دفع ہوجاؤ۔" اس نے چیختے ہوئے کہا۔

"ییشا پلیز تمہیں کیا ہوگیا ہے تم میرے ساتھ اس طرح نہیں کرسکتیں۔" ارسلان اس کے رویے پر گھبرا سا گیا وہ بالکل انجان سی بن گئی۔

"مجھے صرف اپنے میشے بوتیک سے مطلب ہے تمہاری کرن اور نوری نے مل کر مجھے چیلنج کیا ہے تم بھی جھوٹے ہو کرن کے کپڑے میں دیکھ چکی ہوں وہ اندھی نہیں بلکہ تم اور وہ میرے خلاف سازش کر رہے تھے۔" ییشا نے لفظ چبا چبا کر ادا کیے۔

"نہیں تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے کرن کی بینائی بے حد متاثر ہوئی ہے۔" ارسلان نے اسے احساس دلایا۔

"میں ان سب باتوں پر یقین نہیں کرتی اگر تم میری دوستی چاہتے ہو۔ میرے آفس میں کام کرنا چاہتے ہو تو کرن کو واپس میرے ملبوسات پر کام کرنا ہوگا اب فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔" ییشا نے غصے سے اپنی سوچ اس پر ظاہر کی اس کا سارا جسم لرز رہا تھا۔

"اوکے... اوکے پلیز غصہ مت کرو میں ابھی کرن سے بات کرتا ہوں۔" ارسلان نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی ییشا کی سانس بری طرح سے پھول رہی تھی۔ اسے نوری اور کرن کے سامنے ہارنا نہیں تھا کرن اور نوری کے ملبوسات اتنے اچھے تھے کہ اسے اندازہ ہوگیا کہ وہ اس سال کا ایوارڈ لے کر جاسکتی ہیں اس لیے وہ بری طرح سے اپ سیٹ ہوگئی تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ رات کا کھانا خاموشی سے کھا رہا تھا۔ جب حلیمہ نے بات چھیڑی کہ حرا کے والدین کو کئی بار انہوں نے فون کیا مگر شاید اب وہ نہیں چاہتے کہ دوبارہ سے وہ اس گھر سے تعلق رکھیں۔

"آپ فکر کرنا چھوڑ دیں۔ اور آئندہ حرا کے گھر پر فون مت کریں۔" سعد نے پیار سے انہیں سمجھایا۔

"اب ہم لوگ اپنی مجبوری بھی کیسے بتائیں حرا کے والدین کو یہ بات بہت بری لگی ہے۔" حلیمہ نے فکر مندی سے بتایا۔

"دادی آپ ان لوگوں کو فون مت کریں جو بات ختم ہو گئی ہے مزید بات کرنے سے آپ ان کے دکھوں کو ہرا کریں گی۔"

"تو پھر تم نے کیا سوچا ہے؟ تنہا زندگی گزارو گے کیا۔" دادی نے خفگی سے پوچھا۔

"نہیں، میں نے سوچ لیا ہے کہ میں شادی کروں گا اور بہت جلد۔" اس نے دادی کی طرف دیکھ کر جواب دیا۔

"کیا؟ سچ کہہ رہے ہو میں پھر لڑکیاں دیکھوں۔" حلیمہ نے پیار سے پوچھا۔

"نہیں دادی لڑکی میں نے پسند کر لی ہے۔" اس نے شائستگی سے بتایا۔

"کون ہے مجھے بتاؤ؟" حلیمہ نے تجسس سے پوچھا۔

"وقت آنے پر آپ کو بتا دوں گا۔" سعد نے کہا۔

"نہیں، نہیں ابھی بتاؤ میں اس لڑکی سے ملنا چاہتی ہوں۔" دادی بے تاب سی ہو گئیں۔

"دادی میں نے بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہے میں کرن کے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہوں۔" اس نے بتایا اور دادی کی طرف دیکھنے لگا جو حیرت زدہ سی ہو گئی تھیں البتہ انہوں نے اس کے فیصلے پر اپنے لب نہ کھولے۔

☆ ☆ ☆

وہ آدھی رات کو گھر آیا تھا کلثوم سوئی نہیں تھیں اور کرن بھی جاگ رہی تھی وہ فکر مندی سے ماں کے پاس بیٹھ گیا کلثوم اسے خفا خفا نظر آ رہی تھیں۔

"اماں مجھے معاف کر دیں میں نے کرن کا دل توڑا آپ کا دل توڑا۔" اس نے آج کے رویے کی معافی مانگنی شروع کر دی۔

کلثوم جو اپنے بیٹے کے رویے کی وجہ سے اپ سیٹ تھیں۔ اس کے یک دم معافی مانگنے پر خوش سی ہو گئیں۔

"میں بس یہی چاہتی ہوں کہ تم کرن کے ساتھ شادی کر لو پھر شاید میں تمہیں معاف کر دوں گی۔" کلثوم نے اپنی بات سامنے رکھی۔

"اماں کرن مجھے معاف نہیں کرے گی۔" وہ فکر مندی سے بولا۔

"معاف کر دے گی اس کا بہت بڑا دل ہے چلو اٹھو ابھی اس کے پاس چلو۔" اپنے بیٹے کے معصوم چہرے کے پیچھے وہ اس کی غرض کو نہیں سمجھ سکیں اور ارسلان کو لے کر کرن کے پاس چلی آئیں۔

"کرن بیٹی تم جاگ رہی ہو۔" کلثوم نے پیار سے پوچھا۔ وہ کلثوم کی آواز سن کر بستر سے اٹھ بیٹھی وہ بہت بجھی بجھی دکھائی دے رہی تھی۔

"ارسلان تم سے معافی مانگنے آیا ہے۔" کلثوم نے کہا۔

"کرن مجھے معاف کر دو میں بہت شرمندہ ہوں۔" ارسلان کی آواز اس کے کانوں میں پڑی..... اسے یقین نہیں ہو رہا تھا کہ اچانک ارسلان کا رویہ اس کے لیے کیسے بدل گیا ہے۔

"تم دونوں باتیں کرو میں تم لوگوں کے لیے چائے لاتی ہوں۔" کلثوم نے ان دونوں کو تنہا چھوڑنے کے لیے چائے کا بہانہ ڈھونڈا اور وہاں سے باہر آ گئیں۔

کافی دیر کے بعد ارسلان نے خاموشی کو توڑا۔

"کرن مجھ سے بہت بڑی غلطی ہو گئی ہے جو میں نے تمہیں اتنے دکھ دیے کیا تم ان ساری باتوں کو بھول کر مجھے معاف کر سکتی ہو۔" ارسلان نے معصومیت سے بات کی۔

کرن خاموش رہی وہ ارسلان پر یقین نہیں کر پا رہی تھی کہ وہ اس سے معافی مانگ رہا ہے۔

"کرن کچھ تو بولو۔" ارسلان نے اسے مخاطب کیا۔

"کیا بولوں میرے پاس کہنے کے لیے کچھ نہیں ہے۔" اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

ارسلان نے اس کے ہاتھ تھام لیا اور پیار سے بولا

"کرن میں تمہارا سہارا بنوں گا تمہیں کبھی اکیلا نہیں چھوڑوں گا۔" اس نے ہمدردی کی دو باتیں کیں مگر کرن کو یوں لگا جیسے یہ باتیں مصنوعی ہوں اس نے اپنے آنسو پونچھے اور خود کو سنبھالا وہ ارسلان کے سامنے مضبوط رہنا چاہتی تھی۔

"میں تم سے شادی کے لیے تیار ہوں۔" ارسلان نے اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

وہ خاموش رہی اسے ارسلان کی باتیں سن کر خوشی نہیں ہوئی تھی۔ جو اسے اک نیا خواب دکھا رہا تھا کہ ان لوگوں کا گھر ہو گا بچے ہوں گے اور وہ خوشی خوشی ایک دوسرے کا ساتھ دیں گے ارسلان اسے خوابوں کی دنیا میں لے کر جانے لگا مگر وہ نہیں جانتا تھا کہ کرن نے خواب دیکھنے چھوڑ دیے تھے وہ بس خاموشی سے اس کی باتیں سنتی رہ گئی۔

☆ ☆ ☆

وہ سرخ لہنگے میں بہت پیاری لگ رہی تھی کلثوم اسے دلہن کے روپ میں دیکھ کر خوشی سے کھل اٹھیں اور انہوں نے پیار سے کرن کا ماتھا چوما اور خوب دعائیں دیں۔

کرن نے ان کا ہاتھ تھام کر کہا۔

"خالہ مجھے اماں کی قبر پر آپ لے جا سکتی ہیں۔" کرن کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔

"ہاں، ہاں بیٹی کیوں نہیں میں ارسلان سے کہتی ہوں کہ پہلے وہ تمہیں قبرستان لے جائے اور پھر نکاح کے لیے ہال میں۔" کلثوم نے اسے تسلی دی وہ جانتی تھیں کہ کرن اس وقت اپنی ماں کی کمی بہت محسوس کر رہی ہو گی۔

"میں ارسلان کو دیکھتی ہوں شاید تیار ہو گیا ہو تو تمہیں قبرستان لے جائے پھر کہیں دیر نہ ہو جائے۔" کلثوم نے تیزی سے بات ختم کی اور کمرے سے باہر نکل گئیں وہ خوشی خوشی اپنے بیٹے کے کمرے کی طرف بڑھ رہی تھیں کہ ان کے قدم دروازے پر رک گئے ارسلان کی آواز ابھری۔

"میں کرن کا بوتیک بند کروا دوں گا اور نوری کو کرن سے ملنے تک نہیں دوں گا۔ یشا میں تمہاری ہار کبھی برداشت نہیں کر سکتا میں نے تم سے محبت کی ہے تمہارے لیے ہی تو میں کرن سے شادی کر رہا ہوں ورنہ میں اس لڑکی سے کبھی بھی شادی نہ کروں۔"

کلثوم اپنے بیٹے کے منہ سے زہر بھری باتیں سن کر کانپ اٹھیں انہوں نے اپنے قدم پیچھے کر لیے انہیں سکینہ کا چہرہ نظر آنے لگا جیسے سکینہ ان سے انصاف مانگ رہی ہوں کہ وہ اپنے بیٹے کی اصلیت جان کر کیا فیصلہ کریں گی۔

کلثوم نے تیزی سے اپنے قدم کرن کے کمرے کی طرف بڑھائے ان کی سانس حلق میں پھنسی جا رہی تھی ایک طرف کرن تھی اور ایک طرف ان کا اکلوتا بیٹا جس کی خوشیوں کے لیے وہ ہر روز سجدے میں ڈھیروں دعائیں کرتیں۔

"خالہ یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔" کرن خالہ کلثوم کی بات پر چونکی جب انہوں نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا۔

"کرن ارسلان تمہارے قابل نہیں ہے اور میں تمہارا نکاح ارسلان کے بجائے سعد سے کر رہی ہوں۔" کرن کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔

"بیٹی میں نے بہت مشکل سے یہ فیصلہ کیا ہے اور میں سمجھتی ہوں کہ تم میرے فیصلے کا احترام کرو گی۔" کلثوم کی آواز لرزنے لگی وہ اپنے بیٹے کے کرتوت بتا کر اسے مزید اذیت نہیں دینا چاہتی تھیں۔

"خالہ آپ پلیز مجھے بتائیے آپ، آپ ٹھیک تو ہیں۔" کرن گھبرا سی گئی۔ اور اس نے کلثوم کا ہاتھ تھاما۔

"اگر تمہاری ارسلان سے شادی ہو جاتی تو میں ٹھیک نہ رہتی۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے وقت سے پہلے ہی سچ دکھادیا۔" کلثوم نے اس کے سر پر پیار دیا۔

"بیٹی تمہیں سعد کے ساتھ جانا ہوگا یہ میرا آخری فیصلہ ہے شاید میں تمہیں اس کی وجہ نہ بتاسکوں۔ مگر میں اتنا جانتی ہوں کہ وہ شخص تمہارے قابل ہے وہ تمہیں سہارا کسی مطلب کی وجہ سے نہیں دے گا جو رشتے مطلبی ہوتے ہیں سو وہ دیر تک نہیں چل سکتے۔"

"اماں.... اماں یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔" ارسلان نے اپنی ماں کی ساری باتیں سن لیں وہ گھبرا کر انہیں دیکھنے لگا۔

"میں کرن کا نکاح سعد سے کر رہی ہوں۔" انہوں نے مضبوط لہجے میں اپنا حکم سنایا۔

"اماں یہ، یہ آپ کیا کر رہی ہیں آپ جانتی ہیں کہ میں اور کرن ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں اور کرن میرے ساتھ ہی خوش رہ سکے گی۔" ارسلان ماں کو یقین دلانے لگا۔

"کرن کس کے ساتھ زیادہ خوش رہے گی اس کا فیصلہ مجھے کرنا ہے۔" کلثوم نے غصے بھری نظروں سے ارسلان کی طرف دیکھا انہیں یقین نہیں ہو رہا تھا کہ ان کا تابعدار بیٹا دولت کی لالچ اور میشا کی محبت میں اتنا اندھا ہو چکا ہے کہ وہ کرن اور اپنی ماں کو دھوکا دینا چاہتا ہے۔ جنہوں نے ہمیشہ اس کی کامیابی کے لیے دعائیں مانگیں۔

"کرن.... تم، تم بتاؤ کہ تم کس سے شادی کرنا چاہتی ہو۔" وہ بوکھلا سا گیا اور کرن کی جانب بڑھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"کرن اماں کو بتادو کہ تم مجھ سے محبت کرتی ہو۔" وہ تڑپ کر اس کا ہاتھ تھام کر بولا۔

"کیا میں اندر آسکتا ہوں؟" ڈاکٹر سعد خالہ کلثوم کے کہنے پر آگیا تھا۔

"کرن سعد تمہیں لینے آیا ہے۔" خالہ کلثوم کی آنکھیں پرنم سی ہوگئیں۔

"کرن تم بولو تم خاموش کیوں کھڑی ہو۔" ارسلان کے چہرے کا رنگ فق ہوگیا اسے اب سمجھ آرہا تھا اس کی ماں نے اس کی فون پر کی جانے والی ساری باتیں سن لی ہیں جس کی وجہ سے انہوں نے ڈاکٹر سعد کے ساتھ کرن کی شادی کا فیصلہ کیا ہے۔

"خالہ.... خالہ" کرن کے لب ہلے اس نے آگے بڑھ کر خالہ کلثوم کا ہاتھ پکڑنا چاہا مگر کرسی سے ٹکرا کر گرنے ہی والی تھی کہ سعد نے اسے مضبوطی سے تھام لیا۔

ارسلان ایک طرف کو ہٹ گیا۔ وہ جانتا تھا کہ کرن اس کے حق میں فیصلہ دے گی جو اس سے بے پناہ محبت کرتی تھی۔

"ہاں، ہاں میری بچی بولو کیا کہنا چاہتی ہو۔" کلثوم نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا۔

"خالہ، خالہ آپ، آپ۔" اس کی زبان اس کا ساتھ نہیں دے پا رہی تھی۔

"اماں کرن یہ ہی کہنا چاہتی ہے کہ وہ مجھے نہیں چھوڑ سکتی۔" ارسلان نے مضبوط لہجے سے بات کرتے کرتے اس کا ہاتھ تھاما۔

"ارسلان یہ سچ ہے کہ میں نے تم سے ہی محبت کی ہے مگر اس سے کہیں زیادہ میں نے ڈاکٹر سعد کو اپنی دعاؤں میں مانگا ہے اور اللہ تعالیٰ نے میری دعا قبول کرلی ہے۔"

"کیا؟" ارسلان کے منہ سے بے ساختہ نکلا وہ ہکا بکا کرن کو دیکھتا رہ گیا۔

کلثوم نے کرن کا ماتھا چوما اور اسے بے شمار دعاؤں کے ساتھ سعد کی گاڑی میں بٹھادیا۔

گاڑی اسٹارٹ ہوئی اور آہستہ آہستہ چلنے لگی۔

"اماں آپ نے میرے خوابوں کا نہیں سوچا آپ نے میرے سارے خواب توڑ دیے آپ کیسی ماں ہیں۔" ارسلان کلثوم کی طرف لپکا اور چیخنے لگا۔

کلثوم روتے ہوئے بولیں۔

"میں نے تمہارے خواب توڑے ہیں تو تم کتنی اذیت میں ہو اس لڑکی کا سوچا جس کی آنکھیں تم نے جلادیں اور مزید اس کو اپنی خواہش میں جلانا چاہتے ہو۔ اسے دعائیں دو تاکہ وہ پھر سے خواب دیکھنے کی جرات کرسکے۔" کلثوم نے آنسو پونچھے اور گھر میں داخل ہو گئیں انہیں یوں لگا جیسے سکینہ نے ان کا ہاتھ تھاما ہوا ہو اور وہ ان کے فیصلے پر خوش ہیں۔ ارسلان کی نظروں سے گاڑی اوجھل ہو گئی مگر وہ گھر کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے کافی دیر تک کھڑا رہا اسے میشا کے فون نے چونکایا۔

"ہیلو میشا وہ کرن...." وہ بری طرح سے بوکھلا سا گیا تھا جس کی وجہ سے وہ بات نہیں کرپا رہا تھا۔

"کیا ہوا؟ تم نے نکاح کرلیا۔" اس نے فوراً پوچھا۔

"نہیں میشا اماں کو میری ساری بات کا علم ہوگیا اور انہوں نے سعد کے ساتھ کرن کو رخصت کردیا۔"

"کیا؟ کیا کہہ رہے ہو؟" وہ چیخی۔

"میشا میں نہیں جانتا کہ یہ کیسے ہوگیا۔"

"اوہ مائی گاڈ مجھے یقین ہے کہ میں کرن سے ہار جاؤں گی ہار جاؤں گی کرن جیت جائے گی تم نے مجھے ہرا دیا مائی فٹ، آئندہ کبھی مجھے اپنی شکل مت دکھانا۔" اس نے غصے سے سیل فون پٹخ دیا اور بری طرح سے اپنے ہونٹ کچلنے لگی جس کی ساری سازش کو اللہ تعالیٰ نے الٹ دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"آپ نے ہمیشہ مجھے دعاؤں میں مانگا مگر آپ نے کبھی مجھے یہ احساس کیوں نہیں دلایا کہ آپ مجھے پسند کرنے لگی ہیں۔" گاڑی چلاتے چلاتے سعد نے پیار سے کہا وہ کرن کو ریلیکس کرنا چاہ رہا تھا جس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

"جی وہ وہ...." اس کے منہ سے لفظ نہیں نکل رہے تھے۔

"جس طرح آپ دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ سے مجھے مانگ رہی تھیں میرے دل کا بھی یہ حال تھا آپ کے گھر جانے کے بعد میں نے آپ کو بہت یاد کیا۔" سعد نے اپنی کیفیت سے آگاہ کیا۔

وہ خاموش رہی البتہ اب وہ رو نہیں رہی تھی۔

"آپ نے مجھ پر احسان کردیا جو آپ میری زندگی میں آگئیں۔" سعد نے پیار سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"سعد آپ، آپ یہ رشتہ مجھ سے ہمدردی کے لیے...." اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"میں آپ کو کسی بات کے لیے مطمئن نہیں کرنا چاہتا۔ بس اتنا کہہ سکتا ہوں کہ وقت کے ساتھ ساتھ آپ کو اس رشتے کی حقیقت کا اندازہ ہو جائے گا محبت میں نے بھی کی تھی اور آپ نے بھی مگر شاید وہ محبت ہمارے قابل نہیں تھی یا پھر ہم اس محبت کے قابل نہیں تھے میں گاڑی مسجد کی طرف لے کر جا رہا ہوں دادی جان نے حکم دیا تھا کہ میں نکاح خوان کو ساتھ ہی گھر لاؤں وہ ہماری راہ دیکھ رہی ہوں گی۔" سعد نے پیار سے بتایا جب اسے مسجد نظر آنے لگی اس نے اپنا دوپٹہ سر پر اوڑھا اور اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا۔

جس نے اس لڑکی کے لیے سعد کے دل میں محبت بھر دی تھی اور پھر سے اس کی خواب جلی آنکھوں کے نام اک خواب کردیا تھا اس نے اپنی آنکھیں موند لیں بند آنکھوں سے آنسو گرے جب اسے ارسلان کا خیال آیا۔ یک دم اس کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

"ارسلان میں نے پھر تم پر احسان کردیا جو اک کمزور لڑکی کا بوجھ تمہاری زندگی تمہاری خوشیوں تمہارے ارمانوں پر نہیں ڈالا میں جانتی تھی کہ تم یہ بوجھ برداشت نہیں کرسکو گے امید ہے وقت کے ساتھ تم میری آخری مہربانی کو سمجھ جاؤ گے جیسے کہ میری بے شمار مہربانیاں جب تمہیں یاد آئیں گی۔"

اس نے سعد کا ہاتھ تھام لیا سعد نے بھی اس کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا اور وہ دونوں مطمئن ہو کر ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرادیے۔

اپنی نئی زندگی کے لیے! جہاں خوشیاں ان کی منتظر تھیں۔

☼ ☼

فرح نعیم

گزارا

"اچھا امی میں عظمیٰ کے گھر جا رہی ہوں۔"
بسمہ نے آواز لگائی اور اپنے بیگ میں جلدی جلدی سوئی' دھاگے اور فریم وغیرہ رکھنے لگی۔ وہ روزانہ اسی وقت برابر میں اپنی سہیلی عظمیٰ کی امی کے پاس کڑھائی کے ٹانکے سیکھنے جاتی تھی۔ وہ انٹر کے پرچے دے کر آج کل فارغ تھی چنانچہ اس نے اپنی مصروفیت کے لیے سلائی کڑھائی سیکھنا شروع کر دی تھی۔ اس کی اس مصروفیت سے امی بھی خوش تھیں کیونکہ آج کل درزیوں کی سلائی کے پیسے آسمان سے باتیں کر رہے ہیں۔

وہ جب عظمیٰ کے گھر پہنچی تو اس کی امی کے پاس کوئی خاتون بیٹھی باتیں کر رہی تھیں بسمہ ٹھٹکی تو انہوں نے اسے وہیں بلا لیا۔

"ارے آجاؤ بسمہ یہیں آجاؤ' یہ میری بہن ہیں میری خالہ کی بیٹی۔ ساتھ ہی ہمارے گھر تھے' ساتھ کھیلتے' ایک ساتھ اسکول جاتے' ہک ہا کیا وقت تھا۔" وہ پچھلا وقت یاد کرنے لگیں' کیسی ہی سہانی گھڑیاں' بے فکری کے لمحے ان کی نظروں میں گھوم گئے تھے اس سمے۔

"السلام علیکم" بسمہ نے ان کو سلام کیا تو وہ ایک دم واپس حال میں آگئیں۔

"شائستہ یہ بسمہ ہے' اپنی عظمیٰ کی سہیلی" انہوں نے تعارف کرایا۔ "ہاں بیٹی بتا لائیں تم' جو میں نے کل سکھایا تھا۔" وہ بسمہ سے پوچھ رہی تھیں۔

"جی آنٹی" بسمہ نے یہ کہتے ہوئے اپنے بیگ سے وہ کشن کے غلاف نکال کر دکھائے جن کو اس نے کاڑھا تھا۔

"ہاں بہت اچھا بنایا ہے کوشش کرو کہ اور صفائی سے بناؤ۔" انہوں نے تعریف کے ساتھ ہدایت بھی دی اور اسے ایک ٹانکا اور سکھا کر بنانے کے لیے کہا۔ وہیں ذرا فاصلے پر بیٹھ کر کاڑھنے لگی۔ وہ دونوں پھر باتیں شروع کر چکی تھیں۔ بسمہ اگرچہ اپنے کام میں مصروف تھی لیکن قریب بیٹھنے کی وجہ سے ان کی گفتگو بھی اس کے کانوں میں پڑ رہی تھی۔

"بس کیا بتاؤں اب تو ایسا لگتا ہے کہ میری ہمت جواب دے چکی ہے۔ بچے بڑے ہو رہے ہیں لیکن اس آدمی نے آج بھی مجھے ویسے ہی تنگ کیا ہوا ہے جیسا آج سے سترہ سال پہلے کیا ہوا تھا۔ مجال ہے جو ذرا اس کے رویے میں لچک' لہجے میں فرق آیا ہو۔ بچوں کا بھی تو خیال نہیں۔" وہ آبدیدہ ہو رہی تھیں۔

"صبر کرو شائستہ صبر" عظمیٰ کی امی بولیں۔

"آخر نجمہ میں کب تک صبر کروں' کبھی نہ کبھی تو میرے بھی صبر کا پیمانہ چھلک ہی جائے گا بس بہت ہو گیا۔"

"کیا ہو گیا آج تم کو' کیسی باتیں کر رہی ہو' اتنی مایوسی اچھی نہیں' آج سے پہلے تو تم نے کبھی ایسی باتیں نہ کیں" عظمیٰ کی امی حیران تھیں۔

"ہاں پر آج کر رہی ہوں' آخر اپنے دل کے زخم کس کو دکھاؤں' نہ ماں نہ باپ' بہن بھائی بھی سب اپنے گھروں کے ایک تم ہی ہو جس سے میں آکر دکھ سکھ کر لیتی ہوں" وہ بہت مایوس تھیں۔

"اچھا اچھا چلو بس' اب آخر گزارا تو کرنا ہی ہے نا" عظمیٰ کی امی نے تسلی دی۔

"ہاں گزارا' وہی تو کر رہی ہوں' آخر بچوں کو لے کر کس کے در پر جاؤں گی جہاں اتنی گزار لی وہاں باقی بھی گزر جائے گی اب راحت بھی اگلے سال میٹرک کر لے گی چھوٹی والی بھی..." شائستہ خالہ کا لہجہ بھیگا ہوا تھا۔

"بسمہ" عظمیٰ نے اندر سے آواز لگائی تو عظمیٰ کی امی کو بھی اس کا خیال آیا۔

"ہاں بیٹی تم عظمیٰ کے پاس جاؤ' یہاں بیٹھی بور ہو جاؤ گی وہیں جا کر اسے مکمل کر لو جو سمجھ نہ آئے وہ پوچھ لینا۔" انہوں نے بسمہ سے کہا تو وہ جلدی سے اپنی چیزیں سمیٹ کر اندر عظمیٰ کے پاس آگئی پھر کام کے ساتھ ساتھ دونوں باتیں بھی کرنے لگیں' تبھی اچانک بسمہ کو اس کی شائستہ خالہ کی بات یاد آئی۔

"یہ تمہاری شائستہ خالہ آئی ہوئی ہیں کیسی ہیں؟"

"ہاں بہت اچھی ہیں ان کی دونوں بیٹیوں سے

میری بڑی اچھی دوستی ہے۔" عظمیٰ بولی۔
"اور یہ رہتی کہاں ہیں؟" بسمہ کو ان کے بارے میں جاننے کی خواہش ہو رہی تھی۔
"یہاں سے تو دور ہی ہیں' ناظم آباد کی طرف رہتی ہیں اصل میں امی سے بڑی دوستی ہے' کبھی کبھی آ ہی جاتی ہیں۔" عظمیٰ بتا رہی تھی۔
"اور تمہارے خالو!" اب وہ اپنے اصل سوال کی طرف آئی۔
"بس ان کی تو نہ پوچھو بے چاری بڑی دکھی ہیں خالو مزاج کے بڑے تیز ہیں بس گاڑی چل رہی ہے۔" عظمیٰ نے اپنے کندھے اچکائے۔
"تو ایسی گاڑی چلنے کا کیا فائدہ" بسمہ بے ساختہ بولی۔
"ہائیں کیا مطلب"
"میرا مطلب ہے کہ۔۔۔ اچھا چلو چھوڑو" وہ کہتے ایک دم رک گئی۔
"نہیں نہیں تم کیا کہہ رہی ہو" عظمیٰ اصرار کرنے لگی۔
"پھر سہی ابھی تو مجھے بہت دیر ہو گئی ہے کل آؤں گی۔" اس نے عظمیٰ کو ٹالا اور اپنی چیزیں سمیٹ کر بیگ میں ڈالیں اور سلام کرتے ہوئے گھر آ گئی۔
گھر آ کر بھی اگرچہ وہ اپنے کاموں میں لگ گئی تھی لیکن اس کا ذہن شائستہ خالہ کی طرف ہی تھا۔ اسے رہ رہ کر یہی خیال آ رہا تھا کہ وہ کیسی کربناک زندگی گزار رہی ہیں اور پچھلے سترہ سالوں سے گزار رہی ہیں آخر کیوں رہ رہی ہیں ایک ناپسندیدہ شخص کے ساتھ' چھوڑ کیوں نہیں دیتیں اسے۔ اپنے بچوں کے ساتھ رہیں الگ' اگر معاشی مسئلہ ہو تو' کوئی ملازمت وغیرہ ڈھونڈ لیں۔ عورتوں کو تو ویسے بھی جاب مل ہی جاتی ہے۔ وہ کیوں گزارا کر رہی ہیں' آخر کیوں' اس کا ذہن اس لفظ "گزارے" میں ہی الجھا ہوا تھا کیوں کہ اسے ابھی زندگی کی تلخیوں سے نہ تو آگاہی ہوئی تھی اور نہ ہی واسطہ پڑا تھا اور پھر کتنے ہی دن وہ اسی طرح الجھی رہی۔ "کیا آج کی عورت اتنی بے بس ہے؟" وہ اپنے آپ سے سوال کرتی اور پھر خود ہی نفی کرتی نہیں عورت بے بس نہیں ہے۔
اور پھر کچھ عرصہ میں ہی اس کی نئی کلاسیں شروع ہو گئیں اس نے کالج جانا شروع کر دیا اور اپنی پڑھائی میں مگن ہو گئی تھی۔ اسی دوران کالج میں ہفتہ طالبات منایا جا رہا تھا جس میں طالبات کی دلچسپی کی سرگرمیاں رکھی گئی تھیں ڈرامہ' مقابلہ موسیقی' مینا بازار' ثقافتی رقص' کوئز پروگرام' تقریری مقابلے اور نعت گوئی وغیرہ۔ طالبات اپنی دلچسپی کو مدنظر رکھتے ہوئے مقابلوں میں حصہ لے رہی تھیں اور اپنے نام لکھوا رہی تھیں۔ وہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ نوٹس بورڈ پر سارا پروگرام پڑھ رہی تھی کہ تبھی اس کی نظر ایک جگہ جم کر رہ گئی کئی مہینے پہلے والی بات اس کی نگاہوں میں گھوم گئی۔ تقریری مقابلے میں جو عنوانات دیے گئے تھے ان میں سے ایک عنوان تھا "عورت مجبور اور بے بس ہے یا نہیں" اس کی موافقت اور مخالفت میں دعوت اظہار دی گئی تھی اور وہ جو کئی دن اس پر الجھی رہی تھی ایک دم ٹھٹک گئی۔ وہ ساری باتیں ایک دفعہ پھر اس کے ذہن میں گھوم گئیں اور پھر اس نے تقریری مقابلے میں اپنا نام لکھوا دیا۔ دن رات ایک کر کے اس کی مخالفت میں دلائل تیار کیے مختلف کتابیں اور انٹرنیٹ کے ذریعے اس نے اپنے حساب سے تو ایک شاندار تقریر تیار کی اور پھر شیشے کے سامنے کھڑے ہو کر خوب مشق کی اور آخر وہ دن بھی آ ہی گیا جب اس نے حاضرین' طالبات اور اپنے اساتذہ کے سامنے خوب جم کر اپنی تقریر کی' ایسے ایسے دلائل دیے کہ سب کو لاجواب کر دیا اور پھر اس کا نتیجہ وہ شیلڈ تھی جو اسے اس مقابلے میں دوئم آنے پر ملی۔ وہ بہت خوش تھی مہمان خصوصی اور اس کی پرنسپل نے بھی اس کی خوب تعریف کی اور حوصلہ افزائی کی اور پھر کالج کے یہ حسین دن بھی پر لگا کر گزر گئے۔
اس نے اپنا گریجویشن مکمل کیا تو امی نے اسے گھر بٹھا لیا اس نے آگے پڑھنے کی ضد کی لیکن انہی دنوں بسمہ کا ایک اچھا رشتہ آیا اور امی نے جھٹ منگنی کر ڈالی۔ شادی کے لیے صرف چار ماہ دیے گئے جس میں تیاریاں کرنی تھیں امی اور بہن کے ساتھ وہ بھی تیاریوں میں لگ گئی۔ آئندہ زندگی کے حسین لمحے اس کی پلکوں پر سج گئے اور وہ مستقبل کے انہی سپنوں میں کھو کر اپنے لیے بڑھ چڑھ کر تیاری میں لگ گئی۔ اس کا جوش و خروش دیکھ کر امی بھی مطمئن ہو گئیں اور پھر بازاروں کے چکر' جیولرز' فرنیچر کی پسند ناپسند اور درزیوں کے پھیروں میں پتا ہی نہ چلا کہ کب چار مہینے گزر گئے لیکن پھر آہستہ آہستہ جب وہ عملی زندگی میں داخل ہوئی اور حسن بھی ایک شوہر کے روپ میں ظاہر ہوئے تو اس پر یہ عقدہ کھلا کہ حسن وہ نہیں جو بظاہر نظر آتے تھے۔ پرت در پرت شخصیت سے نقاب اتر رہے تھے اس کے سپنوں کا وہ حسین تاج محل چپکے چپکے زمین بوس ہو رہا تھا۔ حسن کا اصل روپ تو اب ظاہر ہو رہا تھا وہ مجموعی طور پر انتہائی غصیلے شخص تھے چھوٹی چھوٹی بات کو لے کر وہ گھر میں طوفان بپا کر دیتے تھے صحیح معنوں میں رائی کا پہاڑ بننا وہ اب سمجھ اور دیکھ رہی تھی۔ غصہ میں۔۔۔ وہ موقع دیکھتے اور نہ محل' جو منہ میں آتا کہہ دینے میں تامل نہ کرتے۔ کبھی تو وہ برداشت کرتی اور کبھی اس کی برداشت جواب دے جاتی تو پھر وہ بھی کہہ ڈالتی جس سے مزید ہنگامہ ہوتا وقت اسی طرح گزر رہا تھا۔ آئمہ اور عبید نے ان کی فیملی مکمل کر دی تھی۔ لیکن نہ بدلا تو حسن کا مزاج' وہ بچوں کے ساتھ بھی سخت رویہ ہی رکھتے' بچے ڈرے سہمے رہتے لیکن ان کو پروا نہ تھی اور اب تو دونوں بچے بڑی کلاسوں میں آ گئے تھے۔
آج پھر ایک چھوٹی سی بات پر حسن نے بڑا فساد کھڑا کیا تھا۔ وہ اپنی صفائی پیش کرتی رہ گئی لیکن وہ کچھ سننے سمجھنے کے لیے تیار نہ تھے اور صاف صاف اسے میکے جانے کا کہہ کر وہ گھر سے چلے گئے تھے تب وہ بھی غصہ میں دیوانی ہو گئی اس نے بھی اپنے اور بچوں کے کپڑے بیگ میں ڈالے اور میکے آ گئی وہاں اس نے کچھ ظاہر نہ ہونے دیا۔ امی' ابو جی' بھائی بھابیوں سب کو یہی کہا کہ بہت عرصہ گزر گیا تھا وہ رہنے نہیں آئی تھی آج کل چھٹیاں ہیں اس لیے آرام کرنے آئی ہے۔ حسن کی بابت یہی کہا کہ وہ آفس کے کام سے شہر سے باہر گئے ہیں لہٰذا کوئی مسئلہ نہ تھا۔ لیکن تیسرے دن ہی اس نے بھائی اور بھابیوں کے تیور بدلتے محسوس کیے تھے۔
"ارے بھئی بچوں تم کو گھر یاد نہیں آ رہا" بڑی بھابھی نے ہنس کر آئمہ سے کہا اور آئمہ ماں کو دیکھ کر رہ گئی۔
اسی دن شام کو جب بڑے بھائی' بھابھی سے قیمہ کی فرمائش کر رہے تھے تو بھابھی نے جھٹ بسمہ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ "قیمہ تو بسمہ بناتی ہے کہ انگلیاں چاٹتے رہ جاؤ آج تو ہم بسمہ کے ہاتھ کا پکا کھائیں گے"
چھوٹے بھائی نے دبے لفظوں میں کہا بھی کہ بسمہ تو مہمان ہے پر چھوٹی بھابھی بھی فوراً" بولیں ارے مہمان تو صرف دو دن کا ہوتا ہے تیسرے دن تو۔۔۔"
اور سب ہنس پڑے' بسمہ پہلو بدل کر رہ گئی۔ پھر اگلے دو دن اس نے بڑی مشکل سے گزارے۔

"حسن کا فون نہیں آتا؟" صبح شام یہ سوال ہوتا۔
"فون کے بغیر رہ سکتے ہیں وہ، روز تو میرے موبائل پر آتا ہے" جھوٹ اسے بولنا پڑتا۔
امی ابو جی اگرچہ کچھ اندازے لگا رہے تھے لیکن اس نے بات بنادی اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ امی، ابو بھی بھائیوں اور بھابھیوں کے آگے کچھ نہیں بول پاتے اور خاموشی ہی میں اپنی عافیت سمجھتے ہیں۔
"صرف پانچ دن، تم ابھی تو پانچ دن گزرے ہیں اور ان لوگوں کا رویہ وہ نہیں ہے اگر تو میں ......" اور اس سے زیادہ سوچنا بھی بسمہ کو محال لگ رہا تھا تب اس نے بیگ نکالا اور خاموشی اور دلگرفتگی سے اس میں کپڑے وغیرہ رکھنے لگی امی نے اسے دیکھا تو حیرانی سے پوچھا۔
"کیا جا رہی ہو؟"
"جی امی۔"
"حسن آ گئے؟"
"ان کا فون آیا تھا کہ تم گھر پہنچو میں بھی آج رات تک آجاؤں گا" بسمہ نے ایک اور جھوٹ گھڑا۔
"ارے تو یہیں بلا لو اب کیا گھر جا کر کرو گی، کھانا وغیرہ کھا کر چلے جانا۔"
"نہیں بس اب تو میرا بھی دل گھبرا رہا ہے اور بچے الگ گھر جانے کو بے چین ہیں" اس نے زور سے کہا تاکہ لاؤنج میں بیٹھی بھابیاں بھی سن لیں کیونکہ کل شام کو ہی اس نے ان دونوں کی گفتگو اتفاقاً سن لی تھی جو اس کے متعلق تھی دونوں ہی اس کے اتنے دن رہنے سے بےزار ہو رہی تھیں۔
وہ بچوں کے ساتھ گھر میں داخل ہوئی سامنے ہی حسن لاؤنج میں بیٹھے ٹی وی دیکھ رہے تھے۔ ایک حقارت بھری نظر اس پر ڈال کر پھر ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گئے وہ تیزی سے کمرے میں چلی گئی۔
"بہت جلدی دل بھر گیا تمہارے ماں باپ کا تم سے تمہاری روٹی بھاری لگ رہی ہو گی نا"
وہ طعنہ دینے سے باز نہ آئے۔
بسمہ خون کے گھونٹ بھر کر رہ گئی۔ دل تو چاہ رہا تھا کہ کچھ کہے لیکن دماغ نے سرزنش کی وہ اسی طرح طعنہ دے کر اور اسے رات کے کھانے کی ہدایت دے کر چلے گئے تب وہ بیگ خالی کرنے لگی اور پھر کچن میں گھس گئی۔ بچے اب لاؤنج میں بیٹھے ٹی وی دیکھ رہے تھے اس نے ان کے مطمئن چہرے دیکھے نانا کے گھر کیسے رہ رہے تھے اور اپنے گھر آ کر کیسا اطمینان ان کے چہروں پر چھا گیا تھا کچھ بھی تھا اپنا گھر اپنا ہی ہوتا ہے اور حسن کیسے بھی تھے، تھے تو ان کے باپ۔
اگلے دن بھی حسن نے اسے کئی طعنہ تشنوں سے نوازا اور اس کے میکے سے یوں آجانے پر کتنے ہی طنز کے تیر تاک تاک کر برسائے وہ آنسو پیتی سہتی رہی۔ ان کے دفتر جانے کے بعد وہ گھر کی صفائی میں لگی تھی جبھی الماری سے کچھ نکالتے ہوئے اچانک اس کے ہاتھوں میں کئی سال پہلے کی وہ تصویر، سرٹیفکیٹ اور شیلڈ آئی جو اسے تقریری مقابلے میں ملی تھی کیسے بلند و بانگ دعوے تھے اس کے کہ عورت بے بس نہیں، آج کی عورت تو بڑی بہادر اور مضبوط ہے۔"
"نہیں ہے عورت بہادر، نہیں ہے مضبوط، وہ آج بھی کمزور اور بزدل ہے وہ بہت مجبور ہے۔" وہ کہتے کہتے زار زار رونے لگی۔
"کیوں گزارا کر رہی ہیں وہ ایک ناپسندیدہ شخص کے ساتھ۔" کئی سال پہلے کے اس کے اپنے الفاظ اس کے کانوں میں گونج رہے تھے۔ "گزارا، ہاں گزارا ہی تو کرنا ہے۔ عظمیٰ کی خالہ کا تو میکا بھی نہیں تھا لیکن اس کے تو والدین حیات ہونے اور بھائیوں کی موجودگی، اس معاشرے میں مضبوط پوزیشن ہونے کے باوجود اسے حسن کے ساتھ گزارا ہی تو کرنا ہے۔ ایک گھر کی خاطر، اپنے بچوں کی خاطر، صحیح کہتے ہیں وقت سب سے بڑا استاد ہوتا ہے وقت اور حالات نے اسے بڑا اچھا سبق پڑھا دیا تھا۔

☆ ☆

ناولٹ

گھر سے گھر تک

عائشہ نصیر

"صنم! تمہارے اس خرم کا کیا بنا۔ جب سے تمہیں شہریار ملا ہے اس بے چارے کا تو تم نام تک نہیں لیتیں ہری جھنڈی دکھادی کیا اسے بھی؟" عروج موبائل اسکرین پر نظریں گاڑے میسجز پڑھنے میں مگن تھی جب اس کے کانوں میں فریال کی آواز پڑی۔

"چھوڑو یار!" صنم کے لہجے میں بے زاری تھی۔

"ایک ٹیپکل مڈل کلاس مرد تھا وہ فرینڈ سے زیادہ فیانسی بننے کی کوشش کرتا تھا' یہ مت کرو' وہاں مت جاؤ' یہ نہ پہنو' اس سے نہ ملو میں بھلا یہ سب کب تک برداشت کرتی۔" ایک ادا سے اپنے خوب صورت شولڈر کٹ بالوں کو جھٹکتی وہ بے نیازی سے بولی تھی۔

"ویسے ہینڈسم تو کافی تھا۔" نادیہ نے چیونگم چباتے ہوئے رائے دی۔

"اگر تمہیں نہیں چاہیے تو ایسا کرو' میرا معاملہ اس کے ساتھ سیٹ کروادو۔"

"نادیہ!" عروج نے ملامت کرنے والی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ اتنا عرصہ انہیں جاننے سمجھنے کے بعد اب بھی ان کی کوئی نہ کوئی بات اسے اس طرح حیران و پریشان کردیا کرتی تھی۔

"تم مجھے بتاؤ گی صنم یہ شہریار کون ہے؟" اپنا موبائل پرس میں رکھ کر وہ بھی ان کی گفتگو میں شامل ہوگئی۔ خرم کے بارے میں تو وہ اکثر صنم سے سنتی ہی رہتی تھی مگر شہریار نام اس کے لیے نیا تھا۔

"شہریار اس کی زندگی کا وہ ہیرو ہے جس نے اس کی جان بچائی ہے بالکل فلمی انداز میں۔" فریال نے ہنستے ہوئے بتایا۔

"کیا مطلب ...؟" اس نے وضاحت طلب نظروں سے صنم کو دیکھا۔

"مطلب یہ کہ پچھلے دنوں جو شہر میں ہنگامے ہو رہے تھے اسی دن میں اپنی آنٹی کے گھر گئی تھی۔" صنم نے بتانا شروع کیا۔

"مجھے تو پتا ہی نہیں تھا کہ حالات اتنے خراب ہیں۔ وہ تو جب میں وہاں سے نکلی تب مجھے پتا چلا میرے تو ہاتھوں اور پیروں سے جان ہی نکل گئی تھی۔ جگہ جگہ گاڑیوں کو جلتے دیکھ کر' ہاتھوں میں پستول لیے شرپسند افراد اور فائرنگ کی تڑتڑاہٹ' مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی۔ میں اپنی گاڑی کس سمت موڑوں اگر ایسے میں شہریار نہ آتا تو میں تو مرہی گئی ہوتی۔ اس نے پھر میری مدد کی اور مجھے گھر تک پہنچایا۔"

"اور تم نے شکریے کے طور پر اس سے دوستی کرلی۔" عروج نے نتیجہ اخذ کیا۔

"نہیں خیر اب یہ بات بھی نہیں۔" صنم نے نفی میں سرہلایا۔

"دراصل اس کی پرسنالٹی اتنی اٹریکٹو ہے کہ بندہ اسے دیکھتے ہی اس کی طرف کھنچنے لگتا ہے۔"

"بندہ نہیں بندی۔" نادیہ نے تصحیح کی۔

"بائی دا وے خرم کے بارے میں بھی تمہارا یہی بیان تھا۔"

"تو شادی کروگی اس سے؟" عروج اس کا جواب جانتی تھی پھر بھی پوچھ لیا۔

"شادی ... ٹھیک تو ہو تم؟" صنم نے اسے یوں دیکھا جیسے اس کی دماغی حالت پر شبہ ہو۔

"میرے فیوچر پلانز میں دور دور تک شادی کا نام و نشان تک نہیں۔ وہ بھی شہریار جیسے بندے سے دیکھنے میں وہ بھلے ہی ٹھیک ٹھاک لگتا ہو' حرکتیں اس کی کافی مشکوک ہیں۔"

"اسے جس کسی کو گیٹ آؤٹ کہنا ہو یہ اس کے بارے میں پہلے سے ہی ایسی بکواس کرنا شروع کردیتی ہے۔" فریال نے صنم کو گھورتے ہوئے کہا تھا۔ وہ ہنسنے لگی۔

"نہیں بھئی اب میں اسے اتنی جلدی بھی گیٹ آؤٹ نہیں کہوں گی۔"

"پتا نہیں ..... تم کو ملتا کیا ہے یہ سب کر کے کبھی کسی ایک کے ساتھ تو سیریس ہو جاؤ۔" بے زاری سے کہتے ہوئے اس نے نادیہ کے ہاتھ سے وہ چیونگم چھینا' جس کا وہ ریپر کھولنے جارہی تھی۔ اس کے گھورنے پر بولی۔

"ایک تمہارے منہ میں آل ریڈی موجود ہے۔"

"میں وہ چھینکنے والی تھی۔" نادیہ نے احتجاج کیا۔

"اچھا اب لڑنا بند کرو سر قاسم کی کلاس شروع ہونے والی ہے اور جانتی ہو نا کتنا غصہ ہوتے ہیں وہ کلاس میں کسی کا منہ چلتے دیکھ کر۔" فریال نے انہیں یاد دلایا تو عروج نے بے اختیار منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔

"او ہاں میں تو بھول ہی گئی تھی۔"

"اور تم لوگ شاید یہ بھی بھول رہی ہو کہ نادیہ نے آج اپنی برتھ ڈے سیلبریٹ کرنے کے لیے ہمیں کسی اچھے سے ریسٹورنٹ میں لنچ کرانے کا وعدہ بھی کیا ہے۔" اپنے سیل فون کے ساتھ مصروف صنم کو بروقت یاد آیا تھا۔

"میں نہیں جاپاؤں گی۔" عروج کو یاد تھا مگر وہ قصداً" یہ بات چھیڑنے سے گریز کررہی تھی اب صنم نے کہا تو اسے منہ کھولنا ہی پڑا۔

"کیوں مسئلہ کیا ہے؟" نادیہ نے کڑے لہجے میں دریافت کیا تھا۔ وہ کچھ زیادہ ہی جوشیلی تھی۔

"میں نے گھر والوں سے پوچھا نہیں ہے۔ اگر میں پوچھتی وہ تب بھی اجازت نہ دیتے جانے دو نادیہ مجھے بے کار اپنی شامت نہیں بلوانی۔" اس نے کافی تلخ انداز میں اپنی مجبوری بیان کی تھی۔

"تو گھر والوں کو بتانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ ہم جو کچھ کرتے ہیں کیا اپنے گھر والوں سے پوچھ کر کرتے ہیں۔ تم ہمارے ساتھ ضرور چلوگی۔ اگر دیر سویر ہو بھی گئی تو بہانہ بنادینا کوئی۔" نادیہ کا لہجہ قطعی تھا۔

"ایسا میں کون سا بہانہ بناؤں گی بھلا اور سچ تو یہ ہے مجھ سے جھوٹ بولا بھی نہیں جاتا۔"

"اچھا کہہ دینا ٹریفک جام میں پھنس گئی تھیں۔ بڑا پرانا اور آزمودہ ہے یہ بہانا کون سا تمہیں لینے کے لیے گھر سے گاڑی آئی ہے۔ انہیں یقین کرنا ہی پڑے گا۔ اب اتنا سا جھوٹ تو تم بول ہی لوگی نا۔" نادیہ نے مشورہ دینے کے بعد اس سے پوچھا تھا۔ وہ تذبذب میں پڑ گئی۔

"بس کرو۔ اب اتنا سوچو مت۔ ویسے بھی ہم ابھی نکل رہے ہیں تو جلدی واپسی ہو جائے گی۔" نادیہ نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے ٹائم کا اندازہ لگایا تھا اس نے با دل ناخواستہ اثبات میں سرہلادیا۔

"عروج کے گھر والے بہت بیک ورڈ ہیں شاید تبھی اس کے مزاج میں کچھ دقیانوسیت آگئی ہے۔" فریال نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اس دن میرا کزن روحیل مجھ سے اس کا نمبر مانگ رہا تھا۔ میں نے تو صاف منع کردیا کہ بھئی مجھے مرنا نہیں ہے عروج کے ہاتھوں۔"

"کزن کون سا کزن!" صنم نے حیرت سے پوچھا تھا۔

"وہی جو اس دن مجھے لینے آیا تھا۔" فریال نے بتایا۔

"اچھا..... وہی جس کے بال بہت لمبے تھے۔" نادیہ کو بھی فوراً" یاد آگیا۔ اس دن انہوں نے کافی تبصرے کیے تھے فریال کے کزن پر۔

"ویسے فریال تم نے اس سے پوچھا نہیں اس کے لمبے بالوں کا راز' ہمارا بھی کچھ بھلا ہو جاتا۔"

"اب اتنے بھی لمبے نہیں تھے۔ تم نے تو حد ہی کردی۔" فریال برا مان گئی۔

"فریال اچھا ہوا تم نے اسے میرا نمبر نہیں دیا۔ میری منگنی ہو چکی ہے اور میں ان فضولیات میں پڑنے کی متحمل نہیں ہو سکتی۔" وہ سنجیدگی سے اس سے مخاطب ہوئی تھی۔

"تو کیا ہوا!" نادیہ لاپروائی سے ببل بناتے ہوئے بولی "وہ تم سے دوستی کرنا چاہتا ہے منگنی یا شادی تو نہیں کرنا چاہتا۔ کرلو نا اس بے چارے سے دوستی تمہیں کیا فرق پڑے گا۔" اس کی اس بات پر عروج آنکھیں پھاڑے اسے دیکھنے لگی۔ صنم اور فریال کے چہروں پر بے اختیار مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔ انہیں تو پتا تھا نادیہ کی عادت کا مگر عروج کا پارہ چڑھنے میں دیر نہیں لگی۔

"تمہارا دماغ ٹھیک ہے نادیہ یا پھر بالکل ہی پاگل ہو گئی ہو تم اپنی شادی کے بعد بھی دس مردوں سے دوستی رکھو تمہیں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ لیکن میں ایسا

کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔" اسے واقعی بہت غصہ آیا تھا نادیہ کی اس فضول گوئی پر وہ ہنسنے لگی تھی۔

"تم بھی نا عروج وہ تمہیں چڑانے کی کوشش کرتی ہے اور تم بنا سوچے سمجھے شروع ہو جاتی ہو۔" فریال نے اسے گھر کا تھا اس نے ہاتھ میں پکڑی نوٹ بک نادیہ کو دے ماری۔

"آئندہ میرے سامنے ایسی بکواس مت کرنا۔"

"نہیں کروں گی اب اٹھو، چلنے کی تیاری کرو۔" نادیہ ہنستے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی تھی صنم اور فریال یہ سنتے ہی پھرتی سے بیگز کھول کر اپنا چہرہ چمکانے کی فکر میں لگ گئی تھیں۔ نادیہ میک اپ کی خاص شوقین نہیں تھی۔ اس لیے ایک آہ بھر کر انہیں دیکھنے لگی۔

"اب ایک گھنٹہ یہ یہیں لگائیں گی۔" عروج نے مسکراتے ہوئے چھوٹے سے مرر میں اپنا چہرہ دیکھا اور پھر مطمئن ہو کر اسے اپنے بیگ میں رکھ لیا۔ اسے میک اپ کی ضرورت نہیں تھی اور یہ بات وہ اچھی طرح جانتی تھی۔

☼ ☼ ☼
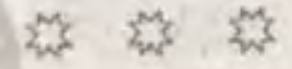
گئی تو تھی وہ نادیہ کی برتھ ڈے سیلبریٹ کرنے مگر اسے نہیں معلوم تھا کہ نادیہ کی اس خوشی میں شریک ہو کر وہ اپنے لیے ایک اور مصیبت مول لے گی۔ ندا اس کی پریشانی بھانپ گئی تھی اس لیے دوپہر میں جب وہ تپتی دھوپ میں برآمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھی اس نئی فکر میں گھل رہی تھی۔ اس نے آ کر پوچھا تھا۔

"کیا بات ہے یہ شکل پر بارہ کیوں بج رہے ہیں۔ اپنی من مانی کر کے بھی تمہیں چین نہیں ملا۔" استہزائیہ لہجے میں کہتے ہوئے وہ اس کے قریب ہی بیٹھ گئی۔ عروج امی ابو سے بات چھپاتی مگر ندا کو جب تک ایک ایک بات نہ بتا دیتی اسے چین نہیں آتا تھا۔

"اچھا کیا من مانی کی ہے میں نے؟" کچھ تپ کر پوچھتے ہوئے اس نے چہرے سے پسینہ پونچھا تو اس کی گلابی رنگت سرخ پڑ گئی۔

"ان مادر پدر آزاد لڑکیوں کے ساتھ ایک فائیو اسٹار ہوٹل کا وزٹ کر کے آ رہی ہو اور پھر بھی پوچھتی ہو کیا من مانی کی ہے تم نے۔" ندا کو اس کا سوال خاصا دلا گیا۔ مگر وہ اس سے زیادہ بھری بیٹھی تھی۔

"ہاں تو ہوٹل ہی گئی تھی نا کسی نائٹ کلب یا ڈسکو نہیں گئی تھی۔ اپنے اس کنویں سے باہر نکل کر دیکھو ذرا دنیا کہاں سے کہاں پہنچ گئی ہے۔"

"دنیا بھلے ہی چاند پر پہنچ جائے لیکن ہم زمین پر رہتے ہیں اور ہمیں یہیں کے لوگوں کو منہ دکھانا ہوتا ہے اور تمہیں تو امی نے ان لڑکیوں سے پہلی بار ملنے کے بعد ہی دوستی ختم کرنے کا کہا تھا اپنی فرینڈز کے ساتھ تم اس طرح لور لور پھرتی ہو تمہیں ڈر نہیں لگتا عروج اگر امی یا ابو میں سے کسی کو پتا چل گیا تو کیا ہو گا۔" پر تشویش لہجے میں کہتے ہوئے ندا نے اسے ڈرانا چاہا۔

"امی اور ابو کی ناراضی وقتی ہو گی ندا مجھے، مجھے زوہیب سے بہت ڈر لگتا ہے۔" اس کے کپکپاتے لبوں سے زوہیب کا نام سنتے ہی ندا نے بھرپور طریقے سے چونک کر اسے دیکھا۔

"کیا کہا تم نے زوہیب بھائی۔"

"ہاں۔۔۔ اس نے مجھے وہاں دیکھ لیا تھا۔" ناخن چباتے ہوئے اس نے اضطرابی لہجے میں اسے بتایا تو ندا اچھل پڑی۔

"اوہ میرے خدا۔" اس نے بے اختیار سر تھام لیا۔

"اور جس طرح وہ مجھے گھور رہا تھا نا۔۔۔ اف۔" عروج نے بے ساختہ جھرجھری لی۔

"مجھے لگا جیسے وہ مجھے کچا ہی چبا جائے گا۔ میں تمہیں کیا بتاؤں کیا تھا اس کی آنکھوں میں اتنا شدید غصہ۔" وہ روہانسی ہو گئی۔

"اس نے تم سے کوئی بات کی؟" ندا نے متفکر لہجے میں پوچھا۔

"نہیں۔۔۔ اس کے ساتھ دو تین لوگ اور بھی تھے۔ شاید دوست ہوں۔ پھر وہ تو چلا گیا لیکن میرے تو ہاتھ پیر ہی بے جان ہو گئے تھے۔ میں نے صرف بہانہ بنا اور گھر تک میں کیسے پہنچی ہوں یہ بھی صرف میں ہی جانتی ہوں۔"

"تمہاری فرینڈز ہنسی مذاق بھی کر رہی ہوں گی۔" ندا کا انداز پر یقین تھا۔

"ہاں تو وہ کر رہی تھیں نا۔۔۔ میں تو نہیں کر رہی تھی۔" عروج نے کمزور سے لہجے میں اپنا دفاع کیا۔ "میری تو اسے دیکھتے ہی زبان گنگ ہو گئی تھی۔"

"ایک پبلک پلیس پر بے باکانہ انداز لیے جب لڑکیوں کا کوئی گروپ ہنسی ٹھٹھول کرتا ہے تو لوگ اس کے بارے میں کیا سوچتے ہیں۔ مجھے اندازہ ہے کہ زوہیب بھائی کو غصہ کیوں آیا ہو گا تم ان کے ساتھ تھیں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ تم نے کچھ کہا یا نہیں۔ ان کے دوستوں میں سے اگر کوئی تمہیں ان کی منگیتر کی حیثیت سے پہچانتا ہو تو سوچو ذرا۔ زوہیب بھائی کو ان کے سامنے کتنی شرمندگی اٹھانی پڑی ہو گی۔" ندا سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر فکر و تشویش کے سائے گہرے ہو گئے۔

"اب کیا ہو گا ندا۔ وہ تو اتنا اکڑو اور غصہ ور ہے کہیں یہ منگنی ہی نہ توڑ دے۔" اسے تو یہ سوچ کر ہی کچھ ہونے لگا۔

"تو اچھا ہی ہو گا ویسے بھی ہر وقت تم بیزاری جتاتی رہتی ہو تو پھر فکر کا ہے کی۔" پریشانی سے سر تھامے بیٹھی ندا کو اس کے سوال پر مزید غصہ آیا۔

"ہاں۔۔۔ تو ہوں نا تنگ۔" اس کا لہجہ جھلایا ہوا تھا۔

"اچھی خاصی زندگی گزر رہی تھی میری کہ نجانے کہاں سے یہ زوہیب نام کا عذاب سر پر مسلط ہو گیا۔ میری فرینڈز کے فیانسی دیکھو تم، اتنے سوفٹ نیچر کے اتنے رومانٹک اور ایک یہ موصوف ہیں کہ ہلاکو خان بنے پھرتے ہیں ہر وقت ہی جیسے ننانوے مارے ہوں اور ایک باقی ہو۔"

"اور اگر تمہاری یہی حرکتیں رہیں تو بہت جلد وہ یہ سو بھی پورے کر ہی لیں گے۔"

"کیا ہوتا اگر آج اس کے چہرے پر اتنے خوفناک تاثرات کے بجائے ایک دلکش مسکراہٹ ہوتی میں کتنا پراؤڈلی اسے نادیہ اور صنم وغیرہ سے ملوا سکتی تھی مگر میں نے تو ڈر کے مارے انہیں بتایا تک نہیں کہ کہیں زوہیب ان کے سامنے ہی میرا جلوس نہ نکال دے۔" اس کے لہجے میں حسرت بھی تھی اور تاسف بھی۔

"کتنی ڈھیٹ ہو تم عروج، تمہیں اب بھی یہ فکر نہیں ہے کہ زوہیب بھائی تمہارے بارے میں کیا سوچ رہے ہوں گے، تمہیں صرف اس بات کا افسوس ہے کہ تم اپنی چھچھوری دوستوں سے اس کا تعارف نہ کروا سکیں۔" ندا نے تاسف سے سر ہلایا تھا۔

"زوہیب بھلا کیا سوچے گا اسے تو شاید یہ یاد بھی نہ ہو کہ میں اس کی منگیتر ہوں۔ کبھی کبھی تو میرا جی چاہتا ہے کہ میں کوئی ایسا کام کر گزروں جس سے وہ میرے بارے میں سوچنے پر مجبور ہو جائے چاہے اچھا سوچے یا برا کم از کم مجھے سوچے تو سہی۔" وہ تلخی سے کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

ندا نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"کیا کہہ رہی ہو تم؟"

"سمجھ جاتیں اگر تمہارا زوہیب جیسا کوئی منگیتر ہوتا۔" اس نے تپ کر کہتے ہوئے جانے کے لیے قدم بڑھائے۔

"اچھا سنو۔۔۔ میں شام کو انہیں فون کروں گی تو پتا چل جائے گا کہ وہ کس حد تک غصہ ہیں۔" ندا نے اس کے دوپٹے کا پلو پکڑ کر اسے روکتے ہوئے کہا تو وہ سوچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"وہ اپنا غصہ تم پر نہیں، مجھ پر اتارے گا۔۔۔ خیر جو جی میں آتا ہے کرو مگر میں اس سے بات نہیں کروں گی۔" وہ اسے انفارم کرتی اندر کی جانب بڑھ گئی۔ ندا ایک گہری سانس بھر کر رہ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

زوہیب اس کا ماموں زاد تھا اور اسے اس کے منگیتر کے عہدے پر فائز ہوئے بس کچھ ہی عرصہ ہوا تھا۔

اسے آج بھی اپنے اس دن کی بے یقین اور بے پایاں حیرت آمیز مسرت یاد تھی جس دن مامی اس کا رشتہ مانگنے آئی تھیں وہ اپنے کمرے میں بیٹھی تھی جب ندا نے آکر اسے بتایا۔
"تم نے ٹھیک سے سنا تو ہے ناں وہ میرا ہی رشتہ مانگ رہی ہیں۔" اسے بھلا کیسے یقین آتا خاندان کا سب سے وجیہہ و شکیل، لائق فائق لڑکا، جس کے بارے میں اگر کبھی غلطی سے وہ سوچنے بھی لگتی تو بے اختیار دل کو ڈپٹ دیتی چاند بھی بھلا کسی کا ہوا ہے سورج بھی کبھی زمین پر اترا ہے دھرتی آسمان بھی کبھی ملے ہیں اور اب اس کی یہ کیفیت دیکھ کر ندا کافی محظوظ ہو رہی تھی۔
"ہاں بھائی۔۔۔ اگر تمہارے علاوہ اس گھر میں کوئی عروج نام کی لڑکی ہو تو بتا دو۔"
"نہیں۔۔۔ میرا مطلب ہے وہ زوہیب کے لیے ہی میرا رشتہ مانگ رہی ہیں نا۔"
"عجیب سرپھری لڑکی ہو تم زوہیب بھائی کے لیے ہی مانگ رہی ہیں اب اس انڈر میٹرک فراز کے لیے تو مانگ نہیں سکتیں۔" ندا نے جیسے اس کی عقل پر ماتم کیا۔
"چلو۔۔۔ تمہیں اتنی ہی بے یقینی ہے تو میں ان کی لائی گئی مٹھائی تمہیں کھلا دیتی ہوں۔۔۔ بتاؤ کیا لاؤں گلاب جامن، برفی یا پھر چم چم۔"
"کچھ نہیں۔" اس نے سر جھکاتے ہوئے مسکراہٹ چھپائی دل سرشار تھا۔ دھڑکنوں میں جیسے اس کے نام کا شور مچ گیا تھا۔
"ویسے جتنی حیران تم ہو اتنی ہی میں بھی ہوں۔ مامی کے تو کبھی بھی ہم اتنے فیورٹ نہیں رہے پھر اس طرح اچانک انہیں ہم پر بلکہ تم پر اس قدر پیار کیسے آ گیا۔ کہیں یہ زوہیب بھائی کی خواہش تو نہیں۔" ندا نے اپنا یہ خیال ظاہر کر کے اس کا دل مزید دھڑکا دیا۔
"کیا واقعی یہ ممکن تھا اس جیسا سنجیدہ مزاج شخص جو تھوڑا مغرور اور تھوڑا اکھڑ بھی تھا اور اس پر تو ایک کے بعد دوسری نگاہ ڈالنا بھی گناہ سمجھتا تھا۔ کیا اس کے بارے میں اتنی شدت سے سوچ سکتا ہے۔ منگنی کے بعد اپنی سہانی سوچوں اور سنہرے خوابوں کے ہنڈولے میں جھولا جھولتی رہی ۔۔۔ کزنز اور فرینڈز سے ان کے منگیتروں کے قصے سن سن کر اس نے زوہیب کو بھی ویسا ہی بے تاب جذباتی اور رومانوی لڑکا تصور کر لیا مگر بہت جلد زوہیب نے اس کی یہ خوش فہمی رفع کر دی۔
وہ کوئی ٹین ایجر تو تھا نہیں جو محبت کے بارے میں چھچھوری قسم کی حرکتیں کرتا گفٹس دیتا پارکوں یا پیکجز پر باتیں کرتا یا ہوٹلنگ کراتا۔ پہلے اگر وہ رسمی قسم کی باتیں اس سے کرتا تھا۔ منگنی کے بعد اس نے وہ بھی کم کر دی تھیں۔ عروج کے ارمانوں پر اوس پڑی تھی اور خوابوں پر پانی ایک گڈ لکنگ اور ہینڈسم فیانسی اگر اس قدر خشک مزاج بھی ہو تو لڑکی کے دل پر کیا گزرتی ہے۔ یہ عروج اچھی طرح سمجھتی تھی اس نے اپنی دوستوں کو بھی منگنی کے متعلق تو بتایا تھا مگر زوہیب کی مزید کوئی بات شیئر نہیں کی تھی اور اس کے پاس تھا بھی کیا شیئر کرنے کے لیے سوائے ہفتوں بعد ہونے والی کسی رسمی سلام دعا کے اور وہ انہیں بتا کر مذاق نہیں اڑوا سکتی تھی۔ اس لیے دھیرے دھیرے اب وہ اپنی اس منگنی سے کچھ ناخوش اور بے زار رہنے لگی تھی بلکہ بقول ندا کے ناشکرے پن پر اتر آئی تھی۔

☆ ☆ ☆

"ویسے کیا خیال ہے تم لوگوں کا۔۔۔ یہ سموسے دن بہ دن کچھ زیادہ ہی چھوٹے نہیں ہوتے جا رہے۔" اس وقت کینٹین میں بیٹھی تھیں جب صنم نے سموسے اٹھاتے غور کرنے والے انداز میں کہا تھا۔
"مجھے تو نہیں لگتا ویسے بھی سموسوں پر ڈاکٹر نے کرر کھی ہے۔" نادیہ لاپروائی سے بولی۔ وہ سب واقف تھے سموسوں کے لیے صنم کی دیوانگی سے۔
"سموسوں سے یاد آیا۔ اس دن منزہ اپنی فرینڈز کو سموسوں کی ٹریٹ دے رہی تھی۔" فریال کو ان کی بات سن کر فوراً ہی یاد آیا۔
"ہائے میں کہاں تھی اس وقت۔۔۔۔" صنم کا لہجہ حسرت زدہ ہو گیا۔
"فار یور کائنڈ انفارمیشن میڈم کہ آپ اس کی فرینڈ نہیں ہیں۔" فریال نے تیکھے لہجے میں اسے جتایا۔
"تو کیا ہوا بن جاتی، سموسوں کے لیے تو یہ کسی چھابڑی والے یا پھر کسی حلوائی سے بھی شادی کرنے سے دریغ نہ کرے دوستی تو چھوٹی بات ہے۔" نادیہ نے بے نیازی سے لہجے میں اس پر کڑا طنز کر ڈالا۔ وہ اسے گھورنے لگی۔
"ویسے یہ ٹریٹ تھی کسی خوشی میں؟" عروج نے فریال سے پوچھا اسے کالج میں سب کی خبر رہتی تھی۔
"اس کی منگنی جو ہو گئی ہے بھئی۔" فریال نے اپنے لمبے ناخنوں کی نیل پالش چیک کرتے ہوئے ہنس کر بتایا۔
"کیا۔۔۔" نادیہ کا انداز بالکل فلمی تھا اور آواز اتنی بلند تھی کہ کئی سر اس کی طرف مڑ گئے۔
"منگنی کی خوشی میں صرف سموسے کھلائے۔ حد ہے کنجوسی کی میری منگنی ہو گی تو دیکھنا میں تم سب کو میکڈونلڈ میں لنچ کراؤں گی۔"
"نہیں نادیہ۔۔۔ تمہارے لیے تو وہ بھی کم ہو گا۔" فریال نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے سنجیدگی سے کہا تو وہ حیران ہو گئی۔
"کیوں؟"
"ظاہر ہے کوئی تم جیسی آفت گلے لگانے کو تیار ہو جائے تو تمہیں تو شکرانے کے طور پر ذبیحہ کرنا چاہیے اور تم باتیں کر رہی ہو لنچ کی سو اسٹرینج۔" فریال کی اس بات پر صنم ہنس پڑی تھی عروج بھی اپنی مسکراہٹ روک نہیں پائی۔
"ہاں تو تم نے بھی تو کوئی نہ کوئی منت مان رکھی ہو گی۔ تم بتاؤ کیا کرو گی اپنی منگنی کی خوشی میں؟" نادیہ کو غصہ آیا۔ کچھ دیر پہلے ہی فریال نے انہیں اپنی منگنی کی خبر دی تھی اور ساتھ میں آنے کی دعوت بھی۔ اس کا رشتہ اس کے کسی نیوی آفیسر کزن سے طے ہوا تھا۔
"تم لوگوں کو خوب سارا ٹھونساؤں گی بس آنا شرط ہے۔"
"ویسے میں حیران اس بات پر ہوں کہ منزہ سے منگنی کی کس ڈفر نے۔" وہ ٹھوڑی پر ہاتھ رکھے اتنے حیران لہجے میں بول رہی تھی جیسے یہ اس صدی کا سب سے ناقابل یقین واقعہ ہو۔
"کیوں تمہیں بھی تو کبھی نہ کبھی، کوئی نہ کوئی گدھا مل ہی جائے گا نا، اگر اس بے چاری کو تم سے پہلے مل گیا تو تمہیں جلن ہو رہی ہے۔" فریال کا یہی انداز تھا۔ اس کے سادہ اور سنجیدہ لہجے میں جو طنز چھپا ہوتا تھا انہیں سلگا کر رکھ دیتا تھا۔
"کر لو بکواس تمہیں لگتا ہے مجھے کوئی مل نہیں سکتا ۔۔۔ دیکھ لینا۔۔۔ میں بہت جلد تم لوگوں کو منگنی کر کے دکھاؤں گی اور وہ ایسا ہو گا کہ دیکھ کر تم سب کے منہ کھلے کے کھلے رہ جائیں گے۔"
"کیا یہ سچ مچ کسی گدھے کو پھانسنے والی ہے۔" اس کے انداز پر صنم نے مصنوعی معصومیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے فریال کو دیکھا۔
"صنم۔" وہ چیخ اٹھی تھی۔
"سنو، تم سب نے آنا ضرور ہے اچھا۔۔۔ ورنہ پھر میں بڑا سیریس قسم کا ناراض ہو جاؤں گی۔" فریال نے سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا نادیہ اور صنم کے آنے کا تو اسے یقین تھا مگر اسے فکر عروج کی طرف سے تھی اور اسی وقت عروج ہچکچاتے ہوئے گویا ہوئی۔
"سنو فریال۔۔۔ میرا آنا مشکل ہے۔"
"نہیں میں کچھ نہیں جانتی۔" وہ اس کی بات بیچ میں ہی کاٹ گئی۔
"میری سمجھ میں نہیں آتا تمہیں ہر وقت منتیں کیوں چاہیے ہوتی ہیں۔"
"بات یہ نہیں ہے تم سمجھ نہیں رہی ہو۔۔۔" اصل میں اسے سمجھ نہیں آیا وہ اسے کیسے ٹالے۔
"او کے۔۔۔ میں سمجھ گئی۔ تمہارے گھر والے نہیں مانیں گے نا۔۔۔ اب میں خود آؤں گی ان سے بات کرنے۔" فریال نے دوٹوک لہجہ اختیار کیا آج وہ اس کا کوئی بہانہ سننے کے موڈ میں نہیں تھی وہ چند لمحے بے

بسی سے دیکھتی رہی۔
"تم لوگ مجھے مروا کر چھوڑو گے یار۔۔۔ جانتی ہو اس دن بھی میرے منگیتر نے مجھے دیکھ لیا تھا۔"
"کیا۔۔۔ کب۔۔۔؟" وہ تینوں ہی چونک گئیں۔
"اس دن ہوٹل میں۔۔۔ نادیہ کی برتھ ڈے والے دن۔"
"اور تم نے ہمیں بتایا تک نہیں کتنی ذلیل ہو تم عروج۔" نادیہ کا صدمے سے برا حال تھا۔ سب سے زیادہ تو وہی پیچھے پڑی رہتی تھی عروج کے، کہ ملوا نہیں سکتیں تو زوہیب کی کوئی تصویر ہی دکھا دو۔
"اگر تب مجھے پتا ہوتا تو میں ہال میں موجود ایک ایک بندے کو پکڑ کر پوچھتی تم زوہیب ہو۔"
"پھر تو ایک نہیں کئی زوہیب نکل آتے۔"
"ویسے تم واقعی بہت بری۔۔۔ مجھے تو گالیاں بھی نہیں سوجھ رہیں میں تمہیں کن الفاظ میں برا بھلا کہوں۔"
"نہیں۔۔۔ عروج۔۔۔ آج تو تم ہمیں بتا ہی دو تمہارا پرابلم کیا ہے۔ اتنی محتاط کیوں ہو تم تمہیں لگتا ہے ہم میں سے کوئی تمہارا زوہیب تم سے لے اڑے گا۔ تصویر تم اس کی دکھاتی نہیں ہو اس کے بارے میں کچھ بتاتی بھی نہیں ہو۔۔۔ اور جب، جب اتنا گولڈن چانس تھا ہمارا اس سے ملنے کا۔۔۔ تب بھی تم نے ہم سے اس کی موجودگی کی بات چھپائی کیوں آج تو اس کا جواب دے ہی دو۔" اس لمحے نادیہ کا جوشیلا پن دیکھنے والا تھا۔ صنم نے بھی اس کی تائید میں سر ہلایا۔
"رئیلی عروج۔۔۔ کیا بہت ڈیشنگ ہے وہ۔"
"یا پھر بہت بدصورت، کیونکہ اس طرح چھپانے کے پیچھے تو یہی دو وجہ ہو سکتی ہیں۔" فریال بھی بول اٹھی۔ ان تینوں نے مل کر اسے گھیر لیا تھا۔ وہ بے بسی سے سر ہلانے لگی۔
"دیکھو۔۔۔ بات وہ نہیں ہے۔"
"کیا بات ہے۔۔۔ وہی تو پوچھ رہے ہیں۔"
"وہ۔۔۔ وہ ایسا نہیں ہے جیسا تم سوچ رہی ہو۔۔۔ اصل میں تم لوگوں کو اس کی تصویر دیکھنی ہے نا۔۔۔ میں کل لے آؤں گی۔" اس نے ایک دم سے بات بدل
فریال بغور اسے دیکھ رہی تھی۔
"پرامس نا۔" نادیہ کو ابھی بھی یقین نہیں تھا۔
"ہاں۔۔۔ پرامس۔" اس نے بادل ناخواستہ کہا۔
"یہ چالاک بن رہی ہے۔۔۔ اس نے وہ والی بات گول کر دی۔" فریال اس کا بات بدلنا محسوس کر چکی تھی۔ صنم نے چونک کر اسے دیکھا۔
"کون سی بات؟"
"اس نے ہوٹل میں اپنے منگیتر کی موجودگی کی بات ہم سے کیوں چھپائی۔" عروج چند لمحے اسے دیکھتی رہی پھر کہنے لگی۔
"وہ بہت دقیانوسی سوچ رکھتا ہے۔ وہ پسند نہیں کرتا لڑکیوں کا اس طرح۔۔۔ آئی مین جیسے میرے گھر والے ہیں۔ وہ بھی ویسا ہی ہے بلکہ ان سے بھی کچھ زیادہ۔۔۔ میں تم لوگوں کو ویسے بھی اس سے ملوا نہیں سکتی تھی۔ بس اس لیے میں تم نے لوگوں کو بتانا ضروری نہیں سمجھا۔" وہ بالآخر انہیں اپنی مجبوری بتا ہی گئی۔
"اوہ۔۔۔ مائی گاڈ۔" صنم نے اس کی بات ختم ہوتے ہی کہا تھا۔
"تم تو بری پھنسی ہو عروج۔۔۔ فیوچر میں بھی کوئی چانس نہیں ہے تمہارا اس پنجرے سے نکلنے کا جس میں تم اس وقت قید ہو۔" وہ اس پر تاسف کر رہی تھی۔ نادیہ اور فریال کے بھی کچھ ایسے ہی تاثرات تھے۔ اسے اپنا آپ عجیب سا محسوس ہوا۔ پھر فریال نے تو بات بدل دی تھی۔ مگر اس کی سوچ اسی ایک نکتے پر مرکوز ہو کر رہ گئی تھی کہ وہ اپنی زندگی کبھی بھی اپنی مرضی سے نہیں جی سکتی۔

☼ ☼ ☼
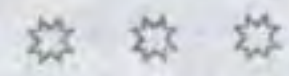
آج سنڈے تھا اور اسے اٹھتے اور ناشتا کرتے کرتے بارہ بج گئے تھے اور اس وقت جب وہ لاؤنج میں بڑے اطمینان سے بیٹھ کر ایک ایکشن مووی سے لطف لینے لگی تھی۔ ندا نے آ کے اس کا سارا سکون غارت کر دیا۔

"اٹھیے اور ذرا ڈرائنگ روم میں آنے کی زحمت کر لیجیے۔" اس نے ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آف کیا تھا۔ وہ بری طرح جھنجھلا گئی۔
"کیا بے ہودگی ہے ندا۔۔۔ اتنا زبردست سین تھا لاؤ یہ ریموٹ مجھے دو۔" اس نے ہاتھ آگے بڑھایا یہ الگ بات کہ ندا پر کوئی اثر نہیں ہوا۔
"تمہیں میری بات سنائی نہیں دی۔ میں کیا کہہ رہی ہوں، تمہاری ساس صاحبہ آئی بیٹھی ہیں ہمراہ اپنے بیٹے کے۔ انہیں سلام کرنے کا دل نہ بھی چاہ رہا ہو تو آ کر اس عید کے چاند کا دیدار کر ہی لو جسے دیکھنے کے لیے سارا سال تمہاری آنکھیں ترستی رہتی ہیں۔" ندا کا انداز کچھ شوخ ہو چلا تھا۔ مگر اس کا دھیان ہی کہاں تھا۔ زرد پڑتی رنگت کے ساتھ وہ سیدھی ہو بیٹھی۔
"کیا۔۔۔ کیا مطلب۔۔۔ یہ مامی کیوں آئی ہیں؟" وہ ہراساں لہجے میں پوچھ رہی تھی۔
"اللہ کے لیے۔۔۔ یہ بات امی کے سامنے مت کہہ دینا ورنہ پٹو گی بری طرح سے۔" ندا نے اسے گھرک دیا اس فضول بات پر۔
"ویسے بھی آخری بار وہ کوئی مہینہ بھر پہلے آئی تھیں۔ تمہیں مسئلہ کیا ہے ان کے آنے سے۔" پوچھتے ہوئے اس کے لہجے میں حیرت در آئی۔
"نہیں۔۔۔ بس میں۔" اسے کچھ نہیں سوجھا تو اضطراب سے بالوں میں ہاتھ پھنسا لیے۔
"سنو۔۔۔ تم نے زوہیب سے بات کی تھی اس دن۔۔۔ تم نے کہا تھا نا کہ تم اسے فون کرو گی۔" وہ کسی خیال کے آتے ہی اس سے پوچھنے لگی۔
"کہاں۔۔۔ پہلے ان کا موبائل آف تھا اور بعد میں میرے ذہن سے ہی یہ بات نکل گئی اور تم یہ بے وقوفوں کی طرح سوچنا بند کرو وہ کوئی چھوٹے بچے نہیں ہیں کہ تمہاری شکایت لگانے کے لیے اپنی ماں کو ساتھ لے آئے ہیں۔ انہیں تمہیں کچھ کہنا ہو گا تو خود لیں گے تمہاری کلاس اب اٹھو جلدی سے۔" ندا کو اس کی اس بچکانہ سی فکر پر ہنسی آ گئی تھی۔ اس کا منہ بن گیا۔
"تمہیں نہیں پتا نا ندا۔۔۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے۔" وہ اب بھی بیٹھی ہوئی انگلیاں چٹخا رہی تھی۔
"اگر زوہیب نے امی اور مامی کے سامنے ہی کچھ پوچھ لیا تو۔۔۔"
"تو ٹھیک ہے مت آؤ اگر مامی نے مجھ سے پوچھا تو میں صاف بتا دوں گی تمہارے ڈر کی وجہ۔" ندا نے دھمکی دی تو وہ سوچ میں پڑ گئی۔
"آ رہی ہو یا نہیں۔۔۔" اس نے دوبارہ پوچھا تھا۔ اسے اٹھنا ہی پڑا اور ڈرتے ڈرتے ہی سہی وہ ڈرائنگ روم کی طرف چلی آئی تھی۔
مامی امی کے ساتھ باتوں میں مصروف تھیں اور زوہیب صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے صرف انہیں سن رہا تھا۔ گرے کلر کی قمیص شلوار میں اس کی شاندار شخصیت پر چند لمحوں کے لیے تو عروج کی نگاہیں ٹھہر سی گئیں۔ ایسا اس کے ساتھ ہر بار ہی ہوتا تھا۔
"آخر ایسا کیا ہے اس شخص میں کہ اسے دیکھ کر میں اپنا آپ تک بھول جاتی ہوں۔" اس نے بے اختیار خود کو ڈپٹا تھا اور پھر مسکراتے ہوئے مامی کی جانب بڑھی تھی۔
"السلام علیکم مامی۔"
"وعلیکم السلام میری بیٹی۔۔۔ جیتی رہو۔" انہوں نے محبت سے اسے اپنے ساتھ لپٹایا تھا۔ جبکہ وہ ایک سپاٹ سی نظر اس پر ڈال کر ندا کی جانب متوجہ ہو گیا۔
"کیسی ہیں مامی آپ اور ماموں کیسے ہیں اور مونا وہ کیوں نہیں آئی!" وہ ان کے پاس ہی بیٹھ گئی۔
پہلے وہ اتنا خیال نہیں کرتی تھی مگر اب جو نیا رشتہ ان کے درمیان بنا تھا تب سے چاہے اس کا موڈ خراب ہی کیوں نہ ہوتا، مامی کے سامنے اس کی خوش اخلاقی حدوں کو چھونے لگتی تھی اور اس بات پر اکثر ندا اس کا مذاق بھی اڑاتی۔
"سب ٹھیک ہیں بیٹا۔۔۔ اور مونا کے تو ایگزامز ہونے والے ہیں نا۔۔۔ اس کی تیاری کر رہی ہے آج کل۔" انہوں نے بتایا۔
"اوہ ہاں!" اس نے بے اختیار سر ہلایا ایگزامز تو اس کے بھی سر پر تھے اور تیاری نہ ہونے کے برابر تھی۔

"آپ کی اسٹڈیز کیسی جارہی ہیں۔" زوہیب نے اچانک ہی روئے سخن اس کی جانب موڑا تھا وہ سٹپٹا سی گئی۔

"جی۔۔۔ بہت اچھی۔"

"ہاں۔۔۔ وہ تو میں ملاحظہ کرہی چکا ہوں۔" اس نے جتنے معنی خیز انداز میں کہا وہ اضطراری انداز میں پہلو بدل کر رہ گئی۔

"فرینڈز کے ساتھ کمبائن اسٹڈی میں تیاری اچھی ہوتی ہوگی آپ کی۔" وہ اسے کیا جتانا چاہ رہا تھا۔ عروج کے چہرے پر ہراس سا بکھرا تھا گود میں دھرے ہاتھوں کو مسلتے ہونٹ کاٹتے ہوئے وہ صورت سے جتنی نروس دکھائی دے رہی تھی شاید زوہیب کو ہی اس پر ترس آگیا اس لیے اس کی جان چھوڑ کر وہ ندا سے مخاطب ہوا تھا۔

"کیوں ندا۔۔۔ تمہارے ہاں چائے کا رواج نہیں ہے۔"

"بالکل ہے۔۔۔ لیکن میں نے سوچا شاید آپ کو میرے ہاتھ کی بنی چائے پسند نہ آئے۔" وہ شرارت سے ہنسی تھی۔ عروج موقع غنیمت جانتے ہوئے زوہیب کے مزید کسی ذو معنی جملہ سے پہلے ہی چائے کے بہانے اٹھ آئی۔

"حد ہے۔ پہلے تو مجھ سے بات کرتے ہوئے شان گھٹتی تھی۔ اب کیسے شرمندہ کرنے کے لیے پڑھائی کا موضوع نکال لیا جیسے میری جگہ ایگزامز انہیں دینے ہوں۔ ایسے ہوتے ہیں منگیتر۔" وہ دل ہی دل میں تلملا رہی تھی۔

"عروج! تم چائے بنا رہی ہو۔" ندا اس کے پیچھے ہی چلی آئی تھی۔

"ظاہر ہے۔ اندھی تو نہیں ہو نا۔۔۔ دکھائی دے رہا ہے تمہیں۔" وہ اپنی کھولن اس پر نکال گئی۔ ندا کا منہ حیرت سے قدرے کھلا۔ پھر اگلے پل ہی اس کے خراب موڈ کی وجہ سمجھ آتے ہی چہرے پر دبی دبی مسکراہٹ ابھر آئی۔

"مجھے لگا تھا' کچن میں ہیٹ جلتے چولہے کی ہے اب پتا چلا یہ دھواں کہاں سے اٹھ رہا ہے۔"

"شٹ اپ" اسے مزید غصہ آیا۔

"رہنے دو عروج۔۔۔ تھوڑی دیر کے لیے باہر جاؤ تاکہ یہاں کا ٹمپریچر معمول پر آئے اور چائے کی فکر مت کرنا' وہ میں بنالوں گی ویسے بھی زوہیب بھائی کہہ رہے تھے۔ عروج کی چائے پینے کے لائق نہیں ہوتی۔"

"کیا۔۔۔ کیا۔۔۔" مارے غصے کے اس کی آواز لرزنے لگی۔

"یہ کہا اس نے۔۔۔؟" ندا نے مسکراہٹ چھپاتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

"ٹھیک ہے۔ میں بھی دیکھ لوں گی۔" اس نے دانت پیسے۔

"آئندہ کبھی زندگی میں اسے میرے ہاتھ کی چائے پینا نصیب نہیں ہوگی۔ یاد رکھنا تم۔"

"میں کیوں یاد رکھوں۔ یاد تو وہ رکھیں گے بلکہ شاید شکر ادا کریں گے۔" ندا ہنسی تھی۔

"اچھا سنو۔" وہ سنجیدہ ہوتے ہوئے بولی۔

"شام کو وہ تم سے بات کریں گے سو اپنا موڈ اور لہجہ دونوں ٹھیک رکھنا۔" اس نے تاکید کی تھی۔ وہ کچھ نہیں بول پائی۔ مگر اپنے ناگواری کے تاثرات چھپا نہیں سکی تھی۔

شام کو زوہیب نے فون پر اس سے بات کیا کی تھی۔ اچھا خاصا لتاڑ ڈالا تھا۔ اور تب ہی سے عروج کی طبیعت نہایت مکدر ہو گئی تھی۔ کیونکہ اس کے لیے زوہیب کے الفاظ اور لہجہ دونوں ہی بہت سخت تھے۔ کسی خوشگوار اور رومانٹک بات کی توقع تو اسے پہلے ہی نہیں تھی۔ مگر اس کے اتنے سخت رد عمل کا بھی اس نے نہیں سوچا تھا۔ زوہیب کو بھی اس کی طرح اس کی فرینڈز پسند نہیں آئی تھیں اور اس نے کہا بھی۔

"شریف اور خاندانی لڑکیاں ایسی شتر بے مہار اور چلتی پھرتی لڑکیوں سے دوستی نہیں کرتیں۔"

"وہ بھی شریف اور خاندانی ہی ہیں۔" اپنی فرینڈز کے بارے میں زوہیب کے یہ ریمارکس سن کر اسے خاصا غصہ آیا تھا وہ جیسی بھی تھیں مگر عروج کے لیے

ان کی دوستی کسی بھی قسم کی بناوٹ اور غرض سے پاک تھی۔

"تم جو بھی کہو۔۔۔ لیکن جو کچھ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہوں۔ اسے جھٹلا نہیں سکتا اور اب تمہارا لہجہ اور تمہارے انداز دیکھ کر مجھے احساس ہو رہا ہے کہ تم بھی ان ہی کے جیسی ہوتی جارہی ہو۔ اسی لیے کسی ان چاہے اور انتہائی نتیجے کو بھگتنے سے پہلے ہی ان سے دوستی ترک کردو' یہی تمہارے لیے بہتر ہے اور تم یہ مت سمجھنا کہ میں یہ سب تم سے کسی اور رشتے کے حق سے کہہ رہا ہوں۔ اگر تمہاری جگہ ندا بھی ہوتی تو میں اس سے بھی یہی سب کہتا۔ میرے لیے سب سے اہم اور سب سے پہلے میرے خاندان کی عزت ہے اور اگر کسی کی بے وقوفی سے اس پر ذرا بھی آنچ آتی ہے تو میں یہ بالکل برداشت نہیں کرسکتا۔" سخت لہجے میں کہتے ہوئے اس نے فون بند کردیا تھا اور عروج گم سم سی بیٹھی رہ گئی تھی۔

"تم بہت میں غصہ ہو۔۔۔؟" ندا نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے اس سے پوچھا۔

"ہاں بہت۔۔۔ میں اپنی دوستوں کے خلاف کسی کی کوئی بات برداشت نہیں کرسکتی۔" وہ جو ہاتھوں میں چہرہ چھپائے بیٹھی تھی ایک گہری سانس لیتے ہوئے تلخ لہجے میں بولی۔

"تمہیں واقعی ان میں کوئی برائی نظر نہیں آتی؟" ندا نے تیکھے لہجے میں پوچھا۔

"کیا برائی ہے ان میں؟" اسے تو اس کی بات سن کر ہی جیسے کوئی تیر کھب گیا تھا۔ پر احتجاج لہجے میں کہتے ہوئے اس کی آنکھوں میں حیرت اور غصے کی ملی جلی کیفیت ابھر آئی تھی۔

"صرف یہ کہ تھوڑی آزاد خیال ہیں۔ تو اس میں بھی ان کا کوئی قصور نہیں ہے انہیں ماحول ہی ایسا ملا ہے۔ تینوں ہی ویل آف فیملیز سے تعلق رکھتی ہیں۔ جہاں چھوٹی چھوٹی باتوں کا ایشو نہیں بنایا جاتا۔۔۔ ہمارے گھر کی طرح۔"

"اچھا اور صنم کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جس کے آئے دن نت نئے بوائے فرینڈز کے قصے تم مجھے سناتی رہتی ہو۔" ندا نے کاٹ دار لہجے میں سوال کیا۔

"ہاں۔۔۔ وہ ہے کچھ بولڈ۔۔۔ مگر نادیہ اور فریال ایسی نہیں ہیں اور اگر۔۔۔ صنم ایسی ہے بھی تو کیا' اس کے بوائے فرینڈز کے ہونے نہ ہونے سے مجھے کون سا نقصان پہنچتا ہے وہ ہم سے صرف ان کی باتیں شیئر کرتی ہے۔ ہمیں لے جاکر ان سے ملواتی نہیں ہے۔ مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا اس کی کسی بھی سرگرمی سے وہ میری دوست ہے اور مجھے بہت عزیز ہے۔ آئی بات سمجھ میں۔" اس نے بات ختم کی تھی دو ٹوک انداز میں۔ تاکہ اگر ندا کا مزید کچھ کہنے کا ارادہ بھی ہو تو نہ کہہ پائے۔

"تمہیں سمجھانا بہت مشکل ہے۔" وہ تاسف سے سر ہلاتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے جواب دینے کی زحمت نہیں کی تھی بس خاموشی سے اسے جاتا ہوا دیکھتی رہی۔

☼ ☼ ☼

"اوہ نہیں۔۔۔ اس بارش کو بھی آج ہی آنا تھا۔" وہ اپنا آخری پیریڈ نبٹا کر باہر آئی تو ہلکی پھلکی پھوار پڑتے دیکھ کر اس کے منہ سے بے اختیار نکلا تھا۔

صبح سے موسم خوشگوار تو تھا۔ مگر اسے نہیں پتا تھا کہ ہر وقت آسمان پر چھائے رہنے والے یہ بادل برسنے کا بھی سوچ سکتے ہیں۔ ورنہ شاید وہ گھر سے نکلنے کا رسک ہی نہیں لیتی۔ پھر آج صنم اور نادیہ بھی نہیں آئی تھیں نہ ہی انہوں نے پہلے سے اپنے نہ آنے کے متعلق کچھ بتایا تھا۔ ادھر فریال تھی کہ صبح سے منہ پھلائے گھوم رہی تھی۔ اپنی منگنی میں نہ آنے پر اس سے ٹھیک ٹھاک جھگڑا کرنے کے بعد اور اب رہی سہی کسر اس بارش نے پوری کردی۔ وہ اپنے آپ سے بے زار بے بسی کے عالم میں یہ بھیگا بھیگا موسم دیکھ رہی تھی۔ اسی وقت فریال نے آکر کچھ روٹھے لہجے میں دریافت کیا۔

"یہاں کھڑی کیا کر رہی ہو۔ گھر نہیں جانا!" اپنا بیگ شولڈر پر ڈالے وہ جانے کے لیے تیار نظر آ رہی تھی۔
"جانا تو ہے مگر۔۔۔ کیسے جاؤں گی بس یہی سمجھ نہیں آ رہا۔" وہ رونے کے قریب ہو گئی بتاتے ہوئے فریال نے چند لمحے اسے دیکھا پھر بولی۔
"اگر تم کہو تو میں تمہیں گھر چھوڑ دوں۔۔۔ میرا کزن مجھے لینے آیا ہے۔" وہ چپ سی رہ گئی تھی اس آفر پر۔
"زیادہ سوچو مت۔۔۔ بارش تیز ہوئی تو جانا اور بھی مشکل ہو جائے گا۔ مجھے ڈرائیونگ آتی نہیں ہے صنم اور نادیہ کی طرح ورنہ میں روحیل کو روانہ کر کے خود ہی تمہیں گھر ڈراپ کر دیتی۔" وہ کہہ کر دھیرے سے ہنسی۔
اس کا دل نہیں مان رہا تھا فریال کے ساتھ جانے میں اسے کوئی دقت نہیں تھی مگر اس کا کزن جو اسے پہلی نظر میں ہی کچھ اچھا نہیں لگا تھا پندرہ بیس منٹ وہ اس کی کمپنی میں کیسے گزار دیتی۔
"یار! وہ بڑا شریف بندہ ہے۔" اسے کشمکش میں گھرا دیکھ کر وہ پھر سے بول اٹھی۔
"ٹھیک ہے لڑکیوں کو دیکھ کر تھوڑا فری ہو جاتا ہے مگر وہ تو ہر لڑکے کی عادت ہوتی ہے۔ تم فکر مت کرو میں ساتھ ہوں نا۔" اس نے پر اصرار انداز میں اس کا ہاتھ تھاما تھا۔ اس نے ایک نظر اس کے ہاتھ پر ڈالی اور دوسری اس برستی بارش پر۔۔۔ پھر اسے فیصلہ کرنے میں دیر نہیں لگی۔

☼ ☼ ☼

"عروج تمہارا کام ختم ہو گیا؟" وہ کچن کی صفائی کرنے کے بعد باہر نکل رہی تھی کہ ندا نے آ کر پوچھا وہ نہ چاہتے ہوئے بھی چڑ گئی۔
"کیوں؟ کوئی اور کام نکل آیا ہے میرے لائق۔"
"نہیں۔۔۔ تمہارا موبائل تمہیں پکار رہا ہے۔ ان فیکٹ تمہارا کوئی نیا دوست ہے، جو تم سے بات کرنا چاہ رہا ہے۔ میں نے تو کہا بھی۔۔۔ میں عروج ہوں، جو کہنا ہے مجھ سے کہو مگر وہ مانتا ہی نہیں۔۔۔ غالباً" اچھی پہچانتا ہے تمہاری آواز۔" ندا کی بات عجیب اس سے زیادہ اس کا انداز۔ وہ نا سمجھی کی کیفیت تھوڑی دیر تو اسے دیکھتی رہی۔
"کس کا فون ہے۔۔۔ کیا کہہ رہی ہو تم؟"
"مجھے پتا ہوتا تو تمہارے پاس نہ آتی نمبر تو انجان اور آواز بھی مگر یہ ضرور بتا سکتی ہوں کہ وہ کوئی بھاری اور کھردری آواز والا مرد۔" اس کی متجسس آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ندا نے آخری لفظ پر زور اس کی رنگت زرد پڑ گئی تھی۔
"تم نے اس کا نام نہیں پوچھا؟"
"پوچھا تھا۔۔۔ اس نے بتایا نہیں کہنے لگا عروج جانتی ہے۔"
"اظفر ہو گا تنگ کرنے کے لیے آواز بدل کر بات کر رہا ہو گا۔" اس نے کزن کا نام لیا۔ اس نے خود کو مطمئن کرنے کے لیے۔
"وہ اظفر نہیں تھا بلکہ وہ ہمارے کزنز میں سے کوئی نہیں تھا۔" ندا نے پر زور انداز میں اس کی تردید کی۔
"کوئی چاہے تو بھی اپنی آواز اس حد تک نہیں بدل سکتا۔ پتا نہیں وہ کون تھا تم نمبر دیکھو تو شاید تم ہی جان

وہ مزید کچھ کہے بنا تیزی سے لاؤنج میں چارجنگ لگے اپنے موبائل کے پاس آئی۔ اس وقت بھی اس میں چھ سات مسڈ کالز موجود تھیں۔ ندا نے ٹھیک تھا۔ نمبر تو انجان تھا۔ مگر وہ تھا کون؟ اس نے اس کا نام لیا تھا۔ اس کا مطلب وہ اسے جانتا بھی تھا۔ وہ بے جان ہوتی ٹانگوں کے ساتھ صوفے پر بیٹھی۔
"کال بیک کر لو۔۔۔ میں تو آواز نہیں پہچانتی ہو سکتا ہے تمہاری جان پہچان کا کوئی شخص ہو۔" ندا نے اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے مشورہ دیا۔ وہ نہ جانے کیوں بھڑک گئی۔
"مطلب کیا ہے تمہارا۔۔۔ میں غیر مردوں سے جان پہچان نہیں رکھتی، سمجھیں۔"
"اچھا۔۔۔ تو اس لیے کوئی اجنبی شخص تمہارا

موبائل پر کال کر کے اتنی بے تکلفی سے تمہارا نام لے رہا تھا تم سے بات کروانے کے لیے کہہ رہا تھا۔" ندا نے انداز میں جتایا تھا۔ اس کا غصہ جھاگ کی مانند بیٹھ گیا۔ آنکھوں میں بے یقینی سی پھیل گئی۔
"تم۔۔۔ تم۔۔۔ مجھ پر شک کر رہی ہو؟" وہ بہت ہلکی سی آواز میں کہہ پائی تھی۔
"نہیں۔۔۔ میں نہیں کر رہی۔" ندا نے نفی میں سر ہلایا۔
"لیکن حیرت تو ہے نا اس کے پاس تمہارا نمبر کہیں سے تو آیا ہو گا۔ اگر میری جگہ امی یہ کال ریسیو کرتیں تو وہ بھی ایسا ہی سوچتیں۔"
"میں نہیں جانتی ندا یہ نمبر تو میں نے بس فریال لوگوں کو دیا ہے اور خاندان میں بھی کسی کسی کے پاس ہی ہے۔ یہ اس کے پاس کیسے آیا مجھے نہیں پتا۔"
"اس لیے تو کہہ رہی ہوں۔ خود ہی کال کر کے پوچھ لو۔ پتا چل جائے گا کہ وہ کون ہے اور تمہیں کیسے جانتا ہے۔"
"نہیں۔۔۔ اس طرح تو اسے شہ مل جائے گی۔ اسے لگے گا میں بات بڑھانا چاہتی ہوں۔ اسی لیے اسے کال کر رہی ہوں۔" عروج نے اس کا مشورہ رد کیا۔ چہرے پر فکر و تشویش کے گہرے سائے لیے وہ اضطراب سے ناخن چبانے لگی تھی۔
"اگر اس نے دوبارہ کال کی، تب بات کر لوں گی۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔
"اور اگر دوبارہ اس کی کال ہی نہیں آئی تو۔۔۔؟" ندا نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔
"یہ تو اور بھی اچھا ہو گا۔ میں نہیں چاہتی اس کی کال دوبارہ آئے۔ میں یہ ٹینشن دوبارہ نہیں جھیلنا چاہتی۔" وہ بے حد ٹینس لگ رہی تھی۔ اسے فکر اس اجنبی کی نہیں اپنی تھی۔ اس کی وجہ سے عروج کی ذات مشکوک ہو رہی تھی۔ تھوڑی دیر پہلے اس نے اپنے لیے ندا کی آنکھوں میں جو شک دیکھا تھا۔ وہ اسے اندر تک ہلا گیا تھا۔ اگر اس کی اپنی بہن کا اس پر یقین ڈانوا ڈول ہو سکتا تھا تو اوروں کی تو پھر بات ہی کیا تھی۔
دوسرے دن کالج آنے تک اس پر بے کلی کی سی کیفیت چھائی رہی۔ گو کہ اس نمبر سے دوبارہ کال نہیں آئی تھی۔ مگر پھر بھی ایک عجیب سی گھبراہٹ اس کے دل کو گھیرے ہوئے تھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا وہ یہ بات کسی سے شیئر کرے۔ ایسے میں فریال سے بہتر اور کون ہو سکتا تھا۔ جس سے وہ اپنا مسئلہ بیان کرتی۔ ویسے بھی وہ نادیہ اور صنم سے زیادہ فریال کے قریب تھی اور اس وقت جب ان دونوں کے سوا کوئی نہیں تھا۔ وہ اسے یہ بات بتانے ہی والی تھی کہ نادیہ نے آ کر اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کرا لی۔ وہ تقریباً" بھاگتے ہوئے آئی تھی اور گرنے کے سے انداز میں ان کے قریب بیٹھ کر ہانپنے لگی تھی۔
"کیا ہوا ہے۔۔۔ کہاں سے بھاگتی ہوئی آ رہی ہو؟"
فریال اس کی حالت دیکھ کر حیران ہوئی تھی۔
"کسی کے نوٹس چرا کر بھاگ رہی ہے شاید۔"
عروج نے اندازہ لگایا قدرے مسکراتے ہوئے۔
"اونہہ۔۔۔" نادیہ نے برا سا منہ بنایا۔
"مجھ پر ابھی اتنا برا وقت نہیں آیا۔ تم چھوڑو۔۔۔ وہ سب اور یہ دیکھو۔" اس نے ہاتھ میں پکڑا لفافہ ان کے سامنے لہرایا۔
"ایک زبردست چیز لائی ہوں، تم لوگوں کو دکھانے۔"
"کیا ہے یہ۔۔۔؟" عروج نے وہ لفافہ تھامنا چاہا تو نادیہ نے جلدی سے ہاتھ پیچھے کر لیا۔
"آرام سے جانی۔۔۔ جلدی کس بات کی ہے۔" وہ شرارت سے مسکرائی۔ پھر لفافہ کھولتے ہوئے بولی۔
"یہ ہے۔۔۔ یہ ہے۔" وہ ڈرامائی توقف کر کے ان کے متجسس چہروں سے حظ اٹھانے لگی۔
"یہ ہے منزہ کے منگیتر کی تصویر، بلکہ تصویریں۔"
اس نے کسی اناؤنسر کی طرح اعلانیہ انداز میں کہہ کر تصویریں نکالی تھیں۔ فریال نے یہ سنتے ہی اس کے ہاتھ پر جھپٹا مارا۔ وہ بری طرح گھبرا گئی۔
"خدا کے لیے۔۔۔ پھاڑ مت دینا۔۔۔ چرا کر لائی ہوں،

پکڑی جاؤں گی۔"

"کیا۔۔۔؟تم چرا کر لائی ہو۔" عروج دنگ رہ گئی اس انکشاف پر۔

"ہاں بھئی۔۔۔" شرارت اس کی آنکھوں سے چھلکی پڑ رہی تھی۔

"غنیمت ہے منگیتر کی تصویریں چرائی ہیں منگیتر نہیں چرا لیا۔" فریال ہنسی۔

"وہ بھی چرا سکتی ہوں۔ بس دیکھوں تو سہی' ہے کیسا۔" نادیہ نے ایک تصویر اٹھائی۔

"رونا لڈو لگتا ہے بالکل۔" اس نے تصویر دور کی' پھر آنکھوں کے نزدیک لے آئی۔

"خیر اتنا بھی ہینڈسم نہیں ہے۔" فریال نے اس کی بات سے اتفاق نہیں کیا۔

"ویسے نادیہ۔۔۔ بہت بری بات ہے۔ تم یہ تصویریں اس سے مانگ بھی تو سکتی تھیں۔ اس طرح چرانے کی کیا ضرورت تھی۔" عروج نے اسے سرزنش کی۔

"ہاں۔۔۔ مانگ سکتی تھی۔ مگر پھر میں ان کا وہ حشر نہیں کر سکتی تھی جو میں اب کرنے والی ہوں۔" نادیہ نے اپنی مجبوری بیان کی۔

"کیا کرنے والی ہو تم۔" فریال نے چونک کر پوچھا۔ تو نادیہ نے اسے بلیک مارکر دکھایا۔

"اوہ تو نادیہ پلیز۔۔۔" فریال تو جیسے اچھل ہی پڑی۔ "اتنی اچھی تصویریں ہیں یہ۔ منزہ تو نہیں' مگر یہ لڑکا بہت اچھا لگ رہا ہے۔ تم پلیز۔۔۔"

"شرم آنی چاہیے تمہیں۔۔۔ دوسروں کے منگیتروں پر بری نظر رکھتی ہو۔" نادیہ پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ الٹا اسے شرم دلاتے ہوئے وہ ان تصویروں پر اپنا آرٹ آزمانے لگی تھی۔

"کتنا مزا آئے گا نا۔ جب منزہ یہ تصویریں دیکھے گی۔ حیران بھی ہوگی کہ اچانک ہی اس مغیث میاں کے ڈاڑھی اور مونچھ کہاں سے آ گئے۔" وہ سوچ سوچ کر خوش ہو رہی تھی۔

"تمہیں کیا لگتا ہے نادیہ۔۔۔ اسے پتا نہیں چلے گا کہ تمہاری حرکت ہے۔" عروج سنجیدگی سے بولی۔

"نہیں چلے گا۔" اس کے لہجے میں یقین تھا۔

"بس تم دونوں اپنا منہ بند رکھنا۔" اس نے تنبیہ کی اور ساری تصویریں سمیٹتے ہوئے بولی۔

"جا کر انہیں واپس رکھ آؤں۔۔۔ کہیں وقت سے پہلے اسے ان کے غائب ہو جانے کا علم نہ ہو جائے۔"

"اللہ کرے۔۔۔ تم پکڑی جاؤ۔" فریال نے پیچھے سے اسے آواز لگائی تھی۔

"یہ صنم کہاں ہے؟" اسے اچانک خیال آیا کہ اس نے اتنی دیر سے صنم کو نہیں دیکھا تو فریال سے پوچھ لیا۔ لیکن فریال کے کوئی جواب دینے سے پہلے ہی وہ اسے اپنی طرف آتی دکھائی دی۔ چہرے پر پریشانی کے تاثرات لیے۔

"یہ اس کی شکل پر بارہ کیوں بج رہے ہیں؟" اس نے سوالیہ نظروں سے فریال کو دیکھا۔

"پتا نہیں۔" اس نے کندھے اچکا دیے۔

"مگر لگتا ہے یہ یہی بات بتانے کے لیے آ رہی ہے۔ کل رات میری اس سے بات ہوئی تھی۔ یہ تب بھی مجھے کافی ٹینس لگی تھی۔"

"سنو فریال۔۔۔ تم آج مجھے گھر چھوڑ دو گی؟" وہ کافی تھکے تھکے انداز میں ان کے قریب آ کر بیٹھی تھی اور بیٹھتے ہی فریال سے دریافت کیا۔

"ہاں ٹھیک ہے۔ مگر ہوا کیا؟" صنم کے انداز پہ سوال کیا گیا۔

"کچھ نہیں۔۔۔ بس ایسے ہی۔" وہ الجھی ہوئی سی گھاس کے تنکے توڑنے لگی۔

"زیادہ بناؤ مت۔۔۔ اب ہم سے بھی چھپاؤ گی' بتاؤ کیا بات ہے؟" فریال نے دھونس بھرے لہجے میں پوچھا۔

"تم کل رات بھی پریشان تھیں اور تم نے تب بھی کچھ نہیں بتایا۔ کیا گھر کی کوئی پرابلم ہے۔" اس کا لہجہ دردمندانہ تھا۔ صنم کا ضبط چھوٹ سا گیا۔

"میں صرف پریشان ہی نہیں ہوں فریال۔ میں۔۔۔ میں خوف زدہ بھی ہوں۔ میں بہت بڑی مصیبت میں پھنس گئی ہوں۔" دونوں ہاتھوں میں سر تھامے وہ بکھرے ہوئے لہجے میں بتا رہی تھی۔ وہ دونوں ہی بھونچکی سی رہ گئیں۔

"کیا مطلب ہے اس کا صنم۔۔۔ کیسی مصیبت؟" عروج نے اس کا شانہ ہلایا۔

"میں نے تمہیں شہریار کے متعلق بتایا تھا نا۔" وہ سر اٹھا کر اسے دیکھتے ہوئے دھیرے سے بولی۔

"وہ۔۔۔ وہ۔۔۔ میرے پیچھے پڑ گیا ہے۔"

"وہ تمہارے پیچھے کیوں پڑے گا۔۔۔ تم نے تو خود اس سے دوستی کی تھی۔" عروج نے اسے یاد دلایا۔ اس کے چہرے کا رنگ متغیر سا ہوا۔

"ہاں۔۔۔ میں نے اس سے دوستی کی تھی۔۔۔ مگر تب مجھے اس کی اصلیت نہیں پتا تھی۔"

"اب کیا ہے اس کی اصلیت۔" فریال نے کسی قدر طنز سے پوچھا۔

"تم نے ہی تو ہمیں بتایا تھا کہ وہ اپنے امیر ماں' باپ کی بگڑی ہوئی اولاد ہے۔ وہ بھی اکلوتی۔ اب اس کے علاوہ اس کے کون سے جوہر کھل گئے تم پر۔"

"وہ ایسا کچھ نہیں ہے۔" صنم نے نفی میں سر ہلایا۔ "وہ صرف ایک غنڈہ ہے۔ ایک۔۔۔ ایک سیاسی غنڈہ۔۔۔ سمجھتی ہو نا تم دونوں اس بات کا مطلب۔" اس نے باری باری ان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ فریال کے دونوں ہاتھ بے اختیار اپنے منہ پر چلے گئے۔

"اوہ مائی گاڈ!" عروج ساکت سی اسے دیکھے جا رہی تھی۔

"ایسے غنڈے تقریباً" ہر سیاسی پارٹی نے پال رکھے ہوتے ہیں۔ اپنے اپنے مفادات کی تحفظ کی خاطر اور شہریار بھی ان ہی میں سے ایک ہے۔ ڈکیتی سے لے کر قتل تک وہ ہر جرم کر چکا ہے اور کئی بار جیل جا چکا ہے۔ مگر کبھی بھی لمبے عرصے کے لیے اندر نہیں ہوا۔ وہ کہتا ہے وہ اپنی پارٹی کا سب سے سرگرم اور خاص کارکن ہے۔ اس لیے وہ اس کی قدر کرتے ہیں۔ اسے بے یار و مددگار نہیں چھوڑتے۔ مجھے اس کے رنگ ڈھنگ دیکھ کر کچھ شک ہوا تو تھا۔ مگر یہ میری ہی غلطی ہے کہ میں نے اس سے بروقت کنارہ کشی اختیار نہیں کی اور اب جب میں اس سے جان چھڑانا چاہتی ہوں تو وہ کمبل بن گیا ہے۔ کہتا ہے میں اتنی آسانی سے اس سے دوستی ترک نہیں کر سکتی۔ ٹھیک ہے۔ میں نے اس سے دوستی کرنے جیسی حماقت کی تھی۔ مگر نکاح تو نہیں کیا نا کہ جسے نبھانے کی میں عمر بھر پابند رہوں۔"

صنم کا ذہنی اضطراب اس کی ہر ہر جنبش سے جھلک رہا تھا۔ عروج نے پہلی بار اسے قدر حواس باختہ دیکھا تھا۔ ورنہ صنم ٹینشن لینے والوں میں سے نہیں' بلکہ ٹینشن دینے والوں میں سے تھی۔

"میری بات مانو تو اپنے پاپا کو بتا دو ان کا کافی اثر و رسوخ ہے۔ وہ کچھ نہ کچھ بندوبست کر ہی لیں گے اس شہریار کا۔" فریال نے مشورہ دیا۔

"نہیں فریال۔۔۔ میں انہیں نہیں بتا سکتی میں اس پوزیشن میں ہی نہیں ہوں۔" صنم نفی میں سر ہلاتے ہوئے دھیمے لہجے میں بولی۔

"اور پھر۔۔۔ میں انہیں بتا بھی دوں گی تو کیا۔۔۔ وہ ان سے ٹکر نہیں لے سکتے۔۔۔ وہ کچھ نہیں کر سکتے۔" اس کی آواز بھرا گئی تھی۔

"پھر بھی صنم۔۔۔ کوئی تو ہوگا نا ایسا تمہاری فیملی میں۔۔۔ جس سے تم یہ مسئلہ شیئر کر سکو۔" عروج بھی بول اٹھی۔

"تم نے بتایا تھا نا پہلے کہ تمہارا ایک کزن پولیس میں ہے۔ ایس پی ہے شاید۔۔۔ تم اس سے کیوں نہیں کہتیں۔"

"کیسے کہوں۔۔۔ بات تو پھر وہی آ گئی نا۔۔۔ انہیں بتاتے ہوئے مجھے ان پر یہ بات بھی کھولنی پڑے گی کہ اس سے ریلیشن شپ میں نے اپنی مرضی سے بنایا تھا۔ تم ہی بتاؤ میں انہیں یہ بات کیسے بتا سکتی ہوں' جبکہ وہ صرف میرے کزن ہی نہیں میرے ہونے والے بہنوئی بھی ہیں۔" اس کا لہجہ بے بسی سے پر تھا۔ عروج نے ایک گہری سانس لی۔

"پھر تو واقعی کچھ نہیں ہو سکتا۔"

"یہ خوامخواہ ڈر رہی ہے۔ میرے خیال میں تو اسے

اپنے کزن کو بتادینا چاہیے۔ ایسی سچویشن میں ایک وہی ہے جو اس کی مدد کرسکتا ہے۔" فریال نے کہا۔ پھر صنم سے مخاطب ہوئی۔

"نہیں بتادو صنم... ورنہ ایسا نہ ہو کوئی نئی مصیبت کھڑی ہوجائے تمہارے لیے۔ ویسے بھی یہ لوگ بہت خطرناک ہوتے ہیں۔" صنم کا رنگ زرد پڑا اس کی بات پر۔ اتنا اندازہ تو اسے بھی تھا۔ حالات کچھ زیادہ تسلی بخش نہ تھے۔

"فریال ٹھیک کہہ رہی ہے صنم ورنہ تو یہ پریشانی تمہیں اکیلے ہی جھیلنی پڑے گی۔ وہ بھی نہ جانے کب تک۔" عروج جو فریال سے اپنا مسئلہ شیئر کرنے کے لیے بے چین تھی۔

صنم کی پریشانی میں اپنی بات بھول گئی۔

"ہاں... ٹھیک ہے۔" اس نے سر تو ہلا دیا۔ مگر اس کا ایسا کوئی ارادہ قطعی نہیں تھا۔

☼ ☼ ☼

"رات کو پھر اس کا فون آیا تھا۔" ندا کا سوال بہت چبھتا ہوا تھا۔ گرم چائے کا بڑا سا گھونٹ اس کی زبان سے لے کر حلق تک آگ لگاتا چلا گیا۔ بمشکل آنکھوں میں آیا پانی پیچھے دھکیل کر وہ اس کی جانب دیکھنے لگی۔

"تم نے اس سے بات بھی کی تھی اور اس کا نام بھی لیا تھا۔ میں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا۔" تلخ لہجہ اور کڑا انداز لیے ندا اسے ملامت کرنے والی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ عروج کو اپنا دل کہیں گہرائی میں ڈوبتا محسوس ہوا۔

کل کی پوری رات سوئی جاگی کیفیت میں رہنے کے بعد وہ اس وقت بھاری سر اور جلتی آنکھوں کے ساتھ ناشتے کی ٹیبل پر آئی تھی۔ اسے بالکل نہیں اندازہ تھا کہ اس کی طرح ندا بھی کل رات وہ فون کال آنے کے بعد سو نہیں پائی ہے کہ بہرحال وہ اس کے ساتھ روم شیئر کرتی تھی۔

"تم نے اس دن مجھ سے جھوٹ کیوں بولا عروج کہ تم اس شخص کو نہیں جانتیں۔" وہ تیز لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

"تم اسے جانتی بھی ہو۔ تم اس سے ملتی بھی ہو۔ تم بے وقوف کسے بنا رہی ہو عروج... مجھے۔" اس کے غصے سے بلند لہجہ اسے جامد کرگیا تھا۔

"خدا کے لیے ندا... بس کرو... تم... تم... مجھے کیا سمجھ رہی ہو... تم نے یہ سوچ بھی کیسے لیا کہ میں..." حیرت اور تاسف کی زیادتی سے الفاظ اس کے حلق میں ہی گھٹ کر رہ گئے۔

"میں نے سوچا کچھ نہیں ہے۔ میں نے سنا ہے اپنے کانوں سے... اچھا بول دو... اب بھی مکر جاؤ کہ تم اسے نہیں جانتیں۔" ندا کا انداز جتنا بے یقین تھا۔ اس کا دل چاہا زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔

"مم... میں... اسے جانتی ہوں۔" اس کی آواز لرزنے لگی۔ بلکہ ایک آواز ہی کیا اس وقت اس کے پورے وجود پر لرزہ سا طاری تھا۔ اسے نہیں پتا تھا کہ اسے اپنی بہن کے سامنے بھی اپنے کردار کی صفائی دینی پڑجائے گی۔ جو اسے برسوں سے جانتی ہے۔ ہر پل اس کے ساتھ رہی ہے۔

"وہ فریال کا کزن ہے۔ مگر میں اس سے پہلی اور آخری بار تب ہی ملی ہوں جب اس دن بارش کی وجہ سے فریال نے مجھے گھر چھوڑنے کی آفر کی تھی۔ روحیل فریال کو لینے آیا تھا اور مجبوری میں مجھے بھی ان کے ساتھ آنا پڑا۔ مگر یقین کرو ندا۔ میں اس سے پہلے اس سے کبھی نہیں ملی۔ میں قسم کھاتی ہوں۔" وہ رو پڑی تھی۔ ندا سپاٹ نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔

"اور اسے تمہارا نمبر کس نے دیا۔ تمہاری اس سو کالڈ فرینڈ نے۔" ہچکیاں لیتے لیتے وہ ایک دم سے چونک گئی۔ ذہن میں فریال کا وہ جملہ بازگشت بن کر گونجا۔

"روحیل عروج کا نمبر مانگ رہا تھا۔ مگر میں نے منع کردیا۔" اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ فریال ایسا کرسکتی ہے۔

"شاید... اس نے دیا ہو... مجھے کل رات پہلی بار

پتا چلا کہ وہ روحیل ہے۔ میں اس سے پہلے کچھ نہیں جانتی تھی۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہوگی عروج... مگر پھر بھی ایک بات میں تمہیں یاد دلانا چاہتی ہوں کہ تم اب کسی سے منسوب ہو۔ منگنی شدہ ہو اور ایسے کسی بھی معاملے میں پڑتے ہوئے تمہیں ایک بار سوچنا ضرور چاہیے تھا۔" ندا یہ کہہ کر اٹھ گئی تھی۔ عروج کو لگا اس کے جسم میں جان ہی نہیں رہی ہو۔ اس کے آنسو بے آواز بہہ رہے تھے۔

ایک عجیب سی خفت، ایک عجیب سی ذلت محسوس ہورہی تھی اسے... وہ ندا تک کو اپنا یقین نہیں دلا پائی تھی۔ اس نے سوچا تھا وہ کالج جاکر فریال سے بات کرے گی۔ مگر اب اس کا دل چاہ رہا تھا وہ کسی کونے میں منہ چھپا کر بیٹھ جائے۔ یہ سارا مسئلہ تب پیدا ہوا تھا جب وہ فریال کے ساتھ گھر آئی تھی۔ پورے راستے وہ خود پر روحیل کی نظریں محسوس کرتی رہی۔ اسے بہت غصہ آرہا تھا۔

مگر غلطی اس کی تھی کہ اس نے روحیل کے بارے میں جان کر بھی فریال کی بات مانی اور اب... صورت حال یہ تھی کہ وہ آدھی رات کو فون کرکے اس سے اپنی محبت کا اظہار کررہا تھا۔ کل رات تو اس نے بہت درشتی سے بات کی تھی۔ اس کے بعد فون بھی آف کردیا... اس نے سوچا وہ سم ہی چینج کرلے گی اور بات ختم ہوجائے گی۔ مگر اب جس طرح ندا نے اسے کٹہرے میں لاکھڑا کیا تھا اس پر الزامات کی بوچھاڑ کی تھی۔ اس کے دل و دماغ ہل کر رہ گئے تھے۔ وہ سوچ رہی تھی اگر ندا نے امی کو بتادیا اور انہوں نے بھی ندا کی طرح اس کا یقین نہیں کیا، تب وہ کیا کرے گی۔

وہ آج تین دن بعد کالج آئی تھی۔ اس دوران میں اس نے جتنا سوچا تھا۔ اسے غلطی اپنی ہی محسوس ہوئی تھی۔ اس نے فریال سے کوئی جواب وہی نہیں کی اور نہ ہی اب یہاں آکر عروج کا اس کا سامنا کرنے کا دل چاہ رہا تھا۔ وہ تو نادیہ نے ہی آکر اسے دیکھ لیا۔

"عروج کی بچی! کہاں تھیں تم۔ پتا بھی ہے کتنے پریشان رہے ہم تمہارے لیے۔ تمہارا ایڈریس بھی نہیں معلوم تھا کہ تمہارے گھر چلے آتے اور موبائل تم نے آف کررکھا تھا۔" وہ اسے دیکھتے ہی شروع ہوگئی تھی۔ اس کے چہرے پر پھیکی سی مسکراہٹ آگئی۔

"بس... ایسے ہی... وہ دونوں کہاں ہیں؟"

"نہیں آئیں۔" نادیہ نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے بٹھایا۔

"تم بتاؤ... کیا بات تھی مجھے تو لگا تمہاری شادی طے ہوگئی ہے۔" اس کا لہجہ قدرے شریر ہوا تھا۔

"نہیں بھئی... ابھی کہاں، کھڑوس صاحب ایک سال تک کچھ نہیں کرنے والے۔" وہ ہنسی تھی۔

"منگنی کے وقت بھی بات دو سال کی طے ہوئی تھی اور ابھی سال باقی ہے۔"

"تو تمہیں بے تابی ہورہی ہے۔ حالانکہ ہونی انہیں چاہیے تمہارے زوہیب صاحب کو۔" وہ چیونگم کا ریپر کھولتے ہوئے ہنسی۔

"خیر یہ بتاؤ... تمہارے موبائل کو کیا ہوا؟"

"کچھ نہیں... نمبر چینج کرلیا ہے میں نے۔" اس نے بتایا۔

"کیوں... اتنا اچھا تو تھا وہ نمبر۔" نادیہ حیران تھی۔

"نمبر اچھا تھا۔ مگر ایک مصیبت گلے پڑگئی تھی۔ جان چھڑانے کے لیے یہ کرنا پڑا۔" وہ تلخی سے بولی۔ نادیہ الجھی ہوئی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"کوئی تنگ کررہا تھا۔"

"ہاں... میرے اپنے ہی دوستوں کی مہربانی ہے۔" عروج نے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر کہا۔

"میں نے کبھی نہیں سوچا تھا۔ میرا کسی ایسی صورت حال سے بھی واسطہ پڑسکتا ہے۔"

"پوری بات بتاؤ عروج... ہوا کیا ہے۔" نادیہ نے بے تابی سے دریافت کیا۔ وہ اسے پوری تفصیل بتاتی چلی گئی۔

"یہ تو بہت برا ہوا۔" وہ تاسف سے سر ہلا رہی تھی۔

"تمہیں واقعی یہ لگتا ہے کہ روحیل کو تمہارا نمبر

فریال نے دیا ہوگا۔" نادیہ بے یقین سی تھی۔
"مجھے نہیں پتا۔۔۔ مگر وہ کوئی جادوگر تو نہیں ہے نا کہ اسے خود بخود میرا نمبر پتا چل گیا۔"
"یہ بھی تو ہو سکتا ہے نا کہ اس نے خود ہی فریال کے سیل سے تمہارا نمبر حاصل کرلیا ہو۔ ورنہ فریال اسے تمہارا نمبر کیوں دے گی۔ جبکہ تم ایک بار اسے منع کرچکی ہو۔" نادیہ اس وقت فریال کا دفاع کررہی تھی۔ وہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔ پھر قطعی لہجے میں بولی۔
"چاہے کچھ بھی ہوا ہو۔۔۔ مگر اب میں فریال کو اپنا نیا نمبر نہیں دوں گی۔ تم نہیں جانتیں نادیہ۔۔۔ اس سارے مسئلے کی وجہ سے میری پوزیشن گھر والوں کی نظروں میں کتنی آکورڈ ہوگئی ہے۔ میں قابل بھروسا نہیں رہی ہوں ان کے لیے اور پتا نہیں اب میں دوبارہ کبھی ان کا یقین حاصل کر بھی پاؤں گی یا نہیں۔" اس کی آنکھوں میں سرخی اتر آئی تھی۔ یہ بات کرتے ہوئے نادیہ نے تسلی آمیز انداز میں اس کا ہاتھ تھپکا۔
"تم اپنی جگہ ٹھیک ہو عروج۔۔۔ تمہاری جگہ میں بھی ہوتی تو مجھے بھی غصہ آتا مگر پھر بھی میں چاہتی ہوں تم ایک بار فریال سے بات ضرور کرو وہ بے چاری تو خود پریشان تھی تمہارے لیے۔ مجھے نہیں لگتا اسے کچھ پتا ہوگا۔ دوستوں کے درمیان بدگمانیاں نہیں ہونی چاہئیں۔ میں چاہتی ہوں۔ تم دونوں کے بیچ سب ٹھیک ہوجائے۔"
"اب کچھ ٹھیک نہیں ہوگا اب میری اور اس کی دوستی کبھی پہلے جیسی نہیں ہوگی۔" چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اس نے دل ہی دل میں سوچا تھا۔
"اچھا۔۔۔ تم مجھے اپنا نمبر تو دو۔" نادیہ کو اچانک خیال آیا۔ اس نے سرہلاتے ہوئے اپنا سیل فون اٹھایا۔
"میں نے اور صنم نے شاپنگ کا پروگرام سیٹ کیا ہے۔۔۔ تم چلو گی۔" نادیہ نے اچانک اس سے پوچھا تو وہ چونک گئی۔
"شاپنگ۔۔۔!"
"ہاں۔۔۔ تم کہہ رہی تھیں نا اس دن کہ تمہیں کچھ خریداری کرنی ہے۔۔۔ تو چلی چلو ہمارے ساتھ کالج کے فوراً بعد چلیں گے۔"
"ابھی۔۔۔ آج؟" اس نے حیرت زدہ ہو کر دریافت کیا۔
"ابھی تو تم کہہ رہی تھیں فریال اور صنم نہیں آئیں۔"
"ہاں۔۔۔ فریال تو نہیں آئی آج، مگر صنم پہنچنے والی ہے تھوڑی دیر میں۔۔۔ تم بتاؤ چل رہی ہو یا نہیں۔" اس نے دوبارہ پوچھا تھا۔ عروج نے بے اختیار نفی میں سر ہلایا۔
"میں پیسے نہیں لائی۔" اس وقت۔۔۔ ان کے ساتھ شاپنگ پر جاکر وہ اپنے لیے نئی مصیبت مول نہیں لے سکتی تھی۔
"کیا ہے یار۔۔۔ مجھ سے لے لینا۔۔۔ میں تو ویسے بھی صنم کا ساتھ دینے جارہی ہوں۔۔۔ بتاؤ۔۔۔ کتنے روپے چاہئیں تمہیں؟" نادیہ نے تو اس کا مسئلہ سنتے ہی حل کردیا۔
"نہیں۔۔۔ میں گھر میں بتائے بغیر جانا نہیں چاہتی اور بتاؤں گی تو وہ کبھی اجازت نہیں دیں گے، اس لیے رہنے دو۔" اصل وجہ اس نے اب بھی نہیں بتائی۔ مگر نادیہ کے چہرے پر ناگواری چھاگئی۔
"ایک تو تمہارے یہ گھر والے بھی نا۔۔۔ ہر بات میں ان کو اعتراض کرنا ضروری ہوتا ہے کیا۔" وہ ناراضی سے کہہ رہی تھی۔
"یہ فریال کیوں نہیں آئی؟" اس کا دھیان ہٹانے کی خاطر اس نے بات بدلی تھی۔
"پتا نہیں۔۔۔ ہوگا کوئی مسئلہ۔۔۔ کم بخت جب دیکھو چھٹیاں ہی کرتی رہتی ہے۔ مذاق بنا کے رکھا ہوا ہے اپنی پڑھائی کو۔ میں حیران ہوں۔ اس کے ماں باپ بھی اسے کچھ نہیں کہتے۔" نادیہ نے جس انداز میں یہ بات کی۔ عروج کو بے ساختہ ہنسی آگئی۔
"ہاں۔۔۔ ہر سال ٹاپ تو تم کرتی ہونا۔" اس نے مسکراتے ہوئے اس پر چوٹ کی۔ مگر نادیہ کوئی اثر لیے بغیر سابقہ لہجے میں گویا ہوئی۔
"اور اس دوسری مہارانی صاحبہ کو دیکھو۔۔۔ اتنا ٹائم ہوگیا ہے ابھی تک نہیں آئی۔ اس کی روز کی یہی روٹین ہے۔ مجھے یاد نہیں ہے ان دو سالوں میں یہ کبھی کالج آئی ہو اور ایک میں ہوں کہ جب سے پاپا کی گاڑی وقت پر ٹھوکی ہے۔ شامت آگئی ہے میری۔ میرے ڈرائیونگ کرنے پر تو انہوں نے بین لگا ہی دیا ہے۔ اب صبح ہی صبح اپنی نیند برباد کرکے ان کے ساتھ کالج آکر پہلا پیریڈ اٹینڈ کرنا پڑتا ہے۔" وہ تپے ہوئے لہجے میں بولتی جارہی تھی۔ عروج کے چہرے پر مسکراہٹ آگئی۔ اب اسے پتا چلا کہ سدا کی نالائق نادیہ پڑھائی کے لیے اتنی کانشس کیسے ہوگئی۔۔۔ وہ ان دنوں اپنے پاپا کے زیرِ عتاب تھی۔ اس لیے اسے دوسروں کی بے فکری اور آزادی کھل رہی تھی۔
"تو اس کا مطلب اب تم صنم کے ساتھ اس کی گاڑی میں جاؤ گی شاپنگ پر۔" اس نے کہا۔
"ظاہر ہے۔۔۔ میں نے کہا بھی صنم سے۔۔۔ اگر تم گاڑی چلاؤ گی تو پھر میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گی۔ اس کے ساتھ تو بیٹھنے سے پہلے ہی بندہ اپنے سارے گناہ بخشوا لے۔" وہ سیل فون اٹھاتے ہوئے جھنجلائے ہوئے لہجے میں کہہ رہی تھی۔ پھر اس نے دوبارہ شاید صنم کو کال ملانی شروع کردی تھی۔ عروج کی کلاس کا ٹائم ہورہا تھا۔ وہ وہاں سے اٹھ کر چلی آئی تھی۔

☼ ☼ ☼
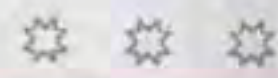
"آئی ایم سوری عروج۔ مجھے نادیہ نے بتایا تم مجھ سے ناراض ہو۔ مگر تم ہی بتاؤ اس سارے معاملے میں میرا کیا قصور ہے۔" فریال فون پر اس سے مخاطب تھی۔ کافی لاچار سا انداز لیے۔ اس نے نادیہ سے کہا تھا۔ وہ فریال کو اپنا نمبر نہیں دینا چاہتی۔ مگر لگتا تھا کہ نادیہ نے اس کی بات پر کوئی دھیان نہیں دیا تھا اور اس وقت اسے گھر آئے کچھ ہی دیر ہوئی تھی، جب فریال کی کال آگئی۔
"تمہیں میرا نمبر نادیہ نے دیا؟" اس نے اس کی بات نظرانداز کرکے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔
"اس نے نہیں دیا، بلکہ میں نے اس سے لیا۔۔۔ ٹھیک ہے۔ تمہیں مجھ پر غصہ ہے۔ مگر اس طرح سے ری ایکٹ کرنے کی کیا ضرورت ہے عروج۔۔۔ تم مجھ سے بات کرکے بھی تو یہ غلط فہمی دور کرسکتی تھیں نا۔" اس کے انداز میں شکوہ بھی تھا اور ہلکی سی تلخی بھی۔ وہ چند لمحوں کے لیے خاموش سی رہ گئی۔
"اول تو تمہیں میرے بارے میں ایسا سوچنا بھی نہیں چاہیے تھا۔ جب میں ایک بار تمہارے کانٹیکٹ نمبر کے لیے منع کرچکی تھی تو دوسری بار کیوں دیتی۔ اس نے خود ہی میرے سیل سے نمبر لے لیا اور کیسے اور کب لیا۔ بخدا میں بالکل نہیں جانتی۔ مجھے خود بھی اس پر بہت غصہ ہے اور میں انتظار میں ہوں کہ کب وہ آئے اور میں اس کا دماغ درست کرسکوں۔ وہ چاہے ہزاروں لڑکیوں سے فلرٹ کرے۔ مگر مجھے اپنی دوست کی نظروں سے تو نہ گرائے۔ تم اندازہ نہیں کرسکتیں۔ میں کتنا گلٹی فیل کررہی ہوں۔ میں نے جانتے بوجھتے کچھ نہیں کیا۔ آئم رئیلی ویری سوری عروج۔" وہ بے حد سنجیدہ تھی اور جس طرح سے اس نے معافی مانگی۔۔۔ عروج کو ایک پل لگا تھا اسے معاف کرنے میں۔ جب غلطی فریال کی ہے ہی نہیں تو میں اسے الزام کیوں دوں۔" اس نے سوچا تھا۔
"تم نے اپنی فرینڈز کو یہ نمبر بھی دے دیا۔" تھوڑی دیر بعد جب وہ فریال سے بات کرنے کے بعد اس کے بھیجے گئے ایس ایم ایس پڑھ رہی تھی۔ ندا نے آکر پوچھا تھا۔
"ہاں۔۔۔" اس نے نظریں چرائیں۔
"ٹھیک ہے تو پھر انتظار کرو۔ دوبارہ اس کا فون کب آتا ہے۔ اسی فریال کا کزن ہے۔ نا وہ۔" وہ تیکھے لہجے میں پوچھ رہی تھی۔
"ہاں۔۔۔ مگر فریال کا اس سارے معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہے اور براہ مہربانی تم بھی میرے معاملات سے دور رہو۔ میں کیا کرتی ہوں اور کیا نہیں کرتی۔

تمہیں اس پر اپنا دماغ کھپانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اپنے کام سے کام رکھا کرو پلیز۔" اس نے انتہائی سخت لہجہ اختیار کیا تھا۔ بلکہ کسی حد تک ہتک آمیز۔ پچھلے کچھ دنوں سے، جب سے اس نے ندا کی آنکھوں میں اپنے لیے بے یقینی اور بے اعتباری دیکھی تھی۔ وہ اس سے بات چیت کم کرچکی تھی۔ ایک عجیب سا تناؤ آگیا تھا ان دونوں کے بیچ اور اس لمحے اس کی بات پر ندا کا چہرہ سرخ پڑ گیا تھا۔ وہ پھر مزید رکے بنا تیزی سے کمرے سے نکل گئی تھی۔ اس نے سر جھٹکتے ہوئے دوبارہ سے اپنی توجہ میسجز پر مبذول کردی۔

سہ پہر کے ساڑھے چار بجے تھے جب اسے ایک بار پھر فریال کی کال موصول ہوئی مگر اس طرح کہ اس کے جسم سے سارا خون نچوڑ گئی تھی۔ اس نے خبر ہی ایسی سنائی تھی بے جان ہوتے وجود سے کرسی کا سہارا لیتے ہوئے اس نے بمشکل خود کو سنبھالا۔ جبکہ فریال ہراساں لہجے میں بتا رہی تھی۔

"دوپہر میں مجھے نادیہ کی ممی کا فون آیا تھا کافی پریشان تھیں۔ میں نے انہیں بتا دیا کہ وہ اور صنم شاپنگ کے لیے گئی تھیں۔ میں تو آج گھر پر ہی ہوں اور میں نے جب نادیہ اور صنم کو فون کرنا چاہا تو دونوں کا نمبر آف تھا۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے مجھے صنم کی سسٹر نے فون کرکے بتایا کہ صنم کی گاڑی ایک سنسان سڑک کے کنارے ملی ہے اور نادیہ اور صنم دونوں غائب ہیں۔"

"اوہ میرے خدایا۔" عروج کو لگ رہا تھا وہ اپنے حواس کھو دے گی۔

"تم... تم... جانتی ہو عروج... تمہیں اندازہ ہے نا یہ کام کس کا ہو سکتا ہے... اس... شہریار کا۔ ان کے گھر والوں نے پولیس میں رپورٹ درج کروادی ہے۔ مگر... مجھے ڈر لگ رہا ہے عروج... میں ان کے گھر والوں کو یہ بات کیسے بتاؤں۔" فریال کو اس وقت صرف اپنی پڑی تھی اور عروج کو اپنی۔ وہ سوچ رہی تھی اگر آج نادیہ کے کہنے میں آکر وہ ان کے ساتھ چلی گئی ہوتی تو اس وقت نہ جانے کہاں ہوتی۔

"صنم کی شہریار سے کافی عرصے سے دوستی تھی۔ اس نے یقیناً" اسے ہمارے بارے میں بھی بتایا ہوگا۔ اب اگر میں پولیس کے سامنے شہریار کا نام لے لوں تو کہیں بعد میں میرے لیے مصیبت کھڑی نہ ہو جائے۔" وہ بہت خود غرض ہو کر سوچ رہی تھی۔

"عروج... کیا ہوا... کیا کہہ رہی ہے فریال۔" اس کی اڑی رنگت اور ہراساں صورت دیکھ کر ندا اپنی خفگی بھول کر پریشانی سے پوچھنے لگی۔ اس کے دل و دماغ میں بھونچال برپا تھا وہ کیا جواب دیتی۔ دونوں ہاتھوں میں سر تھام کر بیٹھ گئی۔

"خدا کے لیے عروج... بتاؤ مجھے کیا ہوا۔" ندا بے تحاشا گھبرا گئی اس کی یہ کیفیت دیکھ کر۔

"صنم اور نادیہ... انہیں... کسی نے اغوا کرلیا ہے ندا۔" گھٹے گھٹے لہجے میں اس نے بمشکل اپنی بات مکمل کی۔

"نہیں۔" ندا کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"کیسے عروج... کب ہوا یہ۔"

"شاپنگ کے لیے گئی تھیں وہ دونوں... اور... اور..." اس سے بات پوری نہیں ہو پائی۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"کیا تم جانتی ہو... یہ کام کس کا ہے۔" اس کی ادھوری بات سے ندا نے یہی نتیجہ اخذ کیا۔

"مجھے... ندا... انہوں نے مجھے بھی کہا تھا جانے کے لیے... لیکن... میں نہیں گئی... اگر... اگر میں چلی جاتی تو میں بھی..." وہ ہچکیاں لینے لگی تھی۔ ندا نے اس کے قریب بیٹھ کر اس کا ہاتھ تھاما۔

"ایسا کچھ نہیں ہوا نا عروج... شکر کرو تم اپنے گھر میں ہو اور خیریت سے ہو۔" وہ اس کے آنسو صاف کرنے لگی۔

"لیکن نادیہ اور صنم... ندا نہ جانے وہ کہاں ہوں گی... کس حال میں ہوں گی۔" اس کے رونے کی آواز سن کر امی بھی کمرے میں آگئی تھیں اور جب ندا نے انہیں پوری بات بتائی تو انہوں نے بے اختیار سینے پر ہاتھ رکھ لیا۔

"اللہ رحم کرے ان کے حال پر، کسی سے کوئی دشمنی تو نہیں تھی ان کی۔" انہوں نے پوچھا تھا۔ ندا کو کچھ پتا نہیں تھا اور عروج، شہریار کا نام لے نہیں سکتی تھی۔ اسی لیے خاموشی سے سر جھکائے بس آنسو بہاتی رہی۔

ایک رات گزر گئی تھی۔ مگر نادیہ اور صنم کا کچھ پتا نہیں چلا تھا۔ حالانکہ دونوں ہی بارسوخ گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں اور ان کے گھر والے اپنا تمام تر زور بھی لگا رہے تھے۔ پولیس کا خیال تھا لڑکیوں کی دوستوں سے اس بارے میں معلوم کیا جاسکتا ہے مگر وہ خود ہی کسی قسم کی تعاون سے انکاری تھیں۔ فریال سب کچھ جانتے ہوئے بھی ہونٹوں پر خاموشی کا قفل لگائے ہوئے تھی۔ لیکن عروج نے ضرور شہریار کا نام لینے کی ہمت کی تھی۔ مگر صرف نام ہی لیا تھا۔ مزید کچھ تو وہ بھی نہیں جانتی تھی۔

یہ اس کے لیے دوسرا بڑا دھچکا تھا۔ اس کے خاندان میں سے کسی کا پالا پولیس سے نہیں پڑا تھا۔ کسی نے پولیس اسٹیشن تک کی شکل نہیں دیکھی تھی۔ مگر عروج ایک گھنٹے تک پولیس کی طرح طرح کی پوچھ گچھ کا سامنا کرتی رہی۔ بابا تو مارے شرمندگی کے کسی سے آنکھ نہیں ملا پا رہے تھے۔ جن بیٹیوں کی تربیت پر انہیں فخر تھا آج اسی بیٹی نے انہیں عمر کے اس حصے میں تھانے کے چکر لگانے پر مجبور کردیا تھا۔

ملنے جلنے والوں میں جو ان کی بدنامی ہو رہی تھی، اس کے بعد تو وہ زندگی بھر کبھی سر اٹھا کر نہیں چل سکتے تھے۔ ایک شریف اور باعزت گھرانے کی کسی لڑکی کے تھانے جانے کا تصور کتنا ذلت آمیز ہوتا ہے اس کا اندازہ انہیں آج ہوا تھا۔ عروج خود کو کمرے میں بند کرکے بیٹھی تھی۔ امی بھی آئی تھیں اور ان کے تیور کچھ ٹھیک نہیں لگ رہے تھے۔ ندا نے اسے یہ بات بتائی تو وہ بس خالی خالی نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔ کوئی اور وقت ہوتا تو وہ فکرمند ہو جاتی۔ کیونکہ بظاہر زوہیب سے بےزاری جتانے کے باوجود وہ کبھی اسے کھونے کے بارے میں نہیں سوچ سکتی تھی۔ مگر اب جو حالات تھے اس کی وجہ سے اس کی تمام ترجیحات مردہ ہی ہو گئی

تھیں۔

دوسرے دن شام کو اسے فریال سے نادیہ اور صنم کی واپسی کی اطلاع ملی۔ عروج کے دیے گئے بیان پر ہی پولیس کے لیے ان کا سراغ لگانا ممکن ہوا تھا۔ جبکہ شہریار اور اس کے ساتھی فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے تھے۔ شاید وہ نادیہ اور صنم کو زندہ بھی نہ چھوڑتے۔ اگر اوپر کے دباؤ کے باعث پولیس اتنی مستعدی نہ دکھاتی۔ انہیں اتنا موقع ہی نہ ملا۔ وہ دونوں گھر تو آگئی تھیں۔ مگر ان کی ذہنی حالت کچھ زیادہ اچھی نہیں تھی۔ اس ایک رات اور ایک دن میں جو ان کے ساتھ ہوا تھا وہ کچھ کم نہیں تھا۔ انہیں ذہنی طور پر تباہ کرنے کے لیے' عروج نے شکر ادا کیا تھا کہ جیسے بھی سہی۔ وہ گھر تو واپس آگئی تھیں۔ پچھلے دو دنوں میں اس نے نہ جانے کتنی بار رو رو کر اللہ کا شکر ادا کیا تھا کہ جس نے اسے بچالیا۔ اس کی عزت رکھ لی۔ ورنہ اگر اس دن وہ بھی اس کے ساتھ چلی جاتی تو اسے بھی نادیہ کی طرح مفت میں صنم کی بدنامی کا حصہ دار بننا پڑتا۔

ان سارے معاملات سے دھیان کچھ بٹا تو اسے زوہیب کا خیال آیا۔ دل کو عجیب ہی وہم ستانے لگے تھے۔ زوہیب نے اس سے ایک بار بھی بات نہیں کی تھی۔ مامی الگ خراب موڈ کے ساتھ آئی تھیں۔ اسے اندازہ ہوگیا تھا زوہیب کی شدید ناراضی کا۔ ایسے وقت میں جب خاندان کا ایک ایک فرد اس سے کرید کرید کر معاملہ جاننے کی کوشش کرتا تھا۔ ان کی طرف سے ایسی گہری خاموشی کافی معنی خیز تھی۔

لیکن اس کے یہ سارے خدشے اس وقت شدید حیرت میں بدل گئے۔ جب مامی ان کے گھر آئیں۔ یہ فرمائش لے کر کہ وہ پندرہ دن کے اندر رخصتی چاہتی ہیں۔ در حقیقت یہ زوہیب کی خواہش تھی جسے بعد میں انہوں نے جتایا بھی۔ اس افراتفری کی شادی میں جہاں سب ہی کچھ حیران اور سنجیدہ تھے۔ عروج کے دل کی عجیب ہی حالت ہو رہی تھی۔ آنے والے وقت کے خیال سے۔ زوہیب کے سامنا کرنے کے خیال سے اس کے اعصاب اس کا ساتھ چھوڑنے لگے تھے۔ وہ سوچ رہی تھی کہ شاید زوہیب کے دل میں اس کے لیے بہت بدگمانیاں ہوں گی۔ ناراضی ہوگی اور غصہ ہوگا جو ہونا بھی چاہیے تھا۔ اس نے کوئی وجہ نہیں چھوڑی تھی کہ وہ اس پر اعتبار کرتا۔ وہ اسے اپنی زندگی میں شامل کر رہا تھا۔ یہ بھی عروج پر اس کا بہت بڑا احسان تھا۔

رخصتی سے ایک دن پہلے ندا اس کے پاس آئی تھی اور نہایت سنجیدہ لہجے میں کہا تھا۔

"تم جانتی ہو عروج۔۔۔ مامی اس رشتے کے لیے بالکل بھی راضی نہیں تھیں۔ یہ سب کچھ جو ہو رہا ہے زوہیب بھائی کی بدولت ہو رہا ہے۔ انہوں نے تمام تر کوششیں کرلی تھیں اس رشتے کو توڑنے کی۔۔۔ اگر زوہیب بھائی ان پر دباؤ نہ ڈالتے اس شادی پر اور اتنی جلدی شادی پر۔۔۔ تو تم سوچ سکتی ہو کہ کیا ہو سکتا تھا۔ اب جب تم اس گھر میں ہمیشہ کے لیے جا رہی ہو تو تمہیں یہ بات ذہن میں رکھنی ہے کہ وہاں کوئی بھی تمہارا استقبال خوشدلی سے نہیں کرے گا۔ ہو سکتا ہے تمہیں بہت کچھ سننا پڑے۔ لیکن تمہیں خاموشی سے سب سننا ہے اور صبر سے سہنا ہے۔ کبھی کبھی اپنی ناسمجھی کی ہمیں کوئی نہ کوئی قیمت ادا کرنی ہی پڑتی ہے۔ مجھے امید ہے کہ تم یہ ساری باتیں ذہن نشین کرتے ہوئے آسانی سے وہاں ایڈجسٹ کرلوگی۔ زوہیب بھائی بہت اچھے انسان ہیں۔ تمہیں بہت عزت دیں گے اور بہت پیار بھی کریں گے۔ بس باقی باتوں کا خیال تمہیں خود رکھنا ہے۔" ندا اسے جو سمجھانا چاہ رہی تھی۔ عروج وہ بہت اچھی طرح سمجھ رہی تھی اور اس نے خود کو ذہنی طور پر تیار بھی کرلیا تھا۔ آئندہ حالات کا سامنا کرنے کے لیے۔

☆ ☆ ☆

اس کی زندگی میں ایک بہت بڑا چیلنج آچکا تھا۔ مگر اس سے بھی بڑی تبدیلی زوہیب میں آئی تھی۔ اس نے جیسے تہیہ کیا ہوا تھا قدم قدم پر اسے حیران کرنے کا۔ شادی کی پہلی رات جس کے حوالے سے اسے کوئی خوش فہمی نہیں تھی۔ زوہیب نے اتنا نارمل بی ہیو کیا کہ اسے اپنی سوچوں پر شرمندگی سی محسوس ہونے لگی۔ زوہیب نے اسے پچھلی باتوں کا کوئی طعنہ نہیں دیا۔ شک میں لپٹا کوئی سوال نہیں پوچھا۔ الٹا اس کا انداز اتنی نرمی اور محبت لیے ہوئے تھا کہ عروج بجائے مطمئن ہونے کے مزید الجھ جاتی۔

زوہیب جو اس کے سوچ کے مطابق ایک بور اور خشک مزاج انسان تھا۔ اس سے اتنی محبت پانے کا اس نے کبھی عام حالات میں تصور نہیں کیا تھا۔ پھر جن حالات میں ان کی شادی ہوئی تھی۔ الجھن' اضطراب' حیرانی' بے یقینی' انہی کیفیات میں گھری وہ زوہیب کی محبت کو بھی ٹھیک طرح سے محسوس نہیں کر پا رہی تھی اور اس دن اس نے زوہیب کا ہاتھ پکڑ کر پوچھ ہی لیا۔

"زوہیب۔۔۔ یہ سب کیا ہے؟"

"کیا؟" اس کی آنکھوں میں حیرت ابھر آئی۔ وہ چند لمحے تو خاموشی سے اسے دیکھتی رہی' پھر دھیرے سے بولی۔

"آپ جانتے ہیں' میں کیا پوچھ رہی ہوں۔ میرا خیال تھا آپ مجھ پر غصہ ہوں گے۔ مجھ سے بدگمان ہوں گے۔ ہو سکتا ہے آپ کے دل میں میرے لیے کچھ شکوک و شبہات بھی ہوں' مگر آپ۔۔۔ آپ اتنے نارمل کیسے ہیں اور کیوں؟" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے الجھن بھرے لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

"کیا آپ کو مجھ پر بالکل بھی غصہ نہیں آیا؟"

"آیا تھا۔" اس کے خاموش ہونے پر زوہیب ایک گہری سانس لیتے ہوئے بولا۔

"پہلے پہل تو مجھے تم پر بے حد غصہ آیا تھا۔ لیکن پھر جیسے جیسے میں نے سوچا تو مجھے یہ احساس ہوا کہ جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ اسے اب بدلا نہیں جا سکتا۔ جس حادثے کو جتنی کم اہمیت دی جائے اتنے ہی ہماری زندگی پر اس کے اثرات کم مرتب ہوتے ہیں اور میں اس حادثے کی وجہ سے اپنی آئندہ زندگی داؤ پر نہیں لگا سکتا تھا۔ اب تو تم یہ جان ہی گئی ہوگی کہ میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں۔" زوہیب نے اس کا چہرہ ہاتھوں میں تھام کر کہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بے تحاشا نمی اتر آئی۔

"جب ہماری شادی ہو رہی تھی' میں نے تب ہی یہ ارادہ کرلیا تھا کہ اپنی زندگی کی اس نئی شروعات پر میں تمہاری زندگی کے اس ناخوشگوار واقعے کا سایہ تک نہیں پڑنے دوں گا۔ تمہیں کوئی بات جتانا یا تمہارے کردار پر شکوک و شبہات کا اظہار کرنا تو پھر دور کی بات ہے۔ پہلے اگر میں نے تمہیں سمجھایا تھا تو تب تم بہت بے وقوف اور جذباتی سی تھیں اور مجھے واقعی تمہاری فکر تھی۔ اب تو تمہیں خود بھی عقل آگئی ہے اور پھر تم میری ذمہ داری بن چکی ہو اور میں اپنی ذمہ داری نبھانا اچھی طرح سے جانتا ہوں۔"

اس کے دل سے کوئی بھاری بوجھ سرکا تھا۔ دلی خوشی اور طمانیت مسکراہٹ بن کر ہونٹوں سے چھلک پڑی تھی۔ زوہیب کی محبت اور یقین پا کر اسے اور کسی چیز کی تمنا نہیں رہی تھی۔ اب اپنی پوری زندگی بھی وہ اس سے وابستہ لوگوں کے طعنے تشنے سنتے ہوئے گزار سکتی تھی کہ اتنی سزا کا حق دار تو وہ خود کو سمجھتی ہی تھی۔

وہ جان گئی تھی کسی لڑکی کے لیے سب سے قیمتی سرمایہ اس کی عزت' اس کی نیک نامی ہی ہوتی ہے۔ اس پر آئی معمولی سی آنچ بھی اس کی پوری زندگی کو جہنم بنا سکتی ہے۔ ابھی بھی اسے بہت کچھ سہنا تھا۔ مگر یہ بہت کچھ اس مان اور اعتبار کے سامنے کچھ بھی نہیں تھا جو اسے زوہیب سے ملا تھا اور اب وہ اس مان اور اعتبار کی حفاظت کا گر جان گئی تھی۔

☆ ☆

فاخرہ گل

مرے ہمنوا خبر کرو
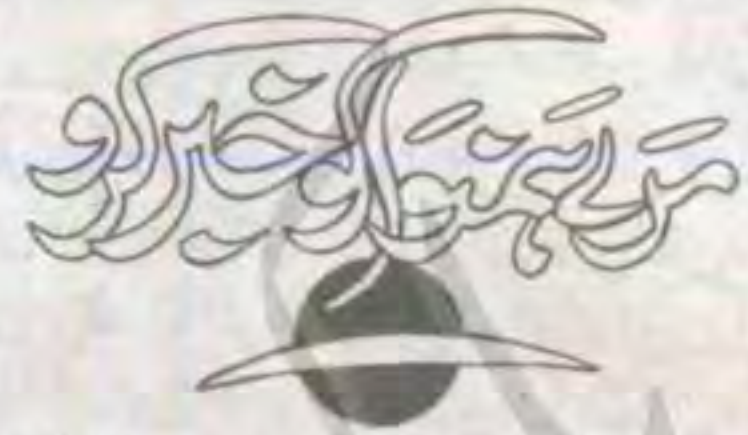
"واہ بھئی سلیقہ قرینہ تو اپنی ندرت پر ختم ہے ایسا کوئی کام ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتا جو اس لڑکی کو نہ آتا ہوگا۔"

"بنانے والے نے بنایا بھی تو یوں فرصت سے ہے کہ ایک ایک نقش پر فدا ہونے کو دل چاہے۔ اس پر کانچ سی آنکھوں میں ڈولتی معصومیت۔۔۔ دیکھتے ہی زبان بے اختیار تعریف کرنے لگتی ہے۔"

"نا صرف یہ بلکہ پہننے اوڑھنے کا بھی خوب ہنر رکھتی ہے۔ سستے سے سستے کپڑے کو ایسا کٹ دیتی ہے کہ ڈیزائنر کا معلوم ہوتا ہے اور پھر قدرت بھی ایسا کہ لان کا کوئی پرانا جوڑا بھی نکال کر پہن لے تو بنارسی مہنگوں ساڑھیوں کو مات دے دے۔"

"ساری باتیں ایک طرف لیکن غرور نام کا نہیں ہے اس میں۔ اور یہی خوبی اسے ہمارے خاندان کی "سنو وائٹ" بنائے ہوئے ہے۔"

یہ اور اس جیسے کئی تعریفی کلمات اور سراہتی نظریں اکثر ندرت کی بصارت وسماعت سے ٹکراتے رہتے۔ ماں باپ اور بہن بھائیوں کی لاڈلی ندرت، جسے دیکھ کر ہمیشہ لوگ اس میں موجود کسی نہ کسی کو تلاش کرنے کی کوشش کرتے اور ہر بار ہی ناکامی ہوتی کہ شکل و صورت بھی اچھی تھی اور ذہن بھی اسکول سے لے کر اب یونیورسٹی تک ہمیشہ ٹاپ تھری پوزیشنز پر رہنے کے باوجود اس کی بھنویں کبھی اوپر نہیں چڑھی تھیں۔ سر میں بھی غرور نہیں سمایا تھا۔ کم عمر ہونے کے باوجود اس کا ذہن، اس کے خیالات انتہائی پختہ اور میچور معلوم ہوتے۔ غرض یہ کہ اٹھارہ سال کی ہونے کے باوجود اس کا وجود تمام گھر والوں کے لیے چابی کی اس گڑیا کی مانند تھا جسے دیکھ دیکھ کر سب جیتے تھے، خوش ہوتے تھے اور اس کی سدا خوش رہنے کی دعائیں کیا کرتے تھے۔

☆☆☆

شاعر حضرات نے بادِ نسیم کے حوالے سے جتنے اشعار لکھے ہیں اس کیفیت کا اندازہ کرنے کے لیے خود اسے محسوس کرنا ضروری ہے۔ صبح صادق کے وقت چلتی نرم اور ٹھنڈی ہوا پر جیسے ماں کی گود کا گمان ہوتا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے سبک خرام ہوا کے ساتھ فضا ہمیں اپنی بانہوں میں بھرنے لگی ہو۔ ندرت کے لیے صبح کا یہ حسین وقت ہمیشہ ہی آئیڈیل ہوا کرتا تھا۔ رات کو بے شک دو ڈھائی بجے سوتی لیکن فجر کے وقت اس کی آنکھ میکانکی انداز میں کھلتی کہ لگتا اس کے دماغ میں کوئی الارم سیٹ ہے جو اس کی تھکن، نیند کی کمی، موسم کی گرمی سردی سے بے نیاز اپنے مخصوص ٹائم پر بج اٹھتا اور وہ کسی روبوٹ کی مانند اٹھ کر اس وقت کے سکون اور ہوا کی پاکیزگی کو اپنے اندر اتار لیا کرتی۔ فجر کی نماز کے بعد وہ گھر میں موجود چھوٹے سے لان میں ننگے پاؤں چلتے ہوئے گھاس پر چمکتی شبنم کے شفاف قطروں کو پاؤں سے محسوس کرتی تو ذہن ایک دم فریش سا ہو جاتا۔

آج بھی حسب معمول وہ تھوڑی دیر گھاس پر چہل قدمی کرنے کے بعد ابا کے لگائے ہوئے پودوں کو دیکھ رہی تھی جن میں موجود ننھی منی کلیاں پھول بننے کے لیے تیار اور بے تاب تھیں۔

"ندرت بیٹا!" امی نے اپنے کمرے کی کھڑکی سے اسے آواز لگائی۔

"آج تو تم نے جلدی یونیورسٹی جانا تھا نا؟"

"جی امی! لیکن ابھی تو بہت ٹائم ہے۔ کپڑے وغیرہ تو میں نے رات کو تیار کر لیے تھے۔"

امی کی آواز پر مڑنے کے ساتھ ہی جواب دیتے ہوئے اس نے اندر کا رخ کیا۔

مکمل ناول

سورج نرم نرم اوائل کرنوں کے ساتھ دھرتی کے بسنے والوں پر اپنی آمد کا طبل بجا چکا تھا، جسے پرندوں

کی چہچہاہٹ اور پھول، پودوں نے لہلہا کر خوش آمدید کہا ہر چیز میں زندگی دوڑنے لگی تھی گھر کے اندر اور گھر کے باہر سے نفوس کی ملی جلی آوازیں زندگی کا احساس دلا رہی تھیں۔

"السلام علیکم امی، السلام علیکم ابا!"

ندرت نے کمرے میں داخل ہو کر صبح کا سلام کیا تھا۔

"وعلیکم السلام بیٹا! جیتی رہو۔" دونوں نے اسے دعا دی تو وہ امی کے پاس بیٹھ گئی۔ انہوں نے قرآن پاک بند کر کے اس پر پھونک ماری اور جزدان میں لپیٹنے لگیں۔ یہی ان کا معمول بھی تھا۔ وہ روزانہ اس وقت تک قرآن پاک کی تلاوت کرتی رہتیں جب تک ندرت ان کے کمرے میں نہ آتی۔

"کیا بات ہے بیٹا! آج یونیورسٹی میں کوئی فنکشن ہے یا ویسے ہی جلدی جانا ہے؟" ابا نے مسواک کرنے کے بعد کمرے سے ملحقہ باتھ روم میں کلی کرانے کے بعد پوچھا تھا۔

"نہیں ابا! آج تو فنکشن نہیں ہے۔ ہاں تیاری آج سے شروع کر رہے ہیں دراصل ہمارے پرنسپل کا ٹرانسفر ہو گیا ہے تو ان کے اعزاز میں ایک چھوٹا سا لنچ ہماری کلاس نے دینا ہے پھر ہم سب نے سوچا کہ لنچ کے ساتھ ذرا موج مستی بھی ہو جائے تو اچھا ہے بس وہی تیاری کرنی ہے۔" ندرت نے ہمیشہ کی طرح مکمل تفصیل سے بات کی تھی۔ امی اور ابا کے ساتھ وہ اپنی چھوٹی سے چھوٹی بات شیئر کرتی تھی۔ تب سے جب سے ثروت آپا کی شادی ہوئی تھی۔ ان کے جانے کے بعد گھر میں باقی رہ جانے والے ناصر بھائی بڑے بھی تھے اور پھر ان کی مصروفیات بھی ایسی تھیں کہ وہ ان کے ساتھ بیٹھ کر گھنٹوں اپنی باتیں شیئر نہیں کر پاتی تھی۔ ایسے میں وہ اپنی ہر بات امی ابا سے یوں شیئر کرتی کہ لگتا ڈائری لکھی جا رہی ہو اور اس روٹین میں ناصر بھائی کی شادی کے بعد تک بھی کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔

"ہاں بھئی جہاں ہماری ندرت ہو وہاں موج مستی نہ ہو یہ کیسے ممکن ہے؟"

ابا نے خوش دلی سے کہا تو امی بھی مسکرا دیں۔

"موج مستی کا دوسرا نام۔۔۔ ندرت خان ندرت خان۔" قافیے کی غرض سے خان کا اضافہ کر کے ندرت نے نعرہ لگانے کے انداز میں دایاں بازو بلند کرتے ہوئے کہا تو امی اور ابا بے اختیار ہنس دیئے۔

☆☆☆

چوکیدار بابا کو سلام کرنے کے بعد وہ کافی دیر سے یونیورسٹی کے لان میں چہل قدمی کر رہی تھی۔ آہستہ آہستہ اسٹوڈنٹس بھی آنے لگے تھے۔ لیکن اس کے گروپ کا بھی کہیں پتا نہ تھا۔ غصہ اور جھنجھلاہٹ اب اس کے چہرے سے بھی صاف نظر آنے لگی تھی۔ اور سوئے اتفاق آج وہ اپنا موبائل بھی گھر بھول آئی تھی ورنہ اب تک ایک ایک کی اچھی طرح کلاس لے چکی ہوتی۔

"ہیلو ندرت!" رابعہ دور سے ہی بڑے زوردار انداز میں ہاتھ ہلاتے ہوئے اس کی طرف آ رہی تھی۔ جواباً اس نے بھی اس سے بڑھ کر گرم جوشی سے ہاتھ ملایا بالکل اسی طرح جیسے ہندوستان یا امریکا پاکستان سے ملاتے ہیں۔ یعنی اوپری دل سے۔۔۔

"دفع ہو جاؤ یار تم سب۔۔۔ مجھے پتا ہے تم سب نے مل کر مجھے بے وقوف بنایا ہے۔" ندرت نے رابعہ سے چند قدم پیچھے شاہ زین، زبیر اور صبا کو دیکھ کر کہا تھا۔

"ارے نہیں یار، تم پہلے ہی اتنی پرفیکٹ بنی ہوئی ہو کہ ہماری محنت کی ضرورت ہی نہیں۔" شاہ زین نے موبائل جیب میں رکھتے ہوئے کہا تو وہ تپ گئی۔

"شاہ ہو کے بچے، تم یہ اپنی بیوی کو کبھی گھر پر بھی چھوڑ آیا کرو۔ چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے۔۔۔ ہونہہ! یہ تمہیں میسج کرنے کے علاوہ بھی کوئی کام ہے کہ نہیں۔"

وہ پہلے ہی اسے صبح صبح موبائل پر میسج ٹائپ کرتے دیکھ کر جل گئی تھی اور پھر تیل کا کام اس کے

جلے نے کر دیا اور ویسے بھی شاہ زین کا اپنے موبائل سے برتاؤ دیکھ کر وہ اسے موبائل کے بجائے اس کی بیوی ہی کہتی تھی۔

"شکر کرو تم نے یہ بات میرے بچے سے کہی اور کہہ گئیں، مجھے کہتیں تو ضرور ہنگامہ کھڑا ہو جاتا۔"

"بس یار تم ہنگامے کو بیٹھا ہی رہنے دو تو اچھا ہے۔ کھڑا کرنے کی زحمت نہ دو۔۔۔" زبیر بیچ میں بول اٹھا تھا۔

"ندرت کا غصہ اپنی جگہ ٹھیک ہے وہ بے چاری صبح سے آ کر ہم سب کا انتظار کر رہی ہے۔" زبیر نے اقوام متحدہ کا کردار ادا کیا تھا۔ سب جانتے بوجھتے ہوئے رسمی کارروائی سا۔

"یار دراصل شاہ زین کی امی کی شوگر رات میں کافی ہائی ہو گئی تھی اور صبح اس کا خیال تھا کہ آج گھر پر ہی رہے لیکن پھر ثمینہ نے کالج سے چھٹی کر لی تا کہ شاہ زین اپنی کلاس لے لے۔" صبا نے بات شروع کی تھی۔

"ہاں اور ہم بھی صبح سے وہیں تھے، اب شاہ زین نے ان کی شوگر چیک کی تو وہ کافی بہتر تھی جبھی ہم ذرا لیٹ بھی ہو گئے اور تمہیں انتظار کرنا پڑا۔" زبیر نے بات مکمل کی۔

"اوہ۔۔۔! آئی ایم سوری۔ لیکن مجھے بھی تو اطلاع دی جا سکتی تھی نا۔"

"تمہارا موبائل میڈم صاحبہ گھر بیٹھے ناشتے میں ہم سب کے کتنے ہی ایس ایم ایس ڈکار چکا ہے۔ جا کر اس کا پیٹ چیک کرنا اب تک تو بدہضمی بھی ہو گئی ہو گی۔" شاہ زین نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا تو سب ایک بار پھر مسکرانے لگے۔

"سرکاری ٹی وی کے نیوز اینکرز کی طرح تم نے کیا بے چارے کا منہ بھی بند کر رکھا ہے۔ وہ تو آنٹی نے اسے اتحادی جماعتوں کی مانند کبھی کوئی تو کبھی کوئی رنگ بدلتے دیکھا تو اٹھا لیا اور ہمیں معلوم ہوا کہ محترمہ کسی بے وفا صنم کے وعدے کی طرح بے چارے موبائل کو بھول گئی ہیں۔ بس تب سے اب تک ہم سب ایک مظلوم بہو بنے تمہاری ساس نما جھڑکیوں کے لیے خود کو تیار کر رہے تھے۔"

اب کی بار سب کی مسکراہٹ ہنسی میں بدل گئی تھی۔

ندرت جانتی تھی کہ شاہ زین کے لیے اس کی ماں اور بہن ہی کل کائنات ہیں۔ باپ کا سایہ کم عمری میں ہی سر سے اٹھ جانے کی بنا پہ ماں نے بغیر کسی دنیاوی سہارے کے ان دونوں کی پرورش کی تھی کہ ان کے تمام رشتہ دار محض موم کے پتلے ثابت ہوئے تھے جو حالات کی تپش میں ان تینوں کو اکیلا چھوڑ گئے۔ شاہ زین کم عمری کی چوکھٹ عبور کر کے نوجوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہوئے اس قدر باشعور ہو چکا تھا کہ بہت سی باتوں کو بڑی سنجیدگی سے سمجھنے لگا۔ خود پڑھتا اور پڑھنے کے بعد دوسروں کو ٹیوشنز پڑھاتا تا کہ ماں کی مالی پریشانیوں کو کچھ کم کر سکے۔

اور پھر ایسا ہوا کہ اس کا اوڑھنا بچھونا ہی یہ ٹیوشنز بن گئیں۔ پہلی کلاس نو بجے اسٹارٹ ہوتی اور وہ صبح چھ بجے سے ٹیوشنز پڑھانے کا آغاز کر دیتا۔ گھر گھر جا کر ٹیوشنز پڑھانے کا یہ سلسلہ رات گیارہ بجے جا کر اختتام پذیر ہوتا اور وہ ثمینہ اور اماں کے مطمئن چہرے کو دیکھ کر ساری تھکان بھول تو جاتا، لیکن اس سارے چکر میں وہ اپنے ہم عمر لڑکوں کے مقابلے میں انتہائی سنجیدہ ہوتا چلا گیا۔ مسکراہٹ کی تتلی اس کے ہونٹوں سے نا امید ہو کر کسی اور سمت جا نکلی تھی۔ ایسے میں اسے ندرت سمیت ان سب کی دوستی ملی اور تب ہی اس نے جانا کہ حالات کا مقابلہ خوش دلی سے کیا جائے تو بوجھ، بوجھ نہیں لگتا۔ ثمینہ اور اماں نے اس کے اندر ہونے والی اس تبدیلی کو بہت سراہا تھا اور یہ بات وہ خود بھی جانتا تھا کہ اس کے اوپر جما سالوں کا یہ رنگ ندرت کے قہقہوں کے بغیر اترنا ناممکن تھا اور دوستی کی اس شروعات کو وہ یقیناً کبھی بھول نہیں سکتا تھا۔

☆☆☆

"صبا۔۔۔!" ندرت نے پروفیسر شجاع کے لیکچر

کے دوران صبا کو کہنی ماری تھی۔
"کیا ہے؟" صبا کی ڈری ڈری سرگوشی سن کر ندرت نے بڑی مشکل سے اپنی ہنسی روکی تھی۔ کیونکہ چند دن پہلے ندرت کے بولنے کی وجہ سے غلط فہمی میں پروفیسر شجاع نے صبا کو ڈانٹ دیا تھا۔
"وہ دیکھو زبیر کی سیٹ کے ساتھ کتنا بڑا کیڑا۔۔۔ لیکن یہ آیا کب؟"
"آ۔۔۔ کیڑا۔" صبا نے نیوز چینلز کی تقلید کرتے ہوئے خبر کی تصدیق اور تحقیق کرنا بالکل ضروری نہیں سمجھا تھا البتہ نیوز بریک کرنا تھی سو ہو گئی اور اب کلاس میں موجود لڑکے ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے لڑکیوں کی اکثریت کی حالت دیکھ کر انجوائے کر رہے تھے۔ جو "نزاکت" میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش میں فرش سے پاؤں اٹھائے اوہ۔۔۔ آ۔۔۔ اور آؤچ جیسی آوازوں میں ردعمل ظاہر کر رہی تھیں۔ پروفیسر شجاع نے چند سیکنڈز میں معاملہ سمجھنے کے بعد خشمگیں نظروں سے صبا کی طرف دیکھا تھا جس کا سانولا سا چہرہ شرمندگی سے جامنی ہو رہا تھا۔
"صبا۔۔۔!" پروفیسر شجاع کی ایک ہی آواز سے کلاس میں سکوت طاری ہونے لگا تھا۔ چند لڑکیاں البتہ اب بھی پاؤں نیچے رکھنے سے کترا رہی تھیں۔
"یہ۔۔۔ یس سر!" بمشکل کھڑی ہو کر اس نے نگاہیں زمین پہ ہی مرکوز کیے رکھی تھیں۔
"اینی پرابلم؟"
"نو سر!"
"پھر یہ روز روز کلاس کو ڈسٹرب کرنے کا مقصد؟"
"سوری سر! آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔"
"اٹس یور وارننگ صبا! اگر نیکسٹ ٹائم آپ کا مزید کچھ ڈسٹرب کرنے کا ارادہ ہو تو پلیز کلاس میں آنے کی زحمت نہ کیجیے گا انڈر اسٹینڈ؟"
"یس سر!" مری مری آواز میں کہہ کر وہ ان کے کہنے پر بیٹھ تو گئی تھی لیکن پھولا ہوا منہ بتا رہا تھا کہ وہ ندرت سے ناراض ہے۔

☆☆☆

"روٹھی ہو تم، تم کو کیسے مناؤں صبا۔۔۔! بولو نا بولو نا۔"
ندرت کینٹین میں صبا کے سامنے بیٹھی اس کے ہونٹوں کے "زپ بٹن" کھولنے کی کوشش تو ضرور کر رہی تھی لیکن ابھی تک کامیاب نہیں ہو پائی تھی۔
"یار پلیز اسٹاپ اٹ ندرت! یہ ہنسی مذاق ہر وقت اچھا نہیں لگتا ہے۔" اس دفعہ صبا واقعی ناراض ہو گئی تھی اور اگر پوائنٹ کا مسئلہ نہ ہوتا تو شاید اب تک گھر بھی جا چکی ہوتی۔
"تو ٹھیک ہے تم مجھے وقت بتا دو میں اس وقت کرلوں گی ہنسی مذاق۔ لیکن پلیز یہ جو تمہارے ماتھے پر "سلوٹوں کا جلسہ" ہو رہا ہے انہیں تو منتشر کرو پہلے۔" ندرت بھی اپنے نام کی ایک ہی تھی۔
اس دفعہ صبا کے چہرے پر واقعی روٹھی روٹھی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔
"تمہاری وجہ سے آج پھر میری کتنی انسلٹ ہوئی ہے پوری کلاس کے سامنے، تم ہوتیں تو کرتیں برداشت۔"
"ہاں یار آئی ایم رئیلی سوری، مجھے اندازہ ہے کہ "سیاست دانوں" کے علاوہ کوئی بندہ اتنی انسلٹ برداشت نہیں کر سکتا۔ لیکن کہا نا آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔" ندرت نے کان پکڑے تھے۔
"ارے ارے کیا آئندہ نہیں ہوگا اور یہ تم کان کیوں پکڑ رہی ہو۔" زبیر ابھی ابھی کینٹین میں داخل ہوا تھا اور سیدھا ان کی طرف ہی چلا آیا۔
"وہ دراصل میں نے کلاس میں صبا کو کیڑا دکھانا چاہا مگر یہ اسٹوپڈ دیکھنے سے پہلے ہی چیخنے لگی۔" ندرت نے مزے سے فرنچ فرائز کھانے کے دوران ٹانگ ہلاتے ہوئے انکشاف کیا تھا۔
"کیڑا۔۔۔؟ اور کلاس میں؟" زبیر کو لگ رہا تھا کہ اسٹوری میں ٹوئسٹ ابھی باقی ہے اور وہی ہوا بھی۔
"ہاں بھئی تمہارے ساتھ ہی تو تھا کیڑا۔۔۔ کتابوں کا۔"
آخری الفاظ اس نے زیر لب کہے تھے لیکن ان دونوں نے سن ہی لیے۔
"یار تم سدھر جاؤ ندرت!"
"تو کیا میں غلط کہہ رہی ہوں۔ تمہارے ساتھ ہی تو بیٹھا تھا شاہ زین۔ کتابی کیڑا نہیں تو اور کیا ہے وہ؟" ندرت نے بڑی معصومیت سے اپنی بڑی بڑی آنکھوں کو پھیلایا تھا۔
"ہاہاہا۔۔۔ صبا تم اس کیڑے سے ڈر گئی تھیں۔" زبیر کو بے اختیار ہنسی آئی تھی جسے اس نے روکنا مناسب ہی نہیں سمجھا تھا۔
"صبا نے ایک بار پھر ملامتی نظروں سے ندرت کو دیکھا لیکن پھر ہنس دی۔
"لیکن تمہیں شاہ زین کے لیے ایسا کہنا نہیں چاہیے تھا کیونکہ شاید تمہیں پتا نہیں ہے۔۔۔" زبیر نے ایک نظر ان دونوں کو دیکھا اور سنجیدہ ہو کر سر جھکایا۔ "You know he is abnormal'
"واٹ؟" دونوں ایک ساتھ چیخی تھیں اس بار پر انہیں حیرت بھی ہوئی تھی اور دکھ بھی۔
"ہاں میں سچ کہہ رہا ہوں۔ ایب نارمل نہیں تو اور کیا ہے وہ، اتنے دن ہو گئے ہیں یونیورسٹی آتے ہوئے، آج تک اس نے کسی لڑکی سے تو دور لڑکوں سے کسی لڑکی کا نام نہیں پوچھا، پاس سے گزرتی کسی مدہوش کن خوشبو کو محسوس کرتے ہوئے مڑ کر اس حسینہ کو دیکھا تک نہیں کہ جس کی پرفیوم چوائس اتنی زبردست ہے وہ خود کیسی ہوگی، جو لائبریری کسی لڑکی کی نوٹس واقعی کتاب کی تلاش میں جاتا ہے۔ جو کوریڈورز میں موجود رنگینیوں کو پرانی بلیک اینڈ وائٹ فلموں سے بھی کم نمبر دے تو بولو کیا میں اسے ایب نارمل بھی نہ کہوں۔"
"زو۔۔۔ بیر! تم سے تو واقعی زو (Zoo) کو بھی ڈر ہو گیا بھی وہاں سے نکال کر یہاں پھینک دیا۔" ندرت نے الفاظ چباتے ہوئے کہا۔
"اور ویسے بھی میں جانتی ہوں تم کتنے نارمل ہو۔ ہر لڑکی کا نام پتا تو چھوڑو بہن بھائیوں کی تعداد تک معلوم ہے تمہیں، ہے نا۔" صبا بھی آخر فارم میں آ ہی گئی۔
"تم ایک کام کرو "نادرا" میں بھرتی ہو جاؤ لیکن۔۔۔ زنانہ سیکشن میں۔" ندرت نے بڑے ہمدردانہ انداز میں مشورہ دیا جس نے تینوں ہی کو ہنسنے پر مجبور کر دیا۔
"ویسے ندرت، شاہ زین اتنا بھی ایب نارمل نہیں ہے۔ یاد ہے نا اس کا فرسٹ دن، جب بڑے مزے سے کہنے لگا۔ "میں آپ کا نام پوچھ سکتا ہوں؟" اور پتا ہے زبیر ندرت نے کیا کہا؟ "جی جی کیوں نہیں پوچھیے نا، ویسے باقی سب کو تو میرا نام پوچھنے کے لیے این۔ او۔ سی بنوانی پڑتی ہے لیکن خیر ہے آپ تو شاہ زینہ خیالات کے مالک لگتے ہیں اس لیے آپ کے لیے خاص رعایت۔"
"اوہ رئیلی۔۔۔! پھر؟" زبیر حیران تھا۔ کیونکہ ندرت عام طور پر ہر کسی کے ساتھ بے تکلف ہونے والوں میں سے نہیں تھی۔ اس کی چھیڑ چھاڑ اور مذاق مستی عموماً محض چند دوستوں تک ہی محدود رہتا تھا اور خوامخواہ لفٹ لینے والے لڑکوں کو پل بھر میں جھاڑ دیتی تھی جبھی کوئی بھی اس سے بات کرنے سے پہلے کئی دفعہ الفاظ کی ترتیب کو الٹ پھیر کرتا۔
"پھر کیا۔ اس نے پہلے تو حیران ہو کر اسے اور پھر مجھے دیکھا اور پھر تھینکس کہہ کر چلا گیا۔"
"ندرت! آئی ڈونٹ بلیو اٹ۔" زبیر اب ندرت سے تصدیق چاہ رہا تھا۔
"ہاں ہاں ایسا ہی ہوا تھا۔ دراصل میں صبح سے اسے اتنا سیریس دیکھ رہی تھی کہ مجھے الجھن ہونے لگی۔ بھئی لائف میں کوئی رولا رپا، موج مستی یا شوخی شرارت نہ ہو تو فائدہ۔ زندہ اور مرے ہوئے لوگوں میں فرق تو نظر آئے نا، اسی لیے جب جاتے جاتے اس نے میرا نام پوچھا تو مجھے موقع مل گیا۔"

"اچھا تو یہ بات ہے، بائی داوے یہ نظرِ عنایت صرف شاہ زین پر ہی کیوں؟" زبیر نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔

"کلاس میں اور بھی کتنے لوگ ہیں جن کا مزاج سنجیدہ ہے۔"

"ہاں کئی ہوں گے لیکن اس پر عنایت صرف اس لیے کیونکہ وہ اس دن تمہارے ساتھ ساتھ تھا تو میں نے سوچا اس کے جراثیم کہیں تم پر بھی اٹیک نہ کردیں۔"

"او۔۔۔ چلو جان لیتے ہیں کیا یاد کرو گی۔"

زبیر کی بات ختم ہونے پر صبا اور زبیر ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرائے تھے۔ لیکن ندرت نے اس فعل کو خارجی معاملہ قرار دیتے ہوئے کوئی نوٹس نہیں لیا اور فرنچ فرائز ختم ہونے پر اٹھ کھڑی ہوئی۔

☆☆☆

"بھابھی کھانا تیار ہے یا کچھ ہیلپ کروادوں؟"

آج وہ یونیورسٹی سے جلدی آ گئی تھی جبھی ہاتھ منہ دھو کر اب کچن میں آ موجود ہوئی تھی۔ پانی کے شفاف قطرے ابھی تک چہرے پر موجود تھے اور یہی اس کی ہمیشہ سے عادت تھی کہ سردی ہو یا گرمی منہ دھونے کے بعد اسے ٹاول یا ٹشو پیپر سے صاف نہیں کرتی تھی۔

"کھانا تو تقریباً تیار ہی سمجھو میں روٹیاں ڈال رہی ہوں تم بس سلاد اور پودینے کی چٹنی بنالو۔" بات ختم کرتے ہوئے عائشہ نے مڑ کر ندرت کو دیکھا تو بس دیکھتی ہی رہ گئی۔ صاف شفاف سرخی مائل سفید چہرے پر موجود پانی کے ننھے ننھے قطروں کو دیکھ کر بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ جیسے گلاب پر ابھی شبنم کی پھوار ہوئی ہو۔ اس پر بڑی بڑی کانچ سی آنکھوں پر موجود سیاہ پلکوں کی لمبی سی گھنی جھالر۔۔۔ وہ بات کرتے کرتے رک گئی تھی۔ اور یہ سب عائشہ کے ساتھ پہلی مرتبہ نہیں ہوا تھا اکثر وہ ندرت کو دیکھ کر کبھی مبہوت تو کبھی رشک و حسد میں مبتلا ہو جاتی تھی۔

گو کہ وہ خود بھی اچھی خاصی پرکشش تھی سانولی رنگت پر تیکھے نقوش اسے بہت سوں سے بڑھ کر فریب بناتے تھے لیکن پھر بھی وہ ندرت کو دیکھ کر رشک اور کبھی حسد کے جذبے کا شکار ہو جاتی تھی۔ تمام کزنز میں صرف ندرت ہی ایسی تھی جسے وہ اکثر لڑکوں کی مائیں اس کا نام پتا ضرور پوچھا کرتیں۔ آج کل ہمارے معاشرے میں ایوریج ہائٹ پانچ فٹ دو انچ تصور کی جاتی ہے وہ پانچ فٹ چھ انچ کے ساتھ سب میں منفرد لگتی۔

عائشہ کو اچھی طرح یاد تھا مہندی اور شادی کی تقاریب میں لوگ اس سے زیادہ ندرت کو دیکھ رہے تھے جو بلاشبہ ایک تراشا ہوا پیکر ہی تو تھی۔

"بھابھی! دہی تو فریج میں ہے ہی نہیں۔" پودینہ، ہری مرچ اور انار دانہ وغیرہ گرائنڈ کرنے کے بعد اب فریج میں چیزیں ادھر سے ادھر ہٹا کر دہی ڈھونڈ رہی تھی۔

"اوہ! مجھے تو یاد ہی نہیں رہا آج صبح لقمان دہی لائے ہی نہیں تھے اور نہ ہی بعد میں مجھے منگوانے کا خیال آیا۔" عائشہ اس کی بات پر اپنے خیالات سے چونکی تھی۔ ایک بار پھر ندرت کو دیکھا جس کا چہرہ اب گرمی سے سرخ ہوا جا رہا تھا۔

"اوہ نو بھابھی! دہی کے بغیر تو مزا ہی نہیں آئے گا، چلیں خیر ہے میں ٹماٹر ڈال لیتی ہوں۔" ندرت نے منہ بسورا مگر پل بھر میں دوسرے آپشن پر کام کرنے لگی۔

☆☆☆

"شاہ زین بیٹا کیا بات ہے۔ بہت تھکے تھکے معلوم ہو رہے ہو۔"

اماں نے کھانا پلیٹوں میں نکالتے ہوئے کھوجتی نظروں سے دیکھا تھا۔

"ہاں اماں دراصل ایگزیمز کا سیزن شروع ہونے والا ہے نا تو بس بچوں پر بہت زیادہ محنت کرنی پڑتی ہے اوپر سے روز ان کے پیرنٹس میں سے کوئی ایک تو ضرور تاکید کرتا ہے کہ نمبر اچھے آنے چاہئیں۔ بس ہمیشہ ہی بچوں کے ایگزیمز مجھے ان سے زیادہ پریشرائز کرتے ہیں۔"

شاہ زین نے کبھی ان سے اپنی کوئی بات نہیں چھپائی تھی۔ تمیمہ وہ اور اماں آپس میں ایک دوسرے کے لیے کھلی کتاب تھے اسی لیے اماں کے پوچھنے پر آج بھی اس نے اپنی فیلنگز شیئر کی تھیں۔

"تم فکر نہ کرو بیٹا! بس اپنی طرف سے ایمانداری اور محنت سے کام کرو اور باقی سب اللہ پر چھوڑ دو۔"

"بے شک اماں یہ بات تو ٹھیک ہے۔" شاہ زین نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا اور کھانا کھانے لگا۔

☆☆☆

پروفیسر خورشید کا نام تمام اسٹوڈنٹس کے لیے خوف کا باعث تھا اور وہ اس لیے کہ وہ کسی کی بھی انسلٹ کرتے ہوئے اس کا سابقہ اچھا یا برا ریکارڈ بھول جایا کرتے تھے اور معافی کا لفظ ان کی ڈکشنری میں ندرت جیسے ذہین طالب علموں کے لیے بھی نہیں تھا۔ ڈانٹنے پر آتے تو اسٹوڈنٹس کے "اوصاف" ان کے منہ سے ساس کے طعنوں کی طرح برآمد ہوتے۔ جبھی ندرت کا خیال تھا کہ کلاس میں موجود ہر ایک اسٹوڈنٹ کو کم از کم ایک بار پروفیسر خورشید سے ڈانٹ کھا کر اتنا تو جاننا چاہیے کہ وہ ان کی نظر میں کیا مقام رکھتا ہے لیکن یہ خواہش ایسی تھی جس کی تکمیل کے لیے کوئی بھی دانستہ عملی قدم اٹھانے پہ تیار نہ ہوتا۔ اور اسی بات سے ڈرتے ہوئے آج ندرت اور صبا نے الگ الگ راستہ چنا تھا۔ یعنی ندرت چونکہ آج کلاس ڈسکشن کی تیاری نہیں کر پائی تھی اس لیے طے یہ پایا کہ صبا پروفیسر شجاع کی کلاس اٹینڈ کرے گی اور ندرت اس کے بعد والے پیریڈ میں پروفیسر خورشید کے "دل کا حال" جاننے سے بچنے کے لیے لائبریری میں موجود کتابوں سے تھوڑی بہت تیاری کی کوشش کرے گی۔ اور اسی تیاری کے لیے اب وہ لائبریری سے ہوتی ہوئی اپنے مطلوبہ مضامین کی الماری کی طرف بڑھ رہی تھی۔

"ندرت بیٹا! آپ کون سی ٹیبل پر بیٹھو گی۔" جامی چاچا نے اسے کتاب نکالتے دیکھ کر پوچھا تو اسے حیرت ہوئی۔

"لیکن چاچا آپ کیوں پوچھ رہے ہیں۔" بات کرتے ہوئے اس نے سامنے ہی موجود کرسی کھسکائی اور کتاب ٹیبل پر رکھ دی۔

"وہ دراصل یہ میڈم انیتا نے آپ کے لیے بھجوایا ہے۔" جامی چاچا نے "Silence" کا بورڈ اس کی کتاب کے ساتھ رکھا اور مسکرا دیے۔

"ارے جامی چاچا! آپ فکر ہی نہ کریں کیونکہ آج میں اکیلی ہوں نہ تو صبا میرے ساتھ ہے اور نہ ہی وہ رنگیلا۔۔۔ میرا مطلب ہے زبیر۔" ندرت نے بھی مسکرا کر پہلے میڈم انیتا کو دیکھا جو اسے مسکراتے دیکھ کر خود بھی مسکرا رہی تھیں اور پھر جامی چاچا کو، جو ہمیشہ ان تینوں کو خاموش رہنے کا پیغام دینے آیا کرتے۔

ندرت کتابی کیڑا نہیں تھی بلکہ اس کے اندر خداداد ذہانت تھی۔ بچپن سے اب تک کسی بھی چیز میں اس نے رٹا نہیں لگایا تھا۔ بس ہمیشہ کانسیپٹ اپنے دماغ میں جامع اور واضح رکھنے کی کوشش کرتی۔ بس مسئلہ اس کا یہ تھا کہ وہ بہت زیادہ دیر خاموش یا اکیلی نہیں رہ پاتی تھی جبھی چند پوائنٹس دیکھ لینے کے بعد اب وہ بور ہو رہی تھی۔ صبا اور زبیر کلاس میں تھے سو اس نے وقت گزاری کے لیے شاعری کا سہارا لینا بہتر سمجھا۔ لیکن ایک خوش گوار حیرت کا احساس اسے تب ہوا جب اسے بک شیلف کے دوسری جانب شاہ زین کتاب کھولے کسی اخبار میں گم نظر آیا۔ ندرت نے چند لمحے اخبار کو غور سے دیکھا اور پھر اس کی محویت توڑنے کے لیے گلا صاف کرنے لگی۔ شاہ زین نے اچانک چونک کر اسے دیکھا اور پھر اخبار تہ کرنے لگا۔

"ہیلو شاہ زین۔" ندرت نے ٹائم پاس کرنے کے لیے خوش اخلاقی کا سہارا لینا ضروری سمجھا تھا۔

"ہیلو۔" شاہ زین کا رسمی اور خشک لہجہ ندرت کی توقع کے سو فیصد خلاف تھا کیونکہ اس سے پہلے ہمیشہ دوسرے لوگ اس سے بات کرنے کی خواہش کرتے

جسے وہ رد کر دیا کرتی لیکن آج۔۔۔۔

"آئی تھنک میں نے آپ کو ڈسٹرب کر دیا۔ اچھا خاصا آپ خوش ہو رہے تھے نا اپنی مارکیٹ ویلیو چیک کر کے۔" ندرت نے اپنا غصہ زائل کرنے کا تھرو پراپر چینل رستہ ڈھونڈا تھا۔

"مارکیٹ ویلیو؟" شاہ زین نے نا سمجھی کا اظہار کیا تھا۔ چہرے کے تاثرات ابھی تک روکھے ہی تھے۔ ندرت کی خوب صورتی، ذہانت کچھ بھی جیسے اسے اٹریکٹ نہیں کر رہا تھا اور شاید یہی بات ندرت کے غصے کو ہوا دینے کے لیے کافی تھی۔

"ہاں تو اور کیا "ضرورت رشتہ" کے اشتہارات اتنے محو اور گم ہو کر پڑھنا تو بس آپ پر ختم ہے۔ اتنی دلچسپی سے تو لڑکے خواتین کے رسالے بھی نہیں پڑھتے ہوں گے۔" طنزیہ مسکراہٹ ندرت کے چہرے پر کلاسیکل رقص پیش کر رہی تھی لیکن اس کی بات شاہ زین کے چہرے پر کوئی بھی تبدیلی لانے میں ناکام رہی۔

"بس محترمہ! اپنے اپنے ذہن کی بات ہے۔ مکھی صاف ستھری چیز پر بھی گندگی سمیٹنے کی نیت سے بیٹھتی ہے جبکہ پھول گندگی میں بھی حتی الامکان جگہ کو خوشبودار کر دیتا ہے۔ اور آپ کی اطلاع کے لیے یہی کافی ہے کہ اس صفحے پر ضرورت رشتہ کے علاوہ "کرائے کے لیے خالی ہے"، "ضرورت ہے"، "برائے فروخت" اور اس جیسے دوسرے ایڈز بھی موجود ہیں۔ لیکن بس بات وہی ذہن کی ہے اور قصور آپ کا بھی نہیں، دراصل آپ کا ذہن بہت چھوٹا اور سوچ اس سے بھی محدود، سو آئی نیور مائنڈ۔"

شاہ زین نے اتنے عزت دار طریقے سے ندرت کی بے عزتی کی تھی کہ وہ تپ گئی۔ ننھی سی ناک سرخ ہو کر احتجاج میں اٹھک بیٹھک کرنے لگی تھی تو آنکھیں فلموں کی ہیروئنوں کی تقلید میں پھیلتی چلی گئیں۔

"مسٹر سامان۔۔۔ یا واٹ ایور جو بھی آپ کا نام ہو مجھ سے زیادہ فری ہونے کی کوشش نہ ہی کریں تو آپ کے حق میں بہتر ہوگا۔"

ندرت نے جان بوجھ کر اسے غلط نام سے … تھا کہ اس وقت اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ شاہ زین ان نرم لفظوں میں کی گئی بے عزتی کا بدلہ کس … لے۔

"پہلی بات تو یہ کہ آئی ایم شاہ زین اور پھول کسی بھی نام سے پکاریں وہ پھول ہی رہتا ہے اگین نیور مائنڈ اور دوسری بات یہ کہ آپ کے ذہن اور سوچ کے ساتھ آپ کی یادداشت کا خانہ بھی … چھوٹا معلوم ہوتا ہے اور شاید آپ بھول رہی ہیں میں نہیں بلکہ آپ مجھ سے بات کرنے اس ٹیبل پر آئی تھیں ورنہ میں زیادہ تو کیا آپ سے کم فری ہونے کی کوشش کرنا بھی پسند نہ کرتا۔"

ایک بار پھر شاہ زین نے اسے اس کی اوقات دلائی تھی۔ وہ خود حیران تھا کہ اسے ہو کیا رہا ہے اور کیوں ندرت سے اس انداز میں گفتگو کر رہا ہے ورنہ وہ تو ایک نہایت سنجیدہ اور اپنے کام سے کام رکھنے والا انسان ہے۔ ہنسی مذاق، فقرے بازی، شوخی شرارت۔۔۔ یہ سب چیزیں تو اس کے لیے انجان اجنبی تھیں۔ اسے اچھی طرح یاد تھا کہ دن بھر … رہنے کے بعد رات کو جب اسے اپنے والد کے انتقال کی خبر ملی تب بھی وہ ثمینہ کے ساتھ بیٹھا قہقہے لگا رہا تھا لیکن یہ خبر ملتے ہی اس کی ہنسی کو بریک لگا تھا۔ قہقہوں کو قفل میں بند کر کے شاید کہیں پھینک دیا گیا تھا اور تب سے اسے ہنسنے سے، اپنی مسکراہٹ سے جیسے ڈر لگنے لگا تھا اسی ڈر کے زیر اثر والد کی وفات کے بعد ایک نئے شاہ زین کے طور پر سامنے آیا تھا جس نے اپنی ذات کو ایک خول میں بند کر کے شاید خود کو ہمیشہ کے لیے محفوظ تصور کر لیا تھا۔ لیکن حقیقتاً ایسا نہیں تھا اور اب وہ خول شاید ٹوٹنا ہی چاہتا تھا کہ آج ندرت کے سامنے جان بوجھ کر وہ ایسی باتیں کر رہا تھا جن سے وہ چڑ جائے، غصہ کرے اور جوابی بیان دے اور لاشعوری طور پر یہ سب کرتے ہوئے اسے خیال ہی نہیں رہا کہ کب وہ مسکرانے لگا تھا اور اس کی اسی مسکراہٹ نے ندرت کے آگ ہی تو لگا دی تھی۔

"شاہ زین بیٹا کہیں یہ کتاب تو نہیں ڈھونڈ رہے تھے۔" جامی چاچا نے ہاتھ میں پکڑی موٹی سی کتاب اس کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں بالکل! یہی کتاب تو میں ڈھونڈ رہا تھا۔" شاہ زین اسے نظر انداز کر کے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"ابھی ابھی سمیر واپس کر کے گیا ہے اپنے نام پر ایشو کروا لو ورنہ پھر کوئی اور لے جائے گا۔" جامی چاچا نے بڑے خلوص سے اسے مشورہ دیا اور یہی ان کا معمول بھی تھا۔ پڑھنے والے اسٹوڈنٹس کی ان معاملات میں وہ کافی مدد کر دیا کرتے تھے۔

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔" شاہ زین جلدی سے کاؤنٹر کی طرف چل دیا اور جوابی کارروائی کا موقع ہاتھ سے نکل جانے پر ندرت تلملاتے ہوئے اس کی پشت پر نظریں جمائے حیرت سے اسے دیکھتی چلی گئی۔ اس کا حال یقیناً ایک شکست خوردہ شیرنی سا ہو رہا تھا جو ایک کمزور شخص سے ہار گئی تھی لیکن اس سے پہلے کہ وہ اس کے بارے میں مزید سوچتی ٹیبل پر موجود اخبار اور کتاب کو دیکھ کر ایک دم ہلکی پھلکی ہو گئی۔ کتاب کے عین پیشانی پر خوب صورت ہینڈ رائٹنگ میں لکھا شاہ زین چوہدری کا نام اس وقت اس کے لیے مرہم ہی ثابت ہوا تھا۔

☆☆☆

پروفیسر خورشید نے آج "مارکیٹنگ اینڈ ہیومین بی ہیویئر" کے موضوع پر کلاس کو ڈسکشن کی تیاری کر کے آنے کا کہا تھا۔ ندرت بھی لائبریری میں موجود کتاب میں سے چند نکات سمجھ لینے اور مختلف رائٹرز کی رائے پڑھ لینے کے بعد اب مکمل طور پر تیار تھی۔ اور پورے دھیان سے پہلے پروفیسر خورشید کی تمہید سن رہی تھی۔

"مارکیٹنگ دراصل چرب زبانی کا ہی دوسرا نام ہے۔ اپنی گھٹیا ترین پراڈکٹ کو اس انداز سے پیش کرنا کہ گدھی پر بھی پری کا گمان ہو۔ دراصل مارکیٹنگ کہلاتا ہے۔ زیادہ دور کیوں جائیں۔ ایک چھوٹی سی مثال ہے کہ جس چیز کو جتنا اچھا ایڈورٹائز کر کے ٹی وی یا اخبار و جرائد کے ذریعے لوگوں تک پیش کیا جاتا ہے وہ اتنی ہی زیادہ بکتی ہے۔ چاہے حساب "اونچی دکان پھیکے پکوان" والا ہو۔ لوگ وہی چیز استعمال کرنا چاہتے ہیں جو ان کا فیورٹ فلم اسٹار استعمال کرے۔ یہی ہمارا آج کل کا ہیومن بی ہیویئر ہے کہ ہم کسی بھی چیز کی ظاہری چمک دمک اور لش پش پر ہی دھیان دیتے ہیں اور بس، میری پوتی پچھلے ہفتے ایک عجیب و غریب شیمپو پہ روپے اس لیے ضائع کر آئی کہ یہی پروڈکٹ بقول ایک ٹاپ ماڈل کے وہ بھی استعمال کرتی ہے۔"

پروفیسر خورشید کا یہی اندازِ تدریس تھا بہت ہی سادہ تھے اور ہلکے پھلکے انداز میں بڑی سے بڑی گمبھیر بات بھی سمجھا دیتے لیکن یہ الگ بات تھی کہ ان کا کوئی بھی لیکچر پوتے پوتیوں کے ذکر کے بغیر نامکمل تصور کیا جاتا اور یہ بات اسٹاف اور اسٹوڈنٹس سمیت سبھی جانتے تھے کہ وہ اپنے اکلوتے بیٹے کی اولاد سے محبت نہیں عشق کرتے تھے۔

"ایکسکیوز می سر!" ندرت نے دایاں ہاتھ بلند کر کے بات کرنے کی اجازت طلب کی تھی اور پروفیسر خورشید کے رک کر اثبات میں سر ہلانے پر وہ بولی۔

"سر میں جانتی ہوں کہ آج ڈسکشن میں ہم دراصل مارکیٹنگ کے چند بنیادی اصول اور نفسیات کے لحاظ سے انسانی بی ہیویئر کو ڈسکس کریں گے لیکن آئی ایم سوری سر۔۔۔! جو کچھ آپ نے کہا میں اس سے بالکل بھی متفق نہیں ہوں کیونکہ حقیقت آپ کی باتوں کے بالکل برعکس ہے۔" ہمیشہ کی طرح پر اعتماد لہجہ اپنی بات بغیر کسی ثبوت کے درست ثابت کر رہا تھا۔

"کیا مطلب؟ کون سی بات ایسی ہے جس سے آپ اتفاق نہیں کرتیں۔"

"سر! یہ جو آپ نے ابھی کہا کہ لوگ وہی چیز استعمال کرتے ہیں جو ان کی فیورٹ سلیبریٹی کرے، یس! آئی ایگریڈ لیکن ایسا صرف ایک دفعہ ہی ہو سکتا ہے اگر آپ کی پوتی پھر اسٹار فوبیا کا شکار ہو کر وہی شیمپو

لے آئی ہے تو کیا وہ سوٹ نہ کرنے کے باوجود بھی ہمیشہ وہی شیمپو صرف اس لیے خریدے گی کیونکہ اس کی فیوریٹ اسٹار کی چوائس یہی ہے؟ نو سر! It never happend، صرف پہلی بار خریدنے کے بعد وہ ایسی غلطی ہرگز نہیں دہرائے گی کیونکہ صارف کے لیے ظاہر ہے کہ Quality Matters اہم ہے۔"

پروفیسر خورشید نے اسے بات کرنے کا پورا موقع دیا تھا کیونکہ جانتے تھے کہ جب تک وہ اپنا دماغ کلیئر نہیں کرے گی انہیں اور کلاس کو آگے بڑھنے نہیں دے گی۔ اور ندرت کی یہی بات سوالات کرنے کی بھی عادت، پروفیسرز کے ساتھ فرینکلی ڈسکس کا یہی انداز اسے تمام اسٹوڈنٹس سے ممتاز کیے رکھتا تھا۔

"اس طرح کے پھیکے پکوان صرف ایک ہی بار بک سکتے ہیں کیونکہ انہیں چکھنے کے بعد لوگ دوبارہ خریدنا تو کیا انہیں دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے۔ آج ہی لائبریری میں میں نے ایسی ہی چند پراڈکٹس کا گراف دیکھا تھا جنہوں نے اچھی مارکیٹنگ سے معیاری پراڈکٹس کو کچھ عرصے تک ٹف ٹائم تو دیا لیکن زیادہ عرصہ چل نہیں سکیں۔" بات کرنے کے ساتھ ساتھ وہ ہاتھ میں موجود فائل کے صفحات کو الٹتی پلٹتی جارہی تھی۔

"دراصل میں نے جلدی میں ان پراڈکٹس کے نام، ٹائم اِن مارکیٹ، پبلک کی رائے وغیرہ کا ایک گراف بنایا بھی تھا جو میں آپ کو دکھانا چاہتی تھی لیکن۔۔۔ شاہ زین کہیں آپ کی کتاب میں، میں نے اپنا گراف تو نہیں رکھ دیا، کیونکہ آپ کی بک بھی اسی ٹیبل پر رکھی تھی اور میں نے کچھ پڑھی بھی تھی۔"

بات کرتے کرتے اس نے ایک دم شاہ زین کو مخاطب کیا تو وہ اس اچانک "افتاد" پر حیران رہ گیا کہ یہ بات اس کی توقع کے بالکل برعکس تھی۔

"کیا آپ کی بک مارکیٹنگ سے ہی ریلیٹڈ ہے؟" پروفیسر خورشید نے شاہ زین کے سامنے رکھی کتاب کے نام پر شیشوں کے پیچھے سے اپنی آنکھیں مرکوز کرتے ہوئے پوچھا تو وہ کتاب لے کے ان کے ڈائس کے قریب ہی آگیا اور کتاب ان کے ہاتھ میں دیتے ہوئے بولا۔

"یس سر! یہ بک دراصل فرنچ رائٹر کی ہے جسے انگلش میں ترجمہ کیا گیا ہے۔"

"واہ بھئی یہ ہوئی نا بات، اور یہی اچھے طالب علموں کی نشانی ہے کہ وہ محض ٹیچر کے لیکچر پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ ہمیشہ مزید نالج کی دھن میں لگے رہتے ہیں اور بے شک ایسے طالب علم ہی کل ہمارے وطن کی باگ ڈور سنبھالنے والے ہیں۔"

اپنی تعریف پر شاہ زین نے ایک نظر مسکراتی ہوئی ندرت کو دیکھا اور اس کی سیٹ کے قریب سے گزرتے ہوئے "آہم" کر کے گلا صاف کرتے ہوئے یوں سینہ تان کر اپنی جگہ کی طرف آیا جیسے شمشیر زنی میں فتح حاصل کر کے آیا ہو لیکن افسوس۔۔۔ اس کا فخر اور خوشی اس وقت عارضی ثابت ہوئے جب پروفیسر خورشید کے چہرے کے تاثرات بدل کر طنزیہ ہونے لگے۔

"ہاں بھئی مان گئے کہ یہ کتاب مارکیٹنگ کے لیے بہترین ہے ہاں لیکن یہ یاد رہے کہ اس میں کسی چیز کی نہیں بلکہ اس کی آڑ میں شاہ زین میاں شاید اپنی مارکیٹ کر رہے ہیں۔" پروفیسر خورشید نے چند لمحے رک کر شاہ زین کے چہرے کا جائزہ لیا اور پھر بولے۔

"دیکھنے میں تو تم اچھے خاصے ہو عمر بھی ابھی زیادہ نہیں، آگے بڑھنے کے جراثیم بھی مجھے تم میں نظر آتے ہیں پھر دولت حاصل کرنے کے لیے شادی کا سہارا کیوں لے رہے ہو؟" ندرت کا دکھایا جانے والا گراف شاید کسی کو یاد بھی نہیں رہا تھا۔

پروفیسر خورشید کے اس غیر متوقع سوال پر شاہ زین سمیت پوری کلاس حیران تھی۔

"سر میں سمجھا نہیں۔۔۔ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"میں وہی کہہ رہا ہوں جو آپ نے سنا۔" پروفیسر خورشید نے کتاب میں موجود اخباروں کے تراشے نکال کر کلاس کو دکھائے۔

"ضرورتِ رشتہ کے چھ اشتہار کاٹ کر تم نے اپنی کتاب میں رکھے ہیں اور یہ جوان یہ ریڈ پین سے ووِنی امپورٹنٹ کا سمبل بھی بنا رکھا ہے تو اس کو میں کیا سمجھوں؟" کلاس میں دبی دبی ہنسی محسوس کی جانے لگی تھی۔

"اور مزے کی بات تو یہ کہ ساری خواتین چالیس پینتالیس سے اوپر کی بیوہ یا طلاق شدہ ہیں اور ان میں سے کہیں بھی اگر شاہ زین کو اوکے کر دیا جاتا ہے تو بے چارے شاہ زین کو ناچاہتے ہوئے بھی ان کی کروڑوں کی جائیداد، لاکھوں کا کاروبار تو سنبھالنا ہی پڑے گا کہ ان سب کا آگے پیچھے کوئی والی وارث نہیں۔"

دبی دبی ہنسی اب قہقہوں میں تبدیل ہوگئی تھی ہر جملے پر کلاس نے قہقہے لگا کر مکمل داد دی تھی اور سب میں سے بلند قہقہہ یقینی طور پر ندرت کا ہی تھا۔

ندرت کی طرف سے بدلے کے طور پر اتنا کاری وار تو شاہ زین کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ جبھی چند لمحوں پہلے چہرے پر موجود حیرت کے تاثرات اب شرمندگی اور خجالت میں بدلنے لگے تھے۔ اعصاب کا تمام زور جبڑوں اور بند مٹھیوں پر آزماتے ہوئے اس نے سر اٹھا کر پروفیسر خورشید کے ہاتھ میں موجود تراشے دیکھے اور مضبوط لہجے میں بولا۔

"سر یہ ضرور کسی کی نہایت گھٹیا شرارت ہے۔ ورنہ تو میں نے یہ کٹنگز اپنی بک میں رکھی ہیں اور نہ ہی مجھے اس طرح کی فضول حرکتوں کا شوق ہے۔" بات کرنے کے دوران اس نے کھلکھلاتی ہوئی ندرت کی طرف دیکھا تھا۔

"میاں کتاب ابھی میں تمہارے ہاتھ سے لے رہا ہوں، تو یقینی میں نے یہ کٹنگز رکھی ہوں گی اس میں۔" پروفیسر خورشید نے انگلی سے چشمے کو ناک کی سرحد پر پہنچا کر اوپر سے اس کا جائزہ لیا تھا۔

"سر آپ رکھتے تو پھر بھی خیر تھی لیکن یہ تو بالکل ہی نیا لتر رہا ہے، آج پتا چلا۔" قہقہوں کے دوران کسی نے پھلجھڑی چھوڑی تھی۔

"انٹرنیٹ کی کھاد ڈلے تو فصل تو پھر ایسی ہی اُگے گی۔"

"انٹرنیٹ نہیں انڈین فلمیں۔۔۔"

"نہیں نہیں کون بنے گا کروڑ پتی۔۔۔" آج تو کلاس میں میران کے گروپ کے ساتھ ساتھ ہر کوئی اپنی کہہ رہا تھا اور یہی پروفیسر خورشید کی کلاس کا خاصہ تھا کہ وہ خود تو طنز کے تیر برساتے ہی لیکن کلاس کو بھی اپنے ساتھ شامل کرنے میں کوئی حرج نہ سمجھتے۔ اور یہی وجہ تھی کہ ان کی کلاس میں تمام اسٹوڈنٹس آنکھیں، کان کھول کر اور اپنے تمام تر اعصاب کو جگا کر بڑی توجہ اور دھیان سے ان کی ہر بات سنتے اور جواب دیتے۔ لیکن شاہ زین کے لیے یہ سب انتہائی دکھ کا باعث تھا۔ ایک چھوٹی سی شرارت اس کا تمام تر امیج تباہ کر گئی تھی اور اب اس کے لیے کلاس میں ٹھہرنا بہت مشکل تھا جبھی وہ ایک جھٹکے سے اٹھا اور کسی کی بھی طرف دیکھے بغیر کلاس سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

کنیزاں آج صبح سے ملکانی کے منہ سے نکلے الفاظ کو فضا میں بکھرنے سے پہلے عملی جامہ پہنانے کی کوشش میں اب مکمل طور پر ہانپ رہی تھی لیکن جانتی تھی کہ وہ خود سے کبھی اسے بیٹھنے یا کچھ دیر ریسٹ کرنے کا نہیں کہیں گی۔ بلکہ اتنی محنت اور دل جمعی سے کیے گئے کام کو بھی نخوت سے یوں ناک اور ابرو چڑھا کر دیکھتیں کہ کام کرنے والے کی تھکن مزید بڑھ جاتی۔ یوں بھی جاگیردارنی تھیں جو چاہے اور جیسے چاہے کرتیں۔ ان کے لیے نوکروں کی کوئی کمی نہیں تھی کہ وہ اپنی جاگیر میں بسنے والے ہر شخص کو ذہنی طور پر اپنا غلام ہی تصور کرتیں اور اس بات کا احساس وہ سب کو نا صرف اپنے عمل بلکہ الفاظ سے بھی دلاتی رہتیں۔

اب بھی وہ چند لمحے فون سننے کے لیے دیوار کی طرف رخ کیے کھڑی ہوئیں تو ان کے لیے لائی گئی چائے کمرے کے عین وسط میں موجود شیشے کی ٹیبل پر

رکھنے کے بعد کنیزاں وہیں فرش پر بچھے دبیز قالین پر بیٹھی تو دل چاہا وہیں لیٹ بھی جائے۔ اس قدر نرم تو اس کا بستر بھی نہیں تھا جتنا ملکانی کی حویلی کا فرش تھا۔

اسی لمحے ملکانی فون بند کر کے پلٹیں تو کنیزاں کو یوں سکون سے بیٹھے قالین پر انگلیاں پھیرتے دیکھ کر طیش میں آگئیں۔

"نی کنیزاں۔۔۔ میکوں یہ تو بتا کہ اپنی اوقات کب سے بھولنے لگی ہے۔" آنکھیں بند کیے بیٹھی کنیزاں نے نا صرف جھٹکے سے آنکھیں کھولیں بلکہ جھٹ سے کھڑی بھی ہوگئی۔

"او ملکانی جی۔۔۔ میں تو بس۔۔۔"

"جا دفع ہو دیکھ سونی کو بھوک لگ رہی ہوگی۔"

"میں ابھی دیکھتی ہوں جی۔"

"او عقل دی انی اے (عقل کی اندھی) صرف دیکھیں نا اسے اٹھا کر میرے پاس لے آئیں۔"

"میں ابھی گئی تے ابھی آئی۔"

کنیزاں فوراً سے پیشتر اٹھ کر ملکانی کی پالتو بلی سونی کی تلاش میں نکل گئی۔ تو ملکانی نے سامنے رکھا چائے کا کپ اٹھا کر گھونٹ لیا اور تشویش سے ایک دم کھڑی ہوگئیں۔

"یہ میرو نہیں آیا اب تک؟"

خود کلامی کے انداز میں کہتے ہوئے وہ عجلت میں کمرے سے نکلیں اور وسیع و عریض راہداریوں اور دالان عبور کرتے ہوئے میران کے کمرے تک جا پہنچیں۔ خوب صورت کڑھی ہوئی بڑی سی چادر سنبھالے وہ اپنے اکلوتے بیٹے کے کمرے کے باہر کھڑی دستک دے رہی تھیں۔

"میرو۔۔۔ میرو پتر! کمرے وچ ہیں؟ (میرو بیٹا۔۔۔ کمرے میں ہو؟)"

"جی اماں سائیں۔۔۔ آپ؟" وہ حیران ہو کر دروازہ کھولے ان کے سامنے تھا۔

"بس پتر ذرا سیا ویلا (وقت) آگے پیچھے ہو جائے تو فکر لگ جاتی ہے۔" اس کے کندھے پر محبت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے ملکانی نے کہا تو وہ ہنس دیا۔

"نہ پریشان ہوا کریں میرے لیے، میں ابھی ابھی یونیورسٹی سے آیا تھا اور ابھی آپ کے پاس آنے والا تھا۔"

"سوہنا رب میرے بچے کو خوش رکھے اور کسی چیز کی تھوڑ نہ دے (کمی نہ دے)"

ملکانی کی دعا پر جہاں میران نے چونک کر ماں کو دیکھا وہیں ملکانی نے بھی ایک دم اسے دیکھا اور اس سے پہلے کہ میرو یا ملکانی میں سے کوئی کچھ کہتا کنیزاں سونی کو گود میں لیے ان کے پاس آن موجود ہوئی۔

مکمل سفید بالوں والی سونی کی گہری سبز آنکھوں میں ملکانی کے لیے ڈھیر سارا پیار امڈ آیا تھا۔ ملکانی نے فوراً ہاتھ آگے بڑھائے تو وہ فوراً ہی کنیزاں کی گود سے ملکانی کے بازوؤں میں منتقل ہو کر ہمیشہ کی طرح سونے کی چوڑیوں سے بھری ملکانی کی کلائیوں پر منہ پھیرنے لگی۔

"مہربانو سے بات ہوئی؟" ماں کے ہمراہ کھانے کے کمرے کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے سونی کے بالوں میں ہاتھ پھیرنے کے ساتھ اس نے دریافت کیا۔

کنیزاں ان سے چند قدم پیچھے تھی۔

"ہاں ابھی کچھ دیر پہلے ہی فون آیا تھا دھی رانی کا۔ کہہ رہی تھی اس ہفتے نہیں آسکے گی۔"

"نہیں آسکے گی؟ لیکن کیوں؟" میرو چلتے چلتے ایک دم رکا اور رخ موڑ کر ماں کی طرف متوجہ ہوا۔

"اتنی پڑھائی کہاں سے آگئی اماں سائیں پچھلے ہفتے بھی تو نہیں آئی تھی وہ۔"

"میران پتر۔۔۔! لڑکی ذات ہے اور پھر بہن ہے تیری۔ اتنی سختی ٹھیک نہیں ہوتی۔" اس کی پیشانی پر موجود سلوٹیں دیکھ کر انہوں نے بیٹی کی حمایت کرنا چاہی تھی کیونکہ بیٹے کے غصے سے وہ اچھی طرح واقف تھیں اور نہیں چاہتی تھیں کہ ان کی تائید کے باعث اس کے غصے میں اضافہ ہو۔

"لڑکی بیوی ہو یا بہن، اسے اتنی زیادہ آزادی دینا ٹھیک نہیں ہوتا، اور پھر آج کل یونیورسٹی کی کڑیاں بہت تیز ہوتی ہیں اماں سائیں۔۔۔! آپ تو گھر میں رہتی ہیں نا آپ کو کیا پتا۔"

"مجھے سب پتا ہے پتر پر۔۔۔"

"پر یہ کہ یہ ابا کے لاڈ پیار نے اسے ہم سب کے سر پر چڑھا دیا ہے اور بس۔"

سونی گھر والوں کے مزاج سے اچھی طرح واقف تھی جبھی آہستگی سے ملکانی کی گود سے نکلی اور خراماں خراماں کچن کی طرف چل دی۔

ملکانی کچھ دیر اسے جاتا دیکھتی رہیں پھر اچانک ہی نظر کچھ فاصلے پر کھڑی کنیزاں پر پڑی تو جیسے بھڑک ہی اٹھیں۔

"نی کم چورے، تو یہاں کھڑی کیا کر رہی ہے، بڑا شوق ہے تجھے ہماری باتیں سننے کا؟"

"نہیں جی وہ۔۔۔ دراصل میں بھلا آپ دونوں سے آگے کیسے چل سکتی تھی جی، بس اسی لیے۔۔۔"

کنیزاں گڑبڑا کر ہکلا سی گئی۔

میران شاہ کے سامنے ملکانی کی ایک نہیں چلتی تھی یہ بات بھی جانتے تھے۔ شاہ سائیں کے سامنے البتہ وہ لحاظ کر جاتا تھا جبکہ ملکانی تو میران شاہ کے منہ سے نکلی ہر بات کی تکمیل کو ہی اپنی زندگی کا مقصد خیال کرتیں۔

مہربانو پڑھنا چاہتی تھی تو اسے ملکانی اور میران کی ہزار مخالفت کے باوجود بھی دوسرے شہر میں داخل کروایا گیا۔ اس معاملے میں بابا سائیں نے میران کی رائے کو ذرا اہمیت نہ دی تھی اور اس بات کا رنج اسے بہر حال ابھی تک تھا۔

"نی جا دفع ہو جا۔۔۔ اب کھڑی کھڑی میرا منہ کیا دیکھ رہی ہو۔"

"جی۔۔۔ جی اچھا۔"

کنیزاں نے سر سے ڈھلکتا دوپٹا کانوں کے گرد اڑس کر سر پر جمایا اور وہاں سے نکل آئی۔ عصر کا وقت تھا تمام تر اداسی کے ساتھ حویلی کی منڈیروں پر موجود تھا۔ وسیع و عریض حویلی جس میں موجود کمروں کی تعداد مکینوں سے دس گنا زیادہ تھی۔ طرزِ تعمیر میں تو شاہکار تھی ہی خاموشی اور سکوت میں بھی اپنی مثال آپ تھی۔

خوب صورت رنگ و روغن سے مزین حویلی کی بلند و بالا دیواروں پر اکثر و بیشتر خاموشی کی حکمرانی ہوتی۔ البتہ مہربانو کی آمد سے حویلی کے کونے کونے میں بہار کا سماں ہوتا یوں بھی مزاجاً مہربانو، ملکانی اور میران شاہ کے بالکل برعکس تھی۔ حویلی میں کام کاج میں مصروف مزارعوں کی بیویوں یا بیٹیوں سے بھی وہ اسی طرح بات کرتی جیسے حسب نسب میں ہم پلہ ہوں۔

گو کہ یہ بات ملکانی اور میران کو پسند نہیں تھی مگر یہ عادات اسے بابا سائیں کی صفات میں سے ملی تھیں اور وہ اب تک انہیں سنبھالے ہوئے تھی۔

"چل آجا پتر۔۔۔! سچ کہوں تو بھوک نے ڈاہڈا (سخت) ستا رکھا ہے، میں تو بس تیرے انتظار میں بیٹھی رہی۔"

"او ہو اماں سائیں! کھانا کھا لیا کریں نا میرے بغیر۔" میران کو ایک دم ماں پر بہت پیار آیا تھا۔

"تیرے بغیر؟ ایک نوالہ نہیں اترتا حلق سے تیرے بغیر سجھا نا۔" ملکانی نے پیار سے اس کے سر پر چپت لگائی تو وہ تائید میں سر ہلاتا مسکرانے لگا۔

☆☆☆

عائشہ نے تقریباً چوتھی دفعہ ندرت کے کمرے میں جھانکا تھا لیکن وہ ابھی تک لیٹی ہی ہوئی تھی۔ جبھی وہ خاموشی سے واپس پلٹ گئی۔ شام کی چائے پر امی، ابا، عائشہ بھی اس کا انتظار کر رہے تھے اس دفعہ بھی عائشہ کو یوں آتے دیکھ کر امی سے رہا نہیں گیا۔

"پہلے تو ندرت کبھی اتنی دیر تک نہیں سوئی۔ تم نے اسے جگایا تو ہوتا، وہ ٹھیک تو ہے نا۔"

"امی آپ کو پتا ہے نا، نیند سے جگانے پر اس کا موڈ کتنا خراب ہو جاتا ہے۔ بس اسی لیے میں نے مناسب نہیں سمجھا۔" عائشہ کے آنے تک ابا نمازِ عصر ادا کرنے جا چکے تھے۔

"وہ تو سب ٹھیک ہے لیکن کم از کم وہ اٹھ کر باہر یہاں لان میں بیٹھے۔ طبیعت بہل جائے گی، بلکہ چھوڑو سب، میں خود اسے لے کر آتی ہوں۔" بات کرتے کرتے وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ اسے جگانے کے لیے کسی کو جانا پڑتا بلکہ ہمیشہ وہ خود اپنے مقررہ ٹائم پر اٹھ جاتی اسی لیے آج سب کا حیران ہونا لازمی تھا۔

"ندرت بیٹا!" بیڈ پر اس کے پاس بیٹھتے ہوئے انہوں نے پیار سے اس کے بالوں کو چہرے پر سے پرے ہٹایا تو اس نے آنکھیں کھول دیں۔

"امی آپ۔۔۔؟" کہنیوں کے بل اٹھ کر اس نے ٹیک لگائی تھی۔

"کیا بات ہے طبیعت تو ٹھیک ہے نا تمہاری؟ آج اتنی دیر تک سوتی رہیں۔"

"بس ٹائم کا پتا ہی نہیں چلا، آپ چلیں میں پانچ منٹ میں فریش ہو کر آتی ہوں۔"

لمحہ بھر میں بیڈ سے نیچے اتر کر اب وہ سلیپرز پہن رہی تھی۔ سب کچھ پہلے جیسا تھا لیکن جانے کیوں انہیں لگ رہا تھا کہ ندرت صرف اوپری طور پر اداکاری کر رہی ہے اور یہ سب کچھ غلط بھی نہیں تھا۔ شاہ زین کے یوں کلاس سے اٹھ کر جانے کے بعد اسی لمحے ندرت کو احساس ہو گیا تھا کہ وہ بہت غلط کر بیٹھی ہے اور تب سے جیسے دل کسی بھاری سل تلے دبا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ پروفیسر خورشید کے چبھتے جملے، کلاس فیلوز کے طنزیہ فقرے اور پھر کینٹین میں سب کی ڈسکشن۔۔۔ وہ بہت شرمندگی محسوس کر رہی تھی کیونکہ یہ سب اس کی وجہ سے ہوا تھا۔

"ارے امی! آپ ابھی تک یہیں بیٹھی ہیں۔" باتھ روم سے نکلی تو امی کو ابھی تک اسی حالت میں بیٹھے دیکھ کر حیران رہ گئی۔

"ہاں میں نے سوچا ایک ساتھ ہی چلتے ہیں۔" بغور اس کے چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے انہوں نے کہا اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی لان میں جا کر اپنی کرسی سنبھالی۔ ندرت کے چہرے پر موجود پانی کے ننھے قطرے ہوا نے زیادہ دیر ٹھہرنے نہیں دیے البتہ پلکوں کی باڑھ میں پناہ لیے قطرے ابھی تک کی سیاہی کا حصہ بنے ہوئے تھے۔

"لو بھئی تم جوس پیو۔" عائشہ نے ندرت کی طرف جوس کا گلاس بڑھایا۔

"تھینکس بھابھی، ویسے اتنی گرمی میں چائے بھی ہمت کا کام ہے، بلکہ وہ کہتے ہیں نا کہ

"گرم موسم میں گرم چائے بھی
بدمزاجوں کا پیار لگتی ہے"

"پیار تو پیار ہوتا ہے بدمزاجوں کا ہو یا خوش مزاجوں کا۔ اس میں رنگ سب رنگین ہو جاتے ہیں کہ اس کی بارش بن بادل کے دلوں پر یوں برستی ہے کہ بچنے کا موقع ہی نہیں ملتا۔ کیوں امی۔" عائشہ نے بڑے مزے سے بات کرتے ہوئے امی کی تائید چاہی تو وہ سر جھٹک کر مسکرا دیں۔

☆☆☆

"شاہ زین بھائی! آج آپ ابھی تک تیار نہیں ہوئے؟" ثمینہ نے کسی نیوز چینل سے نشر ہوتے پروگرام میں گم شاہ زین کو دیکھا تو کچن میں جاتے جاتے رک گئی۔ صبح کے وقت شاہ زین کا گھر پر موجود ہونا، ٹی وی کے سامنے بیٹھا دکھائی دینا دونوں باتیں اچنبھے کا باعث تھیں۔

"ہاں آج مارننگ ٹیوشنز کی چھٹی تھی تو بس میں یونیورسٹی بھی نہیں گیا۔ ویسے بھی تین دن اکیڈمی میں سیمینار اٹینڈ کرنا ہے اس لیے یونیورسٹی تو تین دن نہیں جا پاؤں گا۔" شاہ زین نے ریموٹ صوفے پر رکھ کر بازو ہوا میں بلند کرتے ہوئے جمائی لی تھی۔

"اوہ اچھا، میں سمجھی شاید کچھ طبیعت ٹھیک نہیں آپ کی، دیکھنے میں بہت تھکے ہوئے اور سست لگ رہے ہیں بلکہ ایسا کریں۔۔۔" ثمینہ نے صوفے پر رکھے ریموٹ سے ٹی وی بند کر دیا تھا۔ "آپ اٹھ کر نہا دھو لیں تو فریش ہو جائیں گے پھر مل کر ناشتا کریں گے۔ اوکے۔" اس کے حکم پر شاہ زین کو عمل کرنا ہی تھا کہ حکم عدولی کا جرمانہ ادا کرنا اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ البتہ پانچ دس منٹ کا "Stay" اس نے لے لیا تھا۔

"بڑے بہن بھائیوں کے رعب اور دھونس کی کہانیاں تو عام ہیں لیکن کسی نے تمہارے جیسی سخت گیر چھوٹی بہن نہیں دیکھی ہو گی۔" ثمینہ کے سر پر پیار سے چپت لگاتے ہوئے شاہ زین نے لاڈ سے کہا تو وہ سر سہلاتی ہوئی مصنوعی خفگی کی ناکام اداکاری کرتے ہوئے ہنسنے لگی۔

☆☆☆

"تم نے واقعی بے چارے کے ساتھ بڑی زیادتی کی تھی یار! ٹھیک ہے اگر اس نے تمہیں لائبریری میں کچھ کہہ ہی دیا تھا تو تم بھی اکیلے میں اس کا بدلہ لے کر جوابی کارروائی کر دیتیں، مگر تم نے پوری کلاس کے سامنے اس کی بے عزتی کروا دی، میں دوست تو تمہاری ہوں لیکن بلیو می مجھے تم اس وقت بہت بری لگ رہی تھیں۔"

صبا نے بڑے نیوٹرل ریمارکس دیے تھے۔

"آج وہ مسٹر ہینڈسم نہیں آیا۔۔۔؟"

"رشتہ ڈھونڈ رہا ہو گا بے چارہ، یا کسی آنٹی کو پھنسانے اور جائیداد ہتھیانے کے طریقے سوچ رہا ہو گا۔"

بھرپور قہقہے کے ساتھ ان کے قریب ہی گھاس پر بیٹھتی دو لڑکیوں نے آپس میں بات کی۔

صبا نے ایک بار پھر شکایتی نظروں سے ندرت کو دیکھا جس کی بڑی بڑی آنکھوں کی سیاہ چلمن پل میں نیچے گری تھی۔ جب سے شاہ زین کلاس سے اٹھ کر گیا تھا۔ ندرت کی حالت عجیب ہو رہی تھی۔ سارا دن گھر میں بھی خود کو ملامت کرتی رہی تھی کہ اس نے یہ سب ٹھیک نہیں کیا۔ آخر ہر انسان کی ایک سیلف ریسپیکٹ ہوتی ہے اور انجانے میں وہ شاہ زین کو بے حد ہرٹ کر چکی ہے۔ اسی کیفیت میں وہ گھر پر تو امی اور عائشہ بھابھی کے سامنے کسی نہ کسی طور خود کو کمپوز کر رہی تھی لیکن صبا کے سامنے اب اس کا چہرہ مکمل طور پر دل کے احساسات کی ترجمانی کر رہا تھا جبھی دونوں کلاس بنک کیے لان میں بیٹھی تھیں۔

"میں مانتی ہوں کہ مجھ سے غلطی ہوئی ہے لیکن مجھے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ اس بات پر کلاس میں اتنا تماشا بنے گا یا یہ بات اس حد تک اچھالی جائے گی۔۔۔ مجھے واقعی اس بات کا بہت افسوس ہو رہا ہے۔"

"مجھے پتا ہے کہ یہ سب خلافِ توقع ہوا ہے، بی ریلیکس۔" صبا نے اس کے روئی کے گالوں سے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر اسے تسلی دی لیکن یہ کیا۔۔۔ اتنی دیر سے صبا کی لعن طعن سننے کے دوران وہ بڑے سکون سے نظریں نیچی کیے بیٹھی رہی تھی لیکن محبت بھرے لہجے میں ادا کیے گئے محض چند الفاظ اسے رلا گئے تھے اور یہی بات صبا کو چونکا گئی تھی۔

"یار میں نے یہ سب کسی لمبی چوڑی پلاننگ کے تحت نہیں کیا بلکہ پتا نہیں کیسے اچانک۔۔۔" ارد گرد موجود چند دوسرے اسٹوڈنٹس کا سوچ کر اس نے آنسو صاف کرتے گال مسل ڈالے تھے۔

"کوئی بات نہیں خیر ہے یار ہو جاتا ہے کبھی ایسا بھی، بلکہ اسٹوڈنٹ لائف میں تو اکثر یہ سب چلتا رہتا ہے سو پلیز ڈونٹ وری۔" صبا سے اس کا اترا ہوا چہرہ دیکھا نہیں جا رہا تھا جبھی اسے ریلیکس کرنے کی کوشش کرنے لگی۔

"نہیں صبا! مجھے کل سے ایک لمحے کو سکون نہیں ملا ہے۔ تم تو مجھے اچھی طرح جانتی ہو نا میں نے تو آج تک کسی بے زبان جانور کو تنگ نہیں کیا، میں۔۔۔ میں تو زمین پر گرے پتوں پر بھی پاؤں نہیں رکھتی کہ سوکھے ہوئے زرد پتوں کی فریاد مجھے بے چین کر دیتی ہے اور کل میں نے شاہ زین کی صرف اس لیے انسلٹ کروا دی کہ شاید وہ میرے سامنے حاضر جوابی کا مظاہرہ کر رہا تھا۔" بات کرتے کرتے ایک بار پھر اس کا گلا رندھ گیا تھا۔

"تو اس کا پھر ایک ہی حل ہے۔" کچھ سوچ کر صبا بولی۔ ندرت نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

"تم شاہ زین سے اس واقعے کی معافی مانگ لو۔"

"ہاں یہ تو بہت اچھی بات ہے، حیرت ہے میرے دماغ میں کیوں نہیں آئی۔" ندرت ایک دم مسکرائی تھی۔

"اس لیے کہ کچرا گھر میں صرف کچرا ہی وصول کیا جاتا ہے میڈم۔"

صبا کی بات پر اس نے فوراً ہاتھ میں پکڑی فائل صبا کے سر پر دے ماری جسے بڑی خوش دلی سے ہاتھ میں پکڑ لیا گیا۔ صد شکر کہ ندرت کی مسکراہٹ لوٹ آئی تھی۔

☆☆☆

اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ڈھونڈنے کے دوران سامنے رکھی چیز نظر نہیں آتی اور جب آتی ہے تو خود اپنی بصارت پر شبہ ہونے لگتا ہے۔ یہی کچھ ندرت کے ساتھ ہوا تھا۔ جواب سوچ رہی تھی کہ خوانخواہ سارا دن ٹینشن میں گزارا، آخر یہ بات اس کے دماغ میں کیوں نہیں آئی کہ اگر اسے اپنے فعل پر اتنی ہی شرمندگی ہے تو جا کر شاہ زین سے معافی مانگ لے۔ یوں بھی اس نے "انا" نام کی کوئی چڑیا اپنی ذات کے پنجرے میں قید نہیں کی تھی جبھی اس کے لیے اپنی غلطی پر معافی مانگنا کوئی مشکل کام نہ تھا لیکن یہ سب تو تب ممکن ہو پاتا جب شاہ زین اسے نظر آتا۔

اس روز کے بعد آج تیسرا چوتھا روز ہونے کو تھا لیکن شاہ زین کا دور دور تک کوئی پتا نہ ہونے کی وجہ سے ندرت یونیورسٹی آتی تو ہر روز اسے دیکھنے کی امید ٹوٹنے پر جلے پاؤں کی بلی کی طرح اِدھر اُدھر گھومتی رہتی۔ یہ خیال کہ وہ اس کی کی گئی گھٹیا ترین شرارت کی وجہ سے یونیورسٹی نہیں آرہا، اس سے سہا نہیں جا رہا تھا۔ ہر لمحہ اپنے آپ کو ملامت کرتی رہتی کہ وہ جو خوانخواہ لڑکوں کو اپنے قریب بھی پھٹکنے نہیں دیتی کیونکر شاہ زین سے خود بات کرنے لائبریری میں اس کی ٹیبل تک جا پہنچی۔ پہلے روز نام پوچھنے کے بہانے اس کے ساتھ جان بوجھ کر ایسی گفتگو کی کہ وہ چڑ جائے اور آخر جب وہ بولنے پر آیا تو اس کی حاضر جوابی پر تلملا گئی۔

انہی سب باتوں کو سوچتے ہوئے وہ کینٹین کی طرف جا رہی تھی کہ لڑکے لڑکیوں کے رش میں اسے زبیر کاؤنٹر کی طرف رخ کیے کھڑا نظر آیا۔ صبا ابھی نوٹس کی تلاش سے واپس نہیں آئی تھی۔ ندرت نے ایک نظر پیچھے مڑ کر دیکھا اور پھر زبیر کے ساتھ ہی انتظار کرنے کا سوچ کر کاؤنٹر کی طرف چلی آئی۔

جانے کتنے سالوں کا پیاسا زبیر منہ سے پانی کی بوتل لگا کر جو شروع ہوا تو شاید ہٹانا بھول گیا۔ ندرت کو شرارت سوجھی۔

"اے مسٹر! تمہیں پتا ہے جو لڑکے غٹا غٹ کے پانی پیتے ہیں لڑکیاں اُن پر فٹافٹ فدا ہو جاتی ہیں۔" اس نے فائل سامنے والے کے چوڑے شانوں پر مارتے ہوئے کہا لیکن اس کے مڑتے ہی خود اس پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔

ہاتھ میں بوتل لیے شاہ زین اس کے سامنے تھا۔ اچانک اس کی فائل مارنے پر پانی اس کے منہ سے ہوتا شرٹ کے اگلے حصے کو بھی بھگوئے دے رہا تھا۔

"آ۔۔۔آ۔۔۔آپ۔" اس اچانک افتاد پر ہکلا گئی تھی۔

"آپ زبیر ہیں؟" اپنے کیے گئے نہایت فضول سوال پر اس نے دل ہی دل میں خود کو ملامت کیا۔

"جی نہیں۔" شاہ زین نے شرٹ جھاڑتے ہوئے سنجیدگی سے جواب دیا۔ اس کی بوکھلاہٹ آج پہلی مرتبہ دیکھنے کو ملی تھی سو دیکھے گیا۔

"تو پھر یہاں کیوں کھڑے ہیں؟" ایک اور بے تکا سوال

"آپ زبیر ہیں؟"

"جی؟" وہ حیران ہو کر اس کی قوتِ بصارت پر شبہ کرنے لگی تھی۔

"جی نہیں۔"

"تو پھر یہاں کیوں کھڑی ہیں۔" اب کی بار سنجیدگی کے ایفل ٹاور پر کھڑے ہو کر سرد لہجے میں پوچھے گئے سوال پر اس نے غصے سے شاہ زین کو گھورا۔

"آپ ہر وقت اس طرح سڑے ہوئے رہتے ہیں یا آج کوئی خاص دن ہے۔"

اسے شاہ زین سے معافی مانگنا تھی یہ بات تو ذہن کے تاریک گوشے میں رضائی اوڑھے سو چکی تھی۔

"آپ ہر وقت اسی طرح لفٹ مانگتی رہتی ہیں یا آج کوئی خاص دن ہے۔" پرشوق ساحر آنکھیں اس کی ننھی سی ناک میں موجود زرقون کی لونگ اور اس کی آنکھوں کی چمک کا مقابلہ کر رہی تھیں۔

"لگتا ہے لڑکیوں سے بات کرنے کی تمیز نہیں ہے آپ کو۔" سیر پر سوا سیر شاید ندرت سے برداشت کرنا مشکل ہو رہا تھا۔

"اچھا تو شاید آپ کا خیال ہوگا کہ میں آپ کو دیکھتے ہی پہلے سلام بجا لاؤں۔" طنز کا تیر مسکراہٹ کی کمان سے چھوڑا گیا تھا۔

"ارے واہ! آپ تو گاتے بجاتے بھی ہیں، میں تو سمجھی تھی صرف جگت بازی کرتے ہیں۔"

"پہلے نہیں تو اب سمجھ لیجیے کہ میں کسی کا بھی بینڈ منٹوں میں بجانے میں خاص مہارت رکھتا ہوں۔ اس بات کی تصدیق آپ سے بہتر کون کر سکتا ہے۔" شاہ زین کی دل کش مسکراہٹ اس کی مردانہ وجاہت میں اضافہ کر رہی تھی۔

"ہونہہ آپ کی تو شکل ہی عزت کرنے والی نہیں ہے۔"

"جارج بش سے ملتی ہے کیا؟"

شاہ زین نے دل جلا دینے والی مسکراہٹ سے کہا تو اس کی برداشت جواب دے گئی اور پاؤں پٹخ کر واپس مڑی ہی تھی کہ زبیر اور صبا کو اپنے عقب میں پا کر مزید تپ گئی۔

"تم؟ کورنگی واش کی رنگین کاپی، کہاں گم ہو گئے تھے، ابھی تھوڑی دیر پہلے تو میں نے تمہیں یہاں دیکھا تھا۔"

شاہ زین کا غصہ زبیر پر نکالتے ہوئے اس نے زبیر کے لمبے قد کو نشانہ بنایا تھا۔

"ہاں تو میں ابھی ابھی تو ذاکر بابا سے کچوریاں لینے گیا تھا تاکہ تمہارے آنے سے پہلے کچھ کھانے پینے کا بندوبست کرلوں لیکن پلٹا تو۔۔۔"

ندرت اور شاہ زین کو باری باری دیکھ کر اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"ندرت تم نے۔۔۔" صبا نے اس کے کان کے قریب آکر سرگوشی میں جیسے کچھ یاد دلانا چاہا تھا۔

"ہاں ہاں پتا ہے مجھے، میں نے ہی کچوریاں کھانے کی خواہش کی تھی۔"

کھا جانے والی نظروں سے شاہ زین کو دیکھتے ہوئے اس نے صبا کی بات اچک کر جواب دیا اور شانوں سے ڈھلکتے دوپٹے کو مفلر کی طرح گلے میں ڈال لیا۔

شاہ زین ابھی تک ہاتھ میں پکڑی بوتل سے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لیتا اسے ہی دیکھ رہا تھا کہ پیچھے سے کسی کا ہاتھ اپنے شانے پر محسوس کرتے ہوئے مڑا۔

"کیوں سائیں کسی میڈم نے اوکے کیا اپنے سر کا سائیں بنانے کے لیے یا۔۔۔" بات ادھوری چھوڑ کر میران نے ایک نظر ندرت کو دیکھا اور پھر بولا۔

"ابھی تلاش کا سفر جاری ہے؟"

"پہلی بات تو یہ کہ تلاش کا سفر جاری کیا، شروع ہی نہیں ہوا ابھی، اور دوسری بات وہ سب ایک مذاق تھا اور بس۔"

شاہ زین نے اتنی نرمی اور تحمل سے میران کا ہاتھ اپنے کندھے سے ہٹا کر جواب دیا تھا کہ ندرت اس کی قابلِ تحسین برداشت پر ستائشی نظروں سے دیکھے گئی اور تبھی اسے یاد آیا کہ اسے شاہ زین سے اس گھٹیا مذاق کی معافی مانگنا تھی۔

"ارے یار ایک لڑکی کے ہاتھوں سائیں تم مذاق بن گئے اور چپ رہے، لگتا ہے مردانگی کو گھر پر سلا آتے ہو؟"

مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے سگریٹ سے سرمئی ہوتے ہونٹوں کو سکیڑ کر جانے آج میران کیا ثابت کرنے پر تلا تھا اور پھر حیرت کی بات یہ تھی کہ آج اس کے ''چیلے'' بھی اس کے ساتھ نہیں تھے جو ہمیشہ اس کے گرد دلہن کی سہیلیوں کی طرح رہا کرتے۔

''میرے دوست مردانگی یہی تو ہے کہ اپنی برداشت کو آخری حد تک آزمایا جائے خصوصاً تب جب آپ کے سامنے کوئی فی میل ہو۔ صحیح معنوں میں مرد تو وہی ہے نا جو اپنے غصے کو قابو میں رکھے۔'' میران کی کہی گئی سخت بات کے جواب میں پھر وہی نرمی۔ ندرت جھنجھلا گئی تھی۔

''میران بہتر ہے کہ تم اپنے کام سے کام رکھو، خوامخواہ بی جمالو بننے کی کوشش نہ کرو۔''

صبا نے ندرت کا ہاتھ بڑی زور سے دبایا۔ جس کا مطلب یہی تھا کہ اس نے یہ بات کیوں کی۔

''میں بی جمالو نہ بنوں یعنی تم جب چاہے لڑکوں کی ہو جمالو کرتی رہو۔''

ہفتہ بھر پہلے ایوب کھوسہ سے انسپائر ہو کر بالوں کو پرم کروا کر ان کی چھوٹی سی پونی کو شہادت کی انگلی پر لپیٹنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے میران اب براہِ راست ندرت سے مخاطب ہوا تھا۔

''ہو جمالو ہوئی بھی تو لڑکوں کی ہو گی اس لیے تم بے فکر رہو۔'' صبا نے اس کے ہاتھ کو مزید دباتے ہوئے اپنی طرف کھینچ لیا۔ زبیر ان کے پیچھے پیچھے ہاتھ میں پچوریوں کا لفافہ لیے تیز قدموں سے چل دیا۔

چھٹی حس کا الارم جانے کیوں بجا چلا جا رہا تھا۔

☆☆☆

''السلام علیکم اماں!'' شاہ زین نے گھر میں داخل ہو کر ہاتھ میں پکڑی چند کتابیں میز پر رکھیں۔

''وعلیکم السلام بیٹا! آج تم جلدی آ گئے۔ خیریت تو ہے نا؟''

ماں ثمینہ کی قمیص کی تر پائی کرتے ہوئے ایک دم چونک کر پہلے اسے اور پھر سامنے لگی گھڑی دیکھنے لگی

تھیں۔ کچن میں رات کے کھانے کی تیاری ثمینہ بھی گیٹ کی آواز سن کر کچن سے نکلی اور اس کے قریب چلی آئی، جلدی میں وہ ہاتھ میں پکڑ خالی گلاس میں پانی ڈالنا بھول گئی تھی۔

''بھائی آپ ٹھیک تو ہیں نا۔ کیا آج شہروز ٹیوشن نہیں لی؟''

وہ اس کی تمام ٹیوشنز کے ٹائمنگز اور اسٹوڈنٹ کے نام وغیرہ سب سے واقف تھی اور جانتی تھی کہ ا کی آخری ٹیوشن ایف ایس سی کے شہروز کی ہوتی ہے

''ارے ہاں بھئی آپ لوگ پریشان نہ ہوں بالکل ٹھیک ہوں، دراصل شہروز آج سے ٹیوشن نہیں پڑھے گا مجھ سے۔''

برآمدے کے ستون کے عقب میں رکھے ریک سے اس نے اپنے سلیپرز پہنے اور دوسرے جوتے وہیں رکھ دیے۔ اتنے میں ثمینہ تیزی سے کچن میں جا کر چولہے کی آنچ ہلکی کر آئی تھی۔

''نہیں پڑھے گا۔ لیکن کیوں بیٹا!'' اماں نے قمیص ایک طرف رکھی اور مکمل متوجہ ہوئیں۔

''کوئی خاص بات نہیں، دراصل اسے ایک ا ٹیچر مل گیا ہے جس کی بورڈ میں بھی سنا ہے بہت واقفیت ہے۔ اور ٹیوشن پڑھنے والے نالائق نالائق اسٹوڈنٹس کو بھی کافی اچھے نمبر دلوا دیتا ہے۔''

''کوئی بات نہیں بیٹا! جو ہمیں مل رہا ہے وہی ہمارا نصیب ہے۔ دینے والے کی ذات اسے ہی زیادہ نوازے گی جو اپنے کام میں مخلص ہو۔ اس لیے تم فکر نہ کرنا یقیناً اس میں بھی اوپر والے کی طرف سے ہمارے لیے بہتری ہے۔''

''ہاں بھائی ایک در بند تو سو کھلا، اس لیے آپ بالکل ریلیکس رہیں۔''

ثمینہ نے قمیص شاپر میں ڈال کر دیوار میں بنے شیلف پر رکھتے ہوئے کہا تو وہ جو آج ندرت اور میران کی بات چیت سوچنے لگا تھا جواباً ''ہوں'' کر کے رہ گیا۔

ندرت، صبا اور زبیر کے جاتے ہی میران کے

تاثرات اسے کچھ اچھے نہیں لگے تھے۔

اماں اور ثمینہ ظاہر ہے اس بات سے ناواقف تھیں جبھی اس کے چہرے پر ڈیرہ ڈالے پریشانی کے تاثرات کو شہروز کی ٹیوشن سے تعبیر کرنے لگیں۔

''بھائی جو رزق ہماری قسمت میں لکھا ہے وہ ہمیں مل کر ہی رہے گا بلکہ قدرت خود ہمیں اس رزق کے وسیلے تک پہنچائے گی۔ اور جو ہمارے لیے نہیں ہے اس کے لیے پریشان ہونے کا بھلا کیا فائدہ۔''

ثمینہ کی بات پر وہ ایک دم چونکا اور پھر شرمندہ ہو گیا کہ وہ خوامخواہ ان دونوں کو ایک ایسی بات کے لیے پریشان کر رہا ہے جس کے لیے وہ خود صرف اللہ پر بھروسہ کیے مطمئن ہے۔

''بالکل صحیح کہا اور پھر جو ہماری قسمت میں نہیں ہے تو اس کا ایک ذرہ بھی ہمارا نہیں ہو سکتا۔ بالکل ایسے ہی جیسے دسترخوان پر کھانا کھانے بیٹھو تو نوالہ منہ کے قریب جا کر نیچے گر جائے، یا پھر کھانا کھانے کے بعد کلی کرنے سے نکلنے والے ذرات جو ہماری قسمت میں نہ ہونے کی وجہ سے منہ میں جا کر بھی واپس باہر آ جاتے ہیں۔''

اسے یوں سوچ میں گم دیکھ کر اماں حقیقتاً پریشان ہو گئی تھیں۔

''ارے نہیں اماں مجھے ٹیوشن ختم ہو جانے کی کوئی پریشانی نہیں ہے اور پھر مجھے سو فیصد یقین ہے کہ جب تک آپ کی دعائیں میرے ساتھ ہیں میں ہاتھ پاؤں چھوڑ کر بھی بیٹھ جاؤں تو غیب سے رزق آنے لگے گا۔''

''ارے بیٹا! کبھی میری سانسوں اور دعاؤں کی گنتی ہوئی نا تو دعاؤں کی تعداد ہی زیادہ نکلے گی۔'' اسے مسکراتا دیکھ کر اماں اور ثمینہ نے بھی سکون کا سانس لیا تھا۔

''ویسے ہمارے گھر میں ایک قانون تو الٹا ہے ہی۔''

اماں کے بائیں طرف پڑے گاؤ تکیے کو کھینچ کر اس سے ٹیک لگاتے ہوئے شکایتی انداز میں بولا تو اماں اور ثمینہ دونوں ناسمجھی سے اسے دیکھنے لگیں۔

''اور وہ یہ ہے کہ عام طور پر گھرانوں میں دیر سے آنے پر چائے پانی نہیں پوچھا جاتا اور ہمارے گھر میں۔۔۔ آج میں جلدی آ گیا ہوں تو ثمینہ نے ایک گلاس پانی بھی نہیں دیا، بلکہ پیاس کا مزید احساس دلانے کے لیے خالی گلاس سامنے رکھ دیا ہے۔''

''جی ہاں اور وہ اس لیے کہ آج جب آپ گھر میں داخل ہوئے تو خود آپ کے چہرے پر کئی ٹیوب ویل چل رہے تھے۔ میں نے سوچا میں بھی گلاس بھر لوں۔'' ثمینہ نے خجالت سے سامنے رکھا گلاس ہاتھ میں لیا اور کھسیانی بلی کھمبا نوچے کے مصداق جواب دے کر کولر کی طرف بڑھ گئی۔

وقتی طور پر ثمینہ کی بات پر اس کے چہرے پر مسکراہٹ ضرور نمودار ہوئی تھی لیکن بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے آنکھیں بند کرنے کی دیر تھی کہ ندرت اور میران کے درمیان ہونے والا مکالمہ پھر سے ذہن میں تازہ ہو گیا۔

سرخ و سفید رنگت والی ندرت اور درمیانے قد اور سانولی رنگت کے حامل میران کو سوچتے ہوئے ذہن میں سالوں پہلے پڑھی گئی کہانی ''معصوم شہزادی اور عیار جادوگر'' کا عنوان یاد آتے ہی وہ ہڑبڑا ہی تو گیا تھا کہ سامنے ثمینہ ہاتھ میں گلاس لیے پانی کے چند چھینٹوں سے اس کا منہ دھلانے پر تلی ہوئی تھی۔

☆☆☆

سیاست، دنیائے کاروبار کی فہرست میں صفِ اوّل کا وہ واحد کاروبار ہے جس میں سیاست دان عوام کو بے وقوف بنانے کی فیس بھی عوام ہی سے وصول کرتا ہے۔ نتیجتاً خود بی ایم ڈبلیو میں سیر و تفریح کرتا ہے جب کہ بے چارے عوام دال روٹی حاصل کرنے کی تگ و دو میں پیدل برس ہا برس جوتیاں چٹخاتے انہی کے نعرے لگاتے لگاتے مر جاتے ہیں۔

لیکن حیدر شاہ سیاست دانوں کے قبیلے میں منفرد اس لیے نظر آتے کہ وہ دل میں حقیقتاً غریب طبقے کا درد محسوس کیا کرتے تھے۔ نہ صرف یہ بلکہ ہمہ وقت ان

کی حالت میں بہتری لانے کے لیے کوشاں رہتے۔ شاہ سائیں ان جاگیرداروں یا وڈیروں میں سے ہرگز نہیں تھے جو اپنی حاکمیت ختم ہو جانے کے ڈر سے غریب طبقے کو دبا کر رکھنے میں اپنی آن بان کا تحفظ سمجھتے۔ آج بھی وہ اپنے اسی مقصد کی طرف قدم بڑھانے کی حکمت عملی ترتیب دینے کے بعد بڑے پر جوش انداز میں حویلی میں داخل ہوئے تھے۔

''ملکانی او ملکانی۔۔۔'' راہداری عبور کرنے کے بعد بیٹھک میں قدم رکھتے ہی انہوں نے پکارا تو زنان خانے سے بیٹھک میں داخل ہونے میں ملکانی سائیں نے لمحہ بھر دیر نہیں لگائی۔

''کیا بات ہے شاہ جی؟ آج تو میکوں بڑے خوش لگدے او۔''

ملکانی جی نے مسکراتے ہوئے اپنی کاجل سے بھرپور آنکھوں کو شاہ سائیں کے چہرے پر مرکوز کیا۔ جوان بیٹے اور بیٹی کے باپ تھے۔ سیاست اور کاروبار کے علاوہ کئی بکھیڑے تھے مگر پھر بھی صحت ایسی قابلِ رشک تھی کہ ملکانی سے تو عمر میں آدھے معلوم ہوتے۔

یوں بھی ملکانی ان سے تھیں تو دس برس بڑی ہی، مگر اب یہ دس برس دونوں کے بیچ دگنے لگا کرتے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ ملکانی جی خود کو ہمیشہ بناؤ سنگھار اور زیورات سے آراستہ رکھتے ہوئے شاہ سائیں کی توجہ اپنے تک ہی مبذول رکھنے کی تگ و دو میں لگی رہتیں کہ وڈیروں، جاگیرداروں کی دلی کیفیت کو وہ بخوبی سمجھا کرتی تھیں اور ''اندر'' کی خبر اُن تک پہنچانے کے لیے بھی ملکانی کا خاص بندہ ہمیشہ ان کے ساتھ سائے کی طرح لگا رہتا۔

''خوش تو میں ہوں مگر تم اتنے غور سے کیوں دیکھ رہی ہو؟''

شاہ سائیں نے ملکانی کی نظروں کا ارتکاز محسوس کرتے ہوئے پوچھا تو لپ اسٹک کی تہ تلے چھپے ہونٹ مزید پھیل گئے۔

''دیکھ رہی ہوں کہ میکو کتنا سوہنا بندہ دیا ہے رب نے۔''

ملکانی کی بات پر شاہ سائیں کا بلند قہقہہ فضا میں ابھرا تو وہ جھینپ کر خوامخواہ کلائی میں پہنی سونے کی چوڑیوں کی گنتی کرنے لگیں۔

''اسی لیے تو کہتا ہوں شکر کیا کرو ملکانی شکر، چین کی نیند سویا کرو۔''

''ہوں۔۔۔ کاش! کہ ایسا ہو سکتا شاہ سائیں!'' ملکانی نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے کہا۔ ان کے چہرے کے تاثرات لمحہ بھر میں بدل گئے تھے۔

''کاش۔۔۔! رب نے میکو بہت کچھ بلکہ سب کچھ دے کر بھی خالی ہاتھ نہ رکھا ہوتا تو شاید میں بھی چین کی نیند سو سکتی۔''

ملکانی کی اس بات پر شاہ سائیں نے چونک کر انہیں دیکھا اور ایک دوسرے کی آنکھ میں لکھی تحریر پڑھ کر دونوں ہی الجھ گئے۔

یاسیت گویا پَر پھیلائے اُن کے چہرے کی منڈیروں پر آ براجمان ہوئی۔

شاہ سائیں ذرا سی دیر میں اپنی عمر سے کہیں زیادہ بوڑھے دکھائی دینے لگے تھے۔ ملکانی کا چہرہ بھی ستا ہوا نظر آ رہا تھا۔

شاہ سائیں اپنے دونوں گھٹنوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے ایک سرد آہ کھینچ کر اپنی جگہ سے اٹھے۔ انتہائی دل گرفتگی سے ملکانی کو دیکھا اور ان کے صوفے کی طرف بڑھے۔ شاہ سائیں کو اپنی طرف آتا دیکھ کر ملکانی نے صوفے پر پھیلے دوپٹے کے کنارے کو سمیٹ کر ان کے بیٹھنے کے لیے جگہ چھوڑی تو وہ ان کے نزدیک ہی بیٹھ گئے۔ اور اپنا ہاتھ خاموشی سے ان کے شانے پر رکھ دیا۔

''صبر۔۔۔ صبر بھلی عورت۔۔۔ صبر کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔''

''جانتی ہوں شاہ سائیں! پر کیا کروں؟ دل سے یہ بات نکلتی ہی نہیں۔''

''اور نکلے گی بھی نہیں ملکانی! یہ تم بھی اچھی طرح جانتی ہو، اور میں بھی۔ شاید اسی لیے میں اپنے دونوں بچوں اور خصوصاً میران کے لیے اتنا کچھ کرنا چاہتا ہوں کہ پھر اسے کچھ اور سوچنے کی نہ تو فرصت ہو اور نہ ضرورت۔''

''یہ سب ممکن ہے شاہ سائیں؟'' لہجے کی بے یقینی لفظوں پر حاوی تھی۔

''یہ دنیا ہے ملکانی! اور یہاں سب کچھ ممکن ہے۔ اور یاد آیا۔۔۔'' شاہ سائیں نے بات کرتے کرتے اچانک ماتھے پر آہستگی سے ہاتھ مارا۔

''میں تو تمہیں بتانے یہ آیا تھا کہ بہت جلد فیکٹری کا افتتاح ہونے والا ہے۔ مشینری وغیرہ سب سیٹ ہو گئی ہے۔ بس آج کل میں اسٹاف کے لیے اخبار میں اشتہار دینے کا سوچا جا رہا ہے۔ کچھ اسٹاف دوسری فیکٹری سے وہاں شفٹ ہو جائے گا۔'' شاہ سائیں پُر جوش انداز میں ملکانی کو تفصیلات سے آگاہ کر رہے تھے۔ سو ملکانی کو بھی اپنا سابقہ موڈ بدلنا پڑا۔

''پر ایک بات چنگی طرح دھیان میں رکھنا۔''

شاہ سائیں نے سوالیہ انداز میں دیکھا۔

''ساری لڑکیاں نا اکٹھی کر لینا اُدھر، آپ کا اعتبار بھی نہیں ہے کوئی۔''

دل کے خدشات ملکانی کی زبان پر آئے تھا تھے کہ شاہ سائیں قہقہے کے ساتھ اپنی نوک دار مونچھوں کو سیٹ کرتے ہوئے ملکانی کے سر پر پیار سے چپت رسید کرتے کھڑے ہو گئے۔

☆☆☆

''کیوں بھئی خیریت؟ کیا تصویر کھنچوانے والے ہو؟'' یونیورسٹی گیٹ سے اندر داخل ہوتے ہی دائیں طرف بنی رنگ برنگی پھولوں کی مستطیل کیاریوں کے قریب زبیر اور صبا کو ساکت و جامد دیکھ کر ندرت حیران ہوئی۔

''تصویر نہیں لیکن تمہارے کان ضرور کھچوانے والے ہو گئے ہیں۔''

اسے دیکھتے ہی صبا تشویش سے بولی۔

''کیا ضرورت تھی میران جیسے فضول انسان سے پنگا لینے کی، کہاں تو تم کسی سے بات تک نہیں کرتیں اور اب اُس تھرڈ کلاس انسان کی باتوں کے جواب دینا بھی ضروری ہو گیا تمہارے لیے۔''

زبیر نے بھی اس کی کلاس لے لی تھی۔ یوں بھی تینوں شروع سے اکٹھے پڑھتے آ رہے تھے۔ اسی لیے دھڑلے سے ایک دوسرے پر حق بھی جماتے تھے۔ اور اپنا دوستی کا فرض بھی نبھاتے تھے۔

''اوہو تو اس میں اتنا پریشان ہونے کی کیا بات ہے؟ خوامخواہ شاہ زین کو پٹیاں پڑھا رہا تھا ہونہہ۔۔۔ سید میران علی شاہ۔۔۔'' ندرت نے تنفر سے اس کا نام لیا۔

''اُس کے قد سے تو اس کا نام زیادہ لمبا ہے۔'' اپنی ہی بات پر ہنس کر اس نے ٹیوٹی کی شکل کے بیگ سے چیونگم نکال کر دونوں کی طرف بڑھائی اور خود بھی چبانے لگی۔

زبیر اور صبا بھی اس کی بات پر چیونگم چباتے ہوئے مسکرانے لگے تھے۔

''اچھا شاہ زین کو سوری کہہ دیا تھا یا سارا لڑ جھگڑ کے آخر میں ایک ہی دفعہ کہو گی۔''

''سوری۔۔۔؟ ہاں وہ تو مجھے یاد ہی نہیں رہا تھا ایک تو اسٹوپڈ اتنا حاضر جواب ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا بات کے جواب میں کیا کہہ دے۔''

کلاس کی طرف جاتے کوریڈور میں مڑتے ہوئے وہ کل کی بات دوبارہ بتانے لگی جس کا آخری کچھ حصہ وہ دونوں براہِ راست دیکھ چکے تھے۔ اسی دوران شاہ زین کلاس میں داخل ہونے لگا تو پیچھے سے میران کی آواز سنائی دی۔

''ارے سائیں! ایک لڑکی سے مذاق بنوالیا اپنا، اور پھر بھی سینہ تان کے چلتا ہے۔ لگتا ہے ہمی کو وارث بننا پڑے گا۔'' مخصوص لہجے میں بات کرتا وہ یقیناً اپنے شتہ بالوں کے ساتھ اُن کے پیچھے ہی آ رہا تھا۔ تبھی ندرت نے کچھ سوچے سمجھے بغیر شاہ زین کو دور سے ہی آواز دے کر زوردار طریقے سے ہاتھ ہلاتے ہوئے ہیلو کہا تو زبیر اور صبا اس کی اچانک حرکت پر حیران رہ

گئے۔ لیکن وہ جانتے تھے کہ ندرت شروع سے ہی Unpredictable رہی ہے۔ کس وقت کیا کر دے یہ پیشن گوئی کرنا کسی کے بس کی بات نہیں تھی۔ خود شاہ زین لمحہ بھر کے لیے گڑبڑا سا گیا تھا لیکن پھر سنجیدگی سے ہیلو کہہ کر کلاس میں داخل ہو گیا۔ اپنی ذات کے اوپر چڑھائے گئے خود ساختہ خول میں پڑنے والی دراڑ نے بلاشبہ اُسے چونکا ضرور دیا تھا۔

☆☆☆

"ایکسکیوزمی سر!"

پروفیسر خورشید کا آج لیکچر ڈے تھا۔ نیا ٹاپک شروع کرتے ہوئے وہ ہمیشہ بھرپور طریقے سے اسٹوڈنٹس کو موضوع میں انوالو کرنے کی کوشش کرتے تھے اسی مقصد کے لیے وہ کلاس میں آ کر بغیر وقت ضائع کیے پراجیکٹر استعمال کر کے لیکچر شروع کرنے ہی والے تھے کہ ندرت کی آواز پر انہیں رُکنا پڑا۔

"سر! مجھے ایک بات کرنا تھی۔"

"ناٹ ایٹ آل، آپ جانتی ہیں نا آج ڈسکشن ڈے نہیں ہے اس لیے آج ہم کچھ ڈسکس نہیں کریں گے۔"

"سوری سر! لیکن بات بہت اہم ہے۔ پلیز اونلی فیو منٹس (صرف تھوڑے سے منٹس)۔" پروفیسر خورشید جانتے تھے کہ وہ ایک ذمہ دار لڑکی ہے۔ کسی بھی فضول بات کے لیے وہ یوں اصرار نہیں کرے گی۔ جبھی کندھے اچکا کر گہری سانس لیتے ہوئے چہرے کے تاثرات سے اسے بات کرنے کی اجازت دی تو اس نے سر جھکا کر شکریہ کہا اور بولی۔

"سر! کچھ دن پہلے کلاس میں شاہ زین کا جو مذاق بنا اور جس کی وجہ سے اب تک شاہ زین کو ٹکے ٹکے کے لوگوں سے باتیں سننا پڑتی ہیں، آئی وانٹ ٹو ٹیل کہ وہ سب میری شرارت تھی۔ جس کے لیے میں اس دن سے لے کر اب تک شرمندہ ہوں۔ اور جب تک یہ مجھے معاف نہیں کریں گے میں اپنے آپ کو معاف نہیں کر پاؤں گی۔ آئی ایم سوری شاہ زین۔۔۔ رئیلی ویری سوری۔" شاہ زین کی طرف دیکھ کر کہنے کے بعد اس نے نظریں جھکا لی تھیں۔ زبیر، صبا اور خود شاہ زین اس کی حرکت پر دم بخود تھا۔ لیکن اس کے کچھ بھی کہنے سے پہلے پروفیسر خورشید نے اپنا چشمہ اتار کر ڈائس پر رکھا اور بولے۔

"یہ آپ دونوں کا آپس کا معاملہ تھا جسے کلاس سے باہر بھی سلجھایا جا سکتا تھا لیکن اس کے لیے آپ نے کلاس کا وقت ضائع کیا۔"

"نو سر! دراصل شاہ زین کی انسلٹ پوری کلاس کے سامنے ہوئی تھی تو مجھے معافی بھی پوری کلاس کے سامنے ہی مانگنا تھی تا کہ سروتے جیسی شکلوں سے چھالیہ جیسے الفاظ نکلنا بند ہو جائیں۔" اس کا اشارہ واضح طور پر میران کی جانب تھا۔

"ہوں۔۔۔" پروفیسر خورشید نے ہنکارہ بھرا اور ہاتھ کے اشارے سے اسے بیٹھنے کا کہہ کر ڈائس سے چشمہ اٹھایا۔

اس تمام عرصے میں شاہ زین دم بخود اس پُراعتماد لڑکی کی طرف بس دیکھے ہی گیا۔ اس خواہش کے ساتھ کہ ایک بار وہ بھی اسے دیکھے، غصے سے، بے زاری، اکتاہٹ یا پھر مسکرا کر، دیکھے تو۔۔۔

لیکن وہ جان بوجھ کر اپنے پاؤچ سے سامنے رکھے پین کو ڈھونڈنے کی اداکاری کرتی رہی کہ دو سرمئی آنکھوں کی تپش براہِ راست برداشت کرنا اسے ممکن نہیں لگ رہا تھا۔ سونے پر سہاگہ برق رفتاری سے دھک دھک کرتا باغی ہوتا دل۔

"واہ! لڑکے پٹانا خوب آتے ہیں۔" کلاس کے سناٹے میں ابھرتی دھیمی آواز سبھی کو بلند معلوم ہوئی تھی۔

"لڑکے پٹانا نہیں پٹانا بھی بہت ہی خوب آتے ہیں۔" آج پہلی مرتبہ کسی نے یوں دلیری سے اس پر جملہ کسا تھا اور وہ جانتی تھی کہ یہ میران ہی ہے اور میران کی بری قسمت یہ کہ اس کا مخصوص لب و لہجہ پروفیسر خورشید پر بھی اس کی شناخت واضح کر گیا تھا۔ اور ان کے مخصوص طنزیہ لہجے میں جو درگت اس کی بنی تو وہ کسی زخمی سانپ سے کم ہرگز نہیں لگ رہا تھا۔

☆☆☆

پتھریلی زمین پر میران شاہ کی جیپ چھوٹے بڑے تمام پتھروں کو بھاری مگر مضبوط ٹائروں سے کچلتی جا رہی تھی۔ گو کہ حیدر شاہ کے سیاسی اثر و رسوخ کی وجہ سے گاؤں تک پکی سڑک کا قیام عمل میں آ چکا تھا۔ مگر میران نے جان بوجھ کر دوسرے راستے کا انتخاب کیا تھا۔ جیپ کی برق رفتاری سے اڑتے گرد و غبار میں شاید وہ اپنے اندر اٹھنے والے انسلٹ کے تمام بگولوں کا وجود ختم کر دینا چاہتا تھا جو ندرت کی باتوں سے ہر طرف نظر آ رہے تھے۔ چیلے نما دوستوں کے لاکھ روکنے پر بھی آج وہ رُکا نہیں تھا اور جبڑے بھینچتا ہوا غصے کی تمام شدت ایکسلیٹر پر منتقل کر دی۔

"پروفیسر خورشید۔۔۔!" دانت پیستے ہوئے ایک زوردار مکا اسٹیئرنگ پر مارا تھا۔

ویسے بھی جس طرح ندرت پر کمنٹ کرنے کے بعد پروفیسر خورشید نے اسے آڑے ہاتھوں لیا تھا اس سے کہیں زیادہ بے عزتی اسے ندرت کی مسکراہٹ میں محسوس ہوئی تھی۔

"اور یہ ندرت۔۔۔ سمجھتی کیا ہے خود کو؟" غصے کی شدت حاوی ہوئی تو کھلی زمین کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس نے گاڑی کے ٹائروں کو جو گھمایا تو گولائی میں گھومتے اسٹیئرنگ نے اس کے گھومتے ہوئے دماغ کو بھی گویا شکست دے ڈالی۔

اسی دوران جیب کے اندر اس کے سیل فون نے اپنی موجودگی کا احساس دلایا تو اسے اپنا "شغل" ترک کر کے فون کی طرف متوجہ ہونا پڑا جو اب تک سیٹ کے نیچے پہنچ چکا تھا۔

اِدھر اُدھر دیکھنے کے بعد آخر آواز کی سمت کا تعین کرتے ہوئے اس نے جھک کر فون اٹھایا۔

"کیا مسئلہ ہے؟" دوسری طرف اس کا دوست تھا جسے اس کا کھردرا سا سوال سننا پڑا تھا۔

"کچھ خاص نہیں، ابھی گھر جانے کے لیے یونی سے نکلا تو سوچا ہیلو ہائے کر لوں۔"

وہ یقیناً آج ہونے والے واقعے پر بات کرنا چاہتا تھا لیکن میران کا اس وقت کسی سے بھی بات کرنے کا کوئی موڈ نہیں تھا۔

"تو پھر ہو گئی نا ہیلو ہائے۔۔۔ بس بائے۔"

بے زاری سے کہتے ہوئے میران نے بغیر کسی مروت کے فون بند کر دیا تھا۔

یوں بھی کوئی بچپن کی یا پرانی دوستی تو تھی نہیں، ابھی یونیورسٹی میں ہی ان کی دوستی ہوئی تھی جو یونیورسٹی کے ساتھ یا پہلے ختم بھی ہو جاتی تھی کہ یہی میران شاہ کا دستور تھا۔ کوئی بھی اس کے ساتھ بہت زیادہ عرصہ نہیں چل پاتا تھا۔ کچھ تو میران کی خودکی برتری کی عادت تھی اور کچھ وہ خود ہی بہت زیادہ دوستیوں یا دوستوں کا پرسنل ہونا پسند نہیں کرتا تھا۔ اسی لیے اسکول، کالج اور یونیورسٹی۔۔۔ کتنے ہی دوست بنے اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ دوستیاں ختم بھی ہو گئیں کہ میران کی دوستیاں محض وقت گزاری کے لیے ہوا کرتی تھیں۔ اور وقت گزرنے کے ساتھ ان کی اہمیت اور ضرورت بھی ختم ہو جاتی۔

☆☆☆

"شاہ زین نے تمہارا نمبر مانگا ہے کہو تو دے دوں۔۔۔ ویسے حرج تو کوئی نہیں ہے۔"

ابھی اسے پوائنٹ میں سوار ہوئے چند منٹ ہی گزرے تھے کہ زبیر نے میسج کے ساتھ ساتھ اپنی رائے بھی روانہ کی۔ وہ جانتی تھی کہ پروفیسر خورشید کے پیریڈ سے لے کر لاسٹ پیریڈ تک شاہ زین ان تینوں کے آس پاس ہی موجود رہا تھا۔ اس نے محسوس کیا تھا کہ وہ یقیناً اس سے بات کرنا چاہتا ہے لیکن دانستہ اس نے صبا اور زبیر کو ایک لمحے کے لیے خود سے الگ ہونے نہ دیا۔ یہی نہیں بلکہ شاہ زین کو بھی نظر انداز کیے رکھا یوں جیسے اسے خبر ہی نہیں کہ وہ وہاں ہے بھی یا نہیں۔

ایسا وہ کیوں اور کس خدشے کے تحت کر رہی تھی یہ بات خود اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی اور پہلے وہ خود اپنے آپ کو سمجھنا چاہ رہی تھی جبھی بڑے بڑے حروف میں صرف "No" لکھ کر سینڈ کر دیا۔

"Stich on a time, saves nine
کچھ عقل کرلو۔"
کھٹ سے دوبارہ میسج آیا تو وہ بے اختیار موبائل کی ہلکی سبز اسکرین کو دیکھ کر ہنس دی۔ جانتی تھی کہ زبیر اب حق جتانے کی سیڑھی پر پاؤں رکھ چکا ہے۔ جبھی فی الحال جواب "Plz no, talk 2 u later" لکھ کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی کہ پوائنٹ میں تو الگ ہی جہان آباد ہوا کرتا ہے جہاں زیادہ تر لڑکیاں دونوں انگوٹھوں کی مدد سے زوروں کی اسپیڈ میں اپنے عموماً "وقتی جذبات" الفاظ کی صورت اسکرین پر منتقل کر رہی تھیں یہ کچھ میگزین میں مصروف تھیں تو کوئی ہیڈ فون لگائے موسیقی کی دھن میں مست۔ اسی جائزے کے دوران زبیر کی کال آئی لیکن فی الحال وہ اس سے بھی شاہ زین کے متعلق بات نہیں کرنا چاہ رہی تھی جبھی موبائل کو بجتے رہنے دیا اور صبا کی طرف متوجہ ہوگئی۔

☆☆☆

"بھابھی خیریت ہے آج کوئی آرہا ہے کیا؟"
شام سوا پانچ بجے کے قریب گھر میں داخل ہوتے ہی مختلف قسم کی اشتہا انگیز خوشبوؤں نے اس کا استقبال کیا تو وہ چونک گئی اور سیدھی کچن میں جا پہنچی جہاں امی ٹیبل پر رکھے بڑے سے باؤل میں ابلے ہوئے آلو، ہلکے فرائی مٹر، گاجر اور بند گوبھی مکس کر رہی تھیں۔
"ہاں آج ممی لوگ آرہے ہیں، اکمل آیا ہوا ہے نا چھٹیوں پر، تو میں نے سب کو شام کے کھانے پر بلا لیا۔" عائشہ نے ذرا جھک کر اوون میں رکھے ران کے گوشت کی رنگت تبدیل ہوتے دیکھی تو اوپر گولائی میں کٹے ٹماٹر، پیاز اور ادھ گلے ابلے چاول بکھیر کر دوبارہ اوون بند کردیا۔
"لیکن صبح تک تو اس دعوت کا نام ونشان نہیں تھا اگر آپ پہلے بتادیتیں تو میں لاسٹ پیریڈز لینے کے بجائے جلدی گھر آکر آپ کی ہیلپ ہی کروادیتی۔"
ندرت نے ایک نظر امی کو اور پھر عائشہ کو دیکھتے ہوئے کہا جو بریانی کے لیے گوشت بھون رہی تھی۔

"وہ دراصل پہلے ایسا کوئی پروگرام تھا ہی نہیں بلکہ نیناں نے ہم سب کو انوائیٹ کر رکھا تھا مگر عین وقت پر ناصر نے منع کردیا کہ انہیں آج کہیں اور جانا تھا۔۔۔ اور پھر یہ مشورہ بھی انہوں نے ہی دیا کہ کہنا تو صرف مل بیٹھنے کا بہانہ ہی ہے نا، وہاں نہ سہی یہاں ہمارے گھر سہی۔"
ساری بات کرتے ہوئے وہ اُس ہنگامے کو بالکل گول کر گئی تھی جو ناصر کے نہ جانے پر کھڑا ہوا تھا۔
"اچھا چلیں اب جلدی جلدی بتائیں میرے لائق کیا خدمت ہے تاکہ میں بھی ہاتھ دھو کر چیزوں کے پیچھے پڑجاؤں۔" سنک کے ساتھ رکھے ہینڈ واش سے ہاتھ دھوتے ہوئے اس نے ریلیکس موڈ میں کہا اور امی کو آرام کرنے کا کہہ کر کمرے میں بھیجنے کے بعد خود ان کے ساتھ جُت گئی۔
ایک تو کچن میں ایگزاسٹ فین کچھ پرابلم کررہا تھا اور پھر اوون اور چولہوں کی گرمائش، جب سارا کام ختم ہونے کے بعد وہ کچن سے نکلی تو چہرہ سرخ ہورہا تھا۔ یوں بھی ابھی تک عائشہ کے گھر والے نہیں پہنچے تھے۔ جبھی جلدی سے فریش ہوکر لائٹ گرین اور لیمن کلر کے امتزاج کا ٹراؤزر شرٹ پہن کر باہر نکلی تو بلاشبہ آئینے ہی کو مبہوت کرڈالا۔
"ندرت پتا ہے کتنے ہی آئینے ملا کر تمہارے کمرے کا آئینہ تیار کروایا ہے ورنہ تو بے چارہ ایک جھلک پر تمہارے قدموں میں پڑا ہوتا۔"
ثروت آپا اکثر یہ جملہ کہتیں اور وہ ہنس دیتی لیکن اکثر ہی اُسے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے ہوتے ہوئے جملہ ضرور یاد آتا۔ گیلے بالوں میں برش کرتے ہوئے اس نے ٹائم دیکھا۔ جلدی جلدی سامنے رکھے پرفیوم کا اسپرے کیا اور دوپٹا کندھے پر ڈالے باہر چلی آئی جہاں آنٹی انکل تو آچکے تھے لیکن اکمل ان کے ساتھ شاید نہیں تھا۔ جبھی اُن دونوں کو سلام کرکے عائشہ کی طرف متوجہ ہوئی۔
"بھابھی صرف آنٹی انکل ہی آئے ہیں کیا؟"

ڈرائنگ روم کے بائیں طرف رکھے نسبتاً چھوٹے صوفہ سیٹ کو اس نے بالکل نظر انداز کردیا تھا جہاں ناصر بیٹھے کسی سے گپیں لگا رہے تھے۔
"ارے نہیں تو اکمل بھی ہے۔۔۔ وہ اُدھر ناصر کے ساتھ۔" بھابھی نے گردن ناصر کی طرف موڑی۔
"ارے اکّو تم۔۔۔؟" اتنے بڑے ہوگئے ہو، کیا تمہاری فوجی ٹریننگ میں ہر وقت الٹا لٹکا کے رکھتے ہیں یا تم درختوں کے ساتھ جھولتے رہتے ہو۔"
اکمل کو اتنے لمبے چوڑے انسان کے روپ میں دیکھنے کی یقیناً اسے توقع نہیں تھی جبھی اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے ردِعمل بڑا واضح انداز میں سامنے آیا۔
جواب میں اکمل اپنی تعریف پر جھینپ کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے ندرت ابھی تک حیران سی اسے دیکھے جارہی تھی۔
"بھئی ندرت! اکّو نہیں اکمل کہو، اتنے اچھے نام کو بگاڑنا مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔"
عائشہ بھابھی نے وہیں سے گردن موڑ کر مداخلت کی تو باقی بڑے بھی متوجہ ہوئے۔
"ارے بھابھی! میں اسے اکّو کہوں یا ہَکّو بَکّو، یہ میرا اور اکّو کا مسئلہ ہے۔ پلیز آپ بڑوں میں رہیں۔ کیوں اکّو؟"
اس کا ہاتھ چھوڑ کر وہ ناصر بھائی کے ساتھ ہی سامنے بیٹھ گئی۔
"بالکل ندرت جی! آپ جو بھی کہیں مجھے منظور ہے کیوں کہ پھول کو کسی بھی نام سے پکاریں رہتا تو وہ پھول ہی ہے نا۔" اکمل نے فرضی کالر جھاڑتے ہوئے کہا۔
"ہاں ہو چاہے کاغذ کا یا گوبھی کا۔۔۔"
اپنی روانی میں وہ کہہ تو گئی لیکن ایک دم اکمل کی بات پر دل دھڑک سا گیا تھا اور تب ہی سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں دو سرمئی آنکھیں اس کے ذہن کے پردے پر آنمودار ہوئیں۔ کہ یہی تو اس دن لائبریری میں شاہ زین نے بھی کہا تھا۔ اور اس کے یاد آتے ہی دل عجیب سی کیفیت کا شکار ہونے لگا تھا۔ اس نے سامنے بیٹھے اپنے سے چھوٹے اکمل کو دیکھا جو کل تک اس کے ساتھ گپیں مارا کرتا تھا۔ آج کتنا بڑا اور ڈیسنٹ لگ رہا تھا۔ فوج کی ٹریننگ نے اس کی شخصیت کو یوں نکھارا تھا کہ ہر ہر انداز سے ڈسپلن جھلکتا۔
لیکن پھر بھی ہزار کوشش کے باوجود وہ یونیورسٹی سے گھر میں داخل ہوتے ہی شاہ زین کو بالکل بھول چکی تھی۔ اب اکمل کی اس بات کے بعد چاہنے کے باوجود بھی اس کے خیال سے دامن چھڑانے میں کامیاب نہ ہوسکی اور چلتے پھرتے اسے سوچے گئی۔

☆☆☆

آج یونیورسٹی آتے ہوئے اس نے سوچ رکھا تھا کہ جاتے ہی شاہ زین سے بات کرے گی لیکن ہوا اس کے برعکس کہ آج کا شاہ زین شاید کل کی ندرت بنا اسے غیر محسوس طریقے سے نظر انداز کرتا رہا۔ خود زبیر نے بھی اُس سے کل کے متعلق کوئی بات نہیں کی تو وہ حیران ہوکر آخر خود ہی پوچھ بیٹھی۔
"زبیر کیا بات ہے کل تم کیوں بار بار میسج کررہے تھے؟" خدا خدا کرکے فری پیریڈ ملتے ہی وہ تینوں اپنے من پسند گوشے میں جا پہنچے تھے۔
"نہیں کچھ خاص نہیں ویسے ہی۔" زبیر نے گھاس پر بیٹھتے ہوئے صبا اور ندرت کے سامنے پاپ کارن کا پیکٹ بڑھاتے ہوئے لاپروائی سے کہا۔
"ویسے ہی کا کیا مطلب؟ کل تو پوائنٹ میں فون پہ فون کررہے تھے۔ اور آج۔۔۔" وہ زچ ہوگئی تھی۔
"اچھا تو اس وقت زبیر کی کال آرہی تھی۔۔۔ تو تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں۔" صبا کی حیرت بجا تھی۔
"زبیر بتاؤ نا تم اس وقت کیا کہہ رہے تھے؟" ندرت کی جھنجھلاہٹ عروج پر تھی کیوں کہ وہ زبیر کی بات سننے کے لیے بے تابی سے انتظار کررہی تھی تاکہ اس کی بات کے جواب میں اُن دونوں کو بتا سکے کہ وہ شاہ زین کے لیے کچھ منفرد محسوس کرنے لگی ہے۔ اسی لیے صبا کی بات کو نظر انداز کرکے زبیر کی طرف متوجہ رہی جو بڑے مزے سے پاپ کارن کھاتا

یونیورسٹی کی ''رنگینیوں'' سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

''زبیر۔۔۔'' وہ چیخی۔

''توبہ ہے دنیا بھر میں سب سے زیادہ ڈھیٹ بندہ ڈھونڈنے نکلو نا تو آگے تمہی کھڑی ملو گی۔'' وہ یقیناً اپنی ''تفریح'' میں مداخلت پر بدمزا ہوا تھا۔

''کہا نا کچھ نہیں تھا کل۔''

''جاؤ دفع ہو جاؤ۔۔۔ نہیں بلکہ تم اپنی جولیٹ کے ساتھ عیش کرو میں ہی دفع ہو جاتی ہوں۔ ہونہہ۔۔۔ خوامخواہ ہر وقت کباب میں ہڈی بنی رہتی ہوں۔''

بڑبڑاتی ہوئی وہ اپنی چیزیں سنبھال کر اٹھی اور پاؤں پٹخ کر وہاں سے اٹھ گئی۔

میران اپنے دوستوں کے ساتھ ندرت، زبیر اور صبا سے کافی فاصلے پر بیٹھا باتیں تو دوستوں سے کر رہا تھا مگر دھیان مکمل طور پر ندرت پر تھا۔ بڑی گہری نظروں سے وہ ان تینوں کی حرکات و سکنات کا مشاہدہ کر رہا تھا جب جیب میں پڑے موبائل نے اس کے ادھر سے اُدھر بھٹکتے دماغ کو چونکا دیا۔

''سلام لالہ۔۔۔ کیا حال ہے؟'' دوسری طرف مہربانو ہمیشہ کی طرح خوش اخلاقی سے اس کا احوال دریافت کر رہی تھی۔

مگر دوسری طرف چونکہ اس کی بہن تھی سو فون پر ہی سہی مگر دوستوں کے سامنے بہن سے بات کرنا اس کی ''غیرت'' کے خلاف تھا۔ جبھی انہیں اشارے سے کچھ دیر میں آنے کا کہہ کر ان سے قدرے فاصلے پر کھڑا ہو گیا۔

''میں ٹھیک ہوں تم سناؤ، اس وقت کیوں فون کیا؟''

''لالہ میں ایک ہفتے کے لیے گاؤں آرہی ہوں، اماں سائیں کا فون نہیں مل رہا تھا اس لیے آپ کو کرنا پڑا۔''

''ہوں۔۔۔'' میران جیسے کچھ سوچنے لگا تھا۔

''تم پورے ایک ہفتے کے لیے گاؤں آرہی ہو، وہ بھی ڈیورنگ دا سیشن؟ ایسی کیا آفت آگئی تھی؟''

میران ناخن کے بجائے کھال دیکھنے کا عادی تھا۔ اور بہن ہونے کی وجہ سے مہربانو اس کی عادت سے بخوبی واقف تھی اسی لیے اس کے لہجے کا کڑوا پن نظر انداز کر گئی۔

''وہ لالہ دراصل۔۔۔ بہت دن ہو گئے ہیں، آپ سے دور، تو بہت یاد آرہی تھی سب کی۔''

''اچھا اچھا ٹھیک ہے، میں اماں سائیں کو فون کر دیتا ہوں۔''

اس سے پہلے کہ مہربانو جواب میں کچھ کہتی، حتیٰ کہ اس کے اللہ حافظ کہنے سے پہلے ہی اس نے ملکانی جی کا نمبر ملایا جو حسنِ اتفاق اسی وقت ریسیو بھی ہو گیا۔

سامنے ندرت کسی بات پر جھنجھلائی ہوئی تھی جبکہ زبیر اور صبا اسے تنگ کرنے کے موڈ میں معلوم ہو رہے تھے۔

ان تینوں کے تاثرات کا اندازہ لگاتے ہوئے ایک دم ملکانی کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی تھی۔

''صدقے جاؤں پتر۔۔۔ سب خیر تو ہے نا؟ آج یونیورسٹی میں کیویں یاد آگئی ماں کی؟'' حسب معمول ملکانی کی آواز میں بیٹے کے لیے پیار ہی پیار تھا۔

''وہ آرہی ہے آپ کی لاڈلی۔''

''مہربانو آرہی ہے؟'' حیرت اور خوشی کا ملا جلا احساس تھا ان کی آواز میں۔

''چاچے بخش کے ساتھ خود بھی ضرور جانا اُسے لینے۔''

کسی بات پر ہاتھ میں پکڑی فائل ندرت نے زبیر کو ماری اور خود پاؤں پٹختی وہاں سے چل دی۔

''او پتر اپنی تلیم (تعلیم) کے لیے گئی ہے اُدھر، تو ایویں ای نا ہر بات پر شک کیا کرے، آخر بہن ہے تیری۔''

''ہونہہ۔۔۔'' ندرت کے جانے کے بعد صبا اور زبیر کے تالی مار کر ہنسنے پر میران تلخ ہوا تھا۔

''اماں سائیں! غیر لڑکوں کے ساتھ گھومنے پھرنے اور مزے کرنے کو آج کل لوگ تعلیم کا نام دینے لگے ہیں۔ گھر سے اسکارف میں آنے والی لڑکیاں یہاں گلے میں دوپٹا ڈالے گھومتی ہیں تو بھی آپ جیسی بھولی مائیں یہی کہتی ہیں ''ہماری بیٹی تعلیم حاصل کرنے گئی ہوئی ہے۔'' ملکانی سائیں نے بغیر مداخلت کے اسے بولنے دیا تھا۔

ویسے بھی میران کے لیے وہ ہمیشہ سے ایک بہترین سامع تھیں۔ ہر قسم کی بھڑاس وہ انہی کے سامنے نکالتا تھا اور وہ چپ چاپ اس کی باتیں سنے جاتیں۔

اس کی کسی بھی بات سے اختلاف بھی وہ اُس کا موڈ بھانپ کر کیا کرتیں ورنہ اکثر و بیشتر اس کی ہاں میں ہاں ملائے جاتیں۔

''اچھا پتر ٹھیک ہے میں خود چلی جاؤں گی بخش کے ساتھ۔۔۔ خوش؟''

ملکانی سمجھ گئیں کہ اس وقت اس کا موڈ کچھ ٹھیک نہیں ہے جبھی بغیر کسی بحث کے اس کی بات تسلیم کرلی تو نتیجہ حسب توقع رہا۔

یعنی میران نے یکسر بدلے ہوئے لہجے میں اللہ حافظ کہنے سے پہلے اُن سے سونی کا بھی پوچھا اور جلدی آنے کی کوشش کرنے کا وعدہ کرتے ہوئے بڑے لائٹ موڈ میں بات چیت کا سلسلہ منقطع کیا۔

''لوہے کو لوہا کاٹتا ہے۔۔۔''

یہ مثل یقینی طور پر انسانی رویوں پر لاگو نہیں بلکہ اس کے برعکس لوہے کے لیے بھی ریشم کے استعمال پر زور دیا جاتا ہے جو بلاشبہ نرمی میں اپنی مثال آپ ہوتا ہے۔ اور اسی نرمی کے ساتھ برداشت اور مستقل مزاجی کو بھی شاملِ حال رکھا جائے تو کوئی انسان ایسا نہیں، جس کا رویہ بدلا نہ جاسکتا ہو۔

اور ملکانی تو آخر پھر میران کی ماں تھیں جنہیں اس کے ہر قسم کے رویے کے سامنے ہر حال میں نرمی برداشت اور مستقل مزاجی کا دامن نہیں چھوڑنا تھا۔

کہ میران شاہ کی صورت میں اللہ نے اُن کی قسمت میں شاید ''تاحیات آزمائش'' لکھ دی تھی۔

☆☆☆

دھیرے دھیرے اترتے موسم خزاں کی افسردہ شام کے پروں پر دم توڑتی دھوپ میں آسمان پر روئی کے نرم گالوں نما بادلوں کو یہاں سے وہاں اپنے سنگ لیے نرم ہوا کے جھونکوں سمیت بابا کے لاڈلے درختوں اور ننھے پودوں سے موسم کی تابعداری میں خاک نشین ہوتے پیلے، سوکھے اور زرد پتوں کو دیکھتے ہوئے ان کے ہمراہ ہاتھ میں کتاب لیے چہل قدمی کرتی ندرت کے ذہن میں شاہ زین کا تصور بڑی مضبوطی سے براجمان تھا۔

کل وہ اس سے بات کرنا چاہتا تھا اور یقینی طور پر کچھ کہنا چاہتا تھا، یہ یقین ندرت کو بہرحال تھا لیکن کہیں یہ احساس بھی ضرور تھا کہ اس نے خوامخواہ نخرے دکھائے اور وقت گزر گیا اور چلو اس وقت نہ سہی تو بعد میں زبیر کے میسج کرنے پر اسے نمبر دینے کی اجازت تو دیتی تاکہ فون کا ہی انتظار رہتا۔

لیکن۔۔۔!

اس نے منہ بسورتے ہوئے ہاتھ میں پکڑی بند کتاب پر نرم ہاتھوں کی گرفت مضبوط کی اور دل ہی دل میں خود کو کوسنے لگی۔

''اچھا خاصا ہینڈسم لڑکا ہے، پرکشش اور ڈیسنٹ تو ہے ہی، سب سے بڑھ کر ہائیٹ کتنی زبردست ہے نا۔۔۔ اور پھر کیا ہے اگر وہ مجھے پسند کرتا ہو تو۔۔۔ اب میں اس کی سوچ پر پابندی تھوڑی لگا سکتی ہوں۔''

خوب صورت گلابی ہونٹ بڑی بے نیازی سے مسکرانے لگے تھے کہ وہ خود کلامی کے انداز میں شاہ زین کی ممکنہ کیفیات کا جائزہ جو لے رہی تھی۔ کتاب پر اب ایک مشفقانہ اندازِ محبت کے تحت ہاتھ پھیرتے ہوئے اس نے کندھے اچکائے اور ہاتھ باندھ لیے۔

اُسی لمحے ہوا کا شدید جھونکا جانے کہاں سے آیا اور پتے ہوا کے سنگ پھڑ پھڑاتے ہوئے یہاں سے وہاں اڑنے لگے۔

''اور ظاہر ہے آج بھی وہ مجھے یقیناً یہاں وہاں ڈھونڈ رہا ہوگا۔۔۔ بے چین ہو رہا ہوگا نا۔ مجھے بتانے کے لیے کہ میں اسے اچھی لگتی ہوں۔'' ایک

شرمگیں مسکراہٹ اس کے لبوں پر ابھری جو خود اس کے لیے بھی اجنبی تھی سو فوراً جھینپ گئی۔ کیوں کہ بلاشبہ وہ ایک نہایت بولڈ اور پراعتماد لڑکی تھی۔ شرمانے لجانے جیسے "واقعات" اب تک اس کی زندگی میں رونما نہیں ہوئے تھے۔ مگر اس کے باوجود اسے اس مسکراہٹ کے ساتھ دل میں اترتی ایک عجیب اور نرالی سی کیفیت بڑی بھلی معلوم ہوئی تھی۔

"ویسے کل کو اگر وہ مجھ سے اپنی فیلنگز شیئر کرے، تو بھلا میں کیا کہوں گی۔"

"اممممممم۔۔۔"

دایاں ہاتھ ٹھوڑی پر ٹکائے شفاف آنکھوں میں موجود پتلیوں کو چاروں اور گھماتے ہوئے وہ پہلے سے اپنا جواب تیار کر لینا چاہتی تھی، تاکہ عین وقت پر ایک بار پھر وہ کچھ گڑبڑ نہ کر دے۔

یہی سوچتے ہوئے اس سے پہلے کہ وہ ایک قدم مزید آگے بڑھاتی جانے کہاں سے "کس می کوئیک!" (Kiss me quik) کی کانٹوں بھری شاخ عین سامنے آن ابھری جس پر کہیں کہیں خال خال چھوٹے پتے اور ذرا ذرا فاصلے پر انتہائی خوب صورت ننھے منے سرخ پھول اُگے ہوئے تھے۔

شاہ زین کو دیئے جانے والے جواب پر "غور و فکر" کرتی ندرت سرخ پھول کو چھونے کی کوشش میں اچانک کانٹوں سے جا الجھی تو بے اختیار حلق سے ننھی سی چیخ برآمد ہوئی۔

"ندی! تم وہاں گھوم رہی ہو؟"

ناصر بھائی بابا کے کمرے میں موجود تھے وہیں سے اس کی آواز سننے پر کھڑکی سے پردہ سرکایا تو سامنے ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ کی انگلیوں کو دباتی ندرت نظر آئی۔

"جلدی سے اندر آؤ۔" ان کے لہجے میں تشویش تھی۔

"آ رہی ہوں۔" ندرت نے منہ بسورا۔

غصہ اسے کانٹے چبھنے سے کہیں زیادہ اتنا خوب صورت اور خوش کن خیال ٹوٹنے پر آیا تھا۔ اور اس سے پہلے کہ وہ بابا کی دن رات کی محنت کے منہ بولتے اس شاہکار نما لان کو عبور کر کے لاؤنج تک پہنچتی ناصر بھائی خود اس تک آن پہنچے۔

"کیا ہوا؟ درد زیادہ تو نہیں ہو رہا؟"

محض کانٹا چبھنے پر وہ بے حد پریشان دکھائی دے رہے تھے۔ ہمیشہ کی طرح اُن کے یوں جان چھڑکنے کے انداز پر وہ مسکرا دی۔

"نہیں بھائی۔۔۔ کچھ بھی نہیں ہوا۔ بس بے خیالی میں یونہی۔۔۔"

"بے خیالی؟ لیکن کیوں؟ کیا سوچ رہی تھیں تم؟" مناسب جواب کی تلاش میں وہ خاموش رہی۔ وہ دونوں چلتے ہوئے اب بابا کے کمرے میں موجود تھے۔ جہاں اماں مونگ پھلی اور چلغوزوں کے چھلکے اتار کر دونوں کو الگ الگ ایئر ٹائٹ میں منتقل کرتے ہوئے آتی سردیوں کے استقبال کی تیاری کر رہی تھیں۔

یوں بھی ان کے اس شہر میں سردیاں ڈرتے جھجکتے ہی آیا کرتی تھیں۔ مگر پھر بھی خشک میوہ جات کا استعمال کر کے دل کو بہلایا اور ضرور سمجھایا جاتا ۔۔ کہ اب یہ موسم سرما کے دن ہیں۔

"کیا ہوا بیٹا! آج چلتے چلتے تم اُدھر کونے تک کیسے پہنچ گئیں؟" بابا کتاب کا ورق موڑ کر میز پر رکھتے ہوئے خود اس کے پاس چلے آئے تھے۔

امی نے اپنے سامنے ہی بیڈ پر بیٹھی ندرت کے ہاتھ کو ذرا آگے بڑھ کر دیکھا، روئی سے سفید اور بالکل روئی ہی کی مانند تھوڑی تھوڑی پھولی ہوئی ہتھیلیاں جہاں سرخی مائل تھیں، وہیں مخروطی انگلیوں کی پوروں پر کہیں کہیں دو تین جگہ پر سوئی برابر خون کے ننھے قطرے موجود تھے۔

"معاملہ اتنا سیریس نہیں ہے۔" امی دل کو تسلی دیتے ہوئے مطمئن ہو کر ایک بار پھر اپنے سابقہ کام میں مصروف ہو گئیں۔ ناصر بھائی البتہ بڑی تیزی سے کمرے سے ملحقہ باتھ روم سے ڈیٹول اور روئی کے علاوہ پلاسٹ بھی اٹھا لائے تھے۔

"ادھر لاؤ ہاتھ، چندا احتیاط کیا کرو نا۔۔۔ دیکھو کیسے لکھو گی۔ یونیورسٹی کیسے جاؤ گی۔" ڈیٹول سے اس کی انگلی کی پوریں صاف کرنے کے بعد ننھے ننھے پلاسٹ لگانے کے دوران وہ مسلسل اپنی پریشانی کا اظہار کر رہے تھے۔

امی، بابا نظروں میں ناصر بھائی کے لیے بے تحاشا محبت لیے بس انہیں دیکھے ہی گئے۔

جن خوش قسمت لڑکیوں کے ناصر جیسے بھائی ہوں انہیں والدین کے نہ ہونے کا احساس بھی اس شدت سے نہیں ہوتا ہوگا۔

ایک عجیب و غریب سا خیال اس کے ذہن میں آیا تو اس نے چونک کر بابا کو دیکھا۔ مبادا وہ اس کے ذہن کا یہ انوکھا فلسفہ پڑھ تو نہیں رہے۔

"اوہو بھائی! آپ خوامخواہ پریشان ہو رہے ہیں۔۔۔ اور یہ۔۔۔" وہ ہنسی۔

"یہ دیکھیں امی! صرف کانٹے ہی تو چبھے تھے اور بھائی نے پلاسٹ تک لگا دیا ہے۔"

"تو اور کیا؟ ان کے اندر خوامخواہ جراثیم چلے جاتے تو بیمار نہیں پڑ جاتیں تم؟ بولو۔۔۔ کیوں بابا؟"

ندرت سے بات کرتے کرتے انہوں نے ایک دم بابا کی رائے لینا چاہی تو انہوں نے تائید میں گردن ہلا دی۔ اسی دوران عائشہ کمرے میں داخل ہوئی۔

امی، بابا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ جبکہ ناصر کے چہرے سے مسکراہٹ کا کوئی رشتہ معلوم نہ ہو رہا تھا۔ یوں بھی ناصر بھائی کے مزاج میں سختی کا عنصر زیادہ تھا۔ نا صرف گھر بلکہ خاندان بھر میں غصے کے تیز مشہور تھے۔ ہاں یہ الگ بات تھی کہ ندرت کو وہ ساری دنیا سے الگ ٹریٹ کیا کرتے تھے۔ اور وہ یوں کہ اکثر اوقات محسوس ہوتا کہ ندرت ان سے بڑی اور وہ چھوٹے ہیں۔ ندرت کے منہ سے نکلی ہر بات کو پورا کرنا شاید وہ خود پر فرض کر چکے تھے۔ چھوٹی بہن پر اس قدر پیار نچھاور کرنے کی عادت پر اکثر اوقات عائشہ کو اختلاف بھی ہوتا جو اکثر اس کے رویے اور بعض اوقات لفظوں سے ظاہر بھی ہوتا۔

"کیا ہوا ندرت خیر تو ہے؟" عائشہ نے اس کی سپید پوروں پر دو تین جگہ دائرہ نما پلاسٹ اور پاس بیٹھے ناصر بھائی کے ہاتھ میں ڈیٹول وغیرہ دیکھا تو حیران ہوئی۔

"جی بھابھی بالکل خیر ہے۔" ناصر بھائی نے ہاتھ میں پکڑی چیزیں عائشہ کی جانب بڑھائیں تو وہ ناسمجھی سے ایک بار پھر کچھ بولتے بولتے رکی۔

"تو پھر یہ سب۔۔۔؟" اشارہ اس کی انگلیوں اور ڈیٹول وغیرہ کی طرف تھا۔

"یہ سب ناصر بھائی کا پیار ہے اور بس۔" ندرت نے لاڈ سے ناصر بھائی کے کندھے پر سر رکھا تو وہ بڑی شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگے۔

عائشہ کی نظروں میں حسرت نما رشک کے علاوہ کچھ اور نہیں تھا۔

☆☆☆

ہالا کے بنے خالص لکڑی کے خوب صورت فرنیچر سے مزین آج تو بیٹھک کی چھب ہی نرالی تھی۔ اور وہ یوں کہ خاندان کے چاروں افراد آج ایک ساتھ جمع تھے۔ ایسے مواقع ویسے بھی حویلی کے در و دیوار کو کم کم ہی ۔۔ دیکھنے کو ملتے۔ ملکانی تو گھر پر ہوتی ہی تھیں مگر شاہ سائیں کبھی باہر ہوتے تو کبھی میران، اور اگر وہ دونوں کسی وقت حویلی میں موجود ہوتے بھی تو مہربانو پچھلے ایک سال سے ہاسٹل میں مقیم تھی۔ اور پھر لاہور سے روز روز آنا بھی ممکن نہ تھا۔ جبھی عید تہوار کے علاوہ وہ مشکل سے دو ہفتے ہی گزار پاتی اور ایک دو دن کے لیے شاہ پور کا چکر ضرور لگا لیا کرتی۔

سونی حسب معمول ڈائننگ ٹیبل سے بیٹھک کے دو تین چکر لگانے کے بعد اب ملکانی کی گود میں موجود تھی۔ اور ملکانی کے پیار سے سہلانے پر آنکھیں بند کیے بازو پر سر رکھے ہوئے تھی۔

"کیوں میرو بیٹا، کیسی چل رہی ہے پڑھائی؟"

شاہ سائیں نے موبائل کی اسکرین کو اوپر موجود غیر محسوس ابھار کے ساتھ دباتے ہوئے لاک کیا اور

سنہری رنگ کے انتہائی نفیس فریم کی عینک کو سیاہ مخملیں ڈبیا میں رکھ کر بند کرتے ہوئے توجہ مہربانو پر مبذول کی جو میراں کے ساتھ سونی کے متعلق گفتگو میں مصروف تھی۔

"بہت زبردست! اور آپ کے ڈونیشنز بھی پورے ٹائم پر مل جاتے ہیں ادارے کو۔"

"ہوں۔۔۔ چلو یہ تو اچھی بات ہے۔ اور ہاسٹل میں کوئی پرابلم ہو تو بتانا اس علاقے کا ایم پی اے اچھی جان پہچان والا ہے۔"

"جی ضرور۔" مہربانو نے مؤدبانہ انداز اپنایا۔

"ملکانی سائیں! کھانڑاں تیار ہے، لگادوں؟" کنیزاں نے حد درجہ احترام لہجے میں سموتے ہوئے پوچھا اور اجازت ملنے پر وہیں سے پلٹ گئی۔

☆☆☆

رات کچھ دیر امی بابا کے پاس بیٹھ کر دن بھر کی روداد سنانے اور اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد عائشہ اور ناصر نے سونے کے لیے بیڈروم کا رخ کیا تو اندر داخل ہوتے ہی ناصر نے چائے کی فرمائش کی۔

"چائے؟ ابھی کچھ دیر پہلے ہی تو امی بابا کے ساتھ چائے پی تھی آپ نے؟"

عموماً وہ رات کو سوتے ہوئے چائے پینے سے گریز کیا کرتے تھے اسی لیے کھانا کھانے کے بعد امی بابا کے ساتھ چائے پیتے اور بس۔

ندرت کے لیے البتہ ہمیشہ کپی چینو بنا کرتی تھی۔ اسی لیے عائشہ کا حیران ہونا لازمی تھا۔

"بس یار پتا نہیں کیوں آج سر میں بہت درد ہو رہا ہے۔ اس لیے سوچا چائے کے ساتھ ایک سر درد کی گولی بھی لے لوں۔۔۔ شاید آرام آجائے۔"

بیڈ پر نیم دراز ہوتے ہوئے تکیے سے ٹیک لگا کر انہوں نے کشن گود میں رکھا۔

"ابھی کچھ دیر پہلے تک تو سر درد کا نام و نشان بھی نہیں تھا۔ یہ ایک دم کمرے میں آتے ہی۔۔۔" عائشہ کے لہجے میں ہلکا سا طنز در آیا تھا۔ بات کرتے کرتے وہ کمرے کے کونے میں رکھے ٹیبل کی طرف بڑھی جس پر ہمیشہ ہی ٹی بیگز اور الیکٹرک کیٹل کے ساتھ ننھے سے جار میں خشک دودھ دستیاب ہوتا۔

"سمجھا کرو نا۔ جب والدین اس عمر میں ہوں تو ان کے ساتھ صرف اپنی خوشیاں شیئر کرنی چاہئیں دکھ اور تکالیف نہیں، کیوں کہ دکھ سکھ کا ساتھی تو شریک سفر کی صورت میں ہمارے پاس ہوتا ہی ہے۔ کیا خیال ہے؟"

"ہوں۔۔۔ بات تو ٹھیک ہے۔" عائشہ نے الیکٹرک کیٹل آف کرتے ہوئے تائید کی پھر ایک نظر رخ موڑ کر ناصر کو دیکھا جو اسی کی طرف متوجہ یقینی طور پر چائے کا انتظار کر رہے تھے۔

"میں کل امی کی طرف جانا چاہتی ہوں آپ کا کیا خیال ہے؟"

چائے کا کپ ان کی طرف بڑھاتے ہوئے عائشہ بھی پاس ہی بیٹھ گئی تھی۔

"تو جاؤ، پہلے بھی روکا ہے تمہیں جو آج خصوصاً پوچھ رہی ہو۔"

گرما گرم چائے کی چسکی لینے کے بعد وہ بولے۔

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن میں چاہتی ہوں کل ہم دونوں امی کی طرف جائیں۔"

"چلو ٹھیک ہے دونوں چلے جائیں گے، اور کچھ؟"

"اور میں۔۔۔"

"لیکن ہاں۔۔۔" ناصر نے چائے کی لی گئی چسکی تیزی سے حلق میں منتقل کرتے ہوئے اس کی بات کاٹی۔

"کل تو میں نہیں جاسکتا۔"

"نہیں جاسکتے؟ لیکن کیوں؟"

چند لمحوں میں جواب کی تبدیلی پر عائشہ کا حیران ہونا تو بنتا تھا۔

"کیوں کہ مجھے یاد آگیا ہے کہ کل مجھے ندرت کے ساتھ جانا ہے۔ کہہ رہی تھی ثروت کے بیٹے کے لیے کوئی گفٹ وغیرہ لینا ہے۔"

"لیکن ناصر۔۔۔"

"بحث نہیں عائشہ، تمہیں معلوم ہے نا ندرت میری چھوٹی بہن مگر سب سے بڑی ترجیح ہے۔ اس سے آگے کچھ نہیں۔ اور پھر میں تمہیں منع تو نہیں کر رہا ہاں ان شاء اللہ پرسوں آفس سے جلدی آجاؤں گا، تم تیار رہنا، آرام سے تین چار گھنٹے گپ شپ کر کے آئیں گے۔" ناصر نے اپنے تئیں مسئلہ حل کر کے سارا شیڈول اس کے سامنے رکھ دیا تھا مگر شاید وہ ابھی تک مطمئن نہیں تھی۔

"آئیں گے سے کیا مطلب ناصر؟ ہم پرسوں وہیں رہیں گے ویسے بھی اگلے دن آپ کی چھٹی ہوگی۔"

"سوری عائشہ! تم چاہے ہفتہ بھر رہ لو لیکن میری طرف سے معذرت سمجھو۔"

خالی کپ سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے وہ بولے۔

"لیکن کیوں؟ آپ کیوں نہیں رہیں گے وہاں۔۔۔ اتنے مہینوں بعد تو اکمل آیا ہے آپ اس کے لیے ایک رات نہیں رک سکتے۔ ثروت آپا کے شوہر نے تو کبھی انہیں منع نہیں کیا۔"

"تمہیں پہلے بھی ہزار مرتبہ کہا ہے میرا دوسروں کے ساتھ موازنہ مت کیا کرو، ہر بندے کا الگ مزاج ہوتا ہے اور مجھے اچھا نہیں لگتا تو بس نہیں لگتا۔"

"لیکن اکمل۔۔۔"

"تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہوگیا، سمجھ کیوں نہیں آتی میری بات، اکمل آیا ہے تو کیا پھولوں کے ہار لے کر ساری رات کھڑا رہوں اس کے پاس، چار کے بجائے چھ گھنٹے بیٹھ جاؤں گا مگر رات کو واپس گھر آنا ہے۔۔۔ ویسے بھی جب تک امی بابا اور ندرت سے رات کو کچھ دیر باتیں نہیں کرلوں، تمہیں پتا ہے کہ مجھے نیند نہیں آتی۔ اور ابھی دو دن پہلے تو سب آئے تھے۔" سخت لہجے میں بات شروع کرتے ہوئے انہوں نے آخر نرمی اختیار کی جو عائشہ کے مزاج کو سہارا دے گئی۔

"چار نہ چھ، آپ پرسوں وہیں رہیں گے میرے ساتھ اور میں کچھ نہیں جانتی۔"

"تم جانتی ہو یا نہیں لیکن میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ اب گھنٹے تو کیا میں چار، چھ منٹ کے لیے بھی تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گا، تم نے جانا ہے تو شوق سے جاؤ۔"

ناصر کی ضد اور غصہ بھی مشہور تھا وہ اپنی طرف کی لائٹ بند کر کے سونے کے لیے لیٹ گئے۔ اور عائشہ دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتی "آدھی کو چھوڑ ساری کو جائے آدھی بھی نہ پائے" کے مصداق دانت پیستی رہی۔

☆☆☆

فری پیریڈ تھا سو انجوائے کرنے اور گپ بازی کرنے کے لیے اسٹوڈنٹس کی مختلف ٹولیاں یہاں وہاں بکھری ہوئی تھیں۔ کسی نے کینٹین کا رخ کیا تو کوئی لائبریری کی طرف۔ کچھ اسٹوڈنٹس جو اساتذہ سے راہ و رسم بڑھانے کو کامیابی کی نوید سمجھا کرتے تھے وہ چند گروپ کلاسز کے عین نیچے فوٹو اسٹیٹ شاپ کے سامنے بنی راہداری میں موجود تھے۔ جہاں ایک قطار میں مختلف پروفیسرز، لیکچررز اور اسسٹنٹس کے آفسز موجود تھے۔

ان سب کے برعکس صبا اور زبیر ہمیشہ کی طرح سفیدے کے درختوں تلے اپنی مخصوص جگہ پر موجود تھے۔ دونوں جب بھی اکیلے ہوتے اسی جگہ بیٹھا کرتے تھے۔ جس کی ایک وجہ تو یقیناً پرائیویسی تھی جب کہ دوسری یہ کہ یہ جگہ یونیورسٹی گیٹ سے نسبتاً نزدیک تھی اور ندرت جلد ہی ان کے پاس پہنچ جایا کرتی۔ آج بھی ہاتھ میں پاپ کارن کا پیکٹ پکڑے دونوں مکئی کے ان خوش رنگ دانوں کو کھانے کے ساتھ باتوں میں مصروف تھے جب ندرت ذومعنی انداز میں انہیں دیکھتی ہوئی وہاں پہنچی اور بڑی ادا سے گویا ہوئی۔

رات ڈھلنے لگی ہے سینوں میں
آگ سلگاؤ آبگینوں میں
دل عشاق کی خبر لینا

پھول کھلتے ہیں ان مہینوں میں

زبیر نے اس کے اشعار مسکراتے ہوئے جبکہ صبا نے قدرے جھینپ کر وصول کیے اور اس سے پہلے کہ اب وہ نثر میں بات کرتی زبیر بول اٹھا۔

گلوں کے کھلنے پر ہی منحصر نہیں محسن
ملے وہ جس میں وہی ہے بہار کا موسم

صبا کی طرف جاں نثار نظروں سے دیکھتے ہوئے زبیر نے یہ شعر یقیناً اس کے نام کیا تھا۔

یہ خواب ہے تو مجھے تھوڑی دیر دیکھنے دو
نہیں یہ شرط کہ تم بھی اسی اثر میں رہو
یہ شاخ شاخ چہکنا بھی کیا ضروری ہے
اگر سفیرِ وفا ہو تو اک شجر میں رہو

اگر یہ بات تھی تو پھر صبا بھی کسی سے کم نہ تھی جبھی اس نے بھی اپنا حصہ ڈالنا ضروری سمجھا تھا۔

"تم دونوں ویسے ہو تو بڑے تیز۔۔۔ بھئی واہ! ماننا پڑے گا۔" ندرت نے دونوں ہاتھوں سے شاہانہ انداز میں تالی بجاتے ہوئے دونوں کو باری باری دیکھا تو دونوں ہی کے چہرے پر استفہامیہ تاثرات دیکھ کر مزید جل گئی۔

"ایک دوسرے کے گھر پر رشتے بھجوائے اور قبول کیے جا رہے ہیں اور مجھے بتایا بھی نہیں۔۔۔ شرم کرو تم دونوں، میرے لیے تو یہ بات ہی ناقابلِ یقین تھی جب پتا چلی۔۔۔"

"اوئے صبا! تم نے اسے بتایا نہیں۔۔۔"

"ایں۔۔۔ زبیر! تم نے بات نہیں کی تھی ندی سے؟"

دونوں کی زیرِ لب مسکراہٹ دیکھ کر وہ مزید تپ گئی۔ اس سے پہلے کہ چہرہ تمتما اٹھتا معاملے کی سنگینی دیکھ کر زبیر اور صبا نے ایک دوسرے کو دیکھا اور آخر صبا نے حقیقت بتانا چاہی۔

"ندی مقصد تم سے چھپانا نہیں بلکہ ڈائریکٹ منگنی پر بلا کر سرپرائز دینا تھا اور بس۔۔۔"

"ہوں۔۔۔ بچو سرپرائز تو میں دوں گی اب۔" ان کی شرارت جان کر اسے بھی شرارت سوجھی تھی۔

☆☆☆

"شاہ زین ایک منٹ۔۔۔" کانفرنس روم کی طرف جاتے جاتے وہ ندرت کی آواز پر ایک دم رکا اور اسے تیز قدموں سے اپنی طرف آتے دیکھ کر رک گیا۔ سیاہ پٹیالہ شلوار کے ساتھ نہایت مختصر سرخ رنگ کی قمیص پہنے بلا مبالغہ وہ شاہ زین کی آنکھوں کو چندھیائے دے رہی تھی۔

"مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔" قریب سے آتی ندرت کی آواز نے اس کی محویت کو توڑا۔

"خیریت۔۔۔؟"

"کل آپ نے زبیر سے کیا کہا؟"

"میں نے؟" اس نے حیرت سے ندرت کو یوں دیکھا جیسے اس کی ذہنی حالت پر شبہ ہو۔

"نہیں آپ کے پڑوسی نے، ظاہر ہے آپ سے ہی پوچھ رہی ہوں۔" لفظوں کو اپنے ننھے سے دہانے کے اندر چباتے چہرے کے تاثرات کو نرم رکھتے ہوئے اس نے سامنے کھڑے شاہ زین کو دیکھا جو کیمل کلر کی پینٹ اور نیوی بلیو شرٹ میں انتہائی ڈیشنگ لگ رہا تھا۔

"اوہو نی بی! آپ کا مسئلہ کیا ہے؟ میں کیوں زبیر سے کچھ بھی کہنے لگا۔" وہی نرم لہجہ جو شاہ زین کا خاصہ تھا۔

"یہی تو مسئلہ ہے کہ شاید آپ نے کچھ نہیں کہا اور اگر نہیں کہا تو کیوں؟" جو کچھ اس نے اندازہ لگایا تھا حقیقت اس سے برعکس نکلی تو لہجہ خود بخود کمزور پڑنے لگا کہ وہ تو جانے کیا کچھ سوچ کر آئی تھی۔

"دیکھیں یہ آپ کا اور زبیر کا پرابلم ہے مجھے کیوں ڈسٹرب کر رہی ہیں؟"

"اس لیے کہ میں آپ کی وجہ سے ڈسٹرب ہوں۔" شاہ زین کو وہ پاؤں پٹخ کر بات منواتی بچی سی لگی تھی۔

"میری وجہ سے؟" ایک بار پھر ندرت اسے چونکا گئی تھی۔ لیکن دل خوش فہم کو زیادہ لفٹ نہ کرواتے ہوئے بولا۔

"اگر آپ کو خوامخواہ ڈسٹرب ہونے کا پرابلم ہے تو سوری میں آپ کی پرابلم میں بالکل انٹرسٹڈ نہیں ہوں۔"

"ہوں لیکن میں آپ میں انٹرسٹڈ ہوں، اینڈ یس اٹ۔"

بالوں پر رکھے گوچی کے اسٹائلش گلاسز کو آنکھوں پر لگا کر اس سے پہلے کہ وہ واپس مڑتی شاہ زین نے ایک بار پھر تصدیق چاہی۔

"کیا۔۔۔؟ آر یو سیریس؟" زندگی میں پہلی مرتبہ اس کا واسطہ اتنی بولڈ لڑکی سے پڑا تھا۔

"ییس ہنڈریڈ پرسینٹ۔۔۔ دراصل مجھے دل میں بات رکھنے کی عادت نہیں ہے اسی لیے۔۔۔"

وہ شخص جیسا لگا منہ پر کہہ دیا اس سے
یہ دل کی بات تھی ہم سے منافقت نہ ہوئی

ابرو چڑھاتے ہوئے ندرت نے شعر پڑھا تو شاہ زین اس کی ادا پر ہنس دیا۔ آج پہلی مرتبہ ندرت نے اسے یوں ہلکا سا ہنستا ہوا دیکھا تھا۔ قہقہہ نہ مسکراہٹ صرف ہلکی سی ہنسی، جیسے اس کی بات کی تائید کر رہا ہو۔ جبھی ندرت ایک بار پھر گلاسز بالوں پہ لگائے اور آنکھیں پھیلا کر تاسف سے اسے دیکھنے لگی۔

"یہ عجیب کھیل ہے عشق کا، میں نے آپ دیکھا یہ معجزہ
کہ جو لفظ میرے گماں میں تھے وہ تیری زباں پہ آ گئے"

دونوں ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں ڈالے پرشوق نظروں سے ندرت کے الجھے الجھے تاثرات کو دیکھتے ہوئے اس نے جواباً شعر پڑھا تو ندرت کھلکھلا کر ہنس دی۔

"ارے جی آپ کی یہ حاضر جوابی ہی تو ہمیں لے ڈوبی۔ کہیے پھر دوستی پکی؟" ندرت نے اپنا نرم و نازک سپید ہاتھ اس کی طرف بڑھایا تو وہ گڑبڑا گیا۔

"ارے یار بڑھا ہوا ہاتھ تھامنے میں دیر نہ کر، ہو سکتا ہے یہ آفر محدود مدت کے لیے ہو۔" راہداری کے موٹے موٹے ستونوں کے پیچھے سے زبیر اور صبا برآمد ہوئے تب تک شاہ زین ندرت کی جانب سے دوستی کا بڑھا ہوا ہاتھ تھام چکا تھا۔

"زبیر کے بچے تم یہاں کب سے کھڑے ہو؟" ندرت نے دانت پیسے۔

"ارے ارے ابھی باقاعدہ منگنی تو ہوئی نہیں تم بچوں کو بھی پکارنے لگیں۔ اللہ کا خوف کرو کیسی کیسی ترغیبیں دے رہی ہو ہمیں۔" زبیر نے شرارت سے صبا کو دیکھتے ہوئے معصوم بننے کی اداکاری کی تھی۔

"ہاں تم تو جیسے اللہ تعالیٰ کی گائے ہو نا۔۔۔"

"ہائے مار ڈالا ندرت! کاش! تم نے کچھ اور کہا ہوتا۔" زبیر نے سر پر ہاتھ رکھ لیا تھا۔

"کاش! تم مجھے اللہ تعالیٰ کا بیل کہہ دیتیں لیکن تم نے تو۔۔۔ مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی۔"

"اور مجھے بھی تم دونوں سے یہ امید ہرگز نہیں تھی کہ ہمارے گروپ میں شاہ زین کا استقبال تم دونوں اس مسخرہ بازی سے کرو گے۔"

صبا نے دونوں کا دھیان شاہ زین کی طرف مبذول کروایا جو بڑی دلچسپی سے ان کی بات چیت سن رہا تھا۔

"ارے نہیں بھئی میرا دوست تو یہ اوّل روز سے ہی تھا۔ ہاں گروپ میں آج شمولیت ہوئی ہے۔" زبیر نے انکشاف کیا۔ "اور اس کا استقبال کینٹین جا کر پارٹی کرنے سے کریں گے۔ کیوں فرینڈز؟"

"یاہو۔۔۔" صبا اور ندرت نے ہوا میں مکا بلند کرتے ہوئے کہا اور کینٹین کی طرف چل دیں۔ زبیر اور شاہ زین نے بھی مسکراتے ہوئے ان کی تقلید کی۔ ندرت نے یقیناً اس کے پہلے جملے پر دھیان نہیں دیا تھا ورنہ ایک بار پھر اس کی درگت بننا یقینی تھا۔

یہی وہ دن تھا جب ان کے درمیان دوستی کی ابتدا ہوئی۔ زبیر، صبا اور ندرت کے درمیان موجود اس دوستانہ ماحول نے شاہ زین کو بہت متاثر کیا تھا جبھی ان سب کے ساتھ مل کر شاہ زین کو لگا جیسے اس کی ذات میں موجود کسی دوست کا خلا بھر گیا ہو۔

اپنا آپ ایک دم مکمل سا لگنے لگا تھا۔
زندگی کبھی یوں اچانک دھنک رنگوں سے سج جائے گی۔ اس نے سوچا نہ تھا۔

خود ندرت کی بھی کیفیات کم و بیش یہی تھیں۔ چلبلی اور شوخ تو وہ تھی ہی لیکن اب تو اکثر یونہی بات بے بات مسکراتے ہوئے نظر آتی۔ گو کہ دل کی بات کہنے میں لڑکی ہونے کے باوجود اس نے پہل کی تھی مگر یہ بھی سچ تھا کہ اب شاہ زین کی سرمئی آنکھوں میں ہلکورے لیتا خاموش سمندر بھی زیادہ دیر سکوت طاری رکھنے میں کامیاب نہ ہوتا۔ اپنے دل کی بات ندرت کو بتانے کے لیے اس دن شاہ زین نے زبیر سے اس کا نمبر مانگا تھا۔ مگر زبیر کے کچھ دن انتظار کرنے کا کہہ کر وہ محض اس کی طرف سے ملنے والے گرین سگنل کا منتظر تھا۔ مگر غیر متوقع طور پر ندرت نے اس کی مشکل آسان کردی۔

خواب لفظوں میں ڈھل نہیں سکتے
کاش آنکھیں پڑھا کرے کوئی
لوگ تسخیر ہو بھی سکتے ہیں
لفظ دل سے ادا کرے کوئی

اور اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ وہ دونوں ہی ایک دوجے کے دل کی سلطنت بخوبی تسخیر کرنے میں کامیاب ہو چکے تھے۔

☆☆☆

پنک کلر کے ٹراؤزر شرٹ کے ساتھ پنک ہی سلیپرز پہنے کندھوں پر بکھرے بالوں کو سمیٹ کر پونی کی شکل دینے کے بعد ابھی وہ کچھ دیر پہلے ہی امی اور بابا کے کمرے سے اٹھ کر آئی تھی۔ ناصر بھائی اور عائشہ بھی وہیں موجود تھے۔ اس دن ناصر کے تلخ ہونے پر اس نے میکے جانے کا ارادہ بدل کر ان کے سامنے یہ ثابت کردیا تھا کہ وہ ناصر کی مرضی اور خوشی کے بغیر کچھ بھی کرنے کا ارادہ رکھتی ہے اور نہ ہی وہ ایسا کرنا چاہتی ہے۔ اور اس بات کو خود ناصر نے بھی بے حد سراہا تھا جس پر عائشہ کی گردن تن سی گئی تھی۔

''اندر آجاؤں؟''

عائشہ نے ندرت کے کمرے کے دروازے پر دستک دینے کے بعد رک کر پوچھا تو ہاتھوں پر لوشن لگاتی ندرت خود لپک کر دروازے تک آگئی۔

''آئیں نا بھابھی! پوچھنے کی کیا ضرورت تھی بھلا۔'' دروازہ کھولے وہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔ کچھ تو اس کی رنگت گلابوں جیسی تھی اس پر پہنے ہوئے گلابی ٹراؤزر شرٹ اور کمرے کی دیواروں پر موجود پنک پینٹ نے اپنا بھرپور عکس اس کے شفاف چہرے پر منعکس کر رکھا تھا۔

عائشہ آنکھ بھر کر بس اسے دیکھتی ہی گئی۔

''مجھے آواز دے لیتیں میں آپ کے پاس آجاتی۔''

''نہیں، وہ دراصل کل امی کی طرف دوپہر کی دعوت ہے۔ ثروت آپا بھی آئیں گی تم بھی چلوگی نا۔''

''اوہ بھابھی! سوری، دراصل مجھے بہت ضروری کام ہے آج کل۔ ورنہ سچ ضرور چلتی آپ کے ساتھ۔'' ندرت نے سچ کہا تھا۔ لیکن سچ تو یہ تھا کہ ظاہر طور پر ''اٹس اوکے'' کہنے والی عائشہ کو اس کے جواب نے خاصا مایوس کردیا تھا۔

☆☆☆

آج وہ سب یونیورسٹی کے اسپیئر روم میں موجود تھے۔ ہیڈ کے ٹرانسفر کے سلسلے میں دیئے جانے والے لنچ کے ساتھ ہی ایک چھوٹا سا رنگارنگ پروگرام بھی ترتیب دیا گیا تھا۔ جو ہوتے ہوتے ایک اچھے خاصے ڈھائی تین گھنٹے پر مشتمل فیرویل پروگرام پر پھیل گیا۔ ہمیشہ کی طرح ندرت اس دفعہ بھی ہر کام میں آگے آگے تھی۔ اور آج اسی سلسلے کی فائنل ریہرسل کے لیے وہ سب اس کمرے میں موجود تھے جو عام طور پر ریہرسلز وغیرہ کے لیے استعمال ہوتا تھا۔

''اوہو یہ ندیم بابا کہاں رہ گئے، کہا بھی تھا پہلے یہ روم صاف کردیں۔''

صبا نے ٹیبل پر بیٹھی ندرت کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ آخری دنوں کی جھنجھلاہٹ نا صرف صبا کے لہجے بلکہ چہرے سے بھی ظاہر تھی۔

''ہاں میں نے بھی انہیں ابھی آدھ گھنٹہ پہلے کہا تھا۔۔۔ اس طرح تو لیٹ ہوجائیں گے۔'' ندرت نے زبیر کے ہاتھ سے چپس کا پیکٹ لے کر خود کھانے سے پہلے صبا اور شاہ زین کے آگے کیا۔

''ہاں پوائنٹ مس ہوگیا تو دو گھنٹے تک رکنا پڑے گا۔''

''اچھا رکو میں دیکھتا ہوں۔''

زبیر کے کہنے پر شاہ زین ندیم بابا کو ڈھونڈنے باہر نکلا تھا۔

''کیا ہم ندیم بابا کے انتظار میں ٹائم ضائع نہیں کررہے؟'' ندرت نے صبا اور زبیر سے پوچھا تھا۔

''تو۔۔۔؟'' صبا اس کی بات کا مقصد نہیں سمجھ پائی تھی۔ زبیر بھی نا سمجھی سے چپس کھاتی ندرت کو دیکھنے لگا جو کچھ بھی کہنے کے بجائے جمپ لگا کر ٹیبل سے نیچے اتر کر کمرے سے باہر نکلی اور چند لمحوں بعد جب دوبارہ اندر داخل ہوئی تو ہاتھ میں جھاڑو بھی موجود تھی۔

''ندی تم پاگل تو نہیں ہو؟'' صبا اسے دیکھتے ہی چیخی۔

''کیوں؟ جو لوگ جھاڑو لگاتے ہیں وہ سب پاگل ہیں؟ اور کیا گھر پر ہم جھاڑو نہیں لگاتے۔''

''گھر کی بات اور ہوتی ہے، یہ تمہارا گھر نہیں ہے۔''

''تو اس میں غلط کیا ہے بھئی، اور پھر صرف ریپرز وغیرہ ہی تو ہیں جو ڈسٹ بن ہونے کے باوجود اسٹوپڈ لوگ ادھر اُدھر پھیلا جاتے ہیں۔''

زبان کے ساتھ ساتھ اب اس کے ہاتھ بھی رواں تھے۔ زبیر اور صبا بے چارگی سے ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے۔

''پتا بھی ہے کہ یہ روم ہمیں ریہرسل کے لیے دیا گیا ہے اس کے باوجود یہاں کوئی آیا ہی کیوں؟'' بات کرتے کرتے اُس نے نظریں اٹھا کر دروازے کی طرف دیکھا۔ جہاں شاہ زین اندر آتے آتے اسے دیکھ کر وہیں ٹھٹک کر رہ گیا تھا۔

نظریں ملنے پر شاہ زین نے گردن کے اشارے سے بغیر کچھ کہے اسے جھاڑو لگانے سے منع کیا تھا جس سے میکانکی انداز میں ندرت کے ہاتھ سے جھاڑو گر پڑا تھا۔

''وہ دراصل میں اس طرح کام نہیں کرپاتی نا تو سوچا میں ہی صاف کردوں۔''

چند لمحوں پہلے زبیر اور صبا کے سامنے ڈھیٹ بنی ندرت اب شاہ زین کے آتے ہی شرمندگی سے وضاحتیں دے رہی تھی۔

''ہاں بھئی ہماری تو اب کوئی ویلیو ہی نہیں رہی، کتنی دفع تمہیں منع کیا تھا پہلے۔'' زبیر نے شاہ زین کو اس کی اہمیت جتائی۔

''تمہاری ویلیو تھی ہی کب، جو تمہیں اس کے نہ رہنے کا افسوس ہورہا ہے۔''

ندرت نے بیگ سے جوس کی بوتل کو نکال کر منہ سے لگائی۔

''کیا ہوا شاہ زین! ندیم بابا نہیں آئے کیا؟''

اس سے پہلے کہ شاہ زین صبا کی بات کا جواب دیتا، ندیم بابا اندر چلے آئے۔

''ندرت بیٹا! آپ لوگوں نے مجھے بلایا تھا؟''

''بابا! آپ نے ہمارا کمرہ صاف نہیں کیا، اسی وجہ سے دیکھیں ہم ابھی تک کچھ بھی نہیں کرپائے۔''

''لیکن میں نے تو سب سے پہلے اسی کمرے کو صاف کیا تھا۔ کیوں کہ سر کاظم نے مجھے سب گروپ لیڈرز کے ناموں کے ساتھ ان کمروں کی بھی لسٹ دی تھی جو آپ سب کو پچھلے ایک ہفتے سے الاٹ ہیں۔''

ندیم بابا نے ایک بار پھر جھاڑو پکڑی اور صفائی کرنے لگے۔

''اگر آپ صفائی کرچکے تھے تو روم کے باہر لگی لسٹ کے مطابق یہ روم بھی ہمیں الاٹ ہے تو پھر یہاں کون آیا تھا؟'' شاہ زین نے سوچتے ہوئے کہا۔

''لیکن روم تو ہمیں صرف دو گھنٹے کے لیے دیا گیا ہے نا اس سے پہلے کس کا نام ہے؟'' صبا نے بات کرتے کرتے دروازے کے باہر لگی لسٹ کو بغور دیکھا اور کچھ سوچتے ہوئے اندر چلی آئی۔

''ہمارے ٹائم سے پہلے یہ کمرہ فضا کے پاس ہونا چاہیے تھا لیکن اس کے نام کو کاٹ کر اب میران اور

اس کے گروپ کا نام لکھا ہے۔"

"میران۔۔۔؟" ان تینوں کو حیرت ہوئی تھی کیوں کہ وہ اس فنکشن میں کچھ بھی پرفارم نہیں کر رہا تھا۔

"لیکن اسے کس چیز کی ریہرسل کرنا تھی؟" زبیر نے ندرت کی طرف دیکھا جو کہ شاہ زین کے ساتھ کمپیئرنگ کرنے کے ساتھ ساتھ اس پورے پروگرام کی آرگنائزر بھی تھی۔

"شاید اپنے بالوں کو لمبا کرنے کی۔۔۔"

ندرت نے چڑ کر جواب دیا کیا اس کے بالوں سے اسے انتہائی کراہیت محسوس ہوتی تھی۔

"دل تو چاہتا ہے کسی دن اس کے بال پکڑ کر ایسے کھینچوں کہ مطلوبہ حد تک لمبے ہو جائیں۔" ندرت کی بات پر اب بھی ہنسنے لگے تھے۔

یوں بھی میران کے بال پہلے ہرگز ایسے نہیں تھے۔ یہ تو اب کچھ ماہ سے اسے جانے کیا سوجھی تھی کہ بالوں کو مکمل درست انداز میں کٹوانے کے بجائے محض شیپ دے کر اب اس نے انہیں اس انداز میں ڈھال لیا تھا کہ گردن پر بھی سے پونی بننے لگی۔ یوں بھی جو شخص دل کو برا لگتا ہو اس کی ہر ہر بات بری معلوم ہوتی ہے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ ندرت کو ہمیشہ ہی اس کی پونی دیکھ کر عجیب الجھن سی ہونے لگتی۔

"بیٹا! میں اب جاؤں۔"

ندیم بابا ایک ہاتھ میں ڈسٹ بن اور بغل میں جھاڑو دبائے ان کی طرف متوجہ اور اجازت کے منتظر تھے۔

"ہاں بابا! اب آپ جائیں اور سوری آپ کو دوبارہ کام کرنا پڑا۔"

صبا کے کہنے پر بابا نے مسکراتے ہوئے باہر کی طرف قدم بڑھائے۔

یوں بھی ان لوگوں کا گروپ چوں کہ مختلف طریقوں سے لوئر اسٹاف کی مدد کرتا رہتا تھا اسی وجہ سے اُن کا ہر کام ترجیحی بنیادوں پر کیا جاتا۔

ندیم بابا کے جانے پر اپنے شولڈر بیگ سے نوٹ نکال کر سب کو دینے کے بعد اب وہ شاہ زین کے ساتھ مل کر کمپیئرنگ کو فائنل ٹچ دینے لگی تو زبیر اور بھی ٹیچرز بی ہیویئر پر ترتیب دیے گئے اسکٹ ریہرسل کرنے میں مصروف ہو گئے۔

☆☆☆

شاہ پور میں واقع اس عالی شان اور وسیع و عریض حویلی کا قدیم اور گھٹا ہوا ماحول گو کہ مہربانو کے لیے نیا نہیں تھا۔ شروع سے وہ اسی ماحول میں پیدا ہوئی اور یہیں پلی بڑھی تھی اور تب تک اسے بالکل بھی اس بات کا احساس نہیں تھا کہ حویلی سے باہر کے باسیوں کی زندگی ان سے کس حد تک مختلف ہے۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ سر پر ایک سا آسمان اور پاؤں تلے سانجھی زمین ہونے کے باوجود زندگی سب کے لیے یکساں نہیں ہے۔ لیکن وقت کے ساتھ ساتھ شعور کی منزلیں طے کرنے کے بعد جب یہ حقیقت اس پر منکشف ہوئی ان دنوں وہ میڈیکل کی تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے ہاسٹل میں مقیم تھی۔ نا صرف یہ بلکہ یہ بھی کہ ہماری کتاب زندگی بلاشبہ استعاروں کی زبان میں تحریر ہے اور جس کسی نے بھی استعاروں کی زبان کو جان لیا اس نے گویا زندگی کو اس کے اصل مفہوم کے ساتھ پالیا۔ لیکن زندگی کو اس کی حقیقت سمیت جان لینا اور پھر آگہی کی لہروں کا اسی حقیقت کے ساتھ سامنا کرنا اکثر و بیشتر کئی الجھنوں میں گرفتار کر دیتا ہے۔

یہی وجہ تھی کہ اب مہربانو کو حویلی کے ماحول میں اپنا دم گھٹتا محسوس ہوتا۔ جان بوجھ کر یہاں وہاں مصروف رہنا، ملکانی یا میران کے ساتھ گپ شپ کرنا اپنی سوچوں سے فرار کا ایک راستہ تھا۔ ذہن جیسے تقسیم ہو کر رہ گیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے اپنے کمرے کو مکمل طور پر بدل کر رکھ دیا تھا۔ ہلکے سبز رنگ کا پینٹ خوشنما اور کھلتے رنگوں کے پردے اور زندگی سے بھرپور رنگوں کے امتزاج سے بنی خوب صورت پینٹنگز نے نا صرف یہ کہ اس کے کمرے کا حلیہ ہی بدل ڈالا تھا بلکہ خود اسے بھی اپنے کمرے میں آ کر زندگی اس قدر مشکل معلوم نہیں ہوتی تھی جتنی کمرے سے باہر قدم رکھتے ہی لگا کرتی۔ بعض اوقات جب ذہن میں موجود معاشرتی گرہیں، طبقاتی فرق کے ساتھ گتھم گتھا ہونے لگتیں تو کمرے کے ایک کونے میں عین کھڑکی کے سامنے رکھے ایزل پر موجود کینوس پر برش اور رنگوں کے ذریعے ان سوچوں کا کتھارسس کرتی۔

آج بھی وہ کھڑکی سے پردہ سرکائے ہاتھ میں برش لیے کھڑی تھی جب باہر سے میران کی جیپ آتی دکھائی دی۔ نظر اٹھا کر اس نے عین سامنے دو پینٹنگز کے وسط میں موجود خوب صورت وال کلاک کو دیکھا۔ سات بجنے والے تھے۔

"یعنی آج لالہ جلدی آ گئے ہیں۔" مسکراتے ہوئے اس نے خود کلامی کی تھی۔ کیوں کہ میران اور شاہ سائیں کم کم ہی دیکھنے کو ملا کرتے تھے۔ اکثر کھانے پر صرف وہ تینوں ہی موجود ہوتیں یعنی وہ، ملکانی اور سونی۔۔۔

سونی کو بھی گھر میں ایک فرد کی سی حیثیت حاصل تھی۔ یہاں تک کہ کھانے پینے میں بھی اس کی پسند نا پسند کو ملحوظِ خاطر رکھا جاتا۔ نہلانے سے پہلے ملکانی اپنے سامنے کنیزاں سے اس کے لوشن کا مساج کرواتیں، ناخن نرم اور کھردرا ہونے سے بچانے کے لیے خصوصی طور پر مہینے میں دو مرتبہ پلاسٹک اسٹیم دلاتی اور صاف ستھری خوشبودار سونی کو بچوں کی طرح گود میں لیے پھرتیں۔

میران کو گھر آتا دیکھا تو اکٹھا کھانا کھانے کے خیال سے مہربانو نے برش رکھا اور واش روم میں جا کر ہاتھ دھونے کے بعد بیڈ پر پڑی چادر اٹھائی اور ہمیشہ کی طرح لپیٹ کر اس سے پہلے کہ باہر نکلتی، موبائل کو سائلنٹ پر کر کے سائیڈ ٹیبل کی دراز میں رکھنا وہ ہرگز نہیں بھولی تھی۔

☆☆☆

شاہ زین کے مزاج میں تبدیلی کیا آئی تھی۔ گھر کو جیسے رنگوں سے سج گیا تھا۔ آتے جاتے ثمینہ کی طرف سے چھوڑے جانے والے چٹکلوں کے جواب دیتا، شاہ زین اماں کو بے حد معصوم اور نیا نیا لگتا۔ اور اس خوب صورت تبدیلی کا شکر ادا کرنے کے لیے اب ان کے سجدے پہلے سے کہیں طویل ہونے لگے تھے۔

کم عمری میں ہی جس طرح اس نے انتھک محنت کر کے سارے گھر کی ذمہ داری اپنے سر پر لی تھی وہ بلاشبہ سب کے لیے مثال تھی۔ سارے محلے میں ان کے گھرانے کو نہایت عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اور مائیں خصوصاً اپنے بچوں کو شاہ زین کی مثالیں دے کر انہیں ان کی ذمہ داریوں کا احساس دلانے کی کوشش کیا کرتیں۔

پارٹ ٹائم ٹیوشنز دینا ہی یوں تو اُن کا روزگار اور زندگی کی گاڑی کو آگے بڑھانے اور اپنے اور ثمینہ کے تعلیمی اخراجات پورے کرنے کا ذریعہ تھے مگر ان سب کے باوجود بھی شاہ زین محلے میں رہنے والے کسی بھی بچے سے ٹیوشن کی فیس نہ لیتا اور کسی بھی وقت کسی بھی مضمون میں پرابلم محسوس کرنے والے بچوں کو خوش دلی سے یوں سمجھاتا کہ پھر انہیں رٹا لگانے کی بھی ضرورت محسوس نہ ہوتی۔

یہی وجہ تھی کہ دن ہوتی یا رات محلے والے ان کے کسی بھی کام کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے۔ اور ہر ممکن طریقے سے ان کی کوشش ہوتی کہ کسی طرح شاہ زین یا اس کے گھر والوں کے کام آ کر تالی دونوں ہاتھوں سے بجانے کی کوشش کی جائے۔

☆☆☆

فیرویل پروگرام میں اب بس ایک دن باقی رہ گیا تھا۔ سبھی آئٹم ڈیٹیلز ندرت کے پاس تھیں ماسوائے میران کے۔ ابھی تک اس نے کسی کو بھی اپنی پرفارمنس کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ اس لیے سبھی اس سرپرائز کے منتظر بھی تھے۔ رات کے کھانے کے بعد ندرت اپنے کمرے میں آئی تو دھیان میران کے سرپرائز آئٹم سے ہوتا ان سرمئی آنکھوں میں گم ہو گیا، ایک بار پھر اسے اپنا جھاڑو لگانا اور شاہ زین کا گردن کی ہلکی سی جنبش سے منع کرنا یاد آیا تو جیسے ہلکی ہلکی ٹھنڈ کا

احساس اپنے اندر اترتا محسوس ہوا۔ یوں بھی شاہ زین کچھ بھی کہنے، سمجھانے کے لیے لفظوں سے زیادہ اپنی ساحر آنکھوں کا استعمال کرتا یا پھر وہ تھیں ہی اتنی پرکشش کہ ان بولتی آنکھوں کے سامنے ندرت کو اپنا دل ساکت ہوتا محسوس ہوتا اور کچھ کہنے سننے کی گنجائش ہی نہ رہتی۔

چند ہی دنوں میں وہ اس کی آنکھوں کے تاثرات کو اس قدر سمجھنے لگی تھی کہ بعض اوقات کلاس میں بھی خاموش رہ کر کئی باتیں کر لی جاتیں۔

اس سے پہلے کہ وہ یونہی حسب سابق شاہ زین کے خیالوں میں ہی سو جاتی۔ موبائل فون پر ہوتی بیل نے اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

''مان لیا بھئی کہ دل کو دل سے راہ ہوتی ہے، سچی اتنا دل چاہ رہا تھا ناتم سے بات کرنے اور تمہیں دیکھنے کا۔'' فون پکڑتے ہی ندرت نے اپنے احساسات بیان کرنا ضروری سمجھے تھے۔

''بس دیکھ لیں اسی لیے تو میں نے فون کر لیا، چلیں دیکھ نہ سہی لیکن بات تو اب ہم کر ہی لیں گے۔'' آواز سنتے ہی جیسے ندرت پر بجلی گری تھی۔ دوسری طرف اکمل تھا جو بغیر حیران ہوئے اسی کے انداز میں بول رہا تھا۔

''آ تو تم۔۔۔؟''

''جی ہاں سو فیصد۔''

''وہ دراصل میں نے تمہیں ٹھیک سے دیکھا نہیں تھا۔'' وہ مکمل طور پر گڑبڑا چکی تھی کہ شاہ زین کے لیے کہے گئے الفاظ اکمل اپنے لیے سمجھ رہا تھا۔

''لگتا ہے آپ کا بہت زیادہ دل چاہ رہا ہے مجھے دیکھنے کا۔'' لہجے میں اب کے شوخی نمایاں تھی۔

''نہیں وہ۔۔۔''

''کیا خیال ہے آن لائن ہو جاؤں؟''

''نہیں نہیں، وہ میرا مطلب تھا میں نے موبائل ٹھیک سے نہیں دیکھا، میں سمجھی شاید کس اور کا فون ہے۔''

''یعنی آپ کا کسی اور سے بھی بات کرنے کا موڈ ہو رہا تھا؟''

''مجھے چھوڑو، تم آج بڑے موڈ میں لگ رہے ہو اُس دن تو دولہا بنے جھینپ رہے تھے۔'' اب تک ندرت کی تمام حسیات جاگ چکی تھیں جبھی پہلے کی طرح دوستانہ موڈ میں بولی۔

''ہاں اُس دن پتا نہیں کیا ہو گیا تھا مجھے، لیکن پھر بعد میں، میں خود اپنی ہی حالت پر خوب ہنسا۔''

''اوہ! ریئلی؟''

''تو اور کیا میں نے سوچا کہ یار مرد بن، ابھی سے شوہر نہ بن۔'' اکمل نے بڑے جان دار قہقہے کے ساتھ بات مکمل کی تو ندرت بھی ہنسی میں اس کا ساتھ دینے لگی۔

''ندرت! مجھے آپ سے ایک بات کرنا تھی۔'' چند لمحے پہلے قہقہے لگاتا اکمل اب مکمل طور پر سنجیدہ تھا سو ندرت کی حیرت فطری تھی۔

''مجھ سے؟''

''جی آپ سے، اصولاً تو یہ بات مجھے عائشہ آپی سے کرنا چاہیے تھی لیکن۔۔۔''

''لیکن کیا؟''

''لیکن آج کل اُن کی سوچ کا انداز کچھ بدل گیا ہے۔ جبھی میں نے سوچا کہ۔۔۔ آپ اس وقت فارغ تو ہیں نا؟''

بات کرتے کرتے شاید وہ جھجک گیا تھا۔

''تمہارے کمرے کا وال کلاک کیا ٹائم بتا رہا ہے؟''

''سوا بارہ۔۔۔ لیکن کیوں؟'' اس کے کیے گئے غیر متعلقہ سوال پر اکمل حیران ہوا تھا۔

''اس لیے کہ رات کے سوا بارہ بجے میں فارغ ہونے کے باوجود سونے میں مصروف ہوتی ہوں۔''

''اوہ! یعنی میں آپ کا ٹائم ضائع کر رہا ہوں۔''

''نہیں، اٹس اوکے، تم بولو۔''

''ایسے نہیں، پھر کبھی۔''

''چلو جیسے تمہاری مرضی۔''

''کچھ دن بعد میری چھٹی ختم ہو رہی ہے اور واپس جانے سے پہلے مجھے آپ سے بات کرنا ہے وانہ۔۔۔''

''اچھا بابا بات بھی ہو جائے گی، ابھی تو سو ئیں۔'' ندرت نے جمائی لیتے ہوئے کہا تو اکمل نے اللہ حافظ کہہ کر فون رکھ دیا۔ مگر ندرت اس کے بعد کتنی ہی دیر اس کے بدلے ہوئے دوستانہ لہجے کے بارے میں سوچتی رہی۔

گو کہ وہ دونوں بہت زیادہ فرینک تھے۔ ندرت سے چھوٹا ہونے کے باوجود دونوں کی نیچر مل جانے کی وجہ سے ان کی دوستی بھی گہری تھی۔ وقفہ آیا تو تب جب اسے اپنی آرمی ٹریننگ کے لیے گھر سے دور جانا پڑا۔ اس دن دعوت پر جہاں ندرت اسے پہچان نہیں پائی تھی وہیں وہ بھی چند لمحوں کے لیے اسے دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔

دو سال پہلے کی باربی ڈول پہلے سے کہیں زیادہ معصوم اور شوخ ہو گئی تھی۔ بات چیت میں چھپی شرارت مگر انداز کی سادگی اس پر حد سے زیادہ پُراعتماد نظر آنے والی ندرت نے منٹوں میں اکمل کو خاموشی کی چادر اوڑھنے پر مجبور کر دیا تھا۔ یہ الگ بات کہ اسی عمل پر اسے عائشہ سے کافی ڈانٹ بھی پڑی۔ خود اس کا بھی یہی خیال تھا کہ وہ زیادہ تر وقت مسکراتا ہی رہا ہے۔ جس کی وجہ ندرت کے برجستہ جملے تو تھے ہی مگر اس کی خاموشی کی بڑی وجہ ناصر بھائی اور خصوصاً بڑوں کا وہاں موجود ہونا تھا۔

ندرت نے کروٹ بدل کر سائیڈ ٹیبل پر رکھے موبائل کو دیکھا۔ شاہ زین سے بات کرنے کی خواہش یک بار جاگنے لگی تھی۔ مگر رات کے اس پہر دل کو محض صبر کرنے اور موبائل چارجنگ پر لگا کر سونے کی کوشش کرنے لگی کہ کانچ سی آنکھوں میں چھپے نازک سپنے جانے کب سے اعادے کے منتظر تھے۔

☆☆☆

''رات تم سے بات کرنے کا بہت دل چاہ رہا تھا۔''

کینٹین کے عین سامنے موجود سنگی بینچ پر بیٹھتے ہوئے شاہ زین نے ایک برگر ندرت کو پکڑایا اور دوسرا اپنے لیے کھولنے لگا، زبیر اور صبا کا حصہ اس نے شاپر میں ہی رہنے دیا تھا۔

''سچ میرا خود بہت دل چاہ رہا تھا ایک دفعہ تو میں نے تمہیں فون کرنے کا سوچا بھی لیکن رات بہت ہو گئی تھی نا اس لیے بس سوچ کر ہی رہ گئی۔''

ندرت نے اپنا برگر کھانے کی بجائے اس کے شروع کرنے کا انتظار کیا اور پھر اس کے ہاتھ سے لے کر کھانے لگی۔

''ندی۔۔۔!'' شاہ زین کا انداز تنبیہی تھا۔

''فکر نہ کرو، پہلے میں تمہارے ساتھ کھاؤں گی، پھر تم میرے ساتھ کھانا۔'' جواباً شاہ زین خاموشی سے بس اسے دیکھے گیا۔
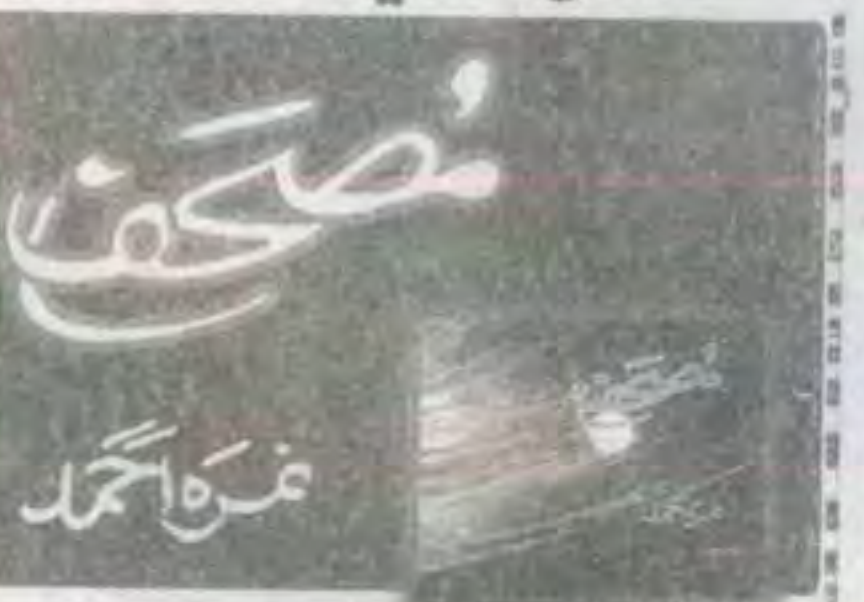
''سمجھا کرو نا محبت بڑھتی ہے اس طرح کھانے سے۔''

ندرت نے سرگوشی کے انداز میں یوں کہا کہ شاہ زین بے اختیار اس کے معصومانہ انداز پر مسکرا دیا۔

''ویسے ایک بات ہے۔''

''ہاں بولو۔'' ندرت نے اس کی باری پر برگر اب اسے پکڑا دیا تھا۔

''مجھے فون کرنے کے لیے تمہیں رات کا خیال تھا اور خود اتنی دیر سے کس سے باتیں کر رہی تھیں؟''

''اس وقت؟ ہاں تب تو اکمل کا فون آیا ہوا تھا۔''

''اکمل کون؟''

شاہ زین نے آج اکمل کا نام پہلی مرتبہ سنا تھا اسی لیے تعارف چاہا مگر اسی وقت صبا اور زبیر بھی آموجود ہوئے جو باقی تمام کی طرح ڈین کے سامنے انفرادی طور پر اپنے اسکٹ کا فارمیٹ بتا کر آئے تھے۔

''آئی ہیو آنیوز ڈیئرز!''

صبا نے آتے ہی بینچ پر بیٹھ کر گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

''واٹ نیوز؟'' ندرت نے برگر دونوں کی طرف بڑھاتے ہوئے خود کولڈ ڈرنک کا سپ لیا تھا۔

''یہ کہ فیرویل لنچ کے بجائے اب ڈنر ہوگا۔''

زبیر کے انکشاف پر وہ دونوں حیران رہ گئے۔

''کمال ہے انگلی پکڑانے پر ٹیچرز تو پورا ہاتھ تھامنے لگے ہیں بھئی۔''

''فکر نہ کرو، تمہارا ہاتھ تو کوئی قسمت والا ہی تھامے گا۔ یہ ٹیچرز بے چارے تو بس یونہی ہیں۔'' صبا نے ندرت کے ردِعمل پر ہنس کر کہا جس کی تائید گردن ہلاتے زبیر نے بھی کی۔

''کوئی کا کیا مطلب ہے؟ لگتا ہے نزدیک کی نظر کمزور ہے تمہاری۔'' ندرت نے شاہ زین کو دیکھتے ہوئے بات مکمل کی تھی۔

''اس کا بھی قصور نہیں ہے۔ دراصل اسے زبیر کے علاوہ کوئی اور نظر آ ہی نہیں سکتا۔ ہے نا؟''

''بات تو سچ ہے مگر۔۔۔'' صبا نے شاہ زین کو جواب دینا چاہا مگر ندرت نے جملہ اچک لیا۔

''بات ہے ہمسائی کی۔''

''میں بھی رسوائی تو کبھی نہ کہتی۔'' صبا نے چند لمحوں کے لیے برگر سے توجہ ہٹائی۔

''ویسے رات کی فیرویل پارٹی میں لڑکیاں شاید آنا ایوائڈ کریں۔''

''ارے یار کیا بات کرتے ہو۔'' زبیر شاہ زین کی بات پر اس کے کندھے پر تھپکی مارتے ہوئے ہنسا۔

''لڑکیاں تو خوشی سے بے قابو ہیں اس اناؤنسمنٹ پر۔''

''تم تو آجاؤ گی نا آسانی سے؟'' اصل میں اسے فکر تو ندرت کی تھی کہ شاید واپسی پر دیر ہو جانے کے خیال سے وہ نہ آپائے۔ ندرت نے کچھ دیر سوچتے ہوئے شاہ زین کے ہاتھ سے کولڈ ڈرنک لے کر ایک چھوٹا سا سے گھونٹ لیا اور دوبارہ بوتل اسے تھما کر بولی۔

''آ تو جاؤں گی لیکن شاید ناصر بھائی اعتراض کریں۔''

''پھر تو مشکل ہو جائے گا نا۔''

''ارے تم پریشان نہ ہو، بابا ہیں نا وہ بات کرلیں گے۔''

''اگر گھر میں کوئی پرابلم ہو تو بے شک نہ آنا، میں ہینڈل کرلوں گا سب۔''

''کمال ہے بھئی سارا انتظام اس نے کیا ہے بھاگ دوڑ اسی کی ہے اور یہ نہ آئے۔۔۔'' صبا کو شاہ زین کی بات اچھی نہیں لگی تھی۔

یہاں تین گھنٹے کی پارٹی کے لیے گھر میں تین دن کا تناؤ پیدا کرنا بھی تو عقل مندی نہیں ہے۔

''ایکسکیوزمی۔۔۔! ایک بات کرنی تھی۔''

(باقی آئندہ)

صبیحہ اقبال

اندر تک ٹوٹ پھوٹ کا شکار عکاشہ کو جہاز سے نظر آتے مناظر اپنی ہی طرح سوگوار اور پژمردہ دکھائی دے رہے تھے۔ داستان غم کا نوحہ جگر لخت لخت کر رہا تھا۔

لیکن پچھلے سال انہی دنوں جب وہ شانزہ کو پاکستان سے لینے جا رہا تھا تو انہی نظاروں پر اسے جنت نظیر کا گمان، ہوا کی سرسراہٹ میں نغمگی کا احساس بجتے جھرنے اور آبشاریں کیسی کیف آگیں لگ رہی تھیں۔

واقعی موسم تو انسان کے اپنے اندر ہوتا ہے دل میں لگی آگ میں ذرہ برابر فرق نہیں آرہا تھا وہ پھوٹ پھوٹ کر رونا چاہتا تھا اپنے آنسوؤں میں خود ہی بہہ جانا چاہتا تھا لیکن دونوں ہاتھوں میں تھاما شانزہ کا عبایا اس کے سارے جذبوں کو اپنے اندر اتارتا چلا گیا اس نے بے بسی سے عبایا کو چوما تھا کہ یہی تو اس کی ایک نشانی تھی جس کی وہ مسلسل ناقدری کرتا رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

سامنے سے آتی اس معصوم سی لڑکی کے چہرے سے ٹپکتے وضو کے پانی کے قطرے شفاف موتیوں کی طرح بکھرے تھے جو اس کے چہرے پر قدرتی حسن کو عیاں کرنے کے لیے کافی تھے ورنہ تو آج کل میک اپ کی موٹی تہوں کے پیچھے کیا چھپا ہے اندازہ ہی نہیں کیا جا سکتا۔

"آنٹی آپ کے لیے جائے نماز بچھاؤں؟" شانزہ نے اپنی جانب دیکھتی بیگم جمیل سے سوال کیا تھا۔

"ہاں ہاں بیٹی ضرور جیتی رہو۔" انہیں اپنے دل میں آجانے والے خیال نے نہال کر دیا تھا۔

"بیٹا انعم سے تمہاری کیا رشتہ داری ہے؟" بیگم جمیل کو کسی بہانے راہ و رسم تو بڑھانی تھی۔

"آنٹی رشتہ داری تو نہیں لیکن انعم کی امی اور میری امی کبھی پڑوسنیں تھیں اور میں اور انعم دوست پڑوس تو نہ رہا لیکن دوستی باقی ہے۔" شانزہ نے تفصیلی جواب دیا تھا۔ "اسی نسبت سے امی نے مجھے بھیج دیا۔"

"آپ کی امی خود کیوں نہیں آئیں؟" بیگم جمیل بات چیت کے بہانے ڈھونڈ رہی تھیں۔

"آنٹی میری دادو کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی اس لیے امی کا گھر پر رکنا ضروری ہو گیا تھا۔" گویا ابھی خاندانی رکھ رکھاؤ باقی ہے بیگم جمیل اندازے لگاتی رہیں اور دل کا اطمینان بھی بڑھتا گیا۔

☼ ☼ ☼

جیسے ہی تکیے پر سر رکھا شانزہ چھم سے عروسی جوڑے میں پلکوں پر آ گئی شانزہ کو جس نے بھی دیکھا بس دیکھتا ہی رہ گیا تھا چٹکتی کلیوں کی سی تازگی چاندی اور دودھ کے آمیزے سے گندھی رنگت لائٹ براؤن سلکی بالوں کی لانبی چٹیا نے اس کی کمر پر اپنا وجود منوایا ہوا تھا۔ مناسب قدو قامت جیسے قدرت نے اسے بہت ہی پیار سے تخلیق کیا ہو۔ عکاشہ کے محبت بھرے جملے اسے گلابی کیے دے رہے تھے اور نظروں کی تپش اسے پگھلائے دے رہی تھی وہ اس کے شرم و حیا سے سمٹے وجود اور جھکی جھکی پلکوں کا ایسا اسیر ہوا کہ چھوئی موئی کے علاوہ اس کے ذہن میں کوئی دوسرا لفظ سمایا ہی نہ تھا اس سمے وہ اس موم کی گڑیا کو دیکھ کر سمجھ رہا تھا کہ اگر اس کو چھوا تو وہ بکھر جائے گی لیکن وہ آج اسے بکھیر کر جا چکی تھی دو موٹے موٹے آنسو اس کی بند آنکھوں سے نکل کر تکیے میں جذب ہو گئے۔

☼ ☼ ☼

شانزہ کی سنگت میں دنوں اور ہفتوں کے حساب سے بے گانہ عکاشہ کو مہینہ گزرنے کا احساس اس وقت ہوا جب شانزہ نے کمرے کے کیلنڈر سے اوپر والا صفحہ علیحدہ کیا۔

"واؤ ہماری شادی کو پورا ایک ماہ گزر گیا؟" عکاشہ کو حیرت ہوئی "یوں پلک جھپکتے۔"

"اس میں حیرت کی کیا بات ہے وقت نے گزرنا ہی ہوتا ہے گزرے چلا جاتا ہے ہمارا کام اسے روکنا نہیں بلکہ اس گزرتے وقت سے مستقبل کے لیے بہت کچھ کرنا ہے۔"

"ہاں یہی تو میں بھی کہہ رہا ہوں پورے ایک ماہ کاروبار کو چھوڑ کر بیٹھنا یہ تو میرے لیے ممکن ہی نہ تھا مر کر بھی، لیکن راستے میں جو یہ تم آگئیں آفت جاں۔" عکاشہ نے بڑی ادا سے کہا کہ شانزہ کی ہنسی نکل گئی۔ کپڑوں کو تہ کر کے سوٹ کیس میں رکھتی شانزہ کے کئی آنسو بھی کپڑوں میں جذب ہو رہے تھے جسے عکاشہ سنگھار میز کے شیشے سے باآسانی دیکھ سکتا تھا۔

"اے بے وقوف لڑکی اس طرح تو تم میرے کپڑے گیلے کرو گی۔" اس نے مصنوعی غصے سے کہا تو جیسے شانزہ کے رکے ہوئے آنسوؤں کو بھی راستہ مل گیا ہو۔

"اوں ہوں یہ موتی یوں ضائع نہ کرو۔" عکاشہ نے بڑھ کر اس کی آنکھوں سے نکلنے والے ہر قطرے کو اپنی ہتھیلیوں میں جذب کر لیا۔

"نادان لڑکی میں تمہیں یہاں چھوڑ کر خود بھی کون سا سکون سے رہ سکوں گا۔"

"تو پھر کیوں جا رہے ہیں؟" شانزہ سسکی۔

"میرا تم سے وعدہ ہے جلدی آؤں گا اور تمہیں ساتھ لے جاؤں گا۔ اب تو خوش چلو یہ آنسو پونچھو۔" اس نے اپنا نازک ہاتھ عکاشہ کے ہاتھ میں دے کر وعدے کو پکا کر لیا تھا۔

☼ ☼ ☼

شاید کوئی بیل پر ہاتھ رکھ کر ہٹانا بھول گیا۔ "ذرا جلدی جاؤ۔" بیگم جمیل نے بیٹی کو دروازے کی طرف بھیجا اور خود اخبار چھوڑ کر دروازے کی جانب دیکھنے لگیں۔

"اس تم!! کوئی پروگرام نہ فون۔"

"امی آپ کو تو پتا ہے نا میرے موڈ کا بس دل چاہا اور فلائٹ پکڑی۔" عکاشہ ماں سے دعائیں لیتا اپنے کمرے میں آدھمکا۔

"آ۔۔۔ آپ" شانزہ کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا اس نے اپنی انگلی کو دانتوں تلے دبا کر اپنے جاگنے کا احساس کیا۔

"تم سے میں نے کہا تھا تمہارے بنا میں وہاں رہ نہ سکوں گا۔" شانزہ طمانیت کے ساتھ مسکرا دی۔ گھر میں فوری طور پر کچھ افرا تفری سی پھیلی ملنے کی خوشی لیکن ساتھ ہی جدائی کا غم شانزہ عجیب کشمکش میں مبتلا تھی۔

"امی اب شانزہ بھی میرے ساتھ ہی جائے گی۔" کھانے کی میز پر عکاشہ نے اپنا فیصلہ سنا دیا تھا۔

"یہ تمہارے ساتھ وہاں کس طرح رہے گی۔" ماں کی فکر بجی تھی ایک کوارٹر نما گھر میں تین بزنس پارٹنر تو رہ سکتے ہیں لیکن ایک عورت وہ بھی نو بیاہتا ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔

"میں نے الگ ایک کمرے کا بندوبست کر لیا ہے۔" عکاشہ نے ماں کو مطمئن کر دیا۔

"لیکن بیٹا پھر بھی عورت کی ضرورت کو دوسری عورت سمجھ سکتی ہے۔" ماں جی کو نجانے کیوں بہو کو نئی جگہ بھیجنے پر دل میں ہول اٹھ رہے تھے وسوسے اور خدشے انہیں گھیرے ہوئے تھے۔

"آپ فکر نہ کریں میرے وہاں کئی فیملیز سے روابط ہیں" عکاشہ نے انہیں دلاسا دیا۔

"اچھا اللہ تمہارا نگہبان۔" وہ اس کی منکوحہ تھی وہ روک تو نہ سکتی تھیں۔

☼ ☼ ☼

اگرچہ کراچی میں اپنا اچھا خاصا گھر اور مناسب کاروبار تھا لیکن حالات کے اتار چڑھاؤ روز روز کی ہڑتالوں لمبی لمبی لوڈ شیڈنگ کی وجہ سے عکاشہ اور اس کے دوستوں نے باہر جا کر اپنا کاروبار سیٹ کرنے کی ٹھانی تھی یوں عکاشہ گھر سے سینکڑوں میل دور پردیس جا بسا تھا اور اب شادی کے بعد شانزہ کی یاد اسے کب چین لینے دے رہی تھی اس نے جاتے ہی اس کے پاسپورٹ ویزے کی حصول کی کوششیں شروع کر دیں ـــ اور اب وہ اسے اپنے ساتھ لے جانے کے لیے آیا تھا۔ ماں باپ، بہن بھائی اور اپنا وطن چھوڑنے کا دکھ کسے نہیں ہوتا لیکن عکاشہ کی محبت ان سب پر حاوی تھی۔

"یہ لو عکاشہ صاحب تو گئے کام سے۔" آفس ورک نبٹائے ہی عکاشہ کو اٹھتے دیکھ کر بلال نے اپنے دانتوں کی نمائش کی تھی۔

"اے کاش ہم بھی جلدی گھر جانے کے لیے بے قرار ہوتے کہ کوئی ہمارا منتظر ہوگا۔" یاسر نے مصنوعی آہ بھری۔

"ہاں ہوتے ہیں نا جھوٹے برتن' میلے کپڑے' گندے بستر۔" بلال نے عورتوں کی طرح ہاتھ نچا کر یاسر کو مسکرانے پر مجبور کردیا۔

☆ ☆ ☆

"بھئی کبھی بھابی کے ہاتھ کی چائے پلوا دو کھانا نہ سہی۔" بلال نے عکاشہ کو ٹوکا تھا۔

"خود دیکھو کتنا موٹا ہو رہا ہے ہماری پروا ہی نہیں سالے کو۔" یاسر نے لقمہ دیا۔

"آج تو عکاشہ کی طرف سے ٹریٹ ہو ہی جائے۔" بلال اور یاسر نے ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر بات پکی کرلی۔

"چلو ٹھیک ہے میں چائے اور کچھ لوازمات بنوا کر لیتا آؤں گا۔" عکاشہ کو بھی خفت محسوس ہوئی تھی کہ اسے اس بات کا احساس تو خود ہی کرنا تھا۔

"نہیں یار ایسے نہیں تمہارے گھر آکر کھائیں گے تازہ تازہ گرما گرم پکوڑوں کے ساتھ بھاپ اڑاتی چائے" بلال کے منہ میں مزا آگیا

"تمہیں پتا ہے میرا کمرہ ہی کچن بھی ہے اس طرح کیسے ممکن ہو سکتا ہے شانزہ پردہ کرتی ہے۔" عکاشہ خاصا پریشان تھا۔

"تجھئی تمہاری بیوی ہماری بھابھی۔" بلال حسب عادت بے تکلفی برت رہا تھا۔

"چلو اچھا۔" عکاشہ نے جیسے ہار مان لی ہو۔ فون پر دونوں چیزوں کی تیاری کا کہہ کر وہ مطمئن سا ہو گیا تھا۔ دوستوں کی اندر آمد کا سن کر شانزہ کھونٹی پر ٹنگا حجاب لینے کے لیے آگے بڑھی تو عکاشہ نے اسے روک دیا۔

"کیا بے وقوفی ہے کیا عبایا پہن کر سرو کرو گی تماشا لگے گا۔" وہ بڑبڑایا۔

"لیکن عکاشہ میں کبھی حجاب کے بغیر کسی غیر مرد کے سامنے نہیں گئی۔" شانزہ نے دروازہ پر دستک ہونے پر قدرے گھبرا کر واش روم کا رخ کیا تو عکاشہ غصے میں آگیا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے۔" اس نے بیوی کو آنکھیں دکھائیں۔

ایک انسان کا جو کردار مسلمان بنتا ہے وہ ہر انسان کے شعور میں پیوست ہوتا ہے مگر مسئلہ معاشرے میں رائج الوقت اقدار کا ہوتا ہے جو کردار کے مقابل ہمیشہ کوتاہ قد ہوتی ہیں لیکن اخلاق و کردار کے انحطاط کے اس دور میں انہی اقدار کی جیت ہو جاتی ہے سو شانزہ بھی ہار گئی اور اقدار جیت گئیں۔

"ارے بھئی کیا اندر بلانے کا ارادہ نہیں۔" بلال نے ہانک لگائی تو عکاشہ تیزی سے باہر آکر دونوں کو اپنے ساتھ اندر لے آیا شانزہ کے لیے یہ پہلا موقع تھا جب عکاشہ نے اس کی رائے سے اختلاف کیا تھا۔ ایک تو بے پردگی کا دکھ دوسرے اختلاف رائے کا 'یانی کی ایک چادر سی اس کے اور عکاشہ کے درمیان تن گئی۔ یوں بے حجاب وہ کسی غیر کے سامنے آئی نہ تھی پھر بھی سر پر آئی افتاد کو اس نے بڑی سے چادر لے کر جھکی نگاہوں اور سمٹتے وجود کے ساتھ بڑی مشکل سے نبھایا تھا۔ میز پر پلیٹیں رکھتے اس کے ہاتھ واضح طور پر کانپ رہے تھے اور پیر من من کے۔

"یوں تمہارا گھبرانا اور خجل ہونا مجھے ذرا اچھا نہیں لگا کیا کہیں گے کیسی بدذوق بیوی ہے۔" عکاشہ بلال اور یاسر کے جاتے ہی اس پر خاصا برہم ہوا تھا۔

"کیوں کیا غیر مردوں سے اجتناب بے وقوفی ہے؟"

"یہ میرے اپنے ہیں غیر کہاں؟" عکاشہ نے دوستوں سے بڑی اپنائیت کا اظہار کیا تھا۔

"خیر آپ کا کتنا بھی قریبی دوست ہو میرے لیے تو اجنبی ہی ہوا نا۔" بے دین معاشرت کو اپنا کر تضادات کا شکار ہونا لازمی تھا وہ خاصی مضمحل اور عکاشہ ناراض ناراض اور پھر ہفتے بھر بعد ہی ویک اینڈ پر دوبارہ گرم چائے اور سموسوں کا پروگرام بنا تو عکاشہ نے بیوی کو پہلے ہی خبردار کردیا تھا کہ پہلے جیسی کوئی بے وقوفی نہیں ہونی چاہیے۔

"یہ... یہ لے لیجیے نا۔" سوجی سوجی آنکھوں اور روتی آواز کے ساتھ لمبی چادر اوڑھے اس نے میز پر سامان ترتیب دے کر بلال اور یاسر کو مخاطب کیا اور نمکین پانی کے بڑے بڑے حلق میں پھنستے گولوں کو اپنے اندر اتار لیا تھا۔

"بھابی آپ بھی ہمارے ساتھ لیں نا۔" بلال نے اسے مخاطب کیا تو وہ یوں اچھلی جیسے کرنٹ چھو گیا ہو۔

"میں لے چکی ہوں۔" اس نے صاف جھوٹ بولا تھا۔ اور نگاہ نیچی کیے دوسری جانب منہ کر کے چائے بنانے لگی سر پر دھری چادر کو بار بار درست کرتی شانزے ہمہ وقت عکاشہ کی خفا خفا نظروں کے حصار میں رہی۔

یہ کیسا کلچر ہے جس نے ہمیں بے حس کردیا ہے عکاشہ کو اس وقت میری کسی بے چینی اور تکلیف کا احساس نہیں یہ کیسی بے حسی ہے دو موٹے موٹے آنسو اس کی گھنیری پلکوں پر آکر رک گئے تھے۔ اس نے چائے تیار کر کے ٹرے میز پر رکھی اور اپنی غیر ہوتی حالت کو چھپانے کے لیے واپس مڑ گئی۔ عکاشہ نے ایک برہم سی نظر شانزہ پر ڈالی اور خود چائے انڈیلنے لگا۔

"تمہیں ایٹی کیٹس ہی نہیں آتے مہمان نوازی کے۔ اتنا گھبرانے کی کیا ضرورت ہے وہ کیا تمہیں کھا جاتے جو تم اس طرح رویہ رکھتی ہو۔" دوستوں کے جاتے ہی وہ بیوی پر خاصا برہم ہوا تھا۔

"کیا سوچتے ہوں گے اور میرا کیسا مذاق اڑاتے ہوں گے۔"

"عکاشہ تم جس طرف بڑھ رہے ہو یہ فساد و انتشار کا کلچر ہے اور بے حسی اور بے حیائی کا کنواں۔" شانزہ نے آج اپنی ہمت جمع کر کے عکاشہ کو ٹوکا تھا۔

"ایک تو تم فتوے بڑے جلدی جلدی دے دیتی ہو۔" وہ غصے سے پھنکارہ۔ ساری رات شانزے کروٹیں بدلتی رہی۔

"دیکھو شام کو چائے پر آنے والے میرے دوست سے زیادہ بزنس پارٹنر ہیں نہ تو ان کے سامنے کوئی بدحواسی ہونی چاہیے نہ یوں سر جھاڑ منہ پہاڑ منہ بسورتی نظر آؤ۔"

"بابا کا کاروبار تو کافی وسیع تھا لیکن انہوں نے کبھی امی یا ہم لوگوں کو ڈرائنگ روم تک نہ آنے دیا تھا۔ بھیا ہی کچن سے ٹرالی لے جا کر خود ہی مہمان نوازی کرتے تھے۔" اس نے آنے والے مستقبل سے خوفزدہ ہو کر ایک بار پھر ہمت کی تھی۔

"وہ تو تھے رجعت پسند مگر مجھے زمانے کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنا ہے۔"

"گویا یہ عفت و عصمت بے کار شے ہیں انہیں دولت کے لیے قربان کریں" شانزہ نے دل میں سوچا۔ اور مخاطب ہو گئی۔

"مغرب نے اگر اپنی عورت کو باہر نکالا تو اس کے پیش نظر صنعتی ترقی تھی لیکن مشرق تو اس ترقی کے اس مفہوم سے بھی نا آشنا ہے۔" آج وہ جرح پر اتر آئی تھی۔ "ترقی کا ایک ہی مفہوم نہیں ہوتا بے وقوف عورت جال کب بچھایا جاتا ہے اور شکار کب پھنستا ہے۔" وہ عجیب مکروہ ہنسی ہنسا تھا۔ شانزہ نے حیرانی سے اپنی پوری آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھا۔

"تو دولت ہی سب کچھ ہے؟"

"ہوں یہی سمجھو۔" اس نے بات ختم کردی۔

"عکاشہ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ تم مجھے اپنی ماں کے پاس پاکستان بھیج دو۔" اس نے بڑے کرب کے ساتھ سوچا تھا واپس جانے کا۔

"دو مرتبہ مہمانداری کیا کرنی پڑی گھبرا گئیں۔" وہ تمسخر کے ساتھ ہنسا۔ شانزہ کو دکھ نے آلیا۔

"عکاشہ یہ تم کس راہ پر چل نکلے ہو" وہ خاصی متردد تھی۔

"ایک عرشیہ بھابھی ہیں کیسی اچھی طرح ہم سب دوستوں کو ٹریٹ کرتی ہیں جاوید گھر پر ہو یا نہ ہو ہمیں احساس ہی نہیں ہونے دیتیں۔" عکاشہ نے بڑی حسرت سے کہا تھا۔ شوہر کے منہ سے کسی دوسری

عورت کی تعریف سن کر عورت ہر نتیجے سے بے پروا ہو کر ویسی ہی نظر آنے کی کوشش میں سرگرداں ہو جاتی ہے اور یہی وہ۔ کمزور لمحہ ہوتا ہے، جو اس کے وجود کو تو باقی رکھتا ہے لیکن روح کو کچل دیتا ہے اسے یاد آیا اس کی دوست کنول اکثر ایسی عورتوں کا تذکرہ کرتی تھی جو اپنے شوہروں کے منہ سے کسی ایکٹریس کی تعریف سنتی تھیں ویسا ہی اسٹائل بنوانے پہنچ جاتی تھیں اس کے پارلر میں۔ اپنی ذات اپنا وجود جیسے کوئی بے معنی شے ہو کتنا مذاق اڑاتی تھی کنول لیکن وہ لمحہ آج اس پر بھی تلوار بن کر لٹک گیا تھا۔ اس نے بھی عریشہ بھابھی بننا تھا۔

کس سوچ میں پڑ گئیں۔" اس نے دیر تک ایک ہی زاویے سے شانزہ کو بیٹھے دیکھ کر پوچھا تھا۔

"عکاشہ میں کوشش تو بہت کرتی ہوں مگر پتا نہیں ایک وحشت سی ہونے لگتی ہے۔" "کیوں کیا وہ بھیڑیے ہیں" عکاشہ شاکی تھا۔

"اچھا آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔" عکاشہ کی نظروں کی تاب نہ لا کر اس نے وعدہ کر لیا تھا۔

"اللہ کرے سارے دوست مر جائیں۔" اس نے دل میں بددعا کی تھی لیکن کیا بددعائیں کرنے سے حالات سدھر جاتے ہیں۔ جوں جوں وقت گزر رہا تھا عکاشہ کے مالی حالت بہتر ہوتی جا رہی تھی لیکن مثبت اخلاقی رویوں میں کمی آتی جا رہی تھی۔

آج پھر کئی دوست عکاشہ کے ساتھ باہر گیٹ پر کھڑے تھے جن کی آمد کی اطلاع وہ پہلے ہی فون پر دے کر حلیہ درست کرنے کا آرڈر شانزہ کو دے چکا تھا۔ شانزہ نے آج قدرے پرسکون انداز میں اس کا مطالبہ سنا تھا۔ بڑی چادر کھونٹی پر ہی لٹکتی رہی تھی حلیہ درست رکھنے کے لیے میچنگ کا ہلکا پھلکا دوپٹہ ہی مناسب تھا۔ نہ عکاشہ کے دوستوں کو میز پر بلاتے اس کی زبان لڑکھڑائی تھی نہ چائے سرو کرتے اس کے ہاتھوں میں لرزش آئی تھی اور اپنی اس تبدیلی پر وہ حیران بھی تھی پشیمان بھی۔ حیا کی چادر ایک بار اتر جائے تو بھلا پھر کب تانی جا سکتی ہے؟

اس کے حسن کی برق پاشیاں وجود کی جلوہ سامانیاں نگاہ کو خیرہ اور دلوں کو پراگندہ کیے دے رہی تھیں۔

"آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔" تنویر صاحب نے چلتے چلتے اس پر نگاہ غلط ڈال کر بڑے اطمینان سے حال دل کہہ دیا تھا۔ یہ روایتی جملے بھی بسا اوقات انسانی کیفیت کے حقیقی عکاسی کرتے ہیں۔

پھر تنویر صاحب کی دوستی عکاشہ سے کچھ زیادہ ہی بڑھ گئی تھی۔ عکاشہ کے کاروبار کی طرح دو کمروں کے گھر کی جگہ ایک بنگلے نے لے لی۔ یاسر اور بلال کہیں پس منظر میں چلے گئے۔ گاہے بگاہے شہر دوبئی کے نامی گرامی تاجر تنویر صاحب عکاشہ کے بنگلے میں آجاتے اور لمبی لمبی محفلیں جمتیں تجارت کے نئے نئے گر عکاشہ کو بتا کر محسن قرار پاتے۔

جب بھی دیکھا ہے تجھے عالم نو میں دیکھا ہے
مرحلہ طے نہ ہوا میری شناسائی کا

شانزہ ان کے ترنم سے پڑھے گئے شعر پر زیر لب مسکرا کر رہ گئی۔ نہ دل رویا نہ آنکھیں ڈبڈبائیں تکمیل تعمیر کے مقابلے میں تخریب کا عمل کتنی سرعت سے جاری رہتا ہے آگ کی ایک چنگاری بھڑک اٹھے تو کیسے الاؤ دہک اٹھتے ہیں اور پائیداری کا دعوا کرنے والے محلات کیسے راکھ کا ڈھیر بن جاتے ہیں تعمیر کے لیے تربیت قدم بقدم اوپر جانے کے لیے سفر دھیرے دھیرے، لیکن نیچے لڑھکنے کے لیے کچھ بھی تو وقت نہیں لگتا قوت تعمیر کے مقابلے میں قوت تخریب کی چابکدستی باعث حیرت ہی نہیں باعث عبرت بھی تھی۔

انسانی زندگی سوت کی انٹی کی طرح ایک ہی مدار پر حرکت نہیں کر سکتی تنویر صاحب بھی شانزہ ولا کے ڈرائنگ روم تک محدود نہیں رہے تھے۔

"شانزی" بھرپور محبت کے ساتھ کسی نے بہت قریب سے اسے پکارا تھا لیکن یہ عکاشہ نہیں تھا مگر میں کافی ڈالتی شانزہ کے لیے اپنے پیروں پر کھڑے رہنا یقیناً مشکل ہو جاتا اگر وہ سال بھر پہلے والی ہی شانزہ ہوتی اس نے کن انکھیوں سے تنویر صاحب کو دیکھا۔

"ارے آپ یہاں کیوں آگئے۔"

"بھئی آپ کے بنا گھر میں نہیں رہا جاتا آفس میں نہیں رہا جاتا تو آپ کے ڈرائنگ روم میں بھلا کیا ممکن ہے۔" انہوں نے الٹا اس ہی سے سوال کر دیا۔

"بس زیادہ باتیں نہ بنائیں۔" وہ دلاویز مسکراہٹ کے ساتھ بولی "اور اندر چل کر کافی پئیں۔" اس نے انہیں اندر کی جانب دھکیلا تھا عین اسی لمحے چابی سے گیٹ کھولتا عکاشہ اندر داخل ہوا تھا اور اس کی نظریں بیوی کے تنویر صاحب کے کندھے پر دھرے ہاتھ پر ٹک گئیں ــــ اور قدم وہیں رک گئے تھے۔

جب شانزہ نگاہ بھی نہ اٹھاتی تھی تب بھی تمہیں شکوہ تھا اور آج جب وہ اس مقام پر پہنچی ہے جہاں تم اسے دیکھنا چاہتے تھے تب بھی تمہیں شکوہ ہے عکاشہ تم کیا چاہتے ہو؟ کیا چاہتے ہو...... اس کا دماغ گھوم رہا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان کی حیا اپنی اقدار و روایات سے ہٹ کر ایک انچ بھی غلطی برداشت کرنے کو تیار نہیں اور اللہ کی نافرمانی وہ بڑی ڈھٹائی سے کر جاتا ہے اس کے ضمیر نے اسے یاد دلایا تھا۔ کوئی اسے آئینہ دکھا رہا تھا عریشہ بھی تو ایسی ہی تھی نا!!!

"بے حیا عورت میں تجھے طلاق دیتا ہوں طلاق دیتا ہوں طلاق دیتا ہوں۔" وہ جذباتی انداز میں چیختا رہا۔

"کوئی بات نہیں شانزہ آپ میرے ساتھ چلیں۔" تنویر کی پیشکش نے عکاشہ کے منہ پر طمانچہ دے مارا تھا۔

پیر کے انگوٹھے سے قالین کو کریدتی شانزہ نے آنکھوں میں آئے آنسوؤں کو اپنی انگلیوں کی پوروں پر لے کر بے دردی سے جھٹک دیا اور سوٹ کیس اٹھا کر اس میں اپنے کپڑے اور زیورات جمع کر دیئے تنویر صاحب نے ڈرائنگ روم سے آکر سوٹ کیس اٹھایا اور وہ ان کے پیچھے ہی نکل گئی۔ شانزہ کا خوبصورت عبایا کھونٹی کی زینت بنا عکاشہ کا منہ چڑا رہا تھا......

سبز پتوں سے اڑا اوس کے قطروں کی طرح
وہ جو شبنم کا سا پیکر میرے گھر آیا تھا

ناولٹ

بشریٰ احمد

ایک داستانِ وفا

"پھر تم نے کیا سوچا شہریار کے متعلق۔" آپا نے دو سالہ اریب کے منہ میں فیڈر دیتے ہوئے مجھے مخاطب کیا اور میں، جو اریب کے پاؤں کو ہلکا ہلکا گدگدا کر اس کی کھلکھلاہٹ سے لطف اندوز ہو رہی تھی، سوال سن کر ٹھنڈا سانس لیتے ہوئے سیدھی ہو بیٹھی۔

"شہریار میں کوئی برائی نہیں ہے آپا، لیکن میں فی الحال شادی نہیں کرنا چاہتی اور شہریار کے گھر والے انتظار کے موڈ میں نہیں، سو یہ بیل منڈھے نہیں چڑھ سکتی۔"

"لیکن کیوں سحر، اتنا اچھا لڑکا ہے شہریار، تم فضول کی ضد چھوڑو اور شادی کے لیے ہاں کر دو۔"

"فضول کی ضد، آپا کم از کم آپ تو ایسا نہ کہیں، میری کامیابیوں پر سب سے زیادہ خوش آپ ہوتی ہیں، ہر آئے گئے کو پکڑ کر فخر سے بتاتی ہیں کہ مشہور کالم نگار سحر شاہد آپ کی بہن ہے اور اب جب آپ کی بہن پرنٹ میڈیا سے الیکٹرونک میڈیا میں قدم رکھنے جا رہی ہے تو آپ اس کے پاؤں میں شادی کی زنجیر ڈال رہی ہیں، ابھی تو میرے کیریر کی ابتدا ہے میں نے بہت آگے جانا ہے آپا، میں شادی کے بندھن میں بندھ کر اپنی تخلیقی صلاحیتوں کا گلا نہیں گھونٹ سکتی۔"

"وہ تو ٹھیک ہے سحر، لیکن۔۔۔"

"کوئی لیکن ویکن نہیں، بس آپ امی کو سمجھا دیں کہ فی الحال وہ میری شادی کا خیال ذہن سے نکال دیں۔" میں نے آپا کو دو ٹوک انداز میں باور کروا دیا تھا۔

"میں یعنی سحر شاہد شادی کو اپنے کیریر کی راہ میں بڑی رکاوٹ سمجھتی تھی، میرا تعلق ایک اپر مڈل کلاس روشن خیال گھرانے سے تھا۔ ابا اور امی کی ہم دو ہی بیٹیاں تھیں، اولاد نرینہ کی فطری خواہش اگر میرے والدین کے دل میں دبی ہوئی بھی تھی، تب بھی انہوں نے کبھی اس کا اظہار نہ کیا، ابا بڑے فخر سے کہتے تھے، میری بیٹیاں ہی میرے لیے بیٹوں کے برابر ہیں، بہترین تعلیم، تعمیری ماحول اور والدین کے دیے گئے اعتماد نے ہم دونوں بہنوں کی شخصیت میں عجیب سا نکھار پیدا کر دیا تھا، اپنے منہ سے اپنی تعریف کرنا اچھا تو نہیں لگتا، مگر سچ یہی تھا کہ میں اور آپا دوسری لڑکیوں سے بہت منفرد اور مختلف لگتے تھے، اسکول، کالج اور پھر یونیورسٹی لیول تک بھی آپا بیسٹ ڈیبیٹر مانی جاتی تھیں۔

پہلی پوزیشن تو گویا بنی ہی آپا کے لیے تھی، یوں ہی نصابی اور غیر نصابی میدان میں کامیابی کے جھنڈے گاڑتی آپا یونیورسٹی میں اپنے شعبے کے سربراہ کو اتنا بھائیں کہ قابلِ احترام پروفیسر صاحب نے چہیتی طالبہ کو چہیتی بہو کا رتبہ دے ڈالا، ارسل بھائی آج تک چھیڑتے ہیں کہ ابا نے یونیورسٹی لائف کا صحیح فائدہ اٹھایا، جب پڑھتے تھے تو بیگم ڈھونڈلی اور جب پڑھاتے تھے تو بہو ڈھونڈلی۔

ارسل بھائی خود فارن کوالیفائیڈ ڈاکٹر ہیں اور میری پیاری آپا ماشاءاللہ پڑھے لکھے اور سلجھے ہوئے خاندان کا حصہ بن کر خوش گوار ازدواجی زندگی بسر کر رہی ہیں۔ میں نے بھی زندگی کے ہر میدان میں آپا کی تقلید کی۔

ہمارے گھر میں اتنی ٹرافیاں اکٹھی ہوگئی تھیں کہ کبھی کبھار امی زچ آکر کہہ دیتیں کہ خبردار آئندہ جو کسی مقابلے میں حصہ لیا۔ مجھ میں لکھنے اور بولنے کی قدرتی صلاحیت تھی۔ میں اپنے کالج میگزین کی ایڈیٹر تھی، یونیورسٹی میں آکر یہ صلاحیت مزید نکھر کر سامنے آگئی۔ اپنے ٹیچرز کی حوصلہ افزائی اور مشورے پر میں نے ایک مقامی روزنامے میں کالم لکھنے کا آغاز کیا اور جب میرا ماسٹرز مکمل ہوا تب میں مقامی روزنامے سے ایک معتبر قومی روزنامے کے کالم نگاروں کی صف میں شامل ہوگئی تھی۔ امی، ابا اور آپا پھولے نہ سماتے تھے کہ اتنی کم عمری میں، میں نے کتنا نام کمالیا تھا۔

میں مانتی ہوں کہ میری کامیابیوں کے پیچھے میری صلاحیتوں سے زیادہ میرے والدین کی دعاؤں بلکہ شاید سب سے زیادہ میری قسمت کا دخل تھا، ورنہ اتنی جلدی شہرت ہر کسی کا مقدر نہیں بنتی اکثر اچھا لکھنے والے برسوں تک مقامی سطح پر ہی چھپتے رہتے ہیں، لیکن مجھے قدرت کی طرف سے ایسے مواقع میسر آتے گئے کہ میرا قلمی سفر عروج کی طرف گامزن رہا اور اب تو ایک مقبول نیوز چینل کی طرف سے مجھے سوشل ایشوز پر ایک پروگرام کی میزبانی سونپنے کی پیش کش ہوئی تھی۔ میں اس آفر کو سنجیدگی سے قبول کرنے کے بارے میں سوچ ہی رہی تھی کہ بیچ میں شہریار صاحب ٹپک پڑے۔

شہریار ہمدانی ابا کے ایک دوست کے صاحب زادے تھے۔ ذہین، قابل، برسر روزگار اور انتہائی اسمارٹ، بقول آپا یہ ایک آئیڈیل رشتہ تھا۔ دیکھا بھالا خاندان، لڑکے کی شرافت شک و شبہ سے بالاتر امی اور ابا کو بھی یہ رشتہ بہت بھایا خیر شہریار برا مجھے بھی نہ لگتا تھا، اب تک میری اس سے دو چار ملاقاتیں ہوئی تھیں اور اس نے مجھ پر اچھا ہی تاثر چھوڑا تھا، لیکن مسئلہ وہی تھا کہ میں فی الحال شادی پر راضی نہ تھی، میں جانتی تھی کہ شادی کے بعد میں اپنا کیریر جاری نہ رکھ پاؤں گی۔ یہ بہت ڈیمانڈنگ پروفیشن تھا اور ابھی تو میں نے اس میں قدم رکھا ہی تھا۔ مجھے یقین تھا کہ میری محنت اور لگن مجھے بام عروج پر پہنچا دے گی، لیکن اگر گھر والوں کے دباؤ میں آکر میں شادی کے بندھن میں بندھ گئی تو میرے سارے خواب ادھورے اور تمام خواہشیں تشنہ رہ جائیں گی، اسی لیے میں نے آپا کے ذریعے اپنا قطعی انکار ابا کو پہنچا دیا تھا، مجھے معلوم تھا کہ امی تو اس فیصلے پر خوب خفا ہوں گی، لیکن مجھے حیرت ہوئی جب ابا نے بھی امی والی بات دوہرائی۔

"شہریار بہت اچھا لڑکا ہے سحر کیا تمہارے فیصلے میں لچک کی کوئی گنجائش نہیں۔"

"ابا آپ بھی۔" میں ٹھنکی تھی۔

"ہاں بیٹا یہ سچ ہے کہ تمہاری کامیابیوں پر دنیا میں سب سے زیادہ خوش ہونے والا شخص میں ہوں تم نے بلاشبہ میرا سر فخر سے بلند کر دیا، لیکن یہ بھی سچ ہے سحر کہ اپنی زندگی میں تمہیں گھر بار کا کرنا بھی میری دلی خواہش ہے، اگر تمہارا کوئی بھائی ہوتا تب شاید....."

"پلیز ابا آپ نے زندگی میں کبھی بیٹے کی خواہش کا اظہار نہیں کیا، ہمیشہ یہی کہا کہ میری بیٹیاں ہی میرے لیے بیٹوں کے برابر ہیں اور اب آپ خواہ مخواہ اموشنل ہو رہے ہیں، میں کیریر وومن ہوں ابا، اس معاشرے میں مرد کے سہارے کے بغیر بھی سروائیو کر سکتی ہوں اور پھر میں شادی سے انکار کب کر رہی ہوں، مناسب وقت آنے پر شادی بھی کروں گی، مگر فی الحال نہیں۔"

"ٹھیک ہے بیٹا جیسے تمہاری خوشی۔" ابا نے ٹھنڈا سانس بھرتے ہوئے میرا سر تھپتھپا دیا تھا، گھر والوں کی بات نہ مان کر مجھے اندر ہی اندر ندامت اور شرمندگی تو ہوئی کہ ہٹ دھرمی کبھی بھی میری فطرت کا حصہ نہیں رہی تھی، لیکن جب میں نے چینل جوائن کیا اور بہت جلد میرا پروگرام مقبولیت کی حدوں کو چھونے لگا تب مجھے اپنے فیصلے کی درستگی کا اندازہ ہوگیا۔ امی، ابا اور آپا بھی اپنا ملال بھول کر میری خوشی میں خوش اور میری کامیابیوں پر مسرور تھے۔

زندگی لیکن بے حد مصروف ہوگئی تھی اور ان ہی مصروفیت بھرے دنوں میں ثمو کی شادی کا کارڈ ملا۔ ثمو میری بیسٹ فرینڈ ہے، کالج اور پھر یونیورسٹی کے دنوں میں تو چلو ہم اکٹھے ہی پڑھتے تھے سو روز ملاقات ہوتی تھی، لیکن پڑھائی کے بعد بھی تین، چار دنوں میں تو ہم ضرور ہی مل لیتے تھے، لیکن جب سے میں نے الیکٹرونک میڈیا میں قدم رکھا تھا مجھے خود سے ملنے کا وقت نہ ملتا تھا، خیر یہ تو مذاق تھا، لیکن سچ یہی تھا کہ میرے دوست احباب وقت نہ دینے کی وجہ سے مجھ سے ذرا ناراض سے رہنے لگے تھے اور دوستوں کی فہرست میں ثمو کا نمبر تو سب سے اوپر تھا، سو اس کی ناراضی بالکل بجا تھی۔

"میں آج ڈرائیور کے ساتھ تمہارے گھر کارڈ دینے گئی تھی۔ گھر پر صرف انکل تھے، کارڈ ان ہی کو دے کر واپس آگئی تھی، ہوسکتا ہے تمہیں کارڈ پڑھنے کا بھی ٹائم نہ ملے، اس لیے فون کیا ہے کہ اس مہینے کی بیس تاریخ کو میری شادی ہے، فرصت ملے تو دس، پندرہ منٹ کے لیے آجانا۔"

ثمو کا ناراضی بھرا فون آیا تو مجھے اس کے طنز بھرے انداز پر ہنسی تو بہت آئی، مگر شرمندگی بھی محسوس ہوئی، میری بہترین دوست کی زندگی کا سب سے اہم دن آنے والا تھا اور مجھے اپنی مصروفیت میں اس سے رابطے کا وقت ہی نہ مل رہا تھا۔ بہرحال میں نے اس دن ثمو سے دلی ایکسکیوز کرتے ہوئے فون پر ڈھیر ساری باتیں کیں۔ اس کے ہونے والے میاں کے حوالے سے چھیڑ چھاڑ کر کے اس کا موڈ صحیح کیا اور پھر شادی والے دن لازمی پہنچنے کا وعدہ کر کے اللہ حافظ کہہ کر فون رکھا تھا۔ وہ بھی میری مجبوری سمجھتی تھی، جب ہی مایوں مہندی پر شرکت کا اصرار نہ کیا۔

ثمو کی بارات والے روز حسب وعدہ میں مقررہ وقت پر پہنچ گئی تھی۔ لیکن اپنی سہیلی کے پاس فرصت سے بیٹھنے کا موقع ہی نہ مل سکا۔ ثمو کی کزنز نے مجھے گھیر لیا تھا۔ ہر کوئی میرے ساتھ تصویر کھنچوانے کا خواہشمند تھا، اگرچہ شہرت میرے لیے نئی چیز نہیں تھی۔ میں جب اخبار کے لیے لکھتی تھی، تب بھی خاصی پاپولر تھی، لیکن الیکٹرونک میڈیا پر آنے کے بعد لوگوں کی طرف سے ملنے والا رسپانس حیران کن تھا۔ پہلے مجھے لگتا تھا ہماری عوام بالخصوص خواتین طبقہ صرف ڈرامے فلمیں دیکھنے کا شوقین ہے، نیوز چینل دیکھنے والا طبقہ بہت محدود ہوتا ہے، لیکن اب مجھے اپنے اندازے کی غلطی کا احساس ہو رہا تھا۔ لوگ نیوز چینل بھلے سے شوق سے نہ دیکھتے ہوں، مگر چینل سرچنگ کے دوران نظر آنے والے چہروں کو تو غور سے دیکھتے تھے اور اگر یہ چہرے حقیقی زندگی میں نظر آجائیں تو ان سے جان پہچان نکالنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ نکلنے دیتے تھے۔ خیر جو بھی تھا، مجھے بے تحاشا ملنے والی شہرت ہرگز بری نہ لگ رہی تھی، سچ کہتے ہیں شہرت کا بھی ایک نشہ ہوتا ہے، ثمو کی شادی میں بھی میں ہنستے مسکراتے لوگوں کو آٹوگراف دینے میں مصروف تھی، بارات آنے کے بعد بارات میں شامل لڑکیاں اور خواتین بھی مجھ سے ملنے میری ٹیبل پر آتی رہیں اور پھر کسی نے کھلکھلاتے ہوئے پوچھا تھا۔

"آپ کی بیسٹ فرینڈ تو آج پیا دیس سدھار رہی ہیں، آپ کے کیا ارادے ہیں، کب شادی کے لڈو کھلا رہی ہیں۔"

"ہنوز دلی دوراست۔" میں نے خوشدلی سے مسکراتے ہوئے جواب دیا تھا۔ سب ہی ہنس پڑے تھے۔ ذرا دیر بعد اسٹیج پر دولہا کی جوتا چھپائی وغیرہ جیسی رسموں نے لڑکیوں کی توجہ وہاں مبذول کروادی۔ میں بھی ذرا ریلیکس ہو کر بیٹھتے ہوئے دلہن بنی ثمرہ اور اس کے پہلو میں بیٹھے اس کے دولہا کا جائزہ لینے لگی۔ ثمرہ بھی بہت پیاری لگ رہی تھی اور دولہا بھی خاصا ہینڈسم تھا۔ میں دل ہی دل میں اس کی خوش گوار ازدواجی زندگی کے لیے دعا کر رہی تھی، جب میری ہی ٹیبل پر بیٹھی ایک آنٹی نے مجھے مخاطب کیا تھا۔

"لڑکیوں کا مناسب وقت پر اپنے گھر بار کا ہونا ہی اچھا لگتا ہے۔ بیٹا آپ بھی تو سوشل ایشوز پر پروگرام کرتی ہیں، کسی دن یہ موضوع بھی زیر بحث لائیں۔" میں نے ذرا چونک کر انہیں دیکھا۔

یہ خاتون بلاشبہ بہت دیر سے میری ٹیبل پر بیٹھی تھیں، لیکن ابھی تک انہوں نے کوئی بات نہ کی تھی، شاید معزز خاتون کا تعلق ثمرہ کی سسرال سے تھا۔ خاصی ڈیسنٹ اور گریس فل پرسنالٹی تھی، جب ثمرہ کی کزنز میرے گرد گھیرا ڈالے کھڑی ہنسی مذاق میں مصروف تھیں، تب یہ خاتون زیر لب مسکراتے ہوئے ہماری گفتگو سے محظوظ ہو رہی تھیں اور اب جب ٹیبل پر میرے اور ان کے سوا کوئی تیسرا نہ تھا، تب انہوں نے خاموشی توڑتے ہوئے مجھے مخاطب کیا۔

"میرا خیال ہے آنٹی کہ یہ چوائس لڑکی کی اپنی ہونی چاہیے کہ وہ خود کو کب یہ ذمہ داری اٹھانے کے قابل سمجھتی ہے۔" میں نے شائستگی سے جواب دیا تھا۔

"لڑکیاں بہت نادان ہوتی ہیں بیٹا، اگر کم پڑھی لکھی ہوں تب تو صحیح فیصلہ کرنے کی اہل ہوتی ہی نہیں، لیکن اگر میچور اور تعلیم یافتہ ہوں تب بھی درست وقت پر درست فیصلہ۔"

"یہ دو انٹیلکچوئلز آپس میں کیا گفتگو فرما رہے ہیں۔" میں بہت دلچسپی سے انہیں سن رہی تھی کہ ثمرہ کی خالہ مسکراتے ہوئے ہمارے قریب آئی تھیں۔

"ہم نے کیا گفتگو فرمانی ہمارے زمانے گزر گئے بھئی۔ وہ وقت اور تھا جب میرے لکھے الفاظ لوگوں کو بھلے لگتے تھے، اب بھول بھال گئے لوگ ہمیں۔" یہ خاتون مسکراتے ہوئے ثمرہ کی خالہ سے مخاطب تھیں۔ میں نے چونک کر انہیں دیکھا، وہ بھی فوراً ہی میری حیرانی بھانپ گئی تھیں۔

"دیکھ لو بھئی جب سحر جیسی باخبر شخصیت مجھے نہیں پہچان پائی تو تسلیم کر لینا چاہیے ناکہ ہماری شہرت خواب و خیال ہو گئی ہے۔ قصہ پارینہ یا پھر یوں کہنا چاہیے۔" وہ مسکراتے ہوئے جانے کیا کچھ بولے جا رہی تھیں، الفاظ سے چاہے خود ترسی چھلکتی تھی مگر شگفتہ لہجہ الفاظ کے برعکس تھا اور میں تو ان کے نقوش کھوجنے کی کوشش میں ہی ہلکان ہوئی جا رہی تھی۔ آخر کون تھیں وہ، ثمرہ کی خالہ نے ہی میری مشکل آسان کی۔

"تمہارا کوئی قصور نہیں سحر، ذکیہ آپا نے اول تو اپنی کتابوں پر اپنی تصویر چھپوائی نہیں جو ایک، دو کتابوں پر تصویر ہے وہ بھی اتنی پرانی کہ موجودہ آپا سے تو اس کا موازنہ کیا ہی نہیں جاسکتا۔ خود اپنا تعارف کروائی نہیں اور پھر شکوہ کرتی ہیں کہ کسی نے پہچانا نہیں۔" عائشہ خالہ نے بے تکلفی سے انہیں قصوروار ٹھہرادیا تھا۔ میری حیرت کی جگہ اب بے یقینی نے لے لی تھی۔

"ذکیہ عباسی۔" میرے لب ہلے۔

"سو فیصد ذکیہ عباسی۔" عائشہ خالہ نے مسکراتے ہوئے بہت اپنائیت سے انہیں شانوں سے تھاما تھا۔

"آئی ایم رئیلی ویری سوری، میں آپ کو پہچان نہیں پائی۔" میرا شرمندگی سے برا حال ہو رہا تھا۔ ملک کی خواتین ناول نگاروں میں ایک معتبر نام ادب کی دنیا کا درخشندہ ستارہ اور میں انہیں پہچان ہی نہ پائی۔

"شرمندہ ہونے کی قطعاً ضرورت نہیں بیٹا، عائشہ نے بالکل درست کہا، میری شناخت کا حوالہ میرے لکھے لفظ ہیں، میرا چہرہ اکثر لوگوں کے لیے اجنبی ہی ہے، ظاہر ہے جب میرا عروج کا زمانہ تھا اس وقت پرنٹ میڈیا کا جادو لوگوں کے سر چڑھ کر بولتا تھا، الیکٹرونک میڈیا تو بہت بعد میں آیا، اب تو چینلز کی ایسی رنگا رنگی ہے کہ ادب سے وابستہ شخصیات کو بھی کسی نہ کسی چینل پر چہرہ دکھانے کا موقع مل جاتا ہے۔ ٹی وی کی وجہ سے ہمارے ادب میں بھی تھوڑا بہت گلیمر آگیا ہے۔" وہ رسانیت سے مجھ سے مخاطب تھیں۔

"جی اور آپ کو کسی قسم کے گلیمر سے دور کا بھی واسطہ نہیں، آج بھی کسی اخبار، رسالے میں آپ کی کسی تصنیف کو یاد کیا جاتا ہے تو ساتھ آپ کی انیس سو ساٹھ کی دہائی والی وہی بلیک اینڈ وائٹ تصویر چھاپی جاتی ہے جو حد سے زیادہ دھندلی ہے۔" عائشہ خالہ نے خفگی سے انہیں مخاطب کیا تھا۔ وہ جواباً کچھ نہ بولیں، بس مسکرا کر رہ گئیں، جبکہ مجھے اب بھی شرمندگی محسوس ہو رہی تھی، ذرا دیر پہلے لڑکیاں کیسے میرے گرد جمگھٹا لگائے مجھ سے آٹوگراف لینے میں مصروف تھیں۔ کوئی ایک بھی ذکیہ عباسی کو نہ پہچان پائی تھی، بلکہ شاید ان میں اکثریت ایسوں کی تھی جو ذکیہ عباسی کے نام تک سے ناواقف ہوں گی، ملک میں کتابیں پڑھنے والا طبقہ کتنا محدود ہے، مجھے بخوبی علم تھا اور نوجوان نسل کو تو کتب بینی کا بالکل بھی شوق نہ تھا۔ لڑکیاں شعروشاعری میں پھر بھی دلچسپی لے لیتی ہیں لیکن ادب کی دیگر اصناف میں ان کی دلچسپی نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے۔ خیر ہمارا گھرانہ خاصا علمی اور ادبی تھا۔ امی، ابا دونوں ہی پڑھنے لکھنے کے بہت شوقین تھے۔ ابا کے کمرے پر تو لائبریری کا گمان ہوتا تھا۔ ہم دونوں بہنوں کو بھی پڑھنے کی لت اپنے والدین سے ہی ملی تھی۔ ابا تو ملکی ادب کے ساتھ غیر ملکی ادب بھی بہت شوق سے پڑھتے تھے۔ امی کو ناول وغیرہ پڑھنے کا چسکہ تھا اور ذکیہ عباسی تو ان کی فیورٹ رائٹر تھیں اور اپنی شرمندگی زائل کرنے کے لیے میں نے یہ بات ذکیہ صاحبہ کو بتائی تھی۔

"میری امی آپ کی بہت بڑی فین ہیں۔ کتابی صورت میں آپ کے جتنے بھی ناولز چھپ چکے ہیں وہ سب ہمارے گھر موجود ہیں۔ اب تو خیر آپ نے بہت عرصے سے لکھنا چھوڑ رکھا ہے، کیونکہ آپ کی کوئی نئی

تصنیف عرصہ دراز ہوا نظر سے نہیں گزری۔"

"بس بیٹا جتنا لکھنا تھا لکھ لیا' اب نئے آنے والوں کے لیے میدان چھوڑ دیا ہے۔"

وہ میری بات پر مسکراتے ہوئے بولی تھیں۔

"آج کل آپا اپنے بھانجے' بھتیجوں کے رشتے کروا رہی ہیں' تمہیں پتا ہے آصف' آپا کا بھتیجا ہے۔" عائشہ خالہ نے انکشاف کیا تھا۔

"آصف بھائی یعنی ثمرو کے ہسبینڈ۔" مجھے بھی تعجب ہوا تھا اس ثمرو کی بچی پر غصہ بھی آیا مجھے بتا نہیں سکتی تھی کہ اس کی سسرال میں ادب کی کیسی قد آور شخصیت موجود ہے۔

"میرا بتا دیا اور یہ نہیں بتایا کہ یہ رشتہ تمہاری وجہ سے بھی انجام پایا ہے۔" انہوں نے عائشہ خالہ کو بھی کریڈٹ دیا تھا۔

"ہاں بھئی اس رشتے کی بیل ہم دونوں کی وجہ سے منڈھے چڑھی ہے' اب اللہ سے یہ ہی دعا ہے کہ دونوں بچے خوش و خرم رہیں اور ہمیں دعائیں دیں۔" عائشہ خالہ نے اسٹیج پر بیٹھے دولہا' دلہن کو محبت پاش نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ اسی لمحے ثمرو کی چھوٹی بہن مجھے بلانے آگئی۔ اسٹیج پر فوٹو سیشن جاری تھا اور وہ چاہتی تھی کہ میں بھی ثمرو کے ساتھ جاکر تصویریں کھنچوالوں' میں دونوں خواتین کو باتوں میں مگن چھوڑ کر اسٹیج کی طرف بڑھ گئی' فوٹو سیشن کے بعد میں نے دولہا' دلہن سے اجازت چاہی تھی۔

"اگر آج تم نہ آتیں تو یقین کرو میں تم سے کبھی بات نہ کرتی۔" ثمرو نے مجھے مسکرا کر جتایا تھا۔

"معلوم ہے مجھے۔" مجھے ہنسی آگئی تھی۔

"آپ ریسپشن پر بھی ضرور آئیے گا۔" آصف بھائی نے دعوت دی تھی۔

"کوشش کروں گی' وعدہ نہیں' آج ریکارڈنگ کا آف تھا' اس لیے آنے میں سہولت ہوگئی' ورنہ لیٹ نائٹ فارغ ہوتی ہوں' اسی لیے باوجود خواہش کے اپنی سہیلی کے مایوں اور مہندی میں بھی شریک نہیں ہو پائی ہوں۔" میں نے رسانیت سے جواب دیا تھا۔ آصف بھائی نے خوشدلی سے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔

اس دن تو ثمرو سے ذکیہ عباسی کی بابت پوچھنے کا موقع نہ ملا۔ ڈرائیور کے بار بار میسج آرہے تھے' وہ کب سے باہر میرا منتظر تھا۔ میں نے ذکیہ عباسی کی تلاش میں اِدھر اُدھر نگاہیں دوڑائیں کہ انہیں بھی جاتے سمے اللہ حافظ کہہ دوں' لیکن وہ اب ٹیبل پر موجود نہ تھیں' مہمانوں کے جمگھٹے میں انہیں ڈھونڈنا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا اوپر سے نادر نے اب مس کال دینا شروع کر دی تھیں۔ اس کی بھی نئی نئی شادی ہوئی تھی' اس لیے اسے جلد از جلد گھر جانے کی پڑی رہتی۔

ویسے تو چینل انتظامیہ نے مجھے پک اینڈ ڈراپ کی سہولت دے رکھی تھی' سو روزانہ نادر صاحب کو بھی زحمت نہیں دینی پڑتی تھی۔ وہ ہمارا بہت پرانا اور بااعتبار ڈرائیور تھا۔ بے چارے کی شادی لیٹ ہوئی تھی' بس اسی لیے بیوی کے زیادہ ہی آگے پیچھے پھرتا تھا' ہم گھر والے اس کے پیچھے اس کا خوب مذاق اڑاتے' لیکن آج مجھے اس پر خوب غصہ آرہا تھا۔

"نادر بھائی آج آپ نے حد کر دی' میں اپنی دوست کی شادی اٹینڈ کرنے آئی تھی اور میں نے فنکشن ختم ہونے کے بعد ہی واپس آنا تھا' آپ نے میسج بھیج بھیج کر میرا ناک میں دم کر دیا۔" میں نے اپنے مزاج کے برعکس غصہ دکھایا۔

"چھوٹی بی بی آپ نے جو ٹائم دیا تھا میں تو اسی پر آپ کو واپس لینے آیا ہوں۔" اس نے مسکینی طاری کی۔

"ایسے فنکشنز میں دیر سویر تو ہو جاتی ہے' آپ کو سکون سے انتظار کرنا چاہیے تھا۔" میں نے لہجہ سخت ہی رکھا' واپسی کے وقت ذکیہ عباسی سے نہ ملنے کا مجھے خاصا قلق ہو رہا تھا۔ وہ کیا سوچتی ہوں گی کہ میں کتنی بدتہذیب ہوں' نئی نسل پر ویسے ہی فوراً" الزام دھر دیا جاتا ہے کہ وہ اپنے آگے کسی کو کچھ نہیں سمجھتی' جبکہ سچ تو یہ تھا کہ شہرت ملنے کے بعد میری شخصیت میں مزید انکساری آگئی تھی' یہی میرے والدین کی تربیت تھی' آج ذکیہ عباسی جیسی لیجنڈ شخصیت لوگوں کی توجہ سے محروم رہی اور میں' جس کو الیکٹرونک میڈیا میں قدم رکھے جمعہ جمعہ آٹھ دن نہیں ہوئے تھے' لوگوں کی طرف سے ملنے والی پذیرائی نے مجھے بجائے خوشی کے عجیب سے گلٹ میں مبتلا کر دیا تھا۔ جلوباتی لوگ تو ذکیہ صاحبہ کو پہچان ہی نہ پائے' مگر میں تو جانتی تھی کہ وہ کتنی بڑی قلم کار ہیں' مجھے انہیں مزید عزت اور تکریم دینی چاہیے تھی' لیکن جب وہ مجھ سے عائشہ خالہ سے محو گفتگو تھیں' میں ان سے معذرت کرتے ہوئے اسٹیج پر تصویریں اتروانے چلی گئی اور واپسی پر ملے بغیر گھر کی راہ لی۔

اور یہ میرے اندر کا گلٹ ہی تھا کہ میں نے ادب کے حوالے سے ایک پروگرام ترتیب دے کر ذکیہ عباسی کو مدعو کرنے کا فیصلہ کیا۔ ان کا ایڈریس جاننے کے لیے ثمرو کو فون کرنا پڑا۔ وہ دو دن پہلے اپنا ہنی مون منا کر شمالی علاقہ جات سے واپس لوٹی تھی' اس کے پاس سنانے کے لیے بہت سے قصے تھے۔ میں مروت میں دس' پندرہ منٹ تک اس کا آصف نامہ سنتی رہی' پھر تنگ آکر میں نے اسے ٹوک ہی دیا۔ "آصف بھائی بلاشبہ دنیا کے سب سے زیادہ محبت کرنے والے اور خیال رکھنے والے شوہر ہوں گے' لیکن میں ان کی تعریفیں پھر کبھی سن لوں گی' فی الحال مجھے تم سے ذکیہ عباسی کے متعلق دریافت کرنا ہے۔"

"ذکیہ آنٹی کے بارے میں۔" ثمرو نے اچنبھے سے پوچھا۔

"ذکیہ عباسی صاحبہ کے بارے میں' ڈفر تو نے مجھے آج تک بتایا ہی نہیں کہ تیری پھوپھی ساس کتنی بڑی ادیبہ ہیں۔" میں نے ثمرو کو آڑے ہاتھوں لیا۔

"ہاں آصف بتاتے تو ہیں کہ ذکیہ آنٹی مشہور و معروف مصنفہ ہیں اور ماضی میں انہوں نے خواتین کے بہت ہٹ ناول لکھے ہیں۔" ثمرو نے کہا۔

"آصف بھائی نے بتایا تو تجھے پتا چلا' ویسے کیا تو نے کبھی ذکیہ عباسی کا نام تک نہیں سنا تھا۔" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"آپ جتنی حیرت کا مظاہرہ کر رہی ہیں نا سحر صاحبہ' یہ حیرت مجھے بہت حیرانی میں مبتلا کر رہی ہے۔ علم و ادب سے مجھے کتنا شغف ہے' یہ تو آپ کو بخوبی علم ہے۔ اردو کے پیریڈ میں مس ہاشمی مجھے بلاناغہ کھڑا کرتی تھیں' بھول گئیں کیا۔" ثمرو طنزاً" دریافت کر رہی تھی' میری ہنسی چھوٹ گئی۔

"غلطی کی معافی چاہتی ہوں' آپ بس مجھے ذکیہ عباسی کا ایڈریس سمجھا دیں۔ میں ان سے ملنا چاہتی ہوں اور انہیں اپنے ایک پروگرام میں مدعو کرنا چاہتی ہوں۔"

ہاں' ہاں میں ایڈریس سمجھا دیتی ہوں' ویسے بہت نائس خاتون ہیں ذکیہ آنٹی' عائشہ خالہ کے پڑوس میں ہی رہتی ہیں' ان فیکٹ میری اور آصف کی شادی بھی عائشہ خالہ اور ذکیہ آنٹی کی وجہ سے انجام پائی ہے' عائشہ خالہ اور ذکیہ آنٹی ایک ہی کالونی میں رہتے ہیں' ایک دن اتفاق سے۔۔۔"

"ثمرو خدا کے فضل و کرم سے تیری شادی بخیر و خوبی انجام پا چکی ہے' کیوں اور کیسے' یہ جاننے کے لیے میرے پاس ذرا سا بھی وقت نہیں' براہ مہربانی مجھے ذکیہ صاحبہ کا ایڈریس دے دے۔" ثمرو میری اتنی اچھی دوست تھی کہ میں اس سے کسی بھی قسم کی بے مروتی برت سکتی تھی' اس نے مصنوعی خفگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مجھے ایک' دو صلواتیں سنائیں اور پھر ان کا ایڈریس سمجھا دیا تھا۔

"ٹھیک ہے' مجھے سمجھ آگیا' لیکن ان کے ہسبینڈ کا بھی نام بتا دو' اگر گھر ڈھونڈنے میں کوئی مشکل ہوئی تو قرب و جوار میں ان کے شوہر کا نام بتا کر گھر آسانی سے مل جائے گا' کیونکہ ہمارے لوگ ابھی اتنے ادب شناس نہیں ہیں کہ کسی خاتون رائٹر کا نام لینے پر ان کے گھر کا پتا سمجھا دیں۔" میں نے کہا۔

"اچھا اب تم بھی ادب شناسی پر زیادہ اتراؤ مت۔ ذکیہ عباسی کو اتنا پڑھ رکھا ہے اور یہ تک جانتی نہیں کہ وہ ہنوز غیر شادی شدہ ہیں۔" ثمرو نے طنز کیا اور اس بار

میں واقعی حیران رہ گئی تھی' ان کی اس دن کی بات یاد آئی' جب وہ مجھے تجویز دے رہی تھیں کہ ایسا پروگرام ترتیب دوں' جس میں لوگوں کو بتایا جائے کہ لڑکیوں کو مناسب عمر میں گھر بار کا کر دینا چاہیے۔

"کیا ہوا شرمندگی کے مارے چپ لگ گئی۔" ثمرہ نے میری خاموشی کی ہنسی اڑائی۔

"نہیں تمہاری ذکیہ آنٹی ماضی کی مشہور ترین مصنفہ ہونے کے باوجود انٹرویو وغیرہ سے کنی کتراتی ہوں گی' ورنہ تم تو جانتی ہو کہ ہمارے گھر میں پرانے اخبار و جرائد کا ایسا وسیع ذخیرہ موجود ہے کہ لائبریری کا گمان ہوتا ہے اور یہ سب اخبار' رسالے میری نظروں سے گزرے ہوئے ہیں' اسی لیے تو لوگوں کو میری معلومات پر رشک آتا ہے کہ میں اس زمانے کے واقعات و حالات بھی سنا ڈالتی ہوں جب میں پیدا ابھی نہیں ہوئی تھی' بے شک آج کل نیٹ پر سب کچھ مل جاتا ہے' لیکن علم و ادب کا جیسا خزانہ میرے ابا نے اکٹھا کر رکھا ہے' وہ بہت نادر اور نایاب ہے۔"

"سحر آپ کے پاس وقت غالباً" کم ہے' اس لیے کم ٹو وا یو انٹ۔" ثمرہ نے پھر طنز کیا تھا' مجھے ہنسی آگئی۔

"نہیں بس یہ کہنا چاہ رہی ہوں کہ ذکیہ صاحبہ کا کوئی انٹرویو میری نظر سے کبھی نہیں گزرا۔"

"پھر تو مشکل ہے کہ وہ ٹی وی پر آنے میں راضی ہو جائیں گی' بہرحال کوشش کر کے دیکھ لو۔" ثمرہ نے کہا۔

"ہاں دیکھتے ہیں۔" میں نے ہنکارہ بھرتے ہوئے کہا تھا۔ ویسے تو میرے پروگرامز میں گیسٹ کا انتخاب بے شک میں خود کرتی تھی' لیکن لوگوں سے رابطہ کر کے انہیں انوائیٹ کرنا میرے پروڈیوسر کی ذمہ داری تھی' جانے ذکیہ عباسی میں مجھے خود بخود اتنی دلچسپی کیوں پیدا ہو گئی تھی کہ میں انہیں خود مدعو کرنے جا رہی تھی' وہ بلاشبہ ایک لیونگ لیجنڈ تھیں' جنہیں لوگوں نے فراموش کر رکھا تھا اور میں انہیں ٹی وی اسکرین پر لا کر ان کے قارئین اور اپنے ناظرین کی یادداشت پر دستک دینا چاہتی تھی اور یہ ہی بات میں نے ذکیہ عباسی کے پاس پہنچ کر ان سے کی تھی' وہ مجھ سے بہت محبت' اپنائیت اور شفقت سے پیش آئیں' مگر میری بات سن کر ہنس پڑیں۔

"ارے چھوڑو بیٹا' میں کوئی اکیلی تو نہیں ہوں تم جس فیلڈ کو دیکھ لو کوئی ایکٹر ہو کھلاڑی ہو ادیب' قلم کار ہو جب تک وہ اپنا ہنر اور فن لوگوں کے سامنے لاتا رہتا ہے' لوگ اسے جانتے پہچانتے ہیں' ہر شخص چاہے گورنمنٹ سرونٹ نہ ہو' پھر بھی اپنے کام سے کبھی نہ کبھی تو ریٹائرمنٹ لے ہی لیتا ہے نا۔ اس کی جگہ لینے کو بہت سے نئے چہرے سامنے آ جاتے ہیں' جن کے پاس کچھ کر گزرنے کا اپنے آپ کو منوانے کا جوش و جذبہ اس قدر ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو منوا بھی لیتے ہیں' پرانی نسل کے لوگوں کو خود بخود ہی پیچھے ہٹنا پڑتا ہے' نئے آنے والوں کو جگہ دینا پڑتی ہے' ایک بار لوگوں نے ہمیں بھلا دیا' دوبارہ یاد کروانے سے کیا حاصل ہوگا۔" وہ اپنے مخصوص دھیمے لہجے میں مخاطب تھیں۔

"میں آپ سے اختلاف کرتی ہوں ذکیہ آنٹی' کھلاڑی ریٹائر ہو سکتا ہے' ایکٹر بوڑھا ہو کر اسکرین چھوڑ سکتا ہے' لیکن ادیب تو سدا جوان رہتا ہے' آخر آپ نے قلم سے ناتا کیوں توڑ لیا۔ میری معلومات کے مطابق آپ کا آخری ناول دس برس پہلے چھپا تھا اور دس سال سے آپ خاموش ہیں' آخر کیوں' کیا آپ کا قلم آپ کو کچھ لکھنے پر نہیں اکساتا۔ میں آپ کو کتنے ادیبوں کی مثال دوں جو آخری دم تک لکھتے رہے' انہوں نے اپنے قارئین سے ناتا نہیں توڑا۔" میں نے شائستگی سے اختلاف رائے ظاہر کیا۔

"ہاں میں مانتی ہوں ایسے بہت سے ہیں' لیکن زندگی کا رابطہ ٹوٹنے کے ساتھ قارئین سے رابطہ بھی تو ٹوٹ گیا نا۔"

"ادیب بے شک مر جائے' لیکن اس کا تخلیق کیا ہوا ادب تو زندہ رہتا ہے نا۔" میں نے رسانیت سے کہا۔

"نہیں بیٹا ہمارے معاشرے میں ادب اور ادیب دونوں بھولی بسری یاد بن جاتے ہیں' سینکڑوں میں سے کوئی ایک خوش قسمت ایسا ہوتا ہے یا جس کی تخلیق اتنی زور آور ہوتی ہے' جو ہمیشہ یاد رہتی ہے' بار بار دہرائی جاتی ہے' ورنہ ہم جیسے تو تاریخ پر کام کرنے والوں کے تحقیقی مقالوں میں ہی کام آتے ہیں۔" انہوں نے تلخ سچائی بیان کی' میں چند لمحوں کے لیے چپ ہو گئی۔

"آپ یہاں اکیلی رہتی ہیں۔" چند لمحوں بعد میں نے جیسے گفتگو کا موضوع بدلا۔

"ہاں اب تم نے بالکل درست سوال کیا۔ میں چاہتی تھی کہ تم مجھ سے یہ سوال ضرور پوچھو۔" انہوں نے کہا' میں اس بات پر حیرت سے انہیں دیکھے گئی۔

"یہ جو ابھی چائے اور سینڈوچ ـــ لے کر آئی تھی' یہ میری برسوں پرانی ملازمہ ہے۔ بہت بااعتبار اور بھروسے والی عورت ہے۔ بیوہ ہے بے چاری' اس کا اور میرا چوبیس گھنٹے کا ساتھ ہے' اس کے علاوہ جز وقتی خانساماں ہے' مالی ہے' چوکیدار ہے' ڈرائیور کی خاص ضرورت...."

"میرا مطلب ہے آپ کی فیملی۔" میں نے ان کی بات کاٹی۔

"شادی کی نہیں تو فیملی کہاں سے بنتی۔" وہ میرے سوال پر مسکرائی تھیں۔

"آپ کے بھائی بھی تو اسی شہر میں رہتے ہیں' آصف بھائی کے والد۔" میں نے ثمرہ کے سسرال والوں کی بات دریافت کیا تھا۔

"ہاں میں وہاں بھی جاتی رہتی ہوں' وہ لوگ تو بہت اصرار کرتے ہیں کہ میں مستقل ان ہی کے ساتھ رہائش رکھوں' لیکن ماں' باپ کے گھر کی بات اور ہوتی ہے۔ بھائی' بھابھی بے شک جتنے مرضی اچھے ہوں' لیکن ان کے ہاں اپنا آپ مہمان لگتا ہے اور کسی کے ہاں مستقل مہمانوں والی فیلنگز کے ساتھ پڑاؤ کیا جائے تو یہ بہت عجیب تجربہ ہوتا ہے' شاید کسی حد تک تکلیف دہ بھی۔ یہاں بے شک میں اکیلی رہتی ہوں' یہ ماننے میں مجھے کوئی تامل نہیں کہ تنہائی کی اذیت بھی کبھی کبھار ناقابل برداشت ہونے لگتی ہے' لیکن میرا وقار اور بھرم تو قائم ہے نا۔ پھر کوئی بھولا بھٹکا قدر دان بھی ڈھونڈتا ڈھونڈتا یہاں پہنچ ہی جاتا ہے' تم اگر سنڈے کی شام کو آتیں تو یہاں کی رونق دیکھتیں' بہت اچھی بزم سجتی ہے۔"

"چلیں میں کبھی سنڈے کو بھی چکر لگاؤں گی' لیکن آپ بتائیں کہ آپ میرے پروگرام میں کب آ رہی ہیں۔"

"دیکھو ناراض مت ہونا' لیکن میں تمہارے پروگرام میں شرکت کا وعدہ نہیں کر سکتی' بلکہ میری طرف سے معذرت ہی قبول کر لو' میں اپنے عروج کے زمانے میں بھی انٹرویو دینے سے کتراتی تھی' بلکہ لوگ مغرور ہونے کا طعنہ بھی مار دیتے تھے' لیکن مجھے اپنی ذاتی زندگی پبلک کے سامنے ڈسکس کرنا اچھا نہیں لگتا۔"

"لیکن لوگوں کی تو خواہش ہوتی ہے کہ وہ مشہور لوگوں کی ذاتی زندگی کے متعلق جان پائیں۔" میں اپنی بات پر مصر تھی۔

"ارے بیٹا ہماری ذاتی زندگی میں رکھا ہی کیا ہے جو کسی کو بتائیں۔"

"ادب کے میدان میں آپ کی کامیابیاں...."

"ادب کے میدان میں میری کامیابیاں ۔۔ری ذاتی زندگی کی ناکامی پر پردہ نہیں ڈال سکتیں۔" انہوں نے یکلخت میری بات کاٹی تھی' مجھے ایک لمحے کو سمجھ نہ آیا کہ آگے کیا بولوں۔

"شگفتہ زاہد کو جانتی ہو۔" انہوں نے اچانک ہی سوال داغا' میں نے حیران ہوتے ہوئے نفی میں گردن ہلا دی۔

"میری کالج فیلو تھی' بہت ہمہ جہت شخصیت تھی اس کی' بلکہ سچ کہوں تو کالج کے زمانے میں شگفتہ کے مقابل میری دال ہی نہیں گلتی تھی' وہ ہمارے کالج میگزین کی ایڈیٹر تھی' غضب کی شاعرہ تھی' بعض اوقات تو انتہائی خوب صورت شعر اس کی زبان سے فی البدیہہ نکلتا۔ کالج کے مشاعرے لوٹ لیتی تھی وہ' لیکن مزے کی بات یہ تھی کہ وہ جتنی اچھی شاعرہ تھی

اس سے کہیں بڑی نثر نگار تھی۔" ذکیہ عباسی بول رہی تھیں اور میں حیرت سے انہیں دیکھے جارہی تھی' آخر وہ کسی شگفتہ زاہد کی اچیومنٹ کے بارے میں مجھے کیوں بتارہی تھیں' لیکن پھر بھی میں انہیں درمیان میں ٹوکے بنا ان کی بات سنتی گئی۔

"علامتی کہانی لکھنا آسان کام نہیں' لیکن شگفتہ کے لیے یہ بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ اس نے گل صنوبر کے قلمی نام سے اس وقت کے مشہور ترین ادبی پرچے میں افسانہ بھیج کر اپنے باقاعدہ قلمی سفر کا آغاز کیا۔ اس افسانے کو بے حد پذیرائی نصیب ہوئی۔ رسالے کے ایڈیٹر جو خود بہت مشہور افسانہ نگار تھے۔ انہوں نے تعریفی خط لکھ کر اس کی بے حد حوصلہ افزائی کی۔ لکھنے کے جراثیم تو مجھ میں بھی موجود تھے۔ شگفتہ جیسی دوست کی صحبت میں جو چار سال میں نے کالج میں گزارے' میرا ادبی ذوق بھی نکھرتا چلا گیا۔ اسی کی دیکھا دیکھی میں نے بھی قلم تھاما اور لفظ بننے شروع کردیے۔ اللہ کی خاص کرم نوازی شامل رہی کہ میرا لکھا خواص کے ساتھ عوام میں بھی مقبول ہوا' حالانکہ میں نے خواتین کے رومانوی ناول بہت کم تحریر کیے' اس دور کے ٹرینڈ سے ہٹ کر اچھوتے موضوعات کو احاطہ تحریر میں لائی' رسک تھا' مگر کامیابی ملی۔" ذکیہ عباسی بول رہی تھیں' ان کی گفتگو میں ربط کی کمی تھی' کچھ دیر تو میں خاموشی سے انہیں سنتی رہی' آخر پوچھ ہی بیٹھی۔

"آپ نے شگفتہ زاہد کا قصہ ادھورا چھوڑ دیا' ان کا کیا بنا۔"

"اس کا کیا بنتا تھا' دلہن بن کر پیا دیس سدھار گئی۔" ذکیہ عباسی نے مسکرا کر بتایا تھا۔

"وہ اور ان کا قلمی سفر۔۔۔ وہ وہیں رک گیا۔" میں نے دکھ کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں شادی کے بعد اسے لکھنے کی فرصت ہی نہ مل پائی۔ بھرے پرے سسرال میں بیاہی تھی وہ' پھر اوپر تلے کے چار بچے' اس بے چاری کو اپنا ہوش نہیں ہوتا تھا۔ کاغذ قلم سے رشتہ کیسے برقرار رکھتی۔"

"یہ ہی تو المیہ ہے ذکیہ آنٹی ہمارے ہاں کی عورت اپنی تخلیقی صلاحیتیں استعمال کر ہی نہیں پاتی۔ اسے شادی کے بندھن میں باندھ کر اس کی خواہش' اس کے خواب' اس کی آرزوئیں کچھ کر دکھانے کا عزم' سب کچھ اس سے چھین لیا جاتا ہے۔" مجھے واقعی یہ جان کر افسوس ہوا تھا کہ ایک اعلا پائے کی مصنفہ گھرداری کی جھنجھٹ میں الجھ کر قرطاس و قلم سے رشتہ توڑنے پر مجبور ہوگئی تھی' جس کی تعریف ذکیہ عباسی جیسی منجھی ہوئی مصنفہ کررہی تھیں' وہ یقیناً" اچھی قلم کار ہوں گی' شگفتہ زاہد سے کوئی شناسائی نہ ہونے کے باوجود مجھے ان کے بارے میں جان کر افسوس ہوا تھا اور اسی دکھ اور افسوس کا اظہار میں نے ذکیہ عباسی سے بھی کردیا۔

"ہاں بیٹا ان دنوں میں بھی شگفتہ کے لیے بہت کڑھتی تھی' ہم دونوں میں پروفیشنل جیلسی جیسی کوئی چیز موجود نہ تھی' ہم دونوں ایک دوسرے کے دوست تھے' پیار کرتے تھے ایک دوسرے کو' ایک کی کامیابیاں دوسرے کو مسرور کردیتی تھیں' پتا نہیں وہ دور اچھا تھا یا ہم دونوں کی دوستی کی بنیاد ہی خلوص پر رکھی گئی تھی' بہرحال میں شگفتہ کے پاس جاتی' اسے اکساتی کہ وہ اپنا قلمی سفر جاری رکھے' لیکن وہ روہانسی ہوکر اپنی گھریلو مصروفیات کی تفصیل سنانے لگتی۔ شروع شروع میں تو بے چاری نے پھر بھی کچھ لکھنے کی کوشش کی' لیکن پھر اس نے حالات سے سمجھوتہ کرلیا۔ جوائنٹ فیملی سسٹم کی ذمہ داریاں بھگتاتے بھگتاتے اس کے اندر کی قلم کار مرگئی۔ ان دنوں میرے قلم سے شاہکار ناول تخلیق ہورہے تھے۔ وہ میرے عروج کا زمانہ تھا۔" ذکیہ عباسی کی آنکھوں میں بیتے دن یاد کرکے چمک آگئی تھی۔

"اگر مائنڈ نہ کریں تو پوچھ سکتی ہوں کہ آپ کی شادی نہ کرنے کی وجہ کیا ہے۔" میں نے جھجکتے ہوئے پوچھا تھا۔

"وجہ اب تک نہیں جانیں تم۔" وہ مسکرائیں۔

"آپ نے اپنے شوق' اپنے قلمی سفر کو جاری رکھنے کے لیے شادی کی' صورت میں کوئی کمپرومائز اپنے آپ پر مسلط نہیں کیا۔" میں نے اندازہ لگایا۔

"ہاں یہی بات ہے۔" ذکیہ عباسی نے گہری سانس اندر کھینچی۔

"میں ان دنوں شہرت کی بلندیوں پر تھی اور شادی کا مطلب تھا کہ ان بلندیوں سے یکلخت نیچے اتر آؤں' شگفتہ کا حال میرے سامنے تھا۔ میں اس کی مثال دہرانا نہیں چاہتی تھی' حالانکہ شادی کے لیے میرے گھر والوں کا مجھ پر بہت دباؤ تھا' لیکن میں انہیں ٹالتی رہی' بہت لوگ میرے ساتھ کے خواہش مند تھے' میں نے کبھی کسی کی حوصلہ افزائی نہ کی۔ ایسا نہیں تھا کہ میں سرے سے شادی کرنا ہی نہیں چاہتی' بس مجھے شادی کی کوئی جلدی نہ تھی۔ میرے ترجیحات کی فہرست میں شادی کا نمبر آخری تھا' لیکن زندگی ہمیشہ آپ کی ترجیحات کے مطابق تو نہیں گزرتی نا' شباب ڈھلا تو بیتے وقت کی قدر و قیمت کا احساس ہوا' گھر بسانے کی فطری آرزو جب جاگی اس وقت طلب گار مایوس ہوکر اپنا گھر بسا چکے تھے' چاہنے والے ماں' باپ دنیا سے منہ موڑ گئے تو بے سائبانی کا احساس قوی سے قوی تر ہوتا گیا' حالانکہ معاشی طور پر کوئی مسئلہ نہ تھا۔

میرا شمار ان رائٹرز میں ہوتا تھا جنہیں اپنی تحریروں کا منہ مانگا معاوضہ ملتا تھا' لیکن پیسہ اور شہرت بھی وقت گزرنے کے ساتھ کشش کھو بیٹھتے ہیں۔ شاید انسان ناشکرا ہوتا ہے' جو نعمت پاس ہوتی ہے اس کی قدر نہیں رہتی' میں بھی خود کو یہی سمجھاتی تھی' پھر ایک دن شگفتہ مجھ سے ملنے آئی' حسب معمول اس کے بچے بھی اس کے ہمراہ تھے۔ میں نے اس کے چہرے پر بھی وہی بے اطمینانی کھوجنے کی کوشش کی' جو شادی کے اولین دنوں میں قلم سے رشتہ توڑنے کے باعث اس کے چہرے پر چھائی رہتی تھی' مگر مجھے اس کے چہرے پر ممتا کے رنگ کے علاوہ کوئی دوسرا رنگ دیکھنے کو نہ ملا آخر میں نے اس سے پوچھ ہی ڈالا' کیا اسے اس بات کا افسوس نہیں کہ شادی کی وجہ سے اس کا قلمی سفر اچانک اختتام پذیر ہوگیا' وہ دیر تک ہنسی' پھر بولی' شادی کے بعد میں نے جو جیتی جاگتی تصانیف تخلیق کی ہیں' وہ مجھے اتنی عزیز ہیں کہ میں سوچ بھی نہیں سکتی کہ میری شادی نہ ہوتی ہوتی اور میں مشہور و معروف مصنفہ ہوتی' میں اپنی موجودہ زندگی سے بہت مطمئن اور خوش ہوں۔

شگفتہ کے جواب سے میری بے اطمینانی میں اضافہ ہوگیا' وہ دن اور آج کا دن میں اپنی زندگی کے سود و زیاں کا حساب لگاتی رہتی ہوں اور ایک غلط فیصلے کے باعث زندگی کے گوشوارے میں خسارہ ہی خسارہ ہے۔ جس شہرت کے پیچھے میں نے کسی کا ہاتھ تھامنے سے انکار کردیا تھا' وقت گزرنے کے ساتھ وہ شہرت بھی ہاتھ چھڑوا کر دور جا کھڑی ہوئی۔ تیز رفتار زمانے کا ساتھ دینے کو بہت سے نئے رائٹر منظر عام پر آگئے' وہ زمانے کے تقاضوں کے مطابق ادب میں بہت تبدیلیاں لے آئے۔ ہمارا روایتی ادب ان ماڈرن ادیبوں کے پیچھے چھپ کر رہ گیا' ظاہر ہے یہ فیصلہ قارئین کا ہوتا ہے کہ وہ کس کو پڑھنا چاہتے ہیں اور کس کو بھولنا' ہر عروج کا زوال ہوتا ہے' اس بات کی سمجھ صرف تب آتی ہے جب آپ بھرپور عروج دیکھ کر زوال کی طرف گامزن ہوں۔" ذکیہ عباسی تھکے تھکے لہجے میں بول رہی تھیں اور میں جو چپ چاپ انہیں سنے جارہی تھی' اس بار انہیں ٹوکے بنا نہ رہ پائی۔

"آپ کو پڑھنے والا بہت بڑا طبقہ اب بھی موجود ہے ذکیہ آنٹی' وہ لوگ جو آپ کو چاہتے ہیں' آپ کی خود ساختہ گوشہ نشینی کی وجہ سے وقتی طور پر آپ کو بھول چکے ہیں' لیکن آپ کچھ اور تحریر کریں' مجھے یقین ہے کہ آپ کے قلم کی طاقت آپ کے قارئین کو پھر آپ کی طرف کھینچ لائے گی' عرصہ دراز سے آپ نے کچھ لکھا بھی تو نہیں۔" میں نے انہیں خود ترسی کی کیفیت سے نکالا' وہ میری بات پر کچھ نہ بولیں' بس اس انداز میں مسکرادیں جیسے کسی بچے کی بات پر ہنس پڑتے ہیں' میں خفیف سی ہوگئی۔

"تم میری بات چھوڑو اور اب اپنی بات کرو' کیا میری داستان سے تمہیں کچھ سبق ملا یا نہیں۔"

انہوں نے مجھے مخاطب کیا۔
"کیا مطلب۔" میں نے انہیں سوالیہ نگاہوں سے تکا۔
"شمو اور آصف کی شادی والے دن میں تم سے ملی تو میں نے تم سے ایک بات کی تھی، یاد ہے تمہیں۔"
"لڑکیوں کو مناسب وقت پر اپنے گھر بار کا ہو جانا چاہیے، یہی بات نا۔" میں نے کہا۔
"بالکل یہی بات، میں جب بھی کسی لڑکی کو اپنے کیریر کے پیچھے شادی جیسے فریضے کو نظر انداز کرتے دیکھتی ہوں تو اسے سمجھائے بغیر نہیں رہ پاتی اور تم تو مجھے شہریار کے حوالے سے ویسے ہی بہت عزیز ہو، میں تمہارا غلط فیصلے بدلنے کی ہر ممکن کوشش کروں گی، یہ میرا خود سے اور شہریار سے وعدہ ہے۔" وہ مسکرائی تھیں اور میں کتنی دیر تک حیرت سے آنکھیں پھاڑے انہیں چپ چاپ تکے گئی۔
"آپ شہریار کو جانتی ہیں؟" میرے منہ سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی۔
"شگفتہ زاہد کو جانتی ہو؟" انہوں نے جیسے میرے سوال کو نظر انداز کر دیا۔
"پہلے نہیں جانتی تھی، اب جان چکی ہوں۔" میں ان کے جوابی سوال پر ذرا سا الجھی تو تھی، مگر پھر بھی جواب دے دیا۔
"خیر تم اسے بہت پہلے سے جانتی ہو، چاہے سرسری سا ہی سہی، مگر وہ تمہارے لیے ہرگز کوئی اجنبی شخصیت نہیں اور جب تم شہریار کو جانتی ہو جس کا تمہارے لیے پروپوزل آیا ہوا ہے تو اس کی ماں سے کیسے ناواقف ہو سکتی ہو جو یہ پروپوزل تمہارے گھر لے کر آئی تھی۔"
"گل آنٹی۔" میں نے بے یقینی سے پوچھا۔
"ہاں شادی کے بعد وہ گل کے نام سے ہی پہچانی جاتی ہے، دراصل اس کا قلمی نام گل صنوبر اس کے میاں کے من کو ایسا بھایا تھا کہ اس نے شگفتہ کے بجائے اسے گل صنوبر کے نام سے ہی پکارنا شروع کر دیا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ وہ صرف گل بن کر رہ گئی۔ اس کا اصلی نام تو شاید اس کی تعلیمی اسناد پر ہی درج ہے، یا ہم جیسے پرانے دوست جو آج بھی اسے اس کے قلمی نام کے بجائے اصلی نام سے پکارنے کو ترجیح دیتے ہیں۔" ذکیہ آنٹی بتا رہی تھیں اور میں بس سر ہلا کر رہ گئی۔ یہ انکشاف حیرت انگیز تھا کہ وہ مجھے شہریار کے حوالے سے جانتی تھیں۔
"شگفتہ کے تینوں بیٹے ماں کے ساتھ میرے پاس آتے جاتے رہتے ہیں، سب ہی مجھے پیارے ہیں لیکن شہریار واقعی ہیرا بچہ ہے، شروع میں وہ اپنی ماں کے ساتھ ہی میرے پاس آتا تھا، ہم دونوں سہیلیاں گپیں لگاتیں اور وہ سکون سے بیٹھ کر ہماری باتیں ختم ہونے کا انتظار کرتا رہتا، لیکن پتا ہے اب کیا ہوتا ہے۔" انہوں نے پوچھا، میں نے نفی میں گردن ہلا دی۔
"اب میں اور شہریار دنیا بھر کے موضوعات پر سیر حاصل تبصرے کرتے ہیں اور شگفتہ سکون سے بیٹھ کر ہماری باتیں ختم ہونے کا انتظار کرتی ہے۔" انہوں نے لطف لیتے ہوئے بتایا تھا میرے ہونٹوں پر بھی مدھم مسکراہٹ بکھر گئی۔
"بلکہ اب تو اس کا آنا شگفتہ کے آنے کے ساتھ مشروط نہیں ہے ہر دوسرے تیسرے دن وہ مجھ سے ملنے چلا آتا ہے تم خود بتاؤ سحر ایسا شخص جو تنہائی کی ماری بڑھیا کا خیال کرتے ہوئے اپنے مصروف ترین وقت میں گھنٹہ، دو گھنٹہ نکال کر اس کے پاس آتا ہے، بنا کسی غرض اور صلے کے وہ کیسا شخص ہو سکتا ہے۔" ذکیہ آنٹی پوچھ رہی تھیں۔
"مجھے شہریار کی اچھائی پر کوئی شبہ نہیں ذکیہ آنٹی، آپ نے مجھے جو کچھ سمجھانے کی کوشش کی میں ان باتوں کو بھی غلط نہیں کہتی، لیکن آپ برا مت مانیے گا محض آپ کی باتیں سن کر میں اپنا وہ فیصلہ نہیں بدل سکتی، جس پر میں بہت غور و خوض کے بعد پہنچی تھی، پھر ہر کسی کی زندگی کی کہانی مختلف ہوتی ہے، ضروری نہیں ایک کا تجربہ دوسرے پر لاگو ہو جائے۔ شہریار آپ کی سہیلی کا بیٹا ہے، اس لیے آپ کو پیارا ہے، لیکن میں

اس سے شادی نہیں کر سکتی، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ میں اس فوری شادی پر راضی نہیں ہوں، کیونکہ اس کے گھر والے جلد شادی چاہتے ہیں۔"
میں نے اس بار لگی لپٹی رکھے بغیر انہیں دوٹوک جواب دیا تھا۔ اب مجھے ان کی اتنی دیر سے کی جانے والی باتوں کا مفہوم خوب سمجھ آگیا تھا۔ وہ شہریار کی وکیل تھیں، میں انہیں پہلے سے نہیں جانتی تھی، مگر یقیناً وہ مجھ سے بخوبی واقف تھیں۔ میرے دوٹوک انکار کو سن کر ان کا چہرہ بجھ گیا تھا۔
"شہریار تمہیں بہت پسند کرتا ہے بیٹا۔ تم اس کے ساتھ بہت خوش رہو گی، تمہارا کیریر بھی متاثر نہیں ہوگا اس بات کی گارنٹی میں تمہیں دیتی ہوں، شہریار بہت روشن خیال شخص ہے، اسے تمہارے کام پر کوئی اعتراض نہیں اور شگفتہ تو خود اس مرحلے سے گزری ہوئی ہے، شادی کی وجہ سے اسے اپنا قلمی سفر ختم کرنا پڑا تھا، وہ تمہارے ساتھ یہ زیادتی ہرگز نہیں ہونے دے گی۔ بیٹا شادی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان اپنی ساری دلچسپیوں اور مشاغل سے دستبردار ہو جائے، میں مانتی ہوں پہلے کا دور مختلف تھا، لیکن آج تو تم جس فیلڈ کی طرف نظر اٹھاؤ ایسی عورتیں نظر آئیں گی جو بیک وقت دو، دو ذمہ داریاں بہت خوش اسلوبی سے نبھا رہی ہیں، کیا تم اپنے اندر اتنا اسٹیمنا نہیں پاتیں۔" وہ پوچھ رہی تھیں اور اس بار میں واقعی تذبذب میں گھر گئی، ان کی باتیں بالکل غلط نہ تھیں، کچھ تو سچائی تھی ان میں۔
"آپ مجھے کب سے جانتی ہیں؟" میں نے گفتگو کا موضوع بدلنا چاہا۔
"پہلے تمہیں صرف نام سے جانتی تھی، کبھی کبھار تمہارے کالم نظر سے گزرتے تھے۔ پھر شہریار کے منہ سے تمہارا ذکر سنا تو مزید توجہ سے تمہیں پڑھنے لگی۔ لیکن جب تم ٹی وی پر آنے لگیں، پھر تو میں تمہارا ہر پروگرام بہت شوق سے دیکھتی تھی، بلکہ تمہارا پہلا پروگرام میں نے شہریار کے ساتھ ہی بیٹھ کر دیکھا تھا۔ تمہیں یقین نہیں آئے گا، لیکن اس روز وہ بہت ایکسائیٹڈ تھا۔"
"میرے ابا نے شہریار کے والدین کو انکار کہلوا دیا ہے، اب کچھ نہیں ہو سکتا ذکیہ آنٹی۔" میں نے انہیں باور کروانا چاہا۔
"نہیں تمہارے ابا نے ابھی قطعی انکار نہیں کیا، یہ ہی کہا ہے کہ سحر جلد شادی پر راضی نہیں ہو رہی اور وہ اسے سمجھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔" ذکیہ آنٹی نے میری غلط فہمی دور کی، اس بار میں واقعی ششدر رہ گئی۔ کتنے دن سے گھر میں میری شادی کا موضوع دوبارہ نہیں چھڑا تھا، ابا نے بھی میرا فیصلہ قبول کر لیا تھا، میں تو سمجھی تھی یہ باب بند ہو چکا ہے، لیکن ذکیہ آنٹی کی باتیں مجھے الجھا رہی تھیں، میں آج صرف انہیں اپنے پروگرام میں مدعو کرنے آئی تھی، کیا پتا تھا کہ وہ میری زندگی، اپنی ذات کے متعلق کیے گئے میرے فیصلوں پر اثر انداز ہونے کی کوشش کریں گی مجھے حیرت بھی ہو رہی تھی کہ آج تک گل آنٹی نے ہم لوگوں کو ذکیہ عباسی کے متعلق بتایا کیوں نہیں، ماضی کی اتنی مشہور ادیبہ، ان کی عزیز ترین سہیلی تھی، جس سے ان کا مستقل ملنا جلنا تھا اور انہوں نے کبھی ان کا ذکر تک نہیں کیا۔ گل آنٹی کے خاوند زاہد انکل، ابا کے بہترین دوستوں میں سے ایک تھے، خیر ابا کے بہترین دوستوں کی تو ایک طویل فہرست تھی۔ ان دوستوں کی آپس میں تو محفلیں جمتی رہتی تھیں، کبھی کبھار بیگمات کا بھی آپس میں ملنا جلنا ہو جاتا تھا، دوست یقیناً سب ہم مزاج تھے، لیکن ان کی بیویاں تو مختلف مزاج رکھتی تھیں، شاید اسی لیے آپس کی گفتگو رسمی موضوعات تک محدود رہتی تھی۔ میں نے اگلے ہی پل خود کو توجیہہ بھی دے ڈالی تھی کہ کیوں گل آنٹی کے منہ سے ذکیہ عباسی کا نام تک نہیں سنا۔
"میں چلتی ہوں ذکیہ آنٹی، بہت دیر ہو گئی ہے۔" گھڑی پر نگاہ ڈال کر مجھے وقت گزرنے کا احساس ہوا تو میں نے گفتگو کا سلسلہ ختم کرتے ہوئے ان سے جانے کی اجازت چاہی۔
"شہریار بس پہنچنے والا ہی ہو گا کیا تم ہم دونوں کے

ساتھ چائے کا ایک کپ مزید نہیں پیو گی۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے پوچھا تھا میں ایک بار پھر حیران پریشان رہ گئی تھی سمجھ نہیں آیا کہ ان کی اس بات کا کیا جواب دوں اور اسی لمحے ملازمہ نے شہریار صاحب کی آمد کی اطلاع دی تھی۔

"ہم ابھی تمہارا ہی ذکر کر رہے تھے۔" چند سیکنڈ بعد شہریار کمرے میں داخل ہو رہا تھا۔ ذکیہ آنٹی نے پرمسرت لہجے میں اسے اطلاع تھی۔ میں جز بز ہو کر رہ گئی۔ چاہتے ہوئے بھی تصحیح نہ کر پائی کہ ذکر صرف آپ کر رہی تھیں میں تو چپ چاپ سنے جا رہی تھی۔

"السلام علیکم۔" شہریار نے عین میرے سامنے نشست سنبھالتے ہوئے یقیناً" مجھے ہی سلام کیا تھا کیونکہ ذکیہ آنٹی کے سامنے سر جھکا کر وہ ان سے پیار لے چکا تھا۔ میں نے دھیمے سے لہجے میں سوال کا جواب دے دیا۔ شہریار سے یہ میرا پہلا آمنا سامنا نہیں تھا۔ ایک دو بار پہلے میں ابا کے کسی دوست کے ہاں اسے یقیناً" دیکھ چکی تھی شاید ہمارے درمیان رسمی سلام دعا بھی ہوئی ہو گی لیکن اس کا پرپوزل آنے کے بعد یہ میرا اس سے پہلا ٹاکرا تھا۔ میں جس کے اعتماد کی دھوم ایک زمانے میں تھی آج جانے کیوں مقابل کی چمک دار بھوری شرارتی سی آنکھوں سے پزل ہو رہی تھی حالانکہ اس نے سلام کے علاوہ ایک لفظ تک نہ بولا تھا صرف ذکیہ آنٹی بولے جا رہی تھیں۔

"تمہیں پتا ہے سحر میں تمہیں جانتی تو پہلے سے تھی لیکن آصف اور ثمرہ کی شادی والے روز جب تمہاری اور میری ملاقات ہوئی وہ بالکل اتفاقیہ تھی اور کیسا حسین اتفاق تھا کہ تم میری ہی ٹیبل پر آکر بیٹھیں لیکن افسوس اس دن مجھے تم سے زیادہ باتوں کا موقع نہ مل سکا میں نے سوچا چلو کوئی بات نہیں میں آصف کی دلہن سے تمہارا رابطہ نمبر لے لوں گی پھر آصف دلہن کو لے کر ہنی مون منانے چلا گیا۔ واپس آیا تو چند دن میری طبیعت ناساز رہی میں بس بستر سنبھالے ہی پڑی رہی اور دیکھو آج تم خود میرے پاس پہنچ گئیں۔"

"جی اپنے پروگرام میں آپ کو مدعو کرنے۔" میں نے جلدی سے کہا تھا۔ "کیا تم اپنے ہر گیسٹ کو انوائٹ کرنے خود جاتی ہو سحر۔" انہوں نے مسکرا کر پوچھا تو میں نے دھیرے سے نفی میں گردن ہلا دی۔

"اچھا تم اور شہریار بیٹھو میں تم دونوں کے لیے اپنے ہاتھ سے چائے بنا کر لاتی ہوں۔" انہوں نے میری کو قدرت کا حسین اتفاق ثابت کرنے کی کوشش نہ کی اور میرے روکنے کے باوجود مسکراتے ہوئے چائے بنانے چل پڑیں۔ کمرے میں چند لمحوں کے لیے بے نام سی خاموشی چھا گئی آخر شہریار نے ہی خاموشی توڑی۔

"آپ کا پرسوں کا پروگرام بہت شان دار رہا۔ انتہائی دلچسپ اور سبق آموز سوشل میڈیا پر بھی لوگوں نے بہت اچھا رسپانس دیا اس کے متعلق۔"

"جی۔" میں فقط یہ ہی کہہ سکی۔ ایک بار پھر خاموشی کا راج ہو گیا۔

"آپ ٹیلی ویژن پر تو بہت بولتی ہیں اور بہت اچھا بولتی ہیں لیکن آج تو آپ بہت کم گو سی شخصیت لگ رہی ہیں۔" اس نے جیسے میری خاموشی سے لطف اٹھایا۔ میں خود دل ہی دل میں جھنجلا رہی تھی۔ مردوں سے آمنا سامنا میرے لیے نئی بات نہیں تھی۔ میرا تو پروفیشن ہی ایسا تھا کہ جنس مخالف سے زیادہ واسطہ پڑتا تھا۔ شہریار پہلا ہینڈ سم شخص نہیں تھا میں جس سے مل رہی تھی۔ نہ ہی آج مجھے پہلی بار پتا چل رہا تھا کہ شہریار کا میرے لیے پرپوزل آیا ہوا ہے۔ بہت دن پہلے میں اس بندے کے تمام ترپلس پوائنٹس کو جاننے کے باوجود بہت سوچ بچار کرکے اس کے پرپوزل پر انکار کر چکی تھی پھر آج کیوں یہ مجھے اپنے حواسوں پر چھاتا ہوا محسوس ہو رہا تھا کیا ذکیہ عباسی کی باتوں کا اثر تھا انہوں نے اپنی زندگی کی ویرانیوں کا نقشہ جو ذرا دیر پہلے کھینچا تھا میں غیر محسوس طریقے سے ان کے ٹریپ میں آگئی تھی یا پھر شہریار کی اپنے لیے پسندیدگی جان کر میرے دل میں اس کے لیے نرم گوشہ پیدا ہو رہا تھا' بلاشبہ میں پہلے یہ نہیں جانتی تھی کہ اس پرپوزل میں شہریار کی پسندیدگی کا بڑا دخل ہے وہ مجھے جس طرح وارفتگی سے تکے جا رہا تھا' میری ہتھیلیاں پسینے سے تر ہوتی تھیں۔ ذرا دیر بعد ذکیہ آنٹی چائے لے آئی تھیں۔ میں چائے کے دو چار سپ لینے کے بعد اٹھ گئی تھی۔

"بہت دیر ہو گئی' میں چلتی ہوں ذکیہ آنٹی۔" میں اپنا ہینڈ بیگ اٹھاتے ہوئے بولی۔ انہوں نے بھی مزید رکنے پر اصرار نہ کیا اٹھ کر مجھ سے گلے ملیں' پھر پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے دھیمے سے کان میں سرگوشی کی۔

"میری باتوں پر گھر جا کر غور ضرور کرنا سحر۔" اور واقعی وہ پوری رات میں نے جاگ کر گزاری تھی۔ سوچیں الجھائے جا رہی تھیں' دماغ کچھ کہتا تو دل کوئی اور راگ الاپنے لگتا۔ کیا مشہور زمانہ کیوپڈ کا تیر چل چکا تھا۔ میں اضطراب کے مارے ٹہلتی رہی۔ میرا کیریئر جس کی ابھی شروعات ہوئی تھیں میں ابھی پوری توجہ اسی جانب مرکوز رکھنا چاہ رہی تھی' میں نے ابھی بہت اوپر بہت آگے تک جانا تھا' لیکن پھر ذکیہ آنٹی کی زندگی نگاہوں کے سامنے گھومنے لگی۔ ہر عروج کا زوال ہے۔ اپنی زندگی کا قیمتی ترین اور سنہری دور انہوں نے شہرت کے پیچھے بھاگتے گزار دیا۔ شہرت نصیب بھی ہوئی اور پھر کیا ہوا' ایک وقت وہ آیا جب یہ شہرت ان کے لیے بے معنی ہو گئی' ان کے اندر کی قلم کار مر گئی اور عورت بے دار ہو گئی۔ لیکن پھر کوئی ان کا ہاتھ تھامنے والا نہ تھا' سب کی اپنی دنیا آباد ہو چکی تھی۔ اپنی زندگی' اپنا محور اور ذکیہ عباسی کتنی بے مقصد زندگی جیسے جا رہی تھیں۔ کیا میرا بھی ان جیسا حال ہو گا' مجھے سوچ کر ہی جھرجھری آگئی۔ خود کو سمجھایا بھی کہ ضروری نہیں ہر کسی کی زندگی کا تجربہ یکساں ہو' کچھ وقت اپنے پروفیشن کی نذر کرکے میں اپنا گھر بسا لوں گی۔ ابھی میری عمر ہی کیا تھی' لیکن پھر وہ بھوری مسکراتی آنکھیں یاد آئیں' فیصلہ ڈگمگایا۔

اور ہاں ذکیہ آنٹی یہ بھی تو کہہ رہی تھیں کہ شہریار اور اس کے گھر والے میرے کیریئر کی راہ میں بالکل رکاوٹ نہیں بنیں گے' ان کی بات پر یقین کیا جا سکتا تھا۔ آخرکار دل اور دماغ یکسو ہو گئے۔ بہت پرسکون ہو کر میں نماز فجر ادا کی تھی' پھر دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو اللہ سے گڑگڑا کر دعا کی' اس فیصلے کو میرے حق میں بہترین ثابت کر' پھر گھڑی پر نگاہ ڈالی' آپی بھی یقیناً" نماز فجر کے لیے اٹھ چکی ہوں گی' میں نے موبائل اٹھا کر آپی کو میسج بھیجا۔

"مجھے شہریار کے پرپوزل پر کوئی انکار نہیں' امی' ابا تک میرا اقرار پہنچا دیجیے اور ہاں اب میں سونے لگی ہوں' اس لیے تفصیلی بات اٹھنے کے بعد ہو گی۔" مسکراتے لبوں سے میسج سینڈ کرکے میں کمبل تان کر سونے کے لیے لیٹ گئی۔

ڈیڑھ گھنٹے بعد کسی نے میرا کمبل کھینچ کر مجھے جگایا تھا۔ میں نے بمشکل مندی مندی آنکھیں کھولیں۔

"کل صبح میری تم سے بات ہوئی تھی' تب تم نے ایسا کچھ ذکر نہیں کیا۔ یہ راتوں رات کیسے اتنا اہم فیصلہ سرزد ہو گیا۔" آپی دنیا جہان کی حیرت آنکھوں میں سموئے موجود تھیں۔ میں بالوں کو جوڑے کی شکل میں لپیٹتے ہوئے اٹھ بیٹھی۔ مختصراً" آپی کو اپنے یوٹرن کی وجہ سے آگاہ کیا۔ آپی نے خوشی خوشی میرا اقرار امی' ابا تک پہنچایا اور پھر تو جیسے سب مرحلے پلک جھپکتے انجام پا گئے۔ سحر شاہد سے سحر شہریار بن کر میری ذات کی تکمیل ہو گئی۔ زندگی ایک دم بہت خوب صورت ہو گئی' میں خدا کا شکر ادا کرتے نہ تھکتی تھی' جس نے مجھے بروقت فیصلہ کرنے کی توفیق دی۔

شہریار کا ساتھ میرے لیے یقیناً" عطیہ خداوندی تھا' وہ بہت محبت کرنے والے اور خیال رکھنے والے جیون ساتھی ثابت ہوئے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان کی جانب سے بھرپور اعتماد حاصل تھا کہ میں اپنی ذات سے متعلق فیصلے کرنے میں بالکل خود مختار ہوں۔ چند ہی دنوں میں مجھے شہریار سے اتنی محبت ہو گئی تھی کہ میں نے سوچ لیا کہ اگر زندگی میں کبھی میرا پروفیشن میری گھریلو ذمہ داریوں کی راہ میں رکاوٹ کا باعث بنا تو میں بخوشی اپنا پروفیشن ترک کر دوں گی' فی الوقت ایسی کوئی صورت حال نہ تھی۔ شہریار اور ان کے گھر والوں

کی مجھے بھرپور سپورٹ حاصل تھی۔ میں بدستور اپنا پروگرام جاری رکھے ہوئی تھی' زندگی بے شک مصروف ترین ہوگئی تھی' لیکن اس مصروفیت کا عجیب حسن تھا اور اتنی مصروفیت کے باوجود میں شہریار کے ساتھ ذکیہ آنٹی کے پاس چکر لگاتی رہتی تھی' ان کی طبیعت آج کل خراب رہنے لگی اور پھر ایک دن ان کے گھر سے واپس آتے ہوئے شہریار نے بہت دھیمے اور افسردہ لہجے میں انکشاف کیا تھا۔ "ذکیہ آنٹی پچھلے دس برسوں سے کینسر جیسے موذی مرض سے لڑ رہی ہیں۔ ہر بار یہ اپنی قوت ارادی سے مرض کو ہرا دیتی تھیں' لیکن اس بار بیماری مزید شدت سے حملہ آور ہوئی ہے۔" اور میں تو اس انکشاف پر ششدر رہ گئی تھی۔

"آپ نے مجھے پہلے کیوں نہ بتایا۔" شہریار چند لمحوں کے لیے چپ ہوگئے۔ "ذکیہ آنٹی بہت خاموشی سے اس مرض سے لڑ رہی ہیں۔ ان کے قریبی عزیزوں اور معالجوں کے سوا کسی کو اس بارے میں کچھ نہیں پتا' وہ اتنی عزت نفس رکھنے والی خاتون ہیں کہ کسی کو خود پر ترس کھاتا نہیں دیکھ سکتیں' یہ میرا اور ممی کا ان سے وعدہ تھا کہ ان کے مرض کے متعلق کسی کو کچھ نہیں بتائیں گے' لیکن آج میں وعدہ شکنی کا مرتکب ہوگیا۔" شہریار پھیکی سی ہنسی ہنستے ہوئے بولے انہیں واقعی ذکیہ آنٹی سے بہت محبت اور انسیت تھی' وہ ان کی بیماری پر حد درجہ ڈسٹرب لگ رہے تھے' حالانکہ ذکیہ آنٹی سے ان کا رشتہ ہی کیا تھا' وہ ان کی ماں کی سہیلی تھیں اور بس۔۔۔ یہ ہی بات میں نے گل آنٹی (شہریار کی والدہ) سے پوچھی' ایک مغموم مسکراہٹ ان کے چہرے پر بکھر گئی۔

"ذکیہ نے ہمیشہ شہریار کو اپنی اولاد کی طرح چاہا ہے وہ کہتی بھی ہے کہ اگر اس کا کوئی بیٹا ہوتا تو وہ بالکل شہریار جیسا ہوتا۔"

"لیکن کیوں شہریار سے ان کی اتنی محبت کی وجہ۔" میں الجھ گئی تھی۔

"کیا ذکیہ نے تمہیں کچھ نہیں بتایا۔" گل آنٹی نے پوچھا۔

"بتایا تھا بہت کچھ بتایا تھا' بلکہ شہریار کہتے ہیں' ذکیہ آنٹی اتنی عزت نفس رکھنے والی خاتون ہیں کہ کسی کو خود پر ترس کھاتا نہیں دیکھ سکتیں' لیکن انہوں نے پہلی ملاقات میں ہی مجھے اپنے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا۔ وہ سب باتیں جنہیں جاننے کے بعد کوئی بھی انسان ان کی زندگی پر ترس کھا سکتا ہے۔ کتنی بے رونق زندگی ہے ان کی۔" میں نے ترحم آمیز انداز میں کہا۔ گل آنٹی جواب میں کچھ نہ بولیں' چپ چاپ اسٹور روم میں گھس گئیں' واپس لوٹیں تو ان کے پاس ایک فوٹو البم تھا۔

"یہ دیکھو میری اور ذکیہ کی جوانی کی تصویریں۔" انہوں نے البم میرے ہاتھ میں تھمایا۔ میں نے اشتیاق سے البم کھولا۔ کالج کے دنوں کی یادگار تصویریں اس البم کی زینت تھیں اور ذکیہ آنٹی کے حسن میں تو کوئی کلام ہی نہ تھا' وہ اتنی خوب صورت' اتنی پرکشش لگ رہی تھیں کہ میں بس انہیں دیکھے گئی' بلکہ گل آنٹی سے کہہ بھی ڈالا۔

"ذکیہ آنٹی اب بھی بہت گریس فل لگتی ہیں' لیکن جوانی میں تو قیامت ڈھا رہی ہیں۔" گل آنٹی اثبات میں سر ہلاتے ہوئے مسکرا دیں۔ آگے کچھ تصویریں گل آنٹی کی بھی تھیں' کسی میں مشاعرہ پڑھتے ہوئے' کبھی مہمان خصوصی سے ٹرافی لیتے ہوئے۔

"ذکیہ آنٹی نے بتایا کہ آپ بہت اچھی شاعرہ اور اتنی ہی اچھی نثر نگار تھیں۔ آپ نے کبھی اس بارے میں بتایا ہی نہیں۔" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"ہاں تھا ایک زمانہ وہ بھی اب تو وہ وقت خواب خیال لگتا ہے۔" آنٹی گل مسکرائی تھیں' میں بھی مسکراتے ہوئے البم کے ورق پلٹتی رہی اور پھر ایک تصویر پر میں ٹھٹک کر رکی تھی۔

"یہ شہریار کی تصویر آپ لوگوں کے البم میں کیوں سجی ہے اور سوجھی کیا انہیں اس اولڈ فیشن اسٹائل میں تصویر کھنچوانے کی۔" میں نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

"ذرا غور سے دیکھو' شہریار کو پتا چلا تو وہ سخت خفا ہوگا' تم اپنے میاں کو پہچاننے میں غلطی کر بیٹھی ہو۔" گل آنٹی نے مجھے گھر کا تھا' میں نے پھر تصویر پر نظریں گاڑیں۔

"یہ۔۔۔؟" میں نے حیران ہوتے ہوئے کچھ نا سمجھی سے گل آنٹی کو دیکھا۔

"تیمور ہے میرا بھائی۔" وہ ہولے سے بولیں۔

"او مائی گاڈ اتنی مشابہت۔" میں بے تحاشا حیران ہوئی۔

"بہت سے ماموں' بھانجے آپس میں ملتے ہیں' لیکن شہریار واقعی تیمور کی فوٹو کاپی ہے۔" گل آنٹی نے تسلیم کیا تھا۔

"تو یہ اب کہاں ہوتے ہیں۔" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔ آنٹی گل کی آنکھیں یکایک پانیوں سے لبریز ہوگئیں۔

"تیمور آرمی میں تھا' بارڈر پر ایک جھڑپ میں شہید ہوگیا۔"

"اوہ۔۔۔" میں چپ کی چپ رہ گئی۔

"کتنا ہینڈسم تھا میرا بھائی۔" گل آنٹی نے البم کے مزید ورق پلٹے تھے۔

اور واقعی آرمی کے یونیفارم میں ملبوس' شہریار کی شباہت والے اس کے ماموں بہت ڈیشنگ لگ رہے تھے اور آگے ایک تصویر میں وہ آنٹی گل اور ذکیہ آنٹی کے درمیان میں کھڑے مسکرا رہے تھے۔ ذکیہ آنٹی کی شرمگیں مسکراہٹ میری زیرک نگاہوں نے بھانپ لی' میں نے پھر سوالیہ نگاہوں سے آنٹی گل کو دیکھا۔

"تیمور میرا بھائی تھا اور ذکیہ کا سب کچھ۔" ان کے لہجے میں بے تحاشا تھکن سمٹ آئی تھی' میرا سر چکرا کر رہ گیا۔ اب اس عجیب و غریب کہانی کا کون سا پہلو میرے سامنے آنا تھا۔ "ذکیہ اور میں بہت گہری سہیلیاں تھیں اور پھر غیر محسوس طریقے سے تیمور اور ذکیہ ایک دوسرے کے قریب آتے گئے۔" گل آنٹی اب ہولے ہولے ماضی کی داستان سے پردہ ہٹا رہی تھیں۔

"لیکن تم کچھ غلط مت سوچنا' ان کی محبت آج کل کے لڑکے' لڑکیوں والی محبت نہیں تھی' میں ان کی پاکیزہ محبت کی گواہ ہوں اور ان کی محبتوں کی شدت کی امین بھی' لیکن ظالم سماج ہر زمانہ میں ایک سا کردار ادا کرنے کو موجود ہوتا ہے' ہمارے اور ذکیہ کے درمیان برسوں کی دوستی پر تو اس کے گھر والوں کو کوئی اعتراض نہ تھا' لیکن جب یہ دوستی رشتہ داری میں بدلنا چاہی تو ذات برادریوں کا فرق آڑے آگیا' ذکیہ کا گھرانہ بظاہر بہت روشن خیال تھا' وہ اس زمانے میں ناول نگار کی حیثیت سے مشہور ہو رہی تھی' جب اس میدان میں گنتی کی چند خواتین تصنیف و تحریر سے وابستہ تھیں اور ذکیہ نے قلیل عرصے میں بڑا نام کما لیا تھا' یہ سب اس کے گھر والوں کے بھرپور تعاون کی وجہ سے ممکن ہوا' لیکن یہ ہی گھر والے اس کی شادی کے فیصلے کے وقت انتہائی دقیانوسی ثابت ہوئے' صرف ماں جی بیٹی کے جذبات و احساسات سے واقف بھی تھیں اور ان احساسات کو کوئی ٹھیس بھی پہنچنے نہیں دینا چاہتی تھیں' انہوں نے شوہر اور بیٹوں سے چھپ کر انتہائی مشکل فیصلہ کر ڈالا۔ جس گھر میں تم دلہن بن کر آئی ہو یہ ہی گھر تھا بس نقشہ مختلف تھا' اسی گھر کی بیٹھک میں ذکیہ اور تیمور کا نکاح پڑھایا گیا تھا۔" گل آنٹی بتا رہی تھیں اور میں حیرت سے منہ کھولے انہیں سنے جا رہی تھی۔

"ماں جی کا خیال تھا کہ وہ شوہر اور بیٹوں کو بعد میں حقیقت بتا کر منا لیں گی' لیکن اس کی نوبت ہی نہیں آئی' تیمور' ذکیہ کی آنکھوں میں سنہرے سپنے سجا کر انجان دیس کی جانب نکل گیا۔" آنٹی گل کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے تھے۔

"اور ذکیہ آنٹی۔" میں نے دکھ سے چور لہجے میں پوچھا۔

"ذکیہ نے وفا کی نئی تاریخ رقم کر دی' وہ دنیا کے سامنے نہ سہاگن بنی' نہ اسے شہید کی بیوہ کا باقاعدہ رتبہ ملا' لیکن اس نے تیمور کے بعد کسی اور کا نام اپنے نام کے آگے جوڑنے کا سوچا تک نہیں' ماں جی اس کا دکھ لے کر دنیا سے رخصت ہوئیں' گھر والے سمجھتے

رہے کہ انہوں نے تیمور کا رشتہ ٹھکرایا تو ضد میں آکر ذکیہ سب رشتوں سے انکاری ہو رہی ہے' انہوں نے ذکیہ کے انکار کو ہٹ دھرمی گردانتے ہوئے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا' لیکن میری نرم خو سہیلی کی فطرت میں ہٹ دھرمی یا ضد کا کوئی گزر ہی نہ تھا' وہ جذبوں سے گندھی لڑکی فقط تیمور کی محبت کی اسیر تھی' اس کی محبت میں ایسی شدت تھی کہ اس نے باقی زندگی اسی محبت کے سہارے گزار دی' میرا بھائی ہزاروں میں ایک تھا' بلاشبہ اس نے ذکیہ کو ٹوٹ کر چاہا اور میں ذکیہ کو چھیڑتی تھی کہ تم بہت خوش قسمت ہو جو میرے بھائی نے تمہیں محبت کے قابل جانا' لیکن آج مجھے اعتراف کرنے میں کوئی عار نہیں کہ میرا بھائی دنیا کا خوش قسمت ترین مرد تھا' جس کو ذکیہ کی محبت نصیب ہوئی۔" آنٹی گل روئے جا رہی تھیں اور اب میرے آنسو بھی ان کے آنسوؤں کا ساتھ دے رہے تھے۔

"شہریار نے تیمور کے سارے نین نقش چرائے ہوئے ہیں' اسی لیے وہ ذکیہ کو اتنا عزیز ہے اور جب اسے شہریار کی چاہت کا علم ہوا تو اس نے تہیہ کر لیا کہ وہ شہریار کو اس کی چاہت ضرور دلوائے گی' اس نے تمہارا انکار اقرار میں بدلنے کے لیے اپنی زندگی کی ویرانی کا نقشہ اسی لیے کھینچا کہ تم اس سے عبرت پکڑو اور شہریار کے لیے ہاں کر دو' لیکن یہ سب مجھ سے برداشت نہیں ہو سکا کہ کوئی میری ذکیہ پر ترس کھائے' اس کی زندگی میرے بھائی کی محبتوں سے آباد ہے' اسے ہرگز کوئی ملال' کوئی پچھتاوا نہیں ہے۔"

"انہوں نے لکھنا کیوں چھوڑا۔" میں نے گلوگیر لہجے میں پوچھا۔

"اس کی بیماری ہی اس کی جان نہیں چھوڑ رہی' ورنہ وہ کبھی قلم کا ساتھ نہیں چھوڑتی' وہ صرف اپنے من کی تسکین کے لیے لکھتی تھی' نہ پیسہ' نہ شہرت' اسے دونوں میں سے کسی سے کوئی غرض نہ تھی' وہ سچی قلم کار ہے' بیٹا اگر اس کی جگہ میں ہوتی اور لوگ مجھے منظر سے ہٹنے پر بھلا دیتے تو شاید میں ان پچھتاووں میں مبتلا ہو جاتی' جن فرضی پچھتاووں کا ذکر ذکیہ نے تم سے کیا تھا' مجھے شہرت اچھی لگتی تھی' شہرت کا نشہ مجھے مزید اچھا لکھنے پر اکساتا تھا اور شادی کے بعد جب میں اپنا قلمی سفر جاری نہ رکھ پائی تو میں بہت ڈسٹرب ہوئی تھی' لیکن آہستہ آہستہ مجھے قرار آ گیا اور اب میں واقعی اپنی راجدھانی میں بہت مطمئن اور خوش ہوں' اگر میں شادی کے بجائے اپنے کیریر کا ہی سوچتی تو شاید میں آج بالکل تہی داماں ہوتی۔ میرے بچے میری دولت ہیں اور بیٹا اگر تمہارے لیے بھی روپیہ اور شہرت اہمیت رکھتا تھا تو یقین رکھو تم نے مناسب وقت پر مناسب فیصلہ کیا ہے' کیونکہ ہر عروج کو زوال ہے اور زوال سہنا آسان نہیں' اگر خدانخواستہ زندگی میں تمہیں کبھی اس مرحلے سے دوچار ہونا پڑے تو تمہارے پاس اپنا گھر ہو گا' اپنی فیملی' جس میں مگن ہو کر تم یہ غم بھلا دو گی' ذکیہ ہم جیسوں سے بہت مختلف ہے اور ایک سچے فنکار' سچے قلم کار کی یہ ہی پہچان ہے کہ وہ عروج و زوال سے بے نیاز ہو کر اپنے من میں ڈوب کر اپنا کام کیے چلا جاتا ہے' اس کی تخلیق ہی اسے سچی خوشی دیتی ہے اور تم نے مجھ سے پوچھا نا کہ ذکیہ نے لکھنا کیوں چھوڑا تو ذکیہ آج کل ایک ناول لکھ رہی ہے' بے شک وہ لوگوں کی ستائش سے بے پروا ہے' لیکن میرا جی چاہتا ہے کہ ماضی کی طرح لوگ ذکیہ عباسی کو اب بھی اسی ذوق و شوق سے پڑھیں' اس عظیم مصنفہ کو خراج تحسین پیش کرنے کا یہی طریقہ ہے کہ اس کی زندگی کا آخری ناول بیسٹ سیلر ثابت ہو' کیونکہ ڈاکٹرز کے مطابق اب اس کی زندگی کی مہلت بس ختم ہوا چاہتی ہے۔" گل آنٹی نے دھیمے لہجے میں بتایا۔ میں نے آنسو پونچھتے ہوئے اثبات میں سرہلا دیا۔

"ایسا ہی ہو گا آنٹی۔" اور میں نے واقعی دل میں ٹھان لی تھی کہ ذکیہ آنٹی کے ناول کی تشہیر میں خود کروں گی' لوگوں نے انہیں بھلا دیا تھا' چاہے انہیں اس سے کچھ فرق نہ پڑتا تھا' لیکن ہم جیسے لوگ جو انہیں بہت چاہتے تھے' انہیں ان کا کھویا ہوا مقام دوبارہ دلوانا چاہتے تھے' لیکن اس کے لیے ان کا تعاون بھی درکار تھا' میں پہلی فرصت میں ان کے پاس پہنچی تھی۔

"بہت افسوس کی بات ہے ذکیہ آنٹی' چپکے چپکے ناول لکھ ڈالا' ہم سے ذکر تک نہ کیا۔" میں نے مصنوعی خفگی کا اظہار کیا۔

"اس کی اشاعت تکمیل کے مراحل میں ہے' میں نے سوچا کتابی صورت میں چھپنے کے بعد اپنے آٹوگراف کے ساتھ تمہیں ایک جلد پیش کروں گی اور وہ کتاب تمہیں میرے بعد ہمیشہ میری یاد دلاتی رہے گی۔" ذکیہ آنٹی نے بظاہر مذاق کیا تھا' مگر میرا جی اندر سے کٹ کر رہ گیا۔ یہ پیاری سی شخصیت ہم سے ہمیشہ کے لیے جدا ہونے والی تھی' مجھے ان سے پہلی ملاقات کے بعد ہی عجیب سی انسیت محسوس ہونا شروع ہو گئی تھی اور اب جب ان کی زندگی کی کہانی کھل کر سامنے آئی تو یہ انسیت بے تحاشا محبت میں بدل گئی تھی' وہ محبت جو کسی بہت اپنے سے کی جاتی ہے اور ذکیہ آنٹی بلاشبہ میرے لیے اپنوں سے بڑھ کر تھیں' میں بھی تو ان کی زندگی کی حیران کن کہانی کا ایک کردار تھی' انہوں نے بہت پیار سے مجھے ایک انتہائی پیارے شخص کی زندگی میں شامل کیا تھا۔

"ذکیہ آنٹی آپ کو میرے پروگرام میں آنا پڑے گا' میں آپ کی کتاب کے حوالے سے ایک پروگرام رکھ رہی ہوں اور اس میں آپ کی شرکت لازمی ہے۔" میں نے پیار بھری دھونس جمائی تھی۔

"میں تمہیں آ سکتی بیٹا' مجبوری ہے۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے انکار کیا۔

"کیسی مجبوری۔" میں نے منہ پھلایا۔

"اک زمانہ بیتا' میں نے ایک رسالے کو انٹرویو دیا تھا' تصویر بھی ساتھ چھپی تھی' میری ایک بہت عزیز شخصیت مجھ سے اس بات پر ناراض ہو گئی تھی' ہوتے ہیں نا آپ کی فیملی میں کچھ لوگ جو آپ کے متعلق بہت پوزیسو ہوتے ہیں' بس اس وعدے پر ان کی ناراضی ختم ہوئی کہ بے شک میرے لفظ دنیا جہان کے لوگ پڑھیں' لیکن میں اپنی ذات اور زندگی کی عوامی سطح پر ہرگز تشہیر نہیں ہونے دوں گی۔" ذکیہ آنٹی بتا رہی تھیں' ان کی آنکھوں میں جگنو سے چمکنے لگے تھے' مجھے پتا چل چکا تھا کہ وہ اس وقت کس کی یادوں میں کھوئی ہوئی ہیں۔ بالکل میرے شہریار جیسی بھوری چمک دار شرارتی آنکھوں والے کیپٹن تیمور کی... انہوں نے یقیناً "میرے سامنے بیٹھی اس ادھیڑ عمر خاتون کو اس کی جوانی میں بے تحاشا و بے حساب چاہا تھا' میں جو ذکیہ آنٹی کو منانے کے لیے بہت سی دلیلیں سوچ کر آئی تھی' ساری دلیلیں بے معنی ہو گئیں' ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے میں نے مسکرا کر اثبات میں سرہلا دیا۔

"ٹھیک ہے ذکیہ آنٹی! آپ بے شک نہ آئیں' مگر وہ پروگرام دیکھیے گا ضرور امید ہے' آپ کو میری کوشش پسند آئے گی۔" ذکیہ آنٹی نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سرہلا دیا' لیکن وہ یہ وعدہ ایفا نہ کر پائیں' ڈاکٹرز نے بے شک ان کی زندگی کی مہلت ختم ہونے کا اشارہ کر دیا تھا' لیکن یہ مہلت اتنی جلدی ختم ہو جائے گی کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا' جو موذی مرض ان کی جان کو چمٹا ہوا تھا اور ان کے معالجین نے اس مرض کو ان کی زندگی کے خاتمے کا ممکنہ سبب بتایا ہوا تھا' وہ مرض اس پیاری سی ہستی کی جان لینے کی وجہ نہیں بنا تھا' بس ان کا دل اپنے محبوب

کی طویل جدائی کو سہتے سہتے اتنا کمزور ہو گیا تھا کہ ہلکا سا اٹیک بھی برداشت نہ کرپایا اور جس شام میں نے ان کی کتاب پر خصوصی پروگرام کرنا تھا، اسی شام وہ ہم سب کو دائمی جدائی دے گئیں، میں نے چھلکتی آنکھوں کے ساتھ وہ پروگرام ہوسٹ کیا تھا۔ ذکیہ عباسی کو شان دار خراج تحسین ان کے ماضی کے مشہور ناولوں کا ذکر ان کے ہم عصرادیوں سے ان کے بارے میں رائے اور سب سے حیران کن ناظرین کی وہ لائیو فون کالز جو ان کے فین تھے اور اب ان کے انتقال پر انہیں یاد کرتے ہوئے بتا رہے تھے کہ ذکیہ عباسی کے ناول ان کے پاس محفوظ ہیں۔

یوں لگتا تھا وہ سب کے حافظوں میں ہمیشہ موجود تھیں، لوگ انہیں اب بھی پڑھتے تھے، پسند کرتے تھے، بس انہیں اس پسندیدگی کا اظہار کرنے کے لیے کوئی فورم نہ ملتا تھا، جب وہ اس دنیا سے چلی گئیں تب دنیا والے انہیں زور و شور سے یاد کرنے لگے۔ میرا پروگرام بارش کا پہلا قطرہ ثابت ہوا، یوں تو ہمارے سب چینل ایک دوسرے کے آئیڈیاز چرانے میں ویسے بھی ماہر ہیں، کسی ایک چینل پر کوئی خبر، کوئی پروگرام نشر ہو جائے اور لوگوں کا رسپانس اچھا آئے، تب اسی سے ملتے جلتے پروگرام سب چینلز سے ٹیلی کاسٹ ہونے لگتے ہیں، یا کسی بھولی بسری سیلیبریٹی کو کوئی چینل اپنے پروگرام میں مدعو کرتا ہے تو ہر دوسرے چینل کے مارننگ شو میں وہی شخصیت مہمان خصوصی کے طور پر براجمان ہوتی ہے، یہی کچھ اب ہو رہا تھا، ذکیہ عباسی پر ڈاکومنٹریز نشر ہو رہی تھیں، تعزیتی ریفرنس منعقد ہو رہے تھے، ایک، دو پروڈکشن ہاؤسز نے ان کے ناولوں کی ڈرامائی تشکیل بھی شروع کر دی تھی، ایسے میں ان کا نیا ناول منظر عام پر آیا تو وہ میری خواہش کے عین مطابق بیسٹ سیلر ثابت ہوا، پہلا ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ بکا تھا، دوسرا ایڈیشن بھی جلد منظر عام پر آنے والا تھا۔

ایک طویل عرصے بعد ذکیہ عباسی اپنے قارئین کے دل پر پھر راج کر رہی تھیں، میں جانتی تھی کہ آہستہ آہستہ وہ پھر لوگوں کی یادداشت سے محو ہو جائیں گی، اس میں کسی کا دوش نہیں، یہ قانون فطرت ہے، رت بدلتی ہے تو پرانے منظر نگاہوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں اور ان کی جگہ نئے منظر لے لیتے ہیں لیکن فی الحال میں مستقبل کا سوچ کر حال کی خوشی خراب نہ کرنا چاہتی تھی، آج کل ذکیہ آنٹی پورے طمطراق سے اونچے ترین ادبی سنگھاسن پر براجمان تھیں، دنیا سے رخصت ہونے کے باوجود ان کا تذکرہ دنیا کی زبان پر زندہ تھا۔ ان کی آخری کاوش کی غیر معمولی پذیرائی ان کا حق تھا جو انہیں مل کر رہا۔

آج جب ایک چینل پر ذکیہ عباسی کے ادبی سفر سے متعلق ایک پروگرام چل رہا تھا تو مجھے شدت سے مہربان چہرے والی ذکیہ آنٹی یاد آ رہی تھیں، اینکر نے ان کی شخصیت اور فن پر بہت جامع پروگرام پیش کیا تھا۔ ان کے ادبی سفر کا ارتقا، ایک خاص مقام پر آ کر ٹھہراؤ اور پھر دوبارہ تخلیقی کام، میزبان نے انہیں شان دار الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا تھا۔ آخر میں ان کی بیماری کے بارے میں بھی بتایا، جس پر مجھے کافی حیرت ہوئی، کیونکہ ذکیہ آنٹی نے اپنی بیماری کا تذکرہ کبھی عام نہ ہونے دیا تھا۔ بہت کم لوگوں کو علم تھا کہ وہ کینسر جیسے موذی مرض میں مبتلا رہی ہیں، اکثریت کو صرف ان کے ہارٹ اٹیک کا ہی علم تھا، لگتا تھا میزبان نے بہت تحقیق اور جستجو کے بعد ان پر پروگرام پیش کیا تھا۔ الفاظ کا چناؤ بھی بہت خوب صورت تھا، ہاں ذکیہ عباسی کی زندگی کا ایک پہلو میزبان کی نگاہوں سے بھی پوشیدہ تھا اور دنیا کی نگاہوں سے بھی اوجھل اور محبتوں سے گندھی اس عورت کی پریم کہانی کا پہلو یقیناً" دنیا کی نگاہوں سے ہمیشہ اوجھل ہی رہنا تھا، کیونکہ ان کے محبوب کو ان کی ذاتی زندگی کی تشہیر پسند نہ تھی، انہوں نے محبوب سے کیا وعدہ نبھا دیا تھا اور وفا کی اس حیران کن داستان کو میں نے بھی سدا اپنے سینے میں دفن ہی رکھنا تھا، یہ میرا خود سے بھی عہد تھا اور ذکیہ عباسی کی روح سے بھی۔

فوزیہ یاسمین

دستِ کوزہ گر

زوبیہ کو اپنے گھر میں اپنی خالہ شائستہ کی روح نظر آتی ہے۔ مگر وہ اس سے بات نہیں کرتی.... مگر زوبیہ ان سے بات کرنے کے لیے بے حس ہے۔ میں اس کی ملاقات رخسار سے ہوتی ہے۔ جو اس کے کالج میں ساتھ پڑھتی ہے اور روحوں سے بات کرنے کا دعوا بھی کرتی ہے.... رخسار اسے رات کے دو بجے اپنے گھر کی چھت پر لے جاتی ہے اور اس سے کہتی ہے کہ وہ اس کی خالہ کی روح کو بلائے.... اور روح کو بلانے کی کوشش کرتی ہے۔

رگو میلہ، سنبل اور نمل کو یونیورسٹی میں ایڈمیشن مل جاتا ہے.... اور ایسی خوشی میں نمل ان دونوں کو پیلس میں لنچ کی دعوت دیتی ہے.... اس آفر پر دونوں حیران رہ جاتی ہیں۔ جبکہ دوسری طرف خرم، ذکی سے شرط ہارنے کے بعد اس کی عجیب و غریب شرط کو قبول کر لیتا ہے۔ اور انہیں پیلس میں لنچ کے لیے کہہ دیتا ہے۔

زوبیہ اپنی خالہ سے بات کرنے کے بعد بہت مطمئن ہوتی ہے.... رخسار اس کے بے وقوف بن جانے پر خوش ہے.... وہ دونوں واپس جانے کے لیے سڑھیوں کی طرف بڑھتی ہیں کہ اچانک لائٹ چلی جاتی ہے.... اور کوئی رخسار کو اندھیرے میں زخمی کر دیتا ہے.... اب آگے پڑھیں۔

۳۶

چھتیسویں قسط
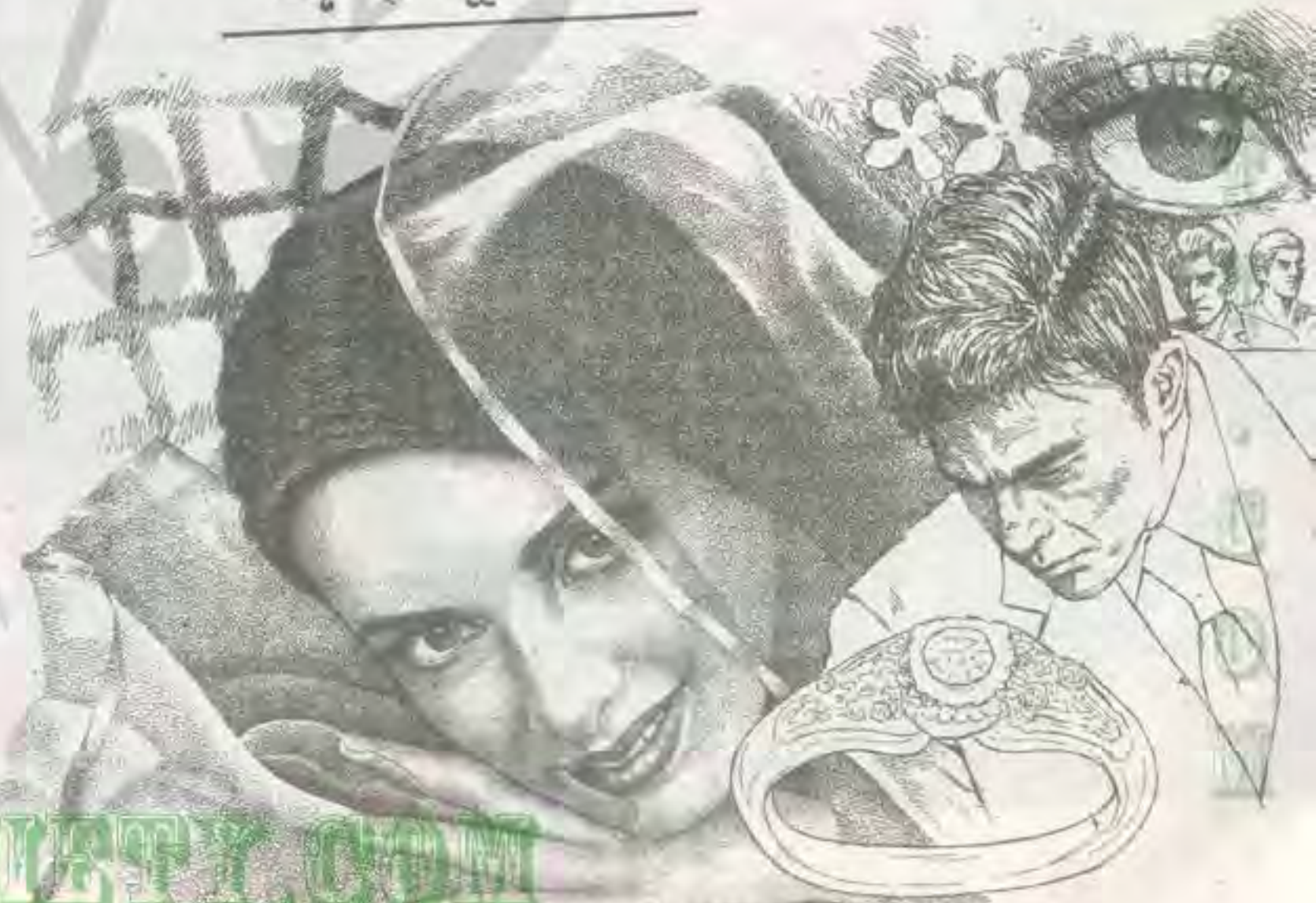
اس نے بڑی حیرت اور جھنجلاہٹ کے ساتھ پلٹ کر فرقان حسن کو دیکھا جو ہنوز اسے ہی دیکھ رہے تھے۔

"ابھی تو میرے امتحان کی ڈیٹ ہی نہیں آئی ہے آپ میرے امتحان کے بعد کی کون سی تاریخ دیں گے؟"

"تو کیا امتحان سے پہلے کی تاریخ دے دوں؟" فرقان حسن کا غصیلا لہجہ صاف بتانے والا تھا خرم

"ایگزام سے پہلے کی تاریخ کہاں پوسیبل ہے ڈیڈ۔ پہلے تو آپ کہتے تھے اپنے پیروں پر کھڑے ہو جاؤ پھر شادی ہو گی۔"

"کیونکہ پہلے کی بات اور تھی۔ پہلے تمہیں شادی کی بڑی جلدی تھی اور اب تو لگتا ہے تم سرے سے شادی میں انٹرسٹڈ ہی نہیں ہو۔" فرقان حسن چبا کر بولے۔

فوری طور پر خرم کچھ بول نہ سکا تبھی فرقان حسن کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے کہنے لگے۔

"بے فکر رہو میں تمہاری طرح جلد بازی میں فیصلے نہیں کرتا ابھی سے تاریخ طے کرنے کا میرا کوئی ارادہ نہیں نہ ہی انہوں نے ایسی کوئی خواہش ظاہر کی ہے۔ میں تو صرف تمہارا ردعمل دیکھنا چاہتا تھا جو کہ عین میری توقع کے مطابق ہے۔" فرقان حسن گہرا سانس کھینچتے ہوئے آگے بڑھ گئے پھر آواز لگا کر کہنے لگے۔

"ٹائم پر تیار ہو جانا میں لیٹ نہیں ہونا چاہتا پہلی بار ان لوگوں نے اس طرح بلایا ہے دیر سے پہنچنا اچھا نہیں لگے گا۔" خرم صرف ان کی پشت پر ایک نظر ڈال کر رہ گیا۔

اسے کون سی خاص تیاری کرنی تھی اور کون سا اسے تیار ہونے میں ٹائم لگتا تھا جو وہ فکر مند ہوتا البتہ وہ فرقان حسن کو مزید کچھ کہنے کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا لہٰذا اس نے تیاری میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

بلیک پینٹ پر بلیک ہی شرٹ پہن کر اس نے خود پر بہت سارا پرفیوم بھی اسپرے کر لیا جس کے بعد اس پر اٹھنے والی ہر نظر کچھ لمحوں کے لیے اس پر ٹھہرنے پر مجبور ہو جاتی تھی۔

مسز فرقان اسے دیکھ کر نثار ہونے لگیں فرقان حسن بولے کچھ نہیں البتہ ان کا موڈ خاصا خوشگوار ہو گیا تھا جو ان کے ہر انداز سے ظاہر تھا۔

فرقان حسن کی خواہش کے مطابق وہ لوگ ٹھیک آٹھ بجے عظمت خلیل کے گھر پہنچ گئے۔ عظمت خلیل کا چوکیدار انہیں پہچانتا تھا لہٰذا اس نے انہیں دیکھتے ہی گیٹ کھول دیا البتہ انٹر کام پر اس نے اندر اطلاع دے دی تھی جو کہ شاید رشیدہ کو دی گئی ہو گی کیونکہ نمل تو لان کی ہی کرسی پر بیٹھی رومیلہ سے فون پر بات کر رہی تھی۔

رومیلہ اسے الیان کے مشورے کے متعلق بتا رہی تھی کہ وہ دوبارہ پڑھائی شروع کر دے۔ جس پر نمل الیان کی تائید کرنے لگی تھی کہ پورچ میں رکتی گاڑی دیکھ کر وہ کچھ ٹھٹک کر اپنی جگہ سے اٹھ گئی پھر اس میں سے فرقان حسن، مسز فرقان اور خود خرم حسن کو پوری شان کے ساتھ اترتا دیکھ کر دنگ رہ گئی۔

"او..... رومیلہ میں تمہیں بعد میں فون کرتی ہوں۔" نمل نے دوسری طرف تیز تیز بولتی رومیلہ کی بات کاٹتے ہوئے کہا اور بغیر اس کا جواب سنے فون بند کر دیا۔

لان کی ساری بتیاں جل رہی تھیں چنانچہ اس کی موجودگی سب کو نظر آ گئی تھی مسز فرقان تو اسے دیکھ کر باقاعدہ مسکرانے لگیں تو نمل کو مجبوراً اپنی جگہ سے آگے بڑھنا پڑا۔

"السلام علیکم۔" اس نے نزدیک پہنچ کر دھیرے سے کہا تو مسز فرقان نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگا لیا اور بڑی محبت سے اس کا ماتھا چوم کر اس کی خیر خیریت پوچھنے لگیں۔

پیچ کلر کے سادہ سے سوٹ میں بالوں کی ایک سیدھی پونی بنائے وہ بالکل گھر کے عام سے حلیے میں تھی خرم نے بڑی ڈھٹائی سے اس کا تفصیلی جائزہ لیا اور اپنے حد سے زیادہ اہتمام سے تیار ہونے پر دل ہی دل میں خود کو کوس کر رہ گیا۔

خرم کی نظر میں اس کا یہ سادہ سا حلیہ اسے یہ باور کرانے کے لیے تھا کہ مجھے تمہارے آنے پر اہتمام کرنے کی ضرورت نہیں ہے اس سے زیادہ تو وہ یونیورسٹی میں کلف لگے کپڑوں میں ملبوس ہوتی ہے جبکہ یہ ہلکا ہلکا شکن آلود باس چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ یہ جوڑا وہ دوپہر سے پہنی ہوئی ہے۔

لیکن کچھ دیر گزرنے پر خرم کو اپنی رائے بدلنی پڑی جب وہ تینوں نمل کے ساتھ ہی گھر میں داخل ہوئے اور رشیدہ کچھ حواس باختہ سی اپنی وہیل چیئر گھسیٹتی ان کے نزدیک آ گئیں اور رسمی جملوں کے تبادلے کے بعد کہنے لگیں۔

"بہت اچھا کیا جو آج آپ لوگ آ گئے میں کتنے دنوں سے سوچ رہی تھی کہ ذرا عظمت کو فرصت ہو تو آپ لوگوں کو گھر بلانے کی بات کروں۔ کتنے دن ہو گئے ہیں ڈھنگ سے بات بھی نہیں ہوئی کوئی ملاقات کا بہانہ تو ہو۔" بظاہر انہوں نے بڑی خوش مزاجی سے کہنے کی کوشش کی تھی مگر ان کے چہرے اور تیز تیز بولنے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بیٹی کی سسرال کو "اچانک" سامنے دیکھ کر کچھ گھبرا سی گئی ہیں۔

ان کے جملے اور تاثرات پر وہ تینوں ٹھٹک کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے آخر مسز فرقان ہی بولیں۔

"ہم لوگ عظمت بھائی کے بلانے پر ہی تو آئے ہیں۔ کیا انہوں نے آپ کو نہیں بتایا۔" نمل اور رشیدہ جس طرح چونکی تھیں اس سے بغیر کچھ کہے بھی مسز فرقان کے سوال کا جواب مل گیا تھا۔

صورت حال کچھ عجیب سی ہو گئی تھی فرقان حسن اور مسز فرقان کچھ شرمندہ سے ہو گئے تھے۔ جیسے بغیر اطلاع کے ان کے گھر آ کر انہوں نے کوئی نازیبا حرکت کر دی۔

جبکہ رشیدہ اس لیے شرمندہ ہو رہی تھیں کہ ایک تو بیٹی کے سسرالیوں کو بلا کر عظمت خلیل خود موجود نہیں تھے پتا نہیں وہ کتنے بجے گھر آنے والے تھے۔ دوسرے نمل سمیت خود ان کا حلیہ بھی بیٹی کی سسرال کو خوش آمدید کہنے کے لیے کوئی بہت اچھا نہیں تھا نہ ہی انہوں نے اور کوئی اہتمام کیا تھا جبکہ گھڑی کی سوئیاں چیخ چیخ کر کہہ رہی تھیں عظمت خلیل کے اس وقت بلانے کا مطلب تو کھانا ساتھ کھانا ہی ہو گا۔

ان کے گھر میں تو آلو گوشت اور بھنڈی پکی ہوئی تھی وہ بھی صرف زیادہ سے زیادہ چار لوگ کھا سکتے تھے۔ کیونکہ عظمت خلیل تو عام طور پر باہر سے کھا کر آتے تھے دونوں وقت کے کھانے پر عموماً رشیدہ اور نمل ہی ہوتی تھیں لہٰذا نمل نے ہی اصرار کر کے زیادہ اہتمام کرنے اور زیادہ مقدار میں پکوانے سے منع کر دیا تھا بس اتنا ہو کہ ملازموں کے ساتھ وہ دونوں اور اگر عظمت خلیل آ جائیں تو کھا لیں۔

بیٹی کی سسرال کو پہلی بار کھانے پر بلایا اور کھانا بھی ڈھنگ کا نہیں پکایا ہے۔ اگر رشیدہ اس وقت کچھ چڑھانا شروع بھی کرتیں تو وقت بہت صرف ہونے والا تھا اور پھر بھی کوئی ایسی چیز نہیں بن سکتی تھی جو ان کے حضور پیش کی جاتی۔

پھر عظمت خلیل تو موجود نہیں تھے رشیدہ اگر کچن میں لگ جاتیں تو مہمانوں کے پاس کون بیٹھتا نمل کو اکیلا ان لوگوں کے پاس بٹھا دینا تو نہایت بدتمیزی کی بات تھی نمل کو کچن میں وہ کھڑا نہیں کر سکتی تھیں اتنا انہیں نمل پر بھروسہ نہیں تھا وہ گھر کا کھانا پکانا جانتی تھی مگر اس وقت دعوت کے لحاظ سے کچھ خاص چیزیں ہونی چاہیے تھیں جو نہایت سکون اور پوری یکسوئی سے پکتی ہیں جن کے لیے گھر میں تمام اشیاء اور اشیاء کا صحیح تناسب ہونا نہایت ضروری ہے یہ سب نمل نہیں کر سکتی تھی۔ گھر میں کوئی عام مہمان بھی آئے تو رشیدہ خود پکانے کو ترجیح دیتیں پھر اس وقت تو بیٹی کی ہونے والی سسرال کا معاملہ تھا جو ایک طرح سے پہلی بار گھر آئے تھے۔

رشیدہ اتنی پریشان ہو گئیں کہ انہیں یہ خیال بھی نہیں آیا کہ وہ سب لوگ ابھی تک گھر کے لاؤنج میں ہی کھڑے ہیں آخر نمل کو ہی ہوش آیا اور وہ چونکتے ہوئے بولی۔

"امی آپ ان سب کو ڈرائنگ روم میں لے کر چلیں میں ابو کو فون کر کے پوچھتی ہوں انہیں آنے میں کتنا دیر ہے۔"

"کیا عظمت گھر پر نہیں ہیں۔" فرقان حسن کے لہجے میں حیرت واضح تھی رشیدہ بے اختیار نمل کو دیکھنے لگیں جو انہیں ہی دیکھ رہی تھی۔

دونوں کے ذہن میں ایک ہی بات چل رہی تھی عظمت خلیل تو کبھی بھی اس وقت گھر پر نہیں ہوتے تھے نو بجے سے پہلے تو وہ گھر میں گھستے ہی نہیں تھے اگر آج بھی وہ دس بجے تشریف لائے تو کتنی سبکی ہوگی وہ تو انہیں مدعو کر کے بھول گئے تھے اب اپنی مصروفیت ترک کر کے وہ بھلا کیا آئیں گے۔

"لگتا ہے عظمت بھائی آپ لوگوں کو بتانا بھول گئے کہ انہوں نے ہم سب کو بلایا ہے۔" مسز فرقان نے اپنی بات دہرائی تو رشیدہ کھسیانی مسکراہٹ کے ساتھ کہنے لگیں۔

"جی' دراصل وہ بہت بزی رہتے ہیں تو اکثر باتیں بتانا بھول جاتے ہیں۔ خیر کوئی بات نہیں آپ لوگ آئیں اندر۔" رشیدہ نے وہیل چیئر ڈرائنگ روم کی طرف گھمائی تو وہ تینوں ان کی تقلید میں آگے بڑھ گئے جبکہ نمل ہاتھ میں پکڑا موبائل لیے لان میں آگئی۔

عظمت خلیل کا نمبر ہمیشہ کی طرح بزی جا رہا تھا نمل نے عاجز آکر ان کے سیکریٹری کو فون کیا تو اس نے بتایا عظمت خلیل تو ایک جھونپڑپٹی میں آئے ہوئے ہیں جہاں افلاس سے تنگ آکر ایک ماں نے اپنے چھ بچوں کو زہر دے کر مار دیا ہے۔

یہاں پولیس اور پریس کا اتنا ہجوم ہے کہ کان پڑی آواز نہیں آ رہی۔

عظمت خلیل کسی نیوز چینل کے رپورٹر کو انٹرویو دینے میں مصروف ہیں۔ وہ جب فارغ ہوں گے تب ان سے بات ہو سکتی ہے۔

نمل دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کر رہ گئی۔

عظمت خلیل ٹی وی پر آنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے ان کا ایک ڈیڑھ گھنٹے سے پہلے گھر آنا قطعی ممکن نہیں تھا پھر بھی نمل نے اسے تاکید کر دی کہ نا صرف وہ فارغ ہونے پر گھر فون کریں بلکہ جتنی جلدی ممکن ہو گھر آجائیں ان کے انوائٹ کرنے پر فرقان حسن اپنی فیملی کے ساتھ کھانے پر آگئے ہیں۔

سیکریٹری نے بڑی تابعداری سے جی اچھا میڈم کہہ کر فون بند کر دیا مگر نمل وہیں کھڑی ہونٹ کاٹتی رہی اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا اب کیا کرنا چاہیے وہ رشیدہ سے مشورہ کرنا چاہتی تھی تاکہ کھانے کے لیے بازار سے کچھ منگوا سکے لہٰذا وہ ڈرائنگ روم کے دروازے پر آکھڑی ہوئی اور اشارے سے رشیدہ کو باہر بلا لیا وہ اس کا اشارہ پاتے ہی بہانہ بنا کر ڈرائنگ روم سے باہر نکل آئیں۔

"تمہارے بابا نے تو آج حد کر دی۔" رشیدہ نے قریب آتے ہی دبی زبان سے کہا۔

"وہ تو کرتے ہی رہتے ہیں۔ آپ یہ بتائیں کہ اب کیا کرنا ہے۔" نمل نے وقت ضائع کیے بغیر فوراً "پوچھا تو انہوں نے بھی ہوٹل سے کچھ منگوا لینے کا مشورہ دیا۔

سارا مینو بتا کر وہ مسز فرقان حسن کے پاس جا بیٹھیں اور ادھر ادھر کی باتیں شروع کر دیں آخر وقت تو گزارنا ہی تھا مگر آج لگ رہا تھا جیسے وقت تھم گیا ہو فرقان حسن کچھ دیر تو ان کی گفتگو میں شامل رہے پھر عورتوں کے ساتھ کتنی باتیں کرتے لہٰذا انہوں نے اخبار اٹھا کر اس کا مطالعہ شروع کر دیا۔

خرم کو اس طرح منہ اٹھا کر بیٹھنا عجیب لگ رہا تھا چنانچہ اس نے اپنے موبائل پر نیٹ آن کر لیا خود کو مصروف ظاہر کرنے کے لیے۔ مگر ان دونوں کی یہ زبردستی کی مصروفیت رشیدہ کو بری طرح شرمندہ کر رہی تھی۔

ایک گھنٹہ تو جیسے تیسے انہوں نے گزارا آخر نو بجے فرقان حسن نے جانے کی اجازت مانگ لی۔ رشیدہ نے حالات کے پیش نظر انہیں چائے اور دیگر لوازمات پہلے ہی پیش کر دیے تھے مگر ان سب کا عظمت خلیل کے آنے سے پہلے اس طرح بغیر کھانا کھائے جانا بالکل مناسب نہیں لگ رہا تھا۔

"نہیں نہیں آپ لوگ اسے کیسے جا سکتے ہیں۔ عظمت بس آتے ہی ہوں گے۔" خود ان لوگوں کو بھی عظمت خلیل سے ملے بغیر جانا اچھا نہیں لگ رہا تھا رشیدہ کے اصرار پر فرقان حسن خاموش ہو کر بیٹھ گئے۔

"اگر آپ برا نہ مانیں تو نمل کو بھی یہیں بلا لیں۔" مسز فرقان نے جھجکتے ہوئے کہا خرم نے موبائل پر سے نظریں ہٹا کر ایک نظر ماں کو دیکھا اور دوبارہ بے نیاز بن گیا۔

"نہیں' نہیں بھلا برا ماننے کی کیا بات ہے۔" رشیدہ اس وقت اتنی شرمندہ تھیں کہ کسی بات کا برا نہیں مان سکتی تھیں اور پھر کون سا نمل' خرم سے پردہ کرتی تھی روز ہی تو یونیورسٹی میں سامنا ہوتا تھا انہوں نے تو اس لیے نمل کو نہیں بلایا تھا کہ پتا نہیں مسز فرقان نمل کے آکر بیٹھنے پر کیا سوچیں۔ اب جبکہ خود انہوں نے گزارش کر دی تھی تو انہیں بلانے میں کیا قباحت تھی۔

نمل رشیدہ کے بلانے پر ڈرائنگ روم میں آکر ایک ایسے سنگل صوفے پر بیٹھ گئی جو فرقان حسن اور مسز فرقان دونوں کے ہی قریب تھا جبکہ خرم ان کی محفل سے دور الگ ڈیڑھ انچ کی مسجد بنائے بیٹھا تھا اس نے صرف نمل پر ایک نظر ڈالی تھی اور اس کی توقع کے عین مطابق نمل ابھی تک اسی حلیے میں تھی جس میں پہلے موجود تھی اس نے کپڑے بدلنے یا بال بنانے کی زحمت بالکل نہیں کی تھی البتہ شاید منہ دھو کر ذرا سا پاؤڈر لگا لیا تھا وہ بھی یقیناً" اسی لیے کہ وہ باہر لان میں بیٹھی ہوئی تھی ورنہ یہ اتنی سی تبدیلی بھی ان لوگوں اور خاص طور پر خرم کے لیے نہیں تھی۔

نمل کے آکر بیٹھنے پر فرقان حسن نے اخبار ایک طرف رکھ کر اس سے ہلکی پھلکی گفتگو شروع کر دی۔ نمل نے باتوں کا آغاز تو اخلاقی تقاضے کے تحت ہی کیا تھا مگر کچھ دیر بعد اسے اندازہ ہوا فرقان حسن تو خاصے دلچسپ انسان ہیں۔

اتنے بڑے بزنس مین ہونے کے باوجود انہوں نے اپنے بارے میں "اپنی کامیابیوں کے بارے میں یا اپنی دولت کے ڈھیر کے متعلق ایک لفظ نہیں کہا۔

بلکہ اس کے برعکس وہ ادب اور شاعری پر بات کر رہے تھے اس معاملے میں نا صرف ان کی معلومات بڑی وسیع تھیں بلکہ ان کا انداز بڑا عاجزانہ تھا جیسے مجھے کہاں کچھ آتا ہے۔

ہر وقت "میں" کی گردان کرتے شخص کے ساتھ رہنے کے بعد نمل کو فرقان حسن کے سادہ سے انداز نے بڑا متاثر کیا وہ خاصی گرمجوشی کے ساتھ ان سے گفتگو میں مصروف ہو گئی۔

خرم نے ایک دو بار سر اٹھا کر بات بات پر کھلکھلاتی نمل کو دیکھا اور واپس اپنے موبائل میں مصروف نظر آنے لگا ہر چند کہ اس کی پوری توجہ وہیں تھی مگر وہ نمل پر یہ بات ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔

البتہ اس کی یہ لاتعلقی مسز فرقان کے لیے خاصی حیران کن تھی وہ دونوں ساتھ پڑھتے تھے ان کا خیال تھا ان دونوں کے بیچ اچھی خاصی بے تکلفی ہوگی جو ان کے سرکل میں کوئی معیوب بات بھی نہیں تھی تو کیا خرم' رشیدہ کی وجہ سے اتنا ریزرو ہو کر بیٹھا ہے کیا وہ اتنے پرانے خیالات کی ہیں۔

مسز فرقان نے کئی بار خرم کو مخاطب کرنا چاہا کہ وہ بھی ان سب کی گفتگو میں حصہ لے مگر ہر بار وہ بیٹے کو دیکھتیں اور منہ کھول کر دوبارہ خاموش ہو جاتیں۔

ان کی یہ حرکت خرم نے کئی بار نوٹ کی وہ ان کی حیرت کو بخوبی سمجھ رہا تھا فرقان حسن کے کیا تاثرات تھے ان

کے چہرے اور انداز سے کچھ ظاہر نہیں ہو رہا تھا مگر اسے یقین تھا یہاں سے گھر جانے کے بعد اس سے باز پرس ضرور ہو گی۔

فرقان حسن تو یقینی طور پر شادی کی تاریخ طے کرنے کی بات کریں گے جس کا جواب خرم نے پہلے ہی تیار کر لیا تھا اس نے سوچا تھا شادی کی تاریخ اس کے ایگزامز کے بعد کی نہیں بلکہ پہلے کی ہو گی۔

"ڈیڈ گھر چلیں" خرم نے ایک دم پوچھا تو بھی چونک گئے فرقان حسن نے رسٹ واچ کی طرف دیکھا۔

ساڑھے دس بج رہے تھے وہ ڈھائی گھنٹے سے بیٹھے انتظار کر رہے تھے عظمت خلیل اگر نہیں آ سکتے تھے تب بھی انہیں کم از کم فرقان حسن کو ایک فون ضرور کرنا چاہیے تھا کچھ تو بات کرتے کہ انہیں کتنی دیر لگے گی وغیرہ، لیکن انہوں نے تو کوئی بھی اخلاقی تقاضا پورا نہیں کیا تھا۔

"میں ایک دفعہ عظمت سے پوچھ لوں وہ کب تک آ رہے ہیں ورنہ پھر ہم کھانا لگوا لیتے ہیں اب تو بہت دیر ہو گئی ہے اس سے زیادہ انتظار تو نہیں ہو سکتا۔" رشیدہ نے شرمندگی سے کہا ہوٹل سے کھانا تو کب کا گھر آ چکا تھا ملازموں نے اسے پتیلیوں میں پلٹ کر ڈبے پھینک بھی دیے تھے لہٰذا کھانا کھا لینا ہی بہتر تھا۔

مگر اس سے پہلے کہ رشیدہ فون کرتیں ملازم نے عظمت خلیل کے آنے کی اطلاع دے دی رشیدہ نے شکر کا کلمہ پڑھتے ہوئے فوراً" کچن کا رخ کیا۔

عظمت خلیل سیدھا ڈرائنگ روم میں ہی چلے آئے اور بڑی انکساری سے معذرت کرنے لگے جس پر فرقان حسن "کوئی بات نہیں" کہ علاوہ بھلا کہہ بھی کیا سکتے تھے پھر جب تک عظمت خلیل چینج کر کے آئے وہ سب کھانے کے لیے بیٹھ چکے تھے۔

رشیدہ ان کی پلیٹ میں چاول ڈالتے ہوئے مسکرا کر کہنے لگیں۔

"آج آپ نے فرقان بھائی اور بھابھی کو فاقہ کرا دیا۔" انہوں نے اخلاقاً" کہا تھا مگر عظمت خلیل کو لگا وہ طعنہ مار رہی ہیں وہ بھی مہمانوں کے سامنے۔ وہ ایک دم ہی بگڑ گئے۔

"مصروف تھا میں، کوئی جان بوجھ کر باہر نہیں بیٹھا تھا اور اتنا ٹائم ملنے پر بھی کون سا تم نے کھانا گھر میں پکا لیا سب کچھ ہوٹل سے منگایا ہوا لگ رہا ہے۔" نمل کچن سے مزید سالن نکال کر لا رہی تھی کہ باپ کے جواب پر وہ جہاں تھیں وہیں رک گئی۔

خود رشیدہ کے چاول پلیٹ میں ڈالتے ہاتھ اپنی جگہ ساکت ہو گئے۔ ان کا لب و لہجہ اور بات خود فرقان حسن اور مسز فرقان کو حیران کر گیا تھا خرم البتہ رشیدہ کو دیکھنے لگا کہ وہ کیا کہتی ہیں مگر اسے ان کی خاموشی نے حیران کیا تو اپنے سامنے کھڑی نمل کو دیکھنے لگا جو جلدی سے سالن ٹیبل پر رکھ کر کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی مگر بولی کچھ نہیں۔

"بریانی میں اتنا مسالا! کون سے ہوٹل سے آرڈر کیا ہے کھانا۔" عظمت خلیل کا موڈ خراب ہو چکا تھا۔ رشیدہ دل ہی دل میں پچھتانے لگیں کہ انہوں نے کیوں کہا کہ وہ دیر سے آئے ہیں۔ اب چاہے وہ اور نمل خاموش بھی رہیں عظمت خلیل کو ایک بات بری لگ ہو جائے تو وہ بات بات پر کاٹ کھانے کو دوڑتے ہیں۔

چاولوں کی یہ برائی انہوں نے اسی لیے کی تھی کہ اگر رشیدہ اور نمل یہ جھوٹ بولنے کا سوچ رہی ہیں کہ کھانا انہوں نے خود پکایا ہے تو اپنا ارادہ ملتوی کر دیں۔

"ہمیں تو بریانی میں مسالا تیز ہی پسند ہے۔" فرقان حسن نے خوش مزاجی سے کہتے ہوئے فوراً" چاول کی طرف ہاتھ بڑھا دیے بلکہ ماحول کی گمبھیرتا کو کم کرنے کے لیے مزید کہنے لگے۔

"عظمت صاحب آپ نے ہمیں تو کھانے پر بلا لیا لیکن بھابھی اور نمل کو بتایا تک نہیں۔ وہ بے چاری تو اتنے شارٹ ٹائم میں بھی کھانا پکا لیتیں لیکن پھر ہمارے پاس کون بیٹھتا یہ تو نمل اور بھابھی نے ہمیں بور نہیں ہونے دیا

ورنہ آپ نے تو سڑا ہی دیا تھا۔" فرقان حسن نے مذاق ہی مذاق میں بھی کچھ سنا دیا۔

عظمت خلیل انہیں کچھ نہیں کہنا چاہتے تھے اس لیے دل ہی دل میں پیچ و تاب کھانے کے باوجود بظاہر مسکرا دیے۔

نمل حیرانی سے فرقان حسن کو دیکھنے لگی کتنی سبھاؤ اور سمجھ داری سے انہوں نے عظمت خلیل کو جتایا تھا جبکہ کہ کھانا پکانا مسئلہ نہیں تھا۔ مسئلہ وقت کی تنگی کا تھا اور وہ بھی عظمت خلیل کی غلطی کی وجہ سے کہ انہوں نے مہمانوں کو مدعو کر لیا اور گھر میں ذکر تک نہیں کیا پھر اس پر ہوٹل سے کھانا منگوانے پر اعتراض بھی کر رہے ہیں۔

رشیدہ کو فرقان حسن کا یوں سب کے بیچ عظمت خلیل کو جتانا خجل کر گیا وہ انکساری سے کہنے لگیں۔

"اصل میں عظمت اتنے مصروف رہتے ہیں کہ بہت ساری باتیں بتانا بھول جاتے ہیں" نمل کو رشیدہ کی یہ عادت سخت زہر لگتی تھی مجال ہے جو وہ کبھی عظمت خلیل پر کوئی برائی آنے دیتیں لیکن عظمت خلیل کو لگتا کہ رشیدہ ان پر طنز کر رہی ہیں ایک بات ان کے ذہن سے کیا نکل گئی وہ مہمانوں کے سامنے یہ کہہ رہی ہیں کہ وہ ساری باتیں بتانا بھول جاتے ہیں۔

گویا وہ گھر میں تو ٹائم ہی نہیں دیتے اور ہر وقت باہر ہی مصروف رہتے ہیں۔ فرقان حسن پہلے ہی ان کی کھنچائی کر چکے تھے اس کی بھڑاس بھی نہیں نکلی تھی اس پر رشیدہ کی بکواس۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا وہ کرسی گھسیٹ کر کھانا چھوڑ کر اٹھ جائیں۔

"نمل منہ اٹھائے کیا بیٹھی ہو اپنی ساس کو کھانا نکال کر دو" کرسی پر بیٹھی نمل اپنی جگہ اچھل پڑی اور مسز فرقان کو دیکھنے لگی جو عظمت خلیل کی بات پر ایک دم ہنس پڑی تھیں۔

"ارے بھائی صاحب میری پلیٹ میں تو پہلے ہی جگہ نہیں ہے رشیدہ بھابھی اتنا کچھ ڈال چکی ہیں" نمل پر یہ اعتراض ان کو بالکل بے جا لگا تھا صاف ظاہر تھا عظمت خلیل صرف اپنی جھنجلاہٹ نکال رہے ہیں جو مزید کہہ رہے تھے۔

"اصل میں آپ سب کی بھوک مر گئی ہے۔ بھئی میرا انتظار کرنے کی کیا ضرورت تھی مہمانوں کو بھوکا تھوڑی بٹھایا جاتا ہے کھانا کھا لینا چاہیے تھا۔ میرا تو تمہیں پتا ہے کوئی ٹائم نہیں ہے آنے جانے کا۔" عظمت خلیل کے ہر لفظ سے بیزاری ٹپک رہی تھی۔

رشیدہ اور نمل دونوں دانستہ خاموش رہیں اس وقت کچھ بھی بولنا خود اپنی بے عزتی کرانا تھا عظمت خلیل کو وہ اچھی طرح جانتی تھیں وہ اگر ایک لفظ بھی بولیں گی تو عظمت خلیل دس باتیں سنا دیں گے۔ وہ دونوں پہلے ہی مہمانوں کے سامنے اتنی شرمندہ ہو چکی تھیں کہ اب مزید نہیں ہو سکتی تھیں۔

"کم آن عظمت، میں نے ہی منع کیا تھا بھابھی کو کہ عظمت کے آنے پر کھانا نکالیے گا۔ لیکن تم یہ بتاؤ کہ تم کہاں رہ گئے تھے۔"

"ان لوگوں نے یہ بھی نہیں بتایا۔" عظمت خلیل نے ایک قہر برساتی نظر نمل پر ڈالی وہ اس سارے ماحول سے لاتعلق بنی بیٹھی تھی۔

"نمل کو میرے سیکریٹری نے ساری بات بتا دی تھی تم لوگ ٹی وی آن کرتے تو مجھے دیکھ سکتے تھے سارے نیوز چینلز میرے بارے میں ہی بات کر رہے تھے۔" جانے انجانے ہی سہی عظمت خلیل کا پسندیدہ موضوع "میں" چھڑ چکا تھا جس پر وہ بغیر رکے بغیر تھکے بغیر اکتائے گھنٹوں بول سکتے تھے لہٰذا اب وہ رشیدہ اور نمل کو یکسر فراموش کیے درد میں ڈوبی آواز میں کہہ رہے تھے۔

"ذرا سوچیں، اس ماں کی کیا ذہنی حالت رہی ہو گی جس نے اپنے چھ بچوں کو زہر دے کر مار دیا۔ یہ ہمارے

معاشرے کا المیہ ہے کہ جب تک کوئی مر نہیں جاتا ہمیں نہ کسی کی بھوک نظر آتی ہے نہ کسی کی غربت دکھائی دیتی ہے۔

مجھے جیسے ہی اطلاع ملی میں اپنے سارے کام چھوڑ کر اس ماں کی جھونپڑی میں پہنچ گیا اس عورت کے پاس اپنے بچوں کی تدفین کے لیے بھی کچھ نہیں تھا اور ہمارے ہاں کی پولیس اسے گرفتار کرنے آئی تھی۔ میں نے وہاں کھڑے ہو کر سو لوگوں کو فون کیے ہیں اس عورت کو سزا کی نہیں اس عورت کو علاج کی ضرورت ہے میں نے وہاں ٹی وی پر بتایا کہ محلے والوں نے اسے روکا ہے ورنہ یہ بچوں کے بعد خود کو بھی مارنے والی تھی۔ میں کہتا ہوں اس عورت کو جیل میں ڈالنے سے کیا ہوگا آپ اس مسئلے کی جڑ کو کاٹ پھینکیں جس کے باعث لوگ اپنے بچوں کو قتل کر رہے ہیں۔ میں نے ٹی وی پر اپیل کی زکوۃ کا نظام صحیح طریقے سے رائج کیا جائے۔ یہ سب پیسے کی غیر منصفانہ تقسیم کا نتیجہ ہے میں نے کہا۔"

"آپ نے صرف کہا یا آپ نے کچھ کیا بھی۔" عظمت خلیل پورے جوش و خروش سے تقریر کر رہے تھے جب خرم نے نہایت سپاٹ لہجے میں پوچھا سب چونک کر خرم کو دیکھنے لگے۔

کچھ لمحوں کے لیے ایک دم سناٹا چھا گیا جیسے سب کو سانپ سونگھ گیا ہو آخر عظمت خلیل نے ہی کچھ دیر خرم کو سنجیدگی سے دیکھتے رہنے کے بعد کہا۔

"میں تو بہت کچھ کر رہا ہوں۔ تمہیں معلوم ہے میرے کتنے ٹرسٹ ہیں اور وہ روز کتنے لوگوں کو کھانا، کپڑے، دوائیں اور دیگر ضروریات زندگی فراہم کرتے ہیں۔ کتنے لوگوں کا پورا پورا علاج کتنی لڑکیوں کی شادیاں اور کتنے بے روزگاروں کو ملازمت دلاتا۔ تمہیں پتا ہے میں کتنے کام کر رہا ہوں۔" عظمت خلیل اب بالکل غصے میں نہیں تھے وہ نہایت فخر کے ساتھ اپنا ایک ایک کام گنوا رہے تھے۔

ٹیبل پر اب سب لوگ بالکل خاموش بیٹھے تھے خرم نے جس لہجے اور تاثرات کے ساتھ وہ ایک بات کہی تھی اس پر فرقان حسن کے تنبیہی انداز میں دیکھنے پر وہ بھی "مصلحتاً" چپ ہو گیا تھا مگر عظمت خلیل کے ایک ایک لفظ سے تکبر ٹپک رہا تھا جو کہ خرم جیسے دو ٹوک بات کرنے والے شخص کے لیے برداشت کرنا بڑا مشکل تھا۔

لیکن فرقان حسن کی ایک نظر نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ انہیں اس کا اس طرح بولنا قطعاً "اچھا نہیں لگا" وہ پہلے ہی اس سے اکھڑے اکھڑے تھے وہ انہیں مزید خفا نہیں کرنا چاہتا تھا البتہ اسے حیرت ہو رہی تھی وہ عظمت خلیل کے بارے میں جو کچھ سنتا آیا تھا اور ان کے متعلق جو بھی رائے رکھتا تھا وہ اس سے خاصے مختلف تھے۔

نمل بھی اس ماحول سے یکسر بیگانہ بنی بیٹھی تھی بلکہ اب اس نے پلیٹ میں چاول نکال کر کھانا شروع کر دیے تھے خرم کو تو ایسا لگ رہا تھا یہ سب وہ مصروف نظر آنے کے لیے کر رہی ہے کیونکہ عظمت خلیل کا "دیمن نامہ" کافی طول پکڑ چکا تھا۔

وہ اب یتیم بچیوں کی شادی کے بعد اپنے کھولے ڈس ایبلٹی سینٹر کے متعلق بتا رہے تھے کہ اچانک انہوں نے ایسی بات کہی کہ سب اپنی جگہ ٹھٹک گئے۔

"ہمارے معاشرے میں معذور لوگوں کو بالکل سپورٹ نہیں کیا جاتا انہیں کوئی فن سکھا کر انہیں خود مختار بنانے کی بجائے انہیں طعنے مار کر دوسروں پر بوجھ ہونے کا احساس دلایا جاتا ہے۔ میں نے جب ڈس ایبلٹی سینٹر کھولا تو سب سے پہلا اصول اس میں یہ رائج کیا کہ وہاں آنے والے معذور لوگوں کا اعتماد بحال کیا جائے۔ جب رشیدہ کی شادی کے تین سال بعد بیماری کی وجہ سے ٹانگوں نے حرکت کرنی چھوڑ دی تب سب نے مجھ سے کہا کہ تم ایک معذور کے ساتھ ساری زندگی کیسے گزارو گے۔" عظمت خلیل تواتر کے ساتھ بول رہے تھے

بلکہ رشیدہ کا چہرہ ایک دم پھیکا پڑ گیا حالانکہ ان تینوں میں سے کسی کی بھی ہمت نہیں ہوئی رشیدہ کی طرف دیکھنے کی مگر جس طرح وہ کھانا کھاتے ہوئے اپنی جگہ ساکت ہو گئی تھیں وہ ان کی جانب دیکھے بغیر بھی سب ظاہر کر گیا تھا۔

"لوگ مجھے دوسری شادی کے مشورے دینے لگے۔ کیا کچھ نہیں کہا لوگوں نے مجھے۔ ایک معذور عورت نہیں دوسری اولاد بھی نہیں دے سکتی کم از کم ایک بیٹا تو ہونا ہی چاہیے۔" فرقان حسن، مسز فرقان اور یہاں تک کہ خرم بھی ایک شاک میں گھرا انہیں دیکھ رہا تھا۔ کیا انہیں ذرا احساس نہیں خود کو عظیم ظاہر کرنے کے لیے وہ رشیدہ کو کس بری طرح ذلیل کر رہے ہیں کہ ان تینوں کو شرمندگی ہونے لگی مگر وہ بڑے خوشگوار انداز میں کہتے رہے۔

"لیکن میں اپنی جگہ ثابت قدم رہا۔ میں نے صاف کہہ دیا مجھے ایک معذور عورت کے ساتھ ساری زندگی گزارنے پر کوئی اعتراض نہیں، کیا پتا اللہ تعالیٰ کو میری یہ نیکی پسند آجائے کیا پتا اس معذور عورت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ آگے مجھے کسی معذوری اور بیماری سے محفوظ رکھے۔ مگر لوگ میری طرح نہیں سوچتے وہ اپنے آس پاس ایسے اپاہج لوگوں کی دل آزاری کرتے رہتے ہیں انہیں طعنے دیتے رہتے ہیں جبکہ میں نے کبھی رشیدہ کو یہ احساس نہیں ہونے دیا کہ میں مکمل طور پر صحت یاب ہونے کے باوجود، اتنی دولت اور جائیداد ہونے کے باوجود اس کے ادھورے وجود کے ساتھ زندگی گزار رہا ہوں۔" فرقان حسن اور مسز فرقان تو حیران رہ گئے تھے۔

اس وقت تو فرقان حسن کی بھی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا بولیں ان کا کھانے سے بھی دل اچاٹ ہو گیا تھا بڑی مشکل سے انہوں نے گلا کھنکارتے ہوئے موضوع بدلنے کے لیے کہا۔

"آپ کے کتنے ٹرسٹ ہیں اور پاکستان کے کون کون سے شہروں میں ہیں۔" عظمت خلیل بڑی شان بے نیازی سے اپنے ٹرسٹ کی تفصیل بتانے لگے تو بت بنی رشیدہ بہت مدھم آواز میں بولیں۔

"لگتا ہے سب کھانا کھا چکے ہیں میں میٹھا لے کر آتی ہوں۔" وہ آہستگی سے اپنی وہیل چیئر موڑتی کچن کی طرف بڑھ گئیں۔

خرم انہیں تب تک دیکھتا رہا جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہ ہو گئیں۔ ان گزرے پانچ منٹوں میں چار بار عظمت خلیل نے انہیں معذور عورت اور ایک بار ان کے وجود کو ادھورا وجود کہا تھا تو پچھلے انیس بیس سالوں میں تو وہ جانے کتنی بار انہیں طعنہ مار چکے ہوں گے۔ خرم کو جس شخص کی موجودگی میں پانچ منٹ گزارنے اتنے مشکل لگ رہے تھے اس کے ساتھ پوری زندگی رشیدہ نے کیسے گزاری ہوگی۔

خرم کچن کے دروازے پر سے نظریں ہٹا کر اپنے سامنے رکھے لذیذ کھانوں کی بے تحاشا ڈشز کو دیکھنے لگا کہ جنہیں کھانے کے لیے اس نے تو کیا سبھی لوگوں کی بھوک بالکل مر چکی تھی تبھی خرم کی نظریں خود بخود نمل کی پلیٹ کی طرف اٹھ گئیں۔

اس نے جتنے چاول نکالے تھے وہ جوں کے توں پلیٹ میں موجود تھے اس کا سر پلیٹ پر آگے کو جھکا ہوا تھا مگر وہ کھانا نہیں کھا رہی تھی بس کبھی چاولوں کو ایک جانب کر دیتی تو کبھی دوسری جانب کر دیتی ایک طرح سے وہ صرف چمچہ ہلا رہی تھی خرم غیر ارادی طور پر اس کا شغل دیکھتا رہا کہ تبھی میز پر رکھے نمل کے بائیں ہاتھ پر کوئی چیز آگری۔ خرم سمجھ نہیں سکا کہ اس کی ہتھیلی کی پشت پر کیا گرا ہے کہ تبھی دوبارہ کوئی چیز آگری اور اب خرم کو اندازہ ہوا کہ وہ کوئی چیز نہیں ہے بلکہ چھوٹی چھوٹی بوندیں ہیں جو گری نہیں ہیں بلکہ نمل کی آنکھ سے ٹپکی ہیں۔

تو کیا وہ رو رہی ہے؟

خرم ششدر رہ گیا وہ نمل کے ہاتھوں پر سے نظریں اٹھا کر اس کے جھکے سر کو دیکھنے لگا اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ نمل رو سکتی ہے۔

تبھی نمل نے نہایت آہستگی سے ٹیبل پر رکھا ہاتھ اٹھایا اور اپنے چہرے کی طرف لے گئی۔

بڑی احتیاط اور مہارت سے اس نے اپنی دونوں آنکھ کے کنارے باری باری صاف کیے اور سر اٹھائے بغیر پلیٹ میں سے چھوٹے چھوٹے لقمے لینے لگی۔

بھلے ہی اس کا سر جھکا تھا مگر خرم کو یقین تھا اس کی آنکھیں ابھی بھی نم ہو رہی ہوں گی۔

خرم کو اپنے سینے میں دھواں سا بھرتا محسوس ہوا اسے لگا ایک عجیب سی بے کلی نے اس کے پورے وجود کا احاطہ کر لیا ہو۔ اس کا شدت سے دل چاہ رہا تھا کہ اپنے اور اس کے درمیان رکھی ڈائننگ ٹیبل پر ایک لات مار کر اسے سائیڈ میں کر دے اور نمل کے نزدیک جا کر اس کے آنسو اپنے ہاتھوں سے پونچھ دے، دنیا میں آخری چیز جس کی وہ توقع نہیں کر سکتا تھا وہ تھا نمل کا رونا۔

وہ جو ہمیشہ اسے ہرانے اور اسے اپنے سامنے سرنگوں دیکھنے میں سرگرداں رہتا تھا آج نمل کی آنکھ سے ٹپکے دو آنسوؤں نے اس کے دل میں بھرے سارے غبار کو دھو دیا تھا۔

پہلی بار اسے احساس ہوا وہ تو نمل کو کبھی بھی تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا تھا بس اپنے ان جذبات سے وہ خود بھی آگاہ نہیں تھا۔

اس کی اور نمل کی لڑائی کی ابتدا بھی تبھی ہوئی تھی جب وہ نمل کی مدد کرنے آگے بڑھا تھا۔ جب اس کے پاس بل چکانے کے پیسے نہیں تھے اور اس کی پریشانی اس کے چہرے اور ایک ایک انداز سے چھلک رہی تھی۔

وہ تو تبھی اپنی شرط پوری کر دینے کے باوجود اس کا بل ادا کرنے کھڑا ہو گیا تھا تبھی تو نمل کو اندازہ ہوا تھا کہ اس کا پرس خرم نے ہی چرایا ہے ورنہ اگر وہ دور بیٹھا اسے فکر مند ہوتا دیکھتا رہتا تو نمل اس کے پاس آکر کبھی بھی اس پر یہ الزام نہ لگاتی۔

مگر پہلے دن سے جب وہ اس کا نام بھی نہیں جانتا تھا وہ اسے تکلیف میں دیکھ کر انجام کی پروا کیے بغیر اس کی مدد کرنے کھڑا ہو گیا تھا۔

لیکن اس وقت وہ اپنے احساسات کو نہیں سمجھ سکا تھا وہ یہی سمجھا تھا کہ اس کی وجہ سے ایک لڑکی پریشان ہے لہٰذا اس کی مدد کرنی چاہیے مگر آج صورت حال مختلف تھی آج وہ اس کی مدد کرنے سے قاصر تھا۔

وہ اس کے والد کی سوچ اور گفتگو کو نہیں بدل سکتا تھا آج اپنی بے بسی محسوس کر کے اسے علم ہوا تھا کہ وہ نمل کے لیے کچھ بھی کر سکتا ہے اسے روتا دیکھ کر خود اسے بھی اتنا ہی درد ہو رہا تھا جتنا نمل اس وقت محسوس کر رہی تھی۔

نمل کے صرف چند آنسو ٹپکے تھے اور خرم کی دنیا بدل گئی تھی نمل نے تو اب خود پر قابو بھی پا لیا تھا اس نے جگ میں سے پانی نکال کر بڑے سکون سے پانی پیا مگر اس کی آنکھ میں تیرتے سرخ ڈورے خرم کا سکون تباہ و برباد کر رہے تھے۔

اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا وہ ایسا کیا کرے کہ وہ ان روتی آنکھوں سے ہی مسکرا دے۔ وہ گم سم سا بیٹھا جانے کب تک اسی طرح سوچتا رہتا کہ رشیدہ کی آواز اسے سوچوں کے سمندر سے کھینچ لائی۔

"خرم تم نے میٹھا نہیں لیا۔" خرم نے چونک کر اپنے اردگرد دیکھا رشیدہ نے میٹھے کا پیالہ نوکر کے ہاتھ بھجوا دیا تھا وہ خود کچھ دیر کے لیے منظر سے ہٹنا چاہ رہی تھیں چنانچہ اب جبکہ وہ خود کو نارمل کر چکی تھیں تو دوبارہ ڈائننگ ٹیبل کے پاس آگئیں۔

مسٹر اینڈ مسز فرقان کے علاوہ عظمت خلیل بھی میٹھا کھا کر تقریباً" اٹھنے والے تھے صرف نمل اور خرم تھے جن کے آگے ابھی تک کھانے کی پلیٹ رکھی ہوئی تھی۔

رشیدہ کی آواز پر نمل نے بھی خرم کی جانب دیکھا تو اس کی پلیٹ جوں کی توں رکھی دیکھ کر اس کی آنکھوں میں واضح طور پر حیرانی ابھری جبکہ خرم نے ایک نظر رشیدہ کو دیکھا اور پھر نمل کو دیکھنے لگا اچانک اس پر انکشاف ہوا تھا کہ وہ اتنی بہادر کیوں ہے۔

وہ بالکل اپنی ماں کی طرح ہے۔ جو زندگی بھر معذور رہنے کے باوجود لوگوں کی ہمدردیاں سمیٹنا نہیں چاہتیں بلکہ ذرا" خود کو کمپوز کر کے ایسے اکڑی ہوئی ہیں جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

نمل یقیناً" ان سے بھی زیادہ بہادر تھی اسے خود کو نارمل ظاہر کرنے کے لیے میدان سے بھاگنے کی ضرورت تک نہیں تھی اس نے وہیں بیٹھے بیٹھے خود کو اتنا سنبھال لیا تھا کہ خرم کے علاوہ کسی کو احساس تک نہیں ہوا کہ وہ ابھی ابھی روئی ہے۔

خرم غیر ارادی طور پر نمل کو دیکھے گیا جو اسے ہی منتظر نظروں سے دیکھ رہی تھی کہ شاید اب وہ اپنے کھانا نہ کھانے کی وضاحت دے گا۔

مگر اس کی آنکھوں میں تو جانے کون سے طوفان مچل رہے تھے کہ زندگی میں پہلی بار نمل اسے زیادہ دیر دیکھ نہ سکی وہ سمجھ نہ سکی کہ خرم کو اچانک ہوا کیا ہے البتہ جانے کیوں پھر اس سے وہاں رکا نہیں گیا تو وہ "ایکسکیوزمی" کہتی اٹھ کر اندر چلی گئی۔

"خرم بیٹا کیا بات ہے تم نے کھانا بھی نہیں کھایا اور اب میٹھا بھی نہیں لے رہے۔ طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔"

رشیدہ نہایت فکر مندی اور شفقت بھرے لہجے میں پوچھنے لگیں تو خرم بڑے دھیمے مگر بڑے گمبھیر لہجے میں بولا۔

"اس شخص کو برداشت کر کے آپ نے ساری دنیا کے سامنے اس کا بھرم کیوں رکھا اور کیوں خود پر اتنا ظلم کیا؟"

رشیدہ شدید حیرانی سے خرم کو دیکھنے لگیں انہیں یقین نہیں آرہا تھا کہ یہ بات واقعی خرم نے کہی ہے۔ انہوں نے ایک نظر باتوں میں مصروف مسٹر اینڈ مسز فرقان اور عظمت خلیل پر ڈالی اور کچھ مطمئن ہو کر بالکل انجان بن کر ہنس دیں۔

"میں سمجھی نہیں تم کیا کہہ رہے ہو۔"

"اگر یہ سب آپ نے نمل کی خاطر کیا تو آپ نے نمل پر بھی ظلم کیا ہے۔" خرم نے جیسے ان کی بات سنی ہی نہیں لیکن پھر وہ رکا بھی نہیں اور رشیدہ کو حیران پریشان چھوڑ کر اٹھا اور باہر لان میں جا کھڑا ہوا۔

وہیں سے اس نے فرقان حسن کو کال کر کے گھر چلنے کو کہا خود فرقان حسن بھی اٹھنا چاہ رہے تھے۔ سوا گیارہ ہو رہے تھے گھر پہنچتے پہنچتے انہیں ساڑھے بارہ بج جانے تھے مگر موضوع ایسا چھڑ گیا تھا کہ مسز فرقان اور عظمت خلیل زور و شور سے بول رہے تھے۔

مسز فرقان نے محض اتنا پوچھا تھا کہ کیا وہ نمل کی پڑھائی ختم ہونے پر اس کی شادی کریں گے؟

اس پر عظمت خلیل نے ایک زوردار قہقہہ لگایا تھا اور بڑا فخریہ بتایا تھا کہ جب ان کی شادی رشیدہ سے طے ہوئی تھی تب رشیدہ میڈیکل کالج میں تھیں اور انہیں ڈاکٹر بننے کا جنون تھا مگر عظمت خلیل نے اپنے والدین پر زور دے کر جلدی شادی کا شور مچایا تھا حالانکہ رشتہ کرتے وقت ان کے والدین نے کہا تھا کہ اس کا بس ایک سال باقی ہے وہ پڑھائی مکمل کر لے پھر ہاؤس جاب وہ شادی کے بعد کر لے گی۔

مگر میں نے کہا جب مجھے اسے ڈاکٹر بنانا ہی نہیں ہے تو پھر پڑھائی کرانے کا کیا فائدہ بس سب مجبور ہو گئے اور رشیدہ کو پڑھائی چھوڑ کر شادی کرنی پڑی۔

لٰہذا یہ فیصلہ تو خرم کرے کہ نمل کو ایم اے کرنا ہے یا شادی کے بعد کرنا ہے یا سرے سے کرنا ہی نہیں
یہ بات مسز فرقان کو سخت ناگوار گزری تھی وہ سارا لحاظ بالائے طاق رکھ کر انہیں احساس دلانے کی کوشش کر رہی تھیں کہ انہوں نے رشیدہ کے ساتھ ظلم کیا۔
عظمت خلیل کیونکہ اپنے ٹرسٹ اور کارناموں کی تفصیل بتا چکے تھے لٰہذا ان کا موڈ اب خوشگوار ہو چکا تھا وہ بغیر چڑے اور بغیر جھنجلائے مسز فرقان کی تنقید مسکرا مسکرا کر سن رہے تھے اور بیچ بیچ میں لقمے بھی دے رہے تھے جو مسز فرقان کا جوش اور بڑھا رہے تھے کہ ان کی نصیحتیں بڑھتی جا رہی تھیں۔
فرقان حسن کے کھڑے ہونے کا اشارہ پا کر بھی انہیں اٹھنے میں بڑا وقت لگا یہاں تک کہ عظمت خلیل کھڑے ہو گئے رشیدہ نے نمل کو اندر سے بلوا لیا انہیں سلام کرنے کے لیے مگر مسز فرقان اپنے موضوع سے نہیں ہٹیں۔
آخر عظمت خلیل کا فون بج اٹھا تو وہ فرقان حسن سے الوداعی مصافحہ کر کے بات کرتے اندر چلے گئے رشیدہ لاؤنج کی سیڑھیوں تک ان کے ساتھ آئیں لیکن نیچے پورچ تک صرف نمل انہیں رخصت کرنے آئی۔
خرم انہیں آتا دیکھ کر گاڑی کی چابی لیے پہلے ہی گاڑی تک پہنچ گیا مگر گاڑی کھول کر اندر نہیں بیٹھا اسے پتا تھا، اس کے والدین کو یہ چند قدم چلنے میں بھی دس منٹ تو لگیں گے کہیں جا کر وہاں سے اٹھتے اٹھتے اور الوداعی کلمات کہتے کہتے اس کے والدین کو اچھا خاصا ٹائم لگ جاتا تھا دونوں ہی باتوں کے شوقین تھے اور یہاں تو گفتگو بھی مسز فرقان کے سخت ناپسندیدہ موضوع پر ہو رہی تھی وہ عظمت خلیل کے ہٹ جانے کے باوجود بے تکان بول رہی تھی۔
"نمل تمہیں اچھا لگے یا برا مگر میں تو صاف کہوں گی مجھے تو تمہارے والد کا فعل ایک آنکھ نہیں بھایا۔ تمہاری ماں کا میڈیکل کا صرف ایک سال رہ گیا تھا اور انہوں نے وعدہ خلافی کرتے ہوئے پڑھائی ختم کرائے بغیر شادی کر لی۔" نمل ان کی بات پر زبردستی مسکراتی رہی۔
یہ سب وہ بچپن سے جانتی تھی اب تو ان باتوں پر اس کا دل بھی نہیں کڑھتا تھا وہ خاصی ڈھیٹ ہو چکی تھی۔
"اب بس بھی کرو وہ کیا کرے اگر اس کے والد نے ایسا کر دیا تو۔" فرقان حسن چڑ گئے۔
"میں یہ سب اس لیے کہہ رہی ہوں کہ اگر تمہارے ساتھ ایسا کچھ ہو تو مجھے صاف صاف بتا دینا' تمہیں پڑھائی کے دوران شادی کرنی ہے یا پڑھائی ختم کرنے کے بعد' جیسا تم چاہو گی ویسا ہی ہو گا۔" نمل اور خرم نے بے اختیار ایک دوسرے کی طرف دیکھا جبکہ فرقان حسن زور سے ہنسے۔
"ابھی بہو گھر نہیں لائی ہو نا اس لیے اتنی بڑی بڑی باتیں کر رہی ہو ورنہ کوئی بھی ساس یہ برداشت نہیں کر سکتی کہ جیسا بہو چاہے ویسا ہی ہو۔"
"اچھا تو آپ مجھے ایسا سمجھتے ہیں۔" مسز فرقان نے مصنوعی غصے سے کہا پھر بڑے شاہانہ انداز میں کہنے لگیں۔
"میں کوئی پرانے زمانے کی ساس نہیں ہوں جو نیرو مائنڈڈ ہوتی تھیں۔ میرے گھر میں نمل کو پوری آزادی ہو گی وہ جیسے چاہے رہے اور جو چاہے کرے۔" نمل خاموشی سے انہیں سنتی رہی وہ بڑے بڑے دعوؤں پر یقین نہیں کرتی تھی باتیں تو عظمت خلیل بھی بہت اچھی بناتے تھے سچائی تو وقت آنے پر پتا چلتی ہے۔
لیکن ان کی گفتگو سے اسے یہ اندازہ ضرور ہو گیا تھا کہ وہ دونوں ماحول کو خوشگوار بنانے کی کوشش کر رہے ہیں عظمت خلیل کی باتوں سے ڈائننگ ٹیبل پر جو کشیدگی والا ماحول چھا گیا تھا وہ دونوں شاید اس کا اثر زائل کر رہے تھے کیونکہ فرقان حسن بھی ہنستے ہوئے کہنے لگے۔
"ہاں ہاں بالکل اپنے گھر آ کر تم پورے گھر کو اپنی مرضی کے مطابق رکھنا جو دل چاہے خریدنا اور جو چیز پسند نہ آئے اٹھا کر پھینک دینا۔" نمل جانتی تھی وہ دونوں مذاق کر رہے ہیں وہ بھی بظاہر مذاق کرتے ہوئے بڑی سنجیدگی

ے بولی کہ خرم بھی اس کی جانب دیکھنے پر مجبور ہو گیا کیونکہ وہ بھی خرم کو ہی دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔
"اور اگر مجھے آپ کا بیٹا پسند نہ ہو تو۔" نمل سے اس قسم کے مذاق کی ان دونوں کو قطعی امید نہیں تھی اتنی دیر ے وہ اس کے گھر کے سنجیدہ اور بے کیف ماحول میں بیٹھے تھے ان کا اندازہ تھا نمل بھی صرف سنجیدہ اور سوبر گفتگو ی کر سکتی ہو گی لٰہذا اس کے برجستہ کہنے پر ان دونوں نے ہی انجوائے کیا تھا۔
مسز فرقان تو صرف مسکرائی تھیں جبکہ فرقان حسن تو قہقہہ مار کر ہنسے اور پھر اسے سراہتے ہوئے بولے۔
"یہ ہوئی نا بات۔
That's realy like my doughter in law"
فرقان حسن نے غور ہی نہیں کیا کہ نمل ان سے نہیں بلکہ ان کے بیٹے سے مخاطب ہے البتہ مسز فرقان یہی سمجھی تھیں کہ نمل خرم کو چھیڑ رہی ہے اور اسی لیے وہ اس کے مذاق سے لطف اندوز ہوئی تھیں اتنی دیر کی لاتعلقی کے بعد ان دونوں کی یہ چھیڑ چھاڑ انہیں مطمئن کر گئی تھی تبھی فرقان حسن' خرم کو دیکھتے ہوئے بولے۔
"لیکن تم خرم کو اٹھا کر پھینک نہیں سکتیں اس کام کے لیے چوکیدار کی مدد لینی پڑے گی۔" فرقان حسن اپنی بات پر خود ہی محظوظ ہوتے ہوئے ہنس دیے جبکہ خرم چپ چاپ گاڑی سے ٹیک لگائے نمل کو دیکھتا رہا۔
نمل اس کی طرف سے کسی جواب کی منتظر تھی مگر اس کی خاموشی نے نمل کو حیران کیا تھا خرم کا رویہ اسے بدلا بدلا لگ رہا تھا جو کہ اس کے لیے باعث فکر تو نہیں تھا مگر باعث حیرت ضرور تھا اسی حیرانی کے ساتھ نمل ان سب کو وداع کر کے اندر آ گئی تو رشیدہ کو وہیں موجود دیکھ کر ان کے پاس آ گئی۔
"اب آپ کچھ بھی سوچے بغیر کپڑے بدلیں اور جا کر سو جائیں۔" نمل انہیں سوچوں میں ڈوبا دیکھ کر ان کی وہیل چیئر کے پاس بیٹھ گئی اور ان کے گھٹنوں پر سر رکھ دیا۔
مگر رشیدہ کچھ بھی نہ بولیں تو نمل سر اٹھا کر انہیں دیکھنے لگی۔
"آج بھی وہی سب ہوا ہے جو ہمیشہ سے ہوتا آ رہا ہے ایسا کچھ نیا نہیں ہوا ہے جس پر بیٹھ کر دل جلایا جائے۔"
رشیدہ نے دو تین بار پلکیں ایسے جھپکائیں جیسے کسی گہری نیند سے جاگی ہوں پھر اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کہنے لگیں۔
"ہاں تمہارے والد کی جانب سے تو کچھ بھی نیا نہیں ہوا انہوں نے وہی کیا جو ہمیشہ کرتے آئے ہیں لیکن خرم نے ایسی بات کہی ہے جو کبھی کسی نے نہیں کہی۔" نمل کچھ چونک سی گئی۔
"خرم نے؟"
"ہاں ہر ایک شخص مجھ سے ملنے کے بعد مجھ پر رشک کرتا ہے کہ مجھے تمہارے والد جیسے شوہر ملے ہیں مجھے ان کی قدر کرنی چاہیے ورنہ مرد بھی بھلا کبھی معذور بیوی کو برداشت کرتا ہے میں تو بہت خوش قسمت ہوں وغیرہ۔ لیکن خرم پہلا انسان ہے جس نے مجھ سے کہا کہ اس شخص کو برداشت کر کے آپ نے اس کا بھرم کیوں رکھا۔ ایسا کر کے میں نے خود پر اور تم پر ظلم کیا ہے۔" رشیدہ بڑبڑانے والے انداز میں بولیں نمل کا حیرت کے مارے منہ کھلتا چلا گیا۔
"یہ..... یہ خرم نے آپ سے کہا۔" نمل شدید بے یقینی کے ساتھ بولی تو رشیدہ سر اثبات میں ہلا کر رہ گئیں۔
کتنی ہی دیر ان دونوں میں سے کوئی کچھ نہ بولا آخر رشیدہ نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔
"تم جو خرم کے بارے میں بتاتی ہو اسے سن کر وہ کچھ اور ہی لگتا ہے لیکن میں اس سے جتنی بار بھی ملی ہوں وہ مجھے ہمیشہ پہلے سے زیادہ اچھا لگا ہے۔" نمل کتنی ہی دیر رشیدہ کو خاموش نظروں سے دیکھتی رہی۔

☼ ☼ ☼

"تمہیں کیا ہو گیا تھا خرم تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔" خرم نے جیسے ہی گاڑی نمل کے گھر کے گیٹ سے نکال کر سڑک پر ڈالی مسز فرقان کے اندر مچلتا سوال فوراً لبوں پر آگیا۔

"میری طبیعت کو کیا ہونا ہے۔" خرم نے ٹالنے والے انداز میں کہا۔

"تم وہاں اس قدر خاموش کیوں بیٹھے تھے اور کیا نمل سے تمہاری کوئی بات چیت نہیں ہے یا آج کل کہیں ناراضی ہو گئی ہے۔"

"ایسی تو کوئی بات نہیں۔"

"ایسی بات نہیں ہے تو پھر کیسی بات ہے۔ تم دونوں نے تو ایسے اجنبیوں کی طرح بی ہیو کیا ہے کہ میں تو حیران رہ گئی آخر بات کیا ہے۔" مسز فرقان اتنی آسانی سے جان کہاں چھوڑنے والی تھیں مگر فرقان حسن کو اس وقت اس موضوع پر بات کرنا کچھ مناسب نہیں لگا تبھی ان سے سو فیصد متفق ہونے کے باوجود محض بات ختم کرنے کے لیے کہنے لگے۔

"وہ روز یونیورسٹی میں ملتے ہیں اس کے علاوہ دونوں کے پاس موبائل ہیں انہیں جو بات بھی کرنی ہو گی آرام سے کر سکتے ہیں۔ بزرگوں کی موجودگی میں ہی ساری گپیں لڑانا تو کوئی اچھی بات نہیں پھر نمل کا ماحول تھوڑا سا مختلف ہے ان کے گھر میں یہ سب طریقے پسند نہیں کیے جاتے۔" فرقان حسن کے سبھاؤ سے کہنے پر مسز فرقان نہ صرف قائل ہو گئیں بلکہ ان کا دھیان بھی دوسری طرف چلا گیا۔

"ان کا ماحول تو خیر واقعی بہت مختلف ہے۔ عظمت بھائی سے کتنی بار ملاقات ہوئی ملاقات سے پہلے ان کے بارے میں کس قدر سنا ہوا تھا مگر قریب سے دیکھنے کے بعد تو پتا چلا کہ ہاتھی کے دانت کھانے کے اور اور دکھانے کے اور۔

ایک تو بیٹی کی سسرال کو اس طرح بغیر کسی اہتمام کے بلا کر بٹھا لیا اور اپنے انتظار میں سڑاتے رہے اور پھر آنے کے بعد بیوی پر ایسے بگڑ رہے تھے۔

جیسے ساری غلطی ان ہی کی ہو This is too much" مسز فرقان نے دانت پیسے۔

"اسی لیے کہتے ہیں کسی کو جانے بغیر اس کے بارے میں رائے قائم نہیں کرنی چاہیے جیسے آج پہلی بار نمل کے ساتھ بیٹھنے کا اتفاق ہوا تو اندازہ ہوا کہ نمل بڑی اچھی لڑکی ہے کافی سلجھی ہوئی نیچر ہے اس کی۔" فرقان حسن کی بات پر مسز فرقان بھی تائید کرتے ہوئے بولیں۔

"ہاں خرم نے تو کبھی اس کے بارے میں کچھ بتایا ہی نہیں۔ پڑھائی میں کیسی ہے۔ کیسی دوستیں ہیں اس کی، یونیورسٹی میں سب کے ساتھ اس کا رویہ کیسا ہے۔" مسز فرقان نے ایک بار پھر توپوں کا رخ خرم کی طرف کر دیا۔

"اس میں بتانے والی کیا بات ہے۔" خرم نے قدرے بےزاری سے کہا۔

"تمہیں ہوا کیا ہے تمہارا موڈ اتنا آف کیوں ہے۔" مسز فرقان ایک بار پھر اسے کھوجتی نظروں سے دیکھنے لگیں۔

"کمال ہے وہاں اتنی دیر میں بور ہوا ہوں اور آپ پوچھ رہی ہیں موڈ کیوں آف ہے۔" خرم نے مزید سوالوں سے بچنے کے لیے ایف ایم آن کر لیا۔

اس نے دیکھا نہیں اس کے ریموٹ اٹھانے سے پہلے ہی فرقان حسن نے گردن گھما کر پچھلی سیٹ پر بیٹھی مسز فرقان کو خاموش رہنے کا اشارہ کر دیا تھا جس پر وہ خفگی کے طور پر گاڑی سے باہر دیکھنے لگی تھیں۔

ورنہ ان کا تو دل چاہ رہا تھا یہ کہنے کا کہ منگیتر کے گھر سے آرہے ہو اور شادی سے پہلے سسرال میں جا کر بیٹھنے سے کوئی بوریت نہیں ہوتی۔

پھر گاڑی میں سبھی خاموش رہے یہاں تک کہ گھر آگیا گھر کے سامنے ہی خرم کی گاڑی کھڑی تھی تو خرم گاڑی پورچ میں کھڑی کر کے اپنی گاڑی کے پاس آگیا۔

فرقان حسن نے گھر سے نکلنے سے پہلے ہی سارے معاملات طے کر کے گاڑی اپنے ملازم کے ہاتھ منگوالی تھی ان کے پیچھے جا کر گاڑی لے آیا تھا۔

گاڑی کی طرف سے مطمئن ہو کر جب وہ اپنے کمرے میں آیا تو شدید تکان کے باوجود اسے ذرا نیند نہیں آرہی تھی وہ بغیر کپڑے بدلے ہی بیڈ پر ٹانگیں لٹکا کر بیٹھا اور پھر ایسے ہی لیٹ کر چھت کو تکنے لگا۔

زندگی میں وہ کبھی اتنا اداس نہیں ہوا تھا کیونکہ ضرورت ہی نہیں پڑی تھی زندگی میں جب جو چاہا وہ اسے مل گیا کسی چیز کو کھونے اور کسی محرومی کو برداشت کرنے کا کوئی تجربہ ہی نہیں ہوا تھا۔

مگر آج اسے اپنا آپ بالکل خالی لگ رہا تھا بار بار اس کی آنکھوں کے سامنے نمل کا چہرہ آجاتا۔ سرخ ڈورے والی وہ نم آنکھیں خرم سے بھلائے نہیں بھول رہی تھیں۔

ماں باپ کے بیچ اگر محبت اور ذہنی ہم آہنگی نہ ہو تو اولاد کی زندگی کس بری طرح متاثر ہوتی ہے یہ اس نے سنا تو ضرور تھا لیکن اس کا مشاہدہ آج ہوا تھا۔

گھر والوں کے بیچ اگر ناچاقی ہو اور وہ ایک دوسرے کی عزت نہ کرتے ہوں تو یہ بات باہر والوں سے زیادہ دیر چھپ نہیں سکتی۔ نمل کو یقیناً خرم کے سامنے اپنے ماں باپ کا بھرم ٹوٹ جانے پر شدید دکھ ہو رہا ہو گا۔

تبھی اس کے والدین نے نمل کو یقین دہانی کرانی چاہی تھی کہ یہ سارا ماحول صرف اس کے گھر کا ہے ایک بار جب وہ شادی ہو کر ان کے گھر آجائے گی تو ایسا نہیں رہے گا۔

لیکن یہ تو صرف اس کے والدین کی سوچ تھی شادی کے بعد ان دونوں کا گھر عظمت خلیل اور رشیدہ کا دوسرا روپ ہو گا۔

بھلا ایک زبردستی کے رشتے کا اور کیا انجام ہو سکتا ہے نمل جب اس شادی پر خوش ہی نہیں ہے تو وہ دوسروں کو اور خاص طور پر خرم کو خوش رکھنے کی کوشش کیوں کرے گی جس نے اس کے صاف انکار کر دینے کے باوجود محض اس کی کمزور پوزیشن کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس سے شادی کر لی۔

شادی کے بعد وہ ایسی ہی رہے گی جیسے رشیدہ رہتی ہیں زندگی سے اور خود سے بےگانہ بس ہر کام ایک فرض کی طرح کیے جاؤ یہاں تک کہ مسکرانا بھی ایک ذمہ داری ہو تاکہ دوسروں کو اندر کا حال پتا نہ چل جائے۔

کیا وہ ایسی نمل کے ساتھ رہ سکتا ہے؟

کیا ایسی نمل کو دیکھ کر اسے خوشی ہو گی؟

کیا وہ زندگی میں کبھی کسی لمحہ خوش ہو سکے گا؟

تو کیا اسے یہ شادی کرنی چاہیے؟

وہ یہ شادی کیوں کر رہا ہے؟

کیا نمل سے تھپڑ کا بدلہ لینے کے لیے؟

یونیورسٹی میں اس کا آخری سال ہے سب پڑھائی ختم کر کے اپنی اپنی زندگی میں مصروف ہو جائیں گے اس کا بیچ چلا جائے گا دوسرے بیچ کے اسٹوڈنٹ کچھ عرصے اس کا ذکر کریں گے پھر انہیں بات کرنے کے لیے نئے لوگ نئے موضوع مل جائیں گے یہاں تک کہ کچھ سالوں بعد لیکچرار اور پروفیسرز کے ذہنوں سے بھی مخفی ہو جائے گا کہ خرم حسن نام کا کوئی طالب علم یہاں پڑھتا تھا نئے آنے والے اسٹوڈنٹس کا تو ذکر ہی بےکار تھا انہیں تو سرے سے علم ہی نہیں ہو گا کہ کون کون پڑھ کر جا چکا ہے اور اس کے ساتھ کیا ہوا ہے۔

پھر وہ کسے دکھانے کے لیے یہ سب کر رہا ہے اس کے ساتھ پڑھنے والے چند فضول دوست۔ یا سمیرا اور اس کے گروپ کے چند فضول دشمن، جو اس کے بارے میں کچھ بھی سوچتے ہیں یا کوئی بھی رائے رکھتے ہیں اس سے خرم کو فرق نہیں پڑتا۔

خرم حسن جو زندگی بھر لاپرواہی سے کہتا آیا ہے۔

"WhoCarers"

اور وہ اپنی زندگی کا فیصلہ۔ سب سے اہم فیصلہ ان لوگوں کے لیے کر رہا ہے جن کی اسے پروا نہیں۔

اور اس ہستی کے مقابلے میں کر رہا ہے جس کے چند آنسو دیکھ کر اس کا دل خون ہو گیا ہے۔

نمل کو ساری زندگی ایک ناپسندیدہ انسان کے ساتھ گزارنی پڑے اس سے تو لاکھ گنا بہتر تھا وہ اس منگنی کو توڑ دے۔

یونیورسٹی میں کچھ دن اس کے متعلق باتیں ہوں گی اس کی اور نمل کی ذات کو مذاق اور تنقید کا نشانہ بنایا جائے گا اور پھر سب ویسے کا ویسا ہو جائے گا جیسے ہمیشہ ہوتا ہے۔ یعنی کچھ دن بات کر کے لوگ بھول جائیں گے اور اگر نہیں بھی بھولیں گے تو نمل تو خوش رہے گی نا۔

کیا اس سے بڑی اور اہم بات کوئی ہو سکتی ہے کہ نمل خوش اور پرسکون ہے۔

آج عظمت خلیل اتنی دیر سے آئے کہ فرقان حسن ان سے کسی اہم موضوع پر بات نہ کر سکے لیکن وہ دن دور نہیں جب ان کی شادی کی تاریخ آ ہی جائے گی۔

اس وقت کے آنے سے پہلے اسے فیصلہ کرنا تھا۔ بلکہ فیصلہ تو ہو گیا تھا اب تو صرف عمل کرنا باقی تھا اور یہ اعلان اسے جلد سے جلد کرنا تھا کیونکہ ہر پہلو پر سوچ لینے اور مطمئن ہو جانے کے بعد دل کا کوئی ایک کونا اسے ایسا کرنے سے روک رہا تھا۔

اور دل یہ احتجاج اس لیے نہیں کر رہا تھا کہ لوگ کیا سوچیں گے بلکہ اس لیے کر رہا تھا کہ اس طرح وہ نمل کو کھو دے گا۔

نمل اگر اسے ناپسند کرتی ہے تو اس کے لیے منگنی توڑنے کی کیا ضرورت ہے وہ خود کو اس کی پسند کے مطابق ڈھال بھی تو سکتا ہے۔

لیکن دماغ دل کے اس مشورے پر عمل کرنے کے لیے بالکل راضی نہیں تھا شادی سے پہلے اگر وہ محبت کا اظہار کرے گا تو نمل کبھی یقین نہیں کرے گی وہ اسے کوئی سازش سمجھے گی بلکہ کوئی بعید نہیں کہ وہ اس کا امتحان لینے کے لیے منگنی توڑ دینے کی شرط رکھے۔

اور شادی کے بعد ایسا کوئی بھی اظہار بے معنی ہو جائے گا ایک لڑکی کی ساری کشتیاں جلا دینے کے بعد اسے ہر طرف سے لاچار کر کے اپنے گھر لے آنے کے بعد جب اس کے پاس فیصلے کا کوئی اختیار ہی نہیں بچا تب اس کے سامنے اظہار محبت کرنا اسے کبھی خوش نہیں کر سکتا۔

ہاں ہو سکتا ہے کہ وہ لڑکی اس اظہار پر خوش نظر آنے کی کوشش کرے یہ سوچ کر کہ اب جبکہ شادی ہو چکی ہے اور اسی کے ساتھ رہنا ہے تو پھر کیا ضرورت ہے بگاڑ کر رہا جائے کیوں نہ بنا کر رکھی جائے۔

لیکن پھر یہ محبت نہیں سمجھوتہ ہوا۔

اور خرم حسن سمجھوتے پر مبنی محبت پر قناعت نہیں کر سکتا نمل اگر اس کی ہو تو اپنی پوری مرضی اور رضامندی کے ساتھ ورنہ یہ گزارا کرنے والی زندگی اور مجبوری کو سنبھالنے والی شادی خرم کو ہرگز منظور نہیں تھی۔

ساری رات خرم نے جاگتے ہوئے گزار دی صبح ہونے پر وہ تھکا ہوا ضرور تھا لیکن شکست خوردہ نہیں تھا کیونکہ اسے پتا تھا کہ وہ جو کر رہا ہے صحیح کر رہا ہے لہٰذا اس نے تاخیر کرنا بھی مناسب نہیں سمجھا اور ناشتے کی میز پر اپنے فیصلے کا اعلان کر دیا۔

"ڈیڈ میں نمل سے شادی نہیں کرنا چاہتا آپ یہ منگنی توڑ دیں" خرم نے بغیر تمہید باندھے دو ٹوک اور نہایت ٹھوس لہجے میں کہا تو سینے کے اندر ایک بار پھر کمزور سا احتجاج شروع ہو گیا مگر جب فیصلہ کی بنیاد نمل کی خوشی ہے تو پھر کوئی بھی احتجاج کوئی بھی تاویل کوئی بھی دلیل خرم حسن کا فیصلہ نہیں بدل سکتی۔

"یہ کیا بے ہودہ مذاق ہے خرم۔

"You Know I Dont'tLike These Kinds of Jokes"

مسز فرقان کی پیشانی پر ان گنت بل پڑ گئے جبکہ فرقان حسن نہایت سنجیدگی کے ساتھ اسے گہری نظروں سے دیکھنے لگے۔

"I Am Not Joking I am Serious" خرم کا چہرہ اور لہجہ ایسا نہیں تھا جسے مسز فرقان نظر انداز کر سکتیں وہ ایک اچنبھے کے عالم میں خرم کو دیکھنے لگیں۔

"لیکن خرم یہ منگنی تمہاری مرضی سے ہوئی تھی تمہارے ڈیڈ تو اتنی جلد بازی کے لیے تیار بھی نہیں تھے کل رات اگر عظمت خلیل کے رویے کی وجہ سے تم نے یہ فیصلہ کیا ہے تو یہ نہایت غلط فیصلہ ہے۔ وہ جیسے بھی ہیں جو بھی کر رہے ہیں تمہیں اس سے کوئی مطلب نہیں ہونا چاہیے۔"

"میں ان کی وجہ سے منگنی نہیں توڑ رہا۔" خرم نے سکون سے کہا۔

"تو پھر کس کی وجہ سے توڑ رہے ہو۔" مسز فرقان جھنجلائیں۔

"بس مجھے نمل سے شادی نہیں کرنی۔" خرم اصل بات نہیں بتا سکتا تھا کیونکہ اسے معلوم تھا جب اس کے والدین عظمت خلیل کو انکار کریں گے تب عظمت خلیل کافی لعن طعن کریں گے اگر خرم نے یہ کہہ دیا کہ میں نمل کی وجہ سے منگنی توڑ رہا ہوں تو خرم کے لاکھ منع کرنے کے باوجود فرقان حسن اور خاص طور پر مسز فرقان عظمت خلیل کو اصل وجہ بتا سکتے تھے کہ یہ سب ہمیں آپ کی بیٹی کی وجہ سے ہی کرنا پڑ رہا ہے وہی تیار نہیں ہے۔

عظمت خلیل کا مزاج وہ سمجھ چکا تھا یہ منگنی اگر نمل کی وجہ سے ٹوٹی تو عظمت خلیل، رشیدہ اور نمل کا جینا دوبھر کر دیں گے اور خرم ایسا بالکل نہیں چاہتا تھا۔

"تو پھر منگنی کیوں کی تھی؟ تم نے یہ سب مذاق سمجھ رکھا ہے کیا۔" مسز فرقان آئندہ کی صورت حال کے متعلق سوچ کر تلملا گئیں۔

"آئی ایم سوری لیکن پلیز اس منگنی کو ختم کر دیں ورنہ میں خود عظمت خلیل سے بات کر کے رشتہ توڑ دوں گا جس میں زیادہ برائی آئے گی بہتر یہ ہے کہ آپ لوگ طریقے سے منع کر دیں" خرم نے شرمندگی سے کہا اسے اندازہ تھا اس نے اپنے والدین کو مشکل میں ڈال دیا ہے۔

"ہم تو منع نہیں کریں گے۔" فرقان حسن اتنی دیر میں پہلی بار بولے ان کا لہجہ نہایت سپاٹ اور سرد تھا خرم چونک کر انہیں دیکھنے لگا۔

"یہ کام تم خود کرو گے تاکہ آگے سے وہ جتنی گالیاں دیں وہ تم سنو کیونکہ وہ تم ہی ڈیزرو کرتے ہو ہم نہیں۔"

خرم جانتا تھا وہ غصے میں نہیں بول رہے بلکہ غصے میں بھی بہت سوچ سمجھ کر کہہ رہے ہیں۔

"یہ منگنی تمہیں واقعی توڑ دینی چاہیے کیونکہ نمل کو جب تم کچھ دے نہیں سکتے تو اس پر شادی کر کے نارسائی کا ظلم کرنے کی بھی ضرورت نہیں۔" فرقان حسن چبا کر بولے۔

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں" مسز فرقان چڑ گئیں۔

"خرم کی شادی نمل سے ہی ہوگی اور اب یہ فوراً ہوگی۔" وہ حتمی انداز میں بولیں۔
"جب تم کچھ جانتی نہیں ہو تو پھر فیصلہ بھی مت کرو۔" فرقان حسن، مسز فرقان سے بھی اسی لہجے میں بولے جس میں وہ خرم سے بات کر رہے تھے۔
"میں کیا نہیں جانتی WillYouPleaseTellMe" مسز فرقان زچ ہو گئیں مگر فرقان حسن نے ایسے ہاتھ اٹھایا جیسے ابھی وہ صرف خرم سے بات کر رہے ہوں وہ دخل نہ دیں۔
"دیکھو خرم تمہاری شادی اس پاگل کے ساتھ تو ہو نہیں سکتی۔ اول تو وہ جیل سے نہیں نکلے گی اور فرض کرلو اگر نکل بھی آئی تو بھی ہم اس اسکینڈلائز اور مینٹل کیس لڑکی کو کبھی بہو نہیں بنائیں گے۔
"لہٰذا تم اچھی طرح سوچ لو کہ تمہیں نمل سے منگنی توڑنی ہے یا تھوڑا ٹائم لینا ہے نمل کے لیے خود کو تیار کرنے کے لیے۔"
خرم لب بھینچے فرقان حسن کو دیکھتا رہا جبکہ مسز فرقان حیرت سے کبھی فرقان حسن کو دیکھ رہی تھیں تو کبھی خرم کو۔
"یہ آپ کس کی بات کر رہے ہیں" مسز فرقان نے پوچھا مگر ان دونوں نے سنا ہی نہیں کیونکہ خرم نے کہنا شروع کیا تھا۔
"جو آپ سمجھ رہے ہیں ایسا کچھ بھی نہیں ہے میں بس نمل سے شادی نہیں کر سکتا اور یہ سب میں اچھی طرح سوچ سمجھ کر کہہ رہا ہوں مجھے مزید سوچنے کی ضرورت نہیں۔" خرم نہایت رسانیت سے کہہ رہا تھا۔ مگر فرقان حسن شدید غصے میں زوردار آواز کے ساتھ کرسی گھسیٹتے کھڑے ہو گئے۔
"تو پھر ٹھیک ہے، جب سب طے کر چکے ہو تو ہم سے بات کرنے کی کیا ضرورت ہے، جاؤ عظمت خلیل کو اپنے فیصلے سے آگاہ کردو۔"
فرقان حسن جلالی انداز میں کہتے پاؤں پٹختے وہاں سے چلے گئے تو خرم بھی خاموشی سے اٹھ گیا حالانکہ مسز فرقان اسے پکارتی رہ گئیں مگر وہ رکا نہیں اور گھر سے نکل گیا۔

☆ ☆ ☆

اتنے دنوں بعد اچانک رومیلہ کو اپنے سامنے اور وہ بھی یونیورسٹی میں دیکھ کر نمل اور سنبل دونوں خوشی سے چیخ پڑیں اور دوڑ کر اس کے گلے جا لگیں۔
کتنی ہی دیر وہ تینوں ایک دوسرے سے لگی جانے کیا کیا بولتی رہیں آخر کافی دیر بعد جب ان کے جذبات قابو میں آئے تب وہ تینوں ایک جگہ بیٹھ کر سکون سے بات کرنے لگیں زیادہ تر رومیلہ ہی بول رہی تھی وہ دونوں بڑے انہماک سے سن رہی تھیں جو کہہ رہی تھی۔
"بس کل رات تم سے بات کرنے کے بعد میں نے آج صبح الیان سے یونیورسٹی کا ذکر کیا تو انہوں نے ڈرائیور کے ساتھ مجھے یونیورسٹی چلے جانے کو کہہ دیا۔ میں تو سوچ رہی تھی کہ کل سے جاؤں گی مگر جب انہوں نے کہا کہ آج کا دن کیوں ضائع کر رہی ہو تو میں آج سے ہی آگئی۔"
"تو کیا تمہاری ساس نے کوئی تبصرہ نہیں کیا تمہارے جانے پر۔" سنبل نے پوچھا تو نمل بھی بے ساختہ بولی۔
"وہ بھی گھر کی گاڑی اور ڈرائیور کے ساتھ۔"
"نہیں میرے سامنے تو نہیں کیا۔ اصل میں الیان نے انہیں ضرور کچھ سمجھایا ہوگا انہوں نے پہلے سے

گراؤنڈ بنا رکھا ہوگا تبھی یہ سب ہوا ہے اب کیا بات ہوئی ہے یہ پوچھنے کا موقع ملے گا تو بتاؤں گی صبح میں تو الیان بہت جلدی میں ہوتے ہیں۔" رومیلہ نے کہا۔
"تو یہ الیان بھائی تمہیں اتنا سپورٹ کیوں کرتے ہیں کیا ابرار بھائی کے ڈر سے۔" نمل نے تعجب سے کہا۔
"سچ پوچھو تو یہ بات خود مجھے حیران کر رہی ہے۔ الیان کا رویہ تو بہت اچھا ہے میرے ساتھ۔ وہ یہ سب کسی بلیک میلنگ کے ڈر سے نہیں کرتے بلکہ ایسا لگتا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے یہ سب کر رہے ہیں۔" رومیلہ نے پرسوچ انداز میں کہا۔
"کہیں انہیں تم سے محبت تو نہیں ہو گئی۔" سنبل نے شوخی سے کہا تو رومیلہ بے ساختہ ہنس دی۔
"پلیز سنبل مذاق میں بھی ایسی بات مت کرو۔" نمل نے فوراً ٹوکا تو رومیلہ کچھ ٹھٹک کر نمل کو دیکھنے لگی جو بڑی سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔
"زیادہ خوش فہمیوں کو دل میں جگہ دینے کی ضرورت نہیں۔ ایسی دھوکے بازی سے کی گئی شادیوں میں محبت بھی نہیں ہوتی صرف سمجھوتہ ہوتا ہے یا تو الیان بھائی میں انسانیت ہے اس لیے وہ یہ سب کر رہے ہیں یا پھر انہیں ڈر ہے کہ کہیں تم اپنے بھائی سے ان لوگوں کے رویے کی شکایت نہ کردو اور وہ اشتعال میں آکر کوئی انتہائی قدم نہ اٹھائیں۔" نمل نے صاف گوئی سے کہا تو رومیلہ تو کچھ نہیں بولی البتہ سنبل ضرور کہنے لگی۔
"تم ہر بات کی اتنا منفی کیوں لیتی ہو اچھی امید رکھنا خوش فہمی نہیں ہے اور اس شادی میں دھوکے بازی ابرار بھائی نے کی ہے رومیلہ نے نہیں۔ ہو سکتا ہے الیان بھائی کو اس بات کا اندازہ ہو گیا ہو اس لیے وہ رومیلہ کے ساتھ اتنے اچھے طریقے سے بی ہیو کر رہے ہیں۔"
"اللہ کرے ایسا ہی ہو۔ میں تو صرف اس لیے کہہ رہی تھی کہ میں نہیں چاہتی کہ خدانخواستہ اگر اس شادی کا کوئی برا انجام ہو تو رومیلہ اتنی بری طرح نہ بکھرے کہ سنبھل نہ سکے۔" نمل نے رومیلہ کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔
صرف نمل کی بات سن کر ہی رومیلہ کے چہرے کا رنگ اڑ گیا تھا اگر واقعی نمل کی بات کل کو سچ ہو گئی تو رومیلہ کی کیا حالت ہوگی سنبل تک یہ سوچنے پر مجبور ہو گئی۔
تھوڑی دیر کے لیے ان تینوں کے درمیان خاموشی چھا گئی جسے نمل نے ہی توڑا۔
"ویسے ایک بات کی مجھے بڑی خوشی ہے فائنلی ہم تینوں میں سے کسی کو تو محبت ہوئی۔" نمل کی بات پر سنبل بڑے زور سے ہنسی جبکہ رومیلہ اپنی مسکراہٹ ضبط کرتے ہوئے بظاہر سنجیدگی سے بولی۔
"کس نے کہا تم سے کہ مجھے الیان سے محبت ہو گئی ہے۔" اب کی بار تو نمل بھی اپنی ہنسی نہ روک سکی۔
"میں نے تمہارا نام کب لیا ہو سکتا ہے میں اپنی یا سنبل کی بات کر رہی ہوں۔" رومیلہ اپنی جلد بازی پر کچھ خجل سی ہو کر کہنے لگی۔
"تم لوگوں کے چہرے پر لکھا ہے نام لینے کی ضرورت کیا ہے۔"
"اسی طرح تمہارے بھی چہرے پر لکھا ہے کچھ بتانے کی ضرورت نہیں۔" سنبل برجستہ بولی تو رومیلہ نہ چاہتے ہوئے بھی جھینپ گئی نمل کو اس کا یہ روپ بہت پیارا لگا وہ بے اختیار اس کی دائمی خوشیوں کے لیے دعاگو ہو گئی۔
"یار ہمیں بھی ذرا الیان بھائی سے شرف ملاقات بخشو اب تک ہماری ان سے ڈھنگ سے ملاقات ہی نہیں ہوئی۔" سنبل نے مسکین سی شکل بنائی۔
"کوشش کروں گی وعدہ تو نہیں کر سکتی کیونکہ میں اپنے گھر تم لوگوں کو انوائٹ نہیں کر سکتی، تم دونوں ابھی جاؤ تو

الیان گھر والوں کے سامنے ریزرو ہی رہیں گے لہٰذا فی الحال صرف صبر کرو۔"
رومیلہ بڑی صاف گوئی سے بولی تو سنبل بھی سر ہلا کر رہ گئی مگر کچھ دیر بعد ان تینوں کو ہی بڑی حیرانی کا سامنا کرنا پڑا جب رومیلہ کے موبائل پر الیان کا فون آیا کہ وہ اس کی یونیورسٹی آرہا ہے وہ اپنے ڈیپارٹمنٹ کے گیٹ پر آجائے۔
"ارے تم پوچھتیں تو کیوں آرہا ہے۔" سنبل نے رومیلہ کے حیرانی سے بتانے پر اس سے بھی زیادہ حیرانی سے کہا۔
"اب یہ پوچھنا تو کچھ اچھا نہیں لگتا نا کہ آپ کیوں آرہے ہیں۔" رومیلہ نے بے چارگی سے کہا۔
"پوچھنے کی کیا ضرورت ہے آنے پر پتا چل جائے گا۔" ثمل نے اطمینان سے کہا اور پھر الیان کی مسڈ کال پاتے ہی وہ ان دونوں کے ساتھ ڈیپارٹمنٹ کے باہر آگئی الیان تب تک گاڑی پارک کر کے ان کے انتظار میں کھڑا تھا۔
وہ آفس سے اٹھ کر آرہا تھا اس لحاظ سے اس کی ڈریسنگ بھی ویسی ہی تھی سرمئی رنگ کی پینٹ اور کوٹ پر لائٹ آسمانی شرٹ اور سرمئی ٹائی لگائے آنکھوں پر بیش قیمت سن گلاسز چڑھائے وہ دور سے ہی نمایاں ہو رہا تھا۔
"واؤ! مجھے لگتا ہے وہ یہاں کی لڑکیوں کو اپنی ڈیشنگ پرسنالٹی سے متاثر کرنے آئے ہیں۔" سنبل نے ستائشی انداز میں کہتے ہوئے ہونٹوں کو سیٹی بجانے والے انداز میں گول کرلیا تو رومیلہ صرف اسے دیکھ کر رہ گئی بولی اس لیے نہیں کہ ان پر نظر پڑتے ہی الیان نے ان کی جانب قدم بڑھا دیئے تھے۔
قریب آنے پر الیان نے چشمہ اتارتے ہوئے ان سب کو سلام کیا تو رومیلہ نے جواب دینے کے ساتھ ہی ان دونوں کا بھی تعارف کرادیا اور پوچھنے لگی۔
"سب خیریت تو ہے نا آپ اس وقت یہاں" رومیلہ خاصی حیران تھی تبھی خود پر ضبط نہ کرسکی اور فوراً ہی پوچھ لیا۔
خود الیان کے پاس بھی زیادہ وقت نہیں تھا جو ادھر اُدھر کی باتوں میں ضائع کرتا وہ بھی فوراً کہنے لگا۔
"دراصل میں تو میں یہاں ثمل سے ملنے آیا ہوں بشرطیکہ ثمل کے پاس ٹائم ہو سکون سے بیٹھ کر بات کرنے کا۔" الیان نے براہ راست ثمل کو دیکھتے ہوئے کہا۔
"ہاں ٹائم تو ہے لیکن بات کیا ہے۔" ثمل نے یہ نہیں کہا کہ جب سے رومیلہ آئی ہے ہم صرف باتیں ہی تو کررہے ہیں۔
"کہیں بیٹھ کر بات نہ کرلیں۔" الیان نے مسکراتے ہوئے کہا تو ثمل بری طرح شرمندہ ہوگئی۔
"ہاں ہاں..... کیوں نہیں۔"
پھر کچھ دیر بعد وہ چاروں کینٹین میں موجود تھے الیان ثمل سے گلفام کے بارے میں بات کرنے آیا تھا۔ ثمل نے کچھ ہچکچاتے ہوئے رومیلہ کو دیکھا پھر اس کا اشارہ پا کر سب کچھ سچ سچ بتادیا۔
الیان، ابرار بھائی اور گلفام کے گھر اور آفس کا پتا لینا چاہتا تھا مگر وہ ثمل کو زبانی یاد نہیں تھے چنانچہ وہ اس نے ٹیکسٹ کردینے کا وعدہ کرتے ہوئے پوچھا۔
"آپ ان سب کے بارے میں کیوں پوچھ رہے ہیں۔"
"کیوں؟ کیا تمہیں نہیں لگتا کہ ان لوگوں کو سزا ملنی چاہیے" الیان نے چائے کا سپ لیتے ہوئے الٹا اسی سے پوچھا۔
"مگر آپ اُن لوگوں کے خلاف کیا قانونی کارروائی کریں گے ایسے لوگوں کے خلاف کوئی قانون ہے ہی نہیں

کورٹ میں یہ ثابت ہی نہیں کرسکتے کہ کینیڈا میں ہمیں دوسرا لڑکا دکھایا گیا تھا اور یہاں پاکستان میں ایک دوسرا شخص سامنے آگیا۔" نمل نے اعتراض کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے کورٹ میں یہ سب ثابت کرنا بھی نہیں ہے اس طرح تو رومیلہ کا تماشا بن جائے گا شادی ٹوٹ گئی بس بات ختم اب اس کو ایشو نہیں بنانا ہے۔"

"لیکن اس قسم کے جو فراڈ لوگ ہوتے ہیں جرم کرنا ان کا معمول ہوتا ہے یہ کوئی پہلی غیر قانونی اور غیر اخلاقی حرکت نہیں ہے جو انہوں نے کی ہے۔"

"یقیناً" ان کے اور بھی کارنامے موجود ہوں گے اور میں وہی پتا کرکے ان ہی جرائم کی سزا انہیں دلاؤں گا" الیان یہ کہتے ہوئے کھڑا ہوگیا۔

"کیا یہ ممکن ہے" نمل بھی اس کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"بالکل ممکن ہے بس کوشش شرط ہے۔" الیان نے پورے وثوق سے کہا پھر الوداعی کلمات کہتے ہوئے بولا۔

"تھینکس نمل آپ کا بہت وقت لے لیا۔"

"نہیں شکریہ کی ضرورت نہیں' اگر رومیلہ کے گناہگاروں کو سزا ملتی ہے تو میں تو آپ کی شکر گزار رہوں گی۔" نمل شکر آمیز لہجے میں بولی۔

"سزا تو انہیں ان شاء اللہ تعالیٰ ضرور ملے گی بس دیکھنا یہ ہے کہ ان سب میں وقت کتنا لگتا ہے" الیان بہت پُراعتماد تھا۔

"آپ کا یقین دیکھ کر مجھے لگتا ہے کہ ایسا ضرور ہوگا ورنہ میں "برائی کا بُرا انجام ہی ہوگا" اس نظریے پر زیادہ یقین نہیں رکھتی۔"

"یہ نظریہ نہیں اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے اس نے اگر ڈھیل دے رکھی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ ابھی ان لوگوں سے ان کے اعمال کو لے کر باز پرس نہیں کرے گا۔

اللہ تعالیٰ کی مصلحت کو سمجھنے کی بجائے اس کے فیصلوں پر شکوہ کرنا ایمان کی کمزوری ہے۔ جو کہ آپ جیسی بہادر لڑکی کو بالکل زیب نہیں دے رہی جو اتنے بڑے اور خطرناک فیصلے تن تنہا کرسکتی ہو۔" الیان بڑے دھیمے لہجے میں سمجھا رہا تھا اس کا نصیحت کرنا بالکل ناگوار نہیں لگ رہا تھا وہ اتنی نرمی سے بات کررہا تھا مگر نمل جواب میں کچھ بولی نہیں بلکہ صرف مسکرا کر رہ گئی۔

الیان اس کی خاموشی پر یہ سمجھا کہ شاید وہ اس کے سمجھانے پر برا مان گئی ہے تبھی موضوع بدلتے ہوئے بولا۔

"تمہارے منگیتر سے ملاقات ہوئی تھی بہت اچھا لڑکا ہے۔ خرم نام ہے نا اس کا" نمل چونک اٹھی۔

"آپ جانتے ہیں خرم کو۔"

"نہیں جانتا تو نہیں تھا بس یوں سمجھ لو راہ چلتے ملاقات ہوگئی تھی۔ اچھا اب میں چلتا ہوں۔" الیان کے پاس زیادہ وقت نہیں تھا۔

اسے آفس میں کافی کام تھا مگر وہ یہ سوچ کر سارے کام چھوڑ کر آگیا تھا کہ ایسا نہ ہو شگفتہ غفار' رومیلہ کے یونیورسٹی جانے پر اعتراض کریں اور رومیلہ ایک دن جا کر دوبارہ نہ جائے تو پھر گھر سے نکل کر نمل سے ملنے آنا خاصا مشکل ہوجائے گا کیونکہ وہ رومیلہ کی موجودگی میں نمل سے ملنا چاہتا تھا اور رومیلہ کو لے کر گھر سے نکلنا آسان نہیں تھا۔

اس وقت بھی رومیلہ اس گاڑی میں آئی تھی جو بریرہ کے استعمال میں تھی۔ الیان نے ریاض غفار کو تو بتا دیا تھا رومیلہ کی پڑھائی شروع کرنے کی خواہش کے متعلق لیکن شگفتہ غفار کو کچھ نہیں پتا تھا حالانکہ اس نے سوچ رکھا

اسے کیا کہنا ہے مگر شگفتہ غفار کا کوئی بھروسا نہیں تھا۔
ہر پہلو پر غور کرنے کے باوجود بھی ان سے کسی موضوع پر بات کی جائے تو بھی ان کا ردعمل توقع کے برعکس
ہوسکتا ہے۔

الیان کے جانے کے بعد کتنی ہی دیر وہ تینوں اسی کے متعلق بات کرتی رہیں۔ وہ دونوں ایک طرح سے پہلی بار
الیان سے آج ہی ملی تھیں اس سے پہلے تو بس رسمی سی بات چیت ہوئی تھی اور ان دونوں کو ہی الیان بہت پسند آیا
صرف ظاہری شکل اور رکھ رکھاؤ کے علاوہ اس کی سوچ نے بھی انہیں بہت متاثر کیا تھا۔
جو رومیلہ سے کوئی وابستگی نہ ہونے کے باوجود اس کے مجرموں کو سزا دلانے کی کوششوں میں سرگرداں تھا۔

"یہ تم کیسے کہہ سکتی ہو کہ الیان بھائی کی رومیلہ سے کوئی وابستگی نہیں ہے۔" نمل کے تبصرے پر سنبل ٹوکتے
ہوئے بولی۔

"بھئی دیکھو
دیکھنے کی ضرورت مجھے نہیں' تمہیں ہے۔ مجھے تو دال میں کچھ کالا لگ رہا ہے۔" سنبل نے نمل کی بات کاٹتے
ہوئے رومیلہ کو معنی خیز نظروں سے دیکھا تو نمل اس کا مطلب سمجھتے ہوئے کہنے لگی۔

"بظاہر تو واقعی دال میں کچھ کالا لگ رہا ہے لیکن میں صرف ظاہر پر یقین نہیں کرتی کچھ حقیقتیں پس پردہ بھی
ہوتی ہیں" نمل نے سنجیدگی سے کہا وہ رومیلہ کو ذرا بھی خواب نہیں دکھانا چاہتی تھی کہ جن کے ٹوٹنے پر رومیلہ
بھی ٹوٹ پھوٹ جائے کیونکہ نمل کو یقین نہیں آرہا تھا کہ الیان اتنی آسانی سے ایک زبردستی کے طوق کو قبول
کرلے گا بھلے ہی رومیلہ میں بے تحاشا خوبیاں تھیں وہ کسی بھی انسان کا آئیڈیل ہوسکتی تھی۔
مگر سنبل نہیں چاہتی تھی کہ رومیلہ اتنی پریشانیوں سے گزرنے کے بعد اب کہیں جاکر تھوڑی مطمئن ہوئی
ہے تو اسے بلاوجہ کے خدشات میں مبتلا کیا جائے تبھی اس نے بھی موضوع بدلتے ہوئے کہا۔

سائرہ رضا

الیکشن اِن ایکشن

"رومیلہ اگر تمہیں موقع ملے تو الیان بھائی سے پوچھنا ضرور ان کی خرم سے کہاں ملاقات ہوگئی۔" وہ ٹمل بھی چونکتے ہوئے بولی۔

"ہاں اور یہ بھی کہ ایسی کیا خوبی دیکھ لی جو اس کی تعریف کر رہے تھے۔"

"خیر یہ تو کوئی پوچھنے والی بات نہیں ہے کوئی بھی ذی ہوش انسان خرم سے ملے گا تو اس کی تعریف ہی کرے گا۔" رومیلہ نے اطلاع دینے والے انداز میں کہا تو سنبل بھی تائیدی انداز میں سر ہلانے لگی۔

"کل تو میری امی نے بھی اس کی تعریف کر دی۔" ٹمل نے گہرا سانس کھینچتے ہوئے کہا تو وہ دونوں اچھل پڑیں۔

"کیا بات کر رہی ہو؟" سنبل تقریباً چیخ پڑی تو ٹمل نے کل رات ان لوگوں کے آنے کے متعلق سب بتا دیا۔

وہ دونوں اس صورت حال کے متعلق سوچ کر ایک دم سنجیدہ ہو گئیں۔

عظمت خلیل ایسی حرکتوں کے باعث ہی اپنا احترام کھو چکے تھے۔

"کچھ پڑھائی وغیرہ کرنی ہے یا صرف باتیں ہی ہوں گی آج؟" اچانک آسیہ کی آواز نے ان تینوں کو چونکا دیا۔

رومیلہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے محض اخلاقیات نبھانے کے لیے آسیہ اور اس کے ساتھ کھڑی دوسری لڑکیوں سے گلے ملنے لگی ورنہ وہ سنبل کی زبانی ان کی ساری بدتمیزیاں سن چکی تھی خرم اور زوبیہ کو لے کر۔

لیکن اگر انسان ساری دنیا سے اسی طرح بیر رکھنے لگے تو خود اس کا اپنا جینا مشکل ہو جائے لہٰذا وہ باتوں اور رویوں کو نظر انداز کر دینے پر یقین رکھتی تھی اور اسی کے پیش نظر ان سب سے مسکرا کر بات کرنے لگی کہ تبھی ٹمل کا موبائل بجنے لگا۔

ٹمل نے پرس سے موبائل نکالا تو عظمت خلیل کا نمبر دیکھ کر اسے شدید حیرانی ہوئی وہ سنبل کو آنکھ سے اشارہ کرتی کینٹین سے باہر نکل گئی۔

"السلام علیکم۔"

"کہاں ہو تم۔" انہوں نے ٹمل کے سوال کا جواب دیے بغیر قدرے بگڑ کر پوچھا۔

"یونیورسٹی میں! کیوں کیا ہوا؟" ٹمل نے حیرت سے کہا۔

"تم فوراً" ابھی اور اسی وقت گھر آجاؤ۔"

"کیا امی ٹھیک ہیں۔" ٹمل کا دل ایک دم بند ہونے لگا۔

"ہاں ہاں ٹھیک ہیں انہیں کیا ہونا ہے بس تم فوراً" گھر آجاؤ۔" عظمت خلیل ہمیشہ کی طرح حاکمانہ لہجے میں بول رہے تھے یہ سوچے بغیر کہ ان کے اس اچانک فرمان نے ٹمل کو کتنا پریشان کر دیا ہے۔

"لیکن ابو بات کیا ہے سب خیریت تو ہے نا۔" ٹمل زچ ہو گئی اتنے برے برے وہم دل میں آنے لگے تھے۔

"کوئی خیریت نہیں ہے خرم کا فون آیا تھا اس نے منگنی توڑ دی ہے۔" عظمت خلیل دھاڑے۔

(باقی اِن شاء اللہ آئندہ ماہ)

☼ ☼

"سچی کوئی کہے نہ تو میں یہی سمجھوں کوئی چڑیل میرے لال کا منہ نوچ گئی ہے یا سوتے میں ککڑوں نے ٹھونگیں ماری ہیں۔" گلزار بی بی نے مظلوم صورت بنائے چھوٹے کے سر پر ہاتھ دھرا تھا اور حسب ضرورت سر کو گھما گھما کے دیکھ رہی تھی کہ یہ ہوا کیا تھا۔ لائٹ نہ ہونے کے باعث پسینے سے اور رونے کے باعث آنسوؤں سے چھوٹے کا منہ پہلے ہی چپچپا ہو رہا تھا۔ ماں کی توجہ دیکھی تو اور شدت سے ناک سکوڑنے لگا آنکھیں بھی رگڑیں۔

وہ اب تھوڑے سچے اور تھوڑے جھوٹے جھٹکے بھی کھا رہا تھا۔ بڑے نے ماں سے نظر بچا کے خطرناک نتائج کی دھمکی دی۔ نگاہوں ہی نگاہوں میں اسے سمجھایا۔

"اب مجھے گھور رہا ہے اماں۔" اس نے شکایت لگائی۔

"اس کا گھورنا تو میں آج نکال ہی دوں گی۔ بڑی باتیں جمع ہو گئی ہیں۔ لیکن پہلے مجھے کوئی یہ تو سمجھائے کہ اس کی بوٹیاں کیسے نوچی ہیں۔ کیا تیرے پر بلی چھوڑی اس نے۔۔۔"

"اماں بلی نہیں چھوڑی۔۔۔ وڈے نے دونوں انگوٹھوں کے ناخن یہ لمبے لمبے رکھے ہیں ایس ایم ایس کرنے کے لیے۔۔۔" بڑی بیٹی نے بھی موقع سے فائدہ اٹھایا۔

"ہیں۔۔۔" گلزار بی بی بری طرح چونکی۔۔۔ "اچھا تو یہ طریقے ہیں۔ لا ادھر ذرا قینچی میرے ہاتھ دے سارے ایس ایم ایس ابھی سینڈ کر دیتی ہوں ایک باری میں۔۔۔" وڈا اپنے بچاؤ کے لیے بہت کچھ کر سکتا تھا مگر آج شاید اس کا برا وقت تھا۔

اماں صبح سے کہیں نکلی ہوئی تھی حسب معمول لیکن آج گھر میں گھستے ہی اس نے فلمی ماں کی طرح بڑک ماری "ایدر آ وڈے۔"

وہ للکار پر چونکا ہی تھا کہ کسی کونے میں چھپ کر روتا چھوٹا برآمد ہوا اور اپنا سرخ منہ ماں کے آگے کر دیا۔

اماں اپنی بات بھول کر چھوٹے کی فریاد سننے لگی۔

اس سے چھوٹی اور گھر بھر کی وڈی کے پاس بھی شکایات نامہ تھا۔ ماں کو جلال میں دیکھ کر اس نے بھی فائدہ اٹھایا۔

اس سے پہلے کہ وہ کچھ سوچتا یا بچاؤ کا حل نکالتا۔۔۔ انگوٹھوں کے ناخن کٹ چکے تھے۔

"میرے غصے کو آگ نہ دکھا وڈے۔۔۔ ناخن کی جگہ انگوٹھا ہی نہ وڈ دوں۔ اور تجھے پتا ہی ہو گا آج کل انگوٹھے کتنی ڈیمانڈ میں ہیں۔۔۔"

"اماں میرے ناخن کی بڑی ڈیمانڈ تھی۔" وہ شدید دکھ کے عالم میں انگوٹھوں کو دیکھ رہا تھا۔

"چل وے۔۔۔" گلزار بی بی نے اسے تھپڑ رسید کیا۔ "سیدھی بات یہ بتا دے تو نے اسے مارا کیوں وہ بھی کتوں بلوں کی طرح۔۔۔"

بڑے نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کی نگاہیں ناخنوں پر تھیں۔

"چل تو ہی پھوٹ دے۔ کس بات پر لڑ کے بیٹھے ہو۔" وہ زچ ہو گئی چھوٹے کی سوں سوں ہنوز تھی۔

"اس نے نا۔۔۔ میں نے نا۔۔۔ اس کا یہ مفلر پہن لیا۔ بلکہ اماں پہنا ہی نہیں۔۔۔ میں تو بس گلے میں ڈال کر دیکھ رہا تھا تو اس نے اتنی زور سے کھینچا آآآ۔۔۔ کہ میرا ساہ گھٹ گیا پھندے کی طرح کس گیا اور کھینچنے سے میری گردن چھل گئی۔" چھوٹے نے رو رو کر اٹک اٹک کر بتایا۔

"اگر وڈی مجھے نہ چھڑواتی اماں۔۔۔ میں ابھی تک مر بھی گیا ہوتا اور تو اسی منجی پر بیٹھ کر روتی۔"

چھوٹا جملہ مکمل کر کے پھوٹ پھوٹ کے رو دیا۔

اپنی موت کا سین تھا ہی اتنا دلگیر اور دل خراش۔۔۔ گلزار بی بی کو بھی ایسا ہی کچھ دکھائی دیا اسے کھینچ کر گلے سے لگا لیا۔

"توبہ۔۔۔ توبہ۔۔۔ ریڑھی سے ملا یہ مفلر۔۔۔ اور تو نے اس کی خاطر اپنے بھائی کا گلا گھونٹنے کی کوشش کی۔ بھائی سے زیادہ قیمتی تھا۔ ہائے دنیا اپنے بھائیوں پر جان دیتی ہے اور یہ میرا پتر۔۔۔ میں نے تو کہا تھا ایک

دوسرے کا سہارا بنیں گے۔"

"جب میں نے کہہ دیا ہے کہ میری چیزوں کو ہاتھ نہ لگائے تو کیوں گھستا ہے۔"

وہ اپنے مفلر کو گردن میں سیٹ کرتے ہوئے بھنا رہا تھا۔ سفید اور سیاہ چیک کا فلسطینی اسکارف جو اپنی گردن میں لپیٹنے کے بعد وہ خود کو کوئی بہت اعلا پائے کا ہیرو سمجھ رہا تھا۔

"چوڑا ہی لگ رہا ہے، بلکہ میراثی۔۔۔ اللہ جانے یہ جینز چڑھا کے تو اپنے آپ کو سمجھنے کیا لگ جاتا ہے۔ میں تجھے درزی کی دکان پر بٹھا کر آتی ہوں، تیری ادھر کمر ہی نہیں جڑتی۔ اج کوئی ہنر سیکھ لے گا تو کل کام آئے گا۔ جیب خالی تے گھومے گا ایسے۔۔۔ جیسے ابے کی دکانوں کو کرایہ آتا ہو۔ اج کوئی ہنر ہتھ میں ہوا تو کل سب نے سلام کرنا ہے۔ پر ادھر تو کوئی عقل ہوش۔۔۔ آتی ہی نہیں۔"

"سیکھ لوں گا اماں۔۔۔ ابھی تو جانے دے۔ سب دوست انتظار کر رہے ہیں۔"

"اوئے ہوئے دوست۔۔۔" وہ کھینچ کر بولی۔

"دوست تو ایسے کہہ رہا ہے جیسے بڑے ہی افسر ہوں میٹنگ شیٹنگ کرنی ہو۔ نا تو درزی کی دکان سے اٹھا ہی کیوں۔" اسے اصل مسئلہ یاد آیا۔

"تو بیٹھ کر کرتا بھی کیا۔۔۔ ٹرانسفارمر سڑ گیا۔ کمپلین پہ کمپلین۔۔۔ اور وہ کبھی آئے ہیں پہلے جو آج فورا "حاضر" ہوتے۔ بجلی ہو گی تو سلائی کروں گا نا، اٹھ کر آ گیا۔ لگا دی ہو گی ماسٹر صاب نے یہی شکیت (شکایت) تیرے سے۔" وہ بلبلا کر صورت حال بتا رہا تھا۔

"نہ تو۔۔۔ تو۔۔۔ بیٹھ کے بٹن ٹانک دیتا۔۔۔ ادھیڑنے کے سو کام۔۔۔ تو بھاگا ہی کیوں۔" گلزار بی بی کو ماسٹر صاحب نے خوب بریف کیا تھا۔

"آخر کتنے بٹن ٹانکوں۔۔۔" وڈے نے گویا سر پیٹا۔

"چار گلے کے اور چار کف کے اب کیا پائنچوں اور چاک دامن پر بھی بٹن لگا دوں۔ بجلی گیس کے بٹن بھی دیوار سے اتار کر کپڑوں پر لگا دیتا ہوں۔ اپنے جسم کی انرجی سے ہی جل جائیں۔ اماں انسان کے جسم میں بڑی طاقت ہے۔ سینس دانوں کو ابھی پتا نہیں۔" اس نے انکشاف کیا۔

"سینس دانوں (سائنس دان) کے علم کا تو مجھے پتا نہیں وڈے پر تو ابھی میرے جسم کی انرجی سے فائدہ اٹھا، بے غیرتا اپنے ہی ویر کی جان لینے کی کوشش۔۔۔ ہائے ہائے۔"

گلزار بی بی اس کی تڑتڑ زبان کو سن رہی تھی۔ اچانک ہی اٹھی اور وڈے پر پل پڑی۔ وہ بھی اچانک حملے کے لیے تیار نہیں تھا، ہاتھ آ گیا تھا بھی دبلا پتلا سر نیچے کیے بینک لگواتا گیا۔ (گلزار بی بی تندرست ہاتھ پیر کی کھل گوتھنی عورت تھی۔) اور ہائے ہائے کرتا گیا۔

چھوٹے کے جلتے بلتے دل پر ہر مکا پھوار کی مانند تھا۔

گلزار بی بی تھک ہار کے ہانپنے لگی۔ وڈی نے پانی کا گلاس دیا۔

"بیٹھ کے ادھیڑنے کا ہی کام کر لیتا۔ ادھیڑنے ہی سے آدھا سلائی کا گر ہاتھ آتا ہے کہ سلائی کیسے ہوئی۔۔۔ مگر کام کا شوق ہو تو ایسے خیال آئے نا۔"

"تو آخر ادھیڑوں کیا۔۔۔ سلائی ہو گی تو ادھیڑنے کا موقع آئے گا۔ اب کیا گر سیکھنے کے لیے تیار تھیلیوں میں لگے جوڑے اتار اتار کے لیرو لیر کر دوں۔۔۔ کہ جی سیکھ رہا ہوں۔ ماسٹر جی وہیں میرا ساہ گھٹ دے۔۔۔ ہونہہ۔"

وہ کھڑا ہو گیا۔ ماں کی مار نے اس کا سارا فیشن تباہ کر دیا تھا۔ تیل سے جمائے بال، کپڑوں کی استری اور پسینے میں تر بتر چہرہ، فساد کی جڑ مفلر زمین پر پڑا تھا۔ اس نے اسے اٹھا کر جھاڑا۔

گلزار بی بی نے اسے مفلر کو اور چھوٹے کو دیکھا، جس کی گردن پر ابھی بھی سرخی جھلک دکھا رہی تھی۔

وڈے نے اپنا ایک علیحدہ بکسا بنا رکھا تھا۔ جس میں عطر، تیل، کنگھی، جیل (رنگ گورا کرنے کی کریم، جسے وہ سینت سینت کر استعمال کرتا تھا۔) کچھ شوخ شرٹیں اور جینز سنبھال کر رکھی تھیں۔ چھوٹا اس کے کپڑوں کو

تو نہیں پہن سکتا تھا۔ مگر بڑے بھائی کے تالا لگے بکسے میں اس کی دلچسپی خوب تھی اور بھائی کا یہ مفلر تو دل و جان سے پسند آگیا تھا۔ مگر بھائی دینا تو دور... دکھانے کا بھی روادار نہیں تھا۔ جب ہی یہ فساد ہوا۔

وڈا دوبارہ پیٹ اندر کر کے شرٹ پینٹ میں پھنسانے کی کوشش کر رہا تھا۔ گلزار بی بی کھا جانے والی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی جو ذرا سا رخ موڑے اب ناراض دکھائی دیتا تھا۔

"دنیا اپنے چھوٹے بھائیوں پر جان دیتی ہے اور یہ شودا بھکا ایک لیر نہیں دے سکتا۔ یہ بڑی بڑی مثالوں سے دنیا بھری ہے۔ سامنے کی باتیں ہیں۔ اب یہی دیکھ لو... چھوٹے بھائی نے بس یہی کہا وڈے ویر سے کہ مجھے تو بس وزیر اعلا بننا ہے۔ لو جی وڈا خود گھر بیٹھا ہے تے چھوٹا جھنڈے والی گاڑی میں گھومتا ہے۔ وہ کیا بھائی نہیں ہیں۔"

"اماں کون! کس نے وزیر اعلا بننا ہے۔" وڈی نے چونک کر پوچھا۔

"لے ہور کس نے... یہی اپنے لاہور کے..." گلزار بی بی نے لاپروائی سے ناک سے مکھی اڑائی۔ انداز ایسا تھا جیسے بچپن کے ہم جولیوں کا ذکر خیر ہو۔

"ہیں اماں سچ۔" وڈی کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"اماں تجھے کیسے پتا؟" چھوٹا بھی اس دریا دلی کا سن کر حق دق تھا۔ اس کے وڈے نے تو ہزار منت کرنے پر بھی خوشبو والے صابن سے ایک بار بھی منہ نہ دھونے دیا تھا۔ "لو... تو کیسے نہیں پتا ساری دنیا جانتی ہے۔" اماں کے انداز میں اور بے نیازی آگئی "اور وہ تو چلو سگے بھائی۔ اور تو اور چاچے تائے کی اولادوں میں بھی ایسی محبت ہے۔ اب یہی اپنے چوہدری دیکھ لو کیسے وڈے نے چھوٹے کو آگے رکھا ہوا ہے اور یہ بھی چھڈو... وہ کرکٹ میں بھی تو دو بھائی ہیں۔ وہی جنہیں کیچ چھوڑنے کے لیے رکھا ہے۔ وہ جو ایک وکٹوں کے پیچھے کھڑا ہوتا ہے 'ویلا مسٹنڈا۔'"

"عمر اکمل' کامران اکمل..." چھوٹے نے اچھل کر بتایا۔

"ہاں وہی... کیسے نکمے تے ویلے ہیں۔ مگر اکٹھے جیتے مرتے ہیں۔ قوم اپنے ہیرو سے سیکھتی ہے' لیڈروں سے مگر میری لعنتی اولاد میں وہ فن بھی نہیں... حق ہا..." گلزار بی بی نے تاسف سے ہاتھ ملے۔

وہ دوبارہ تیار ہو چکا تھا۔ "جا رہا ہوں دوستوں کے ساتھ... لے کے میرے نوں وڈ دیتے (ناخن کاٹ دیے)"

"میں انگوٹھا وڈ داں' ہن اٹھ کے بے غیرتا..." گلزار بی بی کو غصہ ہی آگیا۔

"اماں خالی خولی دھمکی نہ لگا۔ مجھے پتا ہے تو کم از کم ابھی تو انگوٹھا نہیں وڈ سکدی۔ میری بڑے لوگوں سے ملاقاتیں ہو رہی ہیں۔ 500 سے لے کر 50.000 تک کا انگوٹھا بک رہا ہے۔ وہ تو میں ہی ذرا اکڑا ہوا ہوں' سارا علاقہ جانتا ہے ابھی ہی تو میرا شناختی کارڈ بنا ہے۔ میری بڑی ڈیمانڈ ہے اماں... میرے بھی دن پھرنے والے ہیں۔" وہ کے بھول کر اب کالر اکڑائے تھوڑا سیدھا کھڑا اپنی اہمیت جتا رہا تھا اور اسے گھورتی گلزار بی بی کے چہرے پر مسکان آرکی۔ آخر بیٹا تو پھر وہ اس کا تھا نا' پورا حسابی کتابی...

☼ ☼ ☼
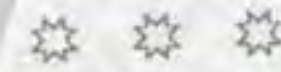
"ہائے مجھے کیا پتا' میں سارا راستے ان بے غیرتو کو کوسنے دیتے آرہی تھی۔ ان کے نانے' دادے ایک کرتے۔ اک سے اک آزمودہ بددعائیں تے گالاں (گالیاں) تے مینوں کی خبر کہ توں وی اناں بے غیرتاں سی... " (مجھے کیا پتا کہ تم بھی انہی بے غیرتوں کے ساتھ تھے۔)

گلزار بی بی کے عتاب کا نشانہ آج پھر وڈا تھا۔ وڈا آج بھی ماں ہی کی سن رہا تھا۔ مگر آج چہرے پر حیرانی تھی۔ اس نے تو وہی کیا جو اس کی ماں ہمیشہ کرتی تھی۔ پھر ایسا ری ایکشن...؟ وہ دل میں مچلتے سوال کو پوچھنا چاہتا تھا۔ مگر ماں چپ تو کرتی سانس لینے ہی کو رکتی تو وہ اسٹارٹ لیتا۔ گلزار بی بی کی بولتی مگر کیسے بند ہوتی۔

واقعہ یہ ہوا کہ گلزار بی بی اپنے کام دھندوں کے سلسلے میں نکلی ہوئی تھی۔ اپنے گھر میں تو ٹی وی تھا نہیں سارا دن وہ ایک بڑی پارٹی کے دفتر میں جلسے کے بارے میں معلومات لیتی رہی... بیچ جھنڈے... جھنڈے کا ہم رنگ جوڑا۔ (کھانا کھایا بھی اور گھر کے لیے لے کر آئی۔)

وہیں اس نے پہلے کارکنوں سے سنا اور بعد میں ٹی وی پر لائیو دیکھا کہ بجلی کی تین روزہ لوڈشیڈنگ سے کھولتے دماغ کے مشتعل افراد نے جگہ جگہ ٹائر جلائے' دکانیں بند کروائیں اور پتھراؤ کرتے مین روڈ پر آگئے۔ نعرے' گالیاں' توڑ پھوڑ' غصہ تھا کہ کسی طور کم ہی نہ ہوتا۔ تب ہی ہارن بجاتی دھیمی رفتار سے آتی لوکل ٹرین مظاہرین کی توجہ کا مرکز بن گئی۔ پہلے ٹرین پر پتھراؤ کیا۔ کتنے ہی مسافروں کے سر پھٹے۔ پھر رکاوٹیں رکھ کے ٹرین رکوا دی گئی۔ ڈرائیور کی پٹائی کرنے کا ارادہ تھا مگر وہ بچ نکلا۔ ہاتھ ملتے مظاہرین میں سے کسی ایک نے ٹرین کو آگ لگا دی۔

مسافروں نے کیسے جانیں بچائیں الگ داستان تھی۔ مظاہرین اس قدر طیش میں تھے کہ پولیس تو گزوں کے فاصلے پر رہی جاوتے سے۔

میڈیا والے حسب معمول گھس گھس کر تازہ ترین اور سب سے پہلے کے چکر میں فوٹیج بنا رہے تھے۔

تب ہی گلزار بی بی نے دیکھا اور سیکنڈ کے سوویں حصے میں پہچان لیا کہ آگ لگاتا... ہاکی جیسی ٹانگوں پر جینز کے سیاہ و سفید فلسطینی مفلر کا ڈھاٹا باندھے وہ شرپسند اس کا اپنا وڈا ہے۔ یعنی عزیزی رفاقت...

ہر چینل پر ڈھاٹا پوش کے کلوز اپ تھے۔ کسی کو خبر نہیں کہ نامعلوم ملزم کون تھا۔ کہاں سے آیا' کدھر گیا۔

مگر اپنے لخت جگر کو گلزار بی بی نے پہچان لیا۔ وہی منحوس مفلر... وہ سارے ضروری کام چھوڑ چھاڑ گھر کو روانہ ہوئی تو وہ گھر میں بھی نہیں تھا اور گلزار بی بی کوئی سیدھی سادی عورت تو تھی نہیں... اس کا بیٹا بڑی مصیبت میں پھنس سکتا تھا۔ وہ سر پر دوپٹا ڈال کر حواس باختہ اسے ڈھونڈنے نکل گئی۔ ہر ممکنہ جگہ دیکھ لینے کے بعد جب تھکی ہاری گھر لوٹی تو صاحب زادہ سامنے ننگی چارپائی پر نہایا دھویا بیٹھا تھا۔ گلزار بی بی کی لائی بریانی کو اسٹیل کی ٹرے میں ڈال کر یہ بڑے بڑے لقمے منہ میں بھر رہا تھا۔

پیڈسٹل فین بھی فرماں برداری سے قدرے جھکا ہوا چل رہا تھا۔ (احتجاج کے بعد ابھی تو بجلی آئی تھی)

وڈے کی ماں پر نظر پڑی۔ "واہ اماں آج تے مزا آگیا۔ ساری بوٹیاں ہی تو چن لائی۔" وہ ماں کو سراہ رہا تھا۔

"نہ پتر! مزا تجے ہن آنا ہے۔" گلزار بی بی نے دوپٹا پھینکا اور پیر سے جوتی کھسکالی۔ اس سے پہلے کہ وڈا کچھ سمجھتا اس کی جوتے سے پٹائی شروع ہو چکی تھی۔

"او... میں نے کیا کیا ہے۔ اماں میرا قصور تے دس دے۔ اماں بتا تو دے آج تو بجلی بھی نہیں تھی۔ پھر بھی میں دکان سے نکلا نہیں۔ اب کس نے شکایت لگادی اماں... ماسٹر جی تو میرے سے ویسے ہی رسے (روٹھے) رہتے ہیں۔" وہ مار کھاتا جا رہا تھا اور یوں اچھل رہا تھا جیسے گرم فرش پر کھڑا ہو ایک پیر اوپر ایک نیچے...

وہ مار کھا کھا کے تھک گیا۔ مگر گلزار بی بی کا جنون کم نہ ہوا۔ وہ ساتھ ساتھ بولتی جا رہی تھی۔

"کون کون سی دفعہ لگا کر اندر کردیں گے اور ایک بار اگلوں کے ہاتھ لگ جائے تو سارے نامعلوم مقدمے اسی کے نام فٹ کریں گے۔"

"میرے منہ پر ڈھاٹا تھا اماں..." وہ بمشکل جملہ پورا کر سکا۔

"اے وڈی سب توں پہلاں تو اس ڈھاٹے نوں اگ لا۔" گلزار بی بی دھاڑی۔

پھر وہ خود ہی آگے بڑھی اور اسکارف چولہے پر پھینک دیا۔

"او میں نے صرف ایک بار دیکھا اس منحوس کو... اور پہچان گئی کہ یہ میرا ہی پتر رفاقت ہے تو دنیا کیوں نہ

جانے گی۔ سب کہیں گے رفاقت ہی تھا۔" "اماں سب ہی تھے۔ میں کون سا اکیلا تھا۔" وہ منمنایا۔

"او کم عقلا ساری دنیا کے ٹی وی پر ایک ہی تصویر چل رہی ہے۔ جب تو آگ والی ڈنڈی۔۔۔ گڈی کے نیچے پیٹرول والی جگہ پر رکھ رہا ہے۔ کسی ایک نے بھی غلطی سے اندازا بھی لگالیا نا۔۔۔ کہ یہ تو رفاقت ہے تو میرے اللہ میں کیسے بچاؤں گی۔" گلزار بی بی کی حقیقت شناسی نے خود اس کے چہرے پر ہراس پھیلا دیا تھا۔ "اماں تیرے اتنے تعلقات ہیں نا۔۔۔" وڈی کا رنگ بھی اڑا تھا۔

"کون سے تعلقات۔۔۔ میں کہاں کی منسٹر۔۔۔؟ بس اب خیر مانگ' اتار دے یہ پینٹ شینٹ اور جا کر بیٹھ جا دکان پر شلوار قمیص پہن کر۔ ہائے میں کالہ چیلوں کو دو کلو گوشت کھلاؤں گی جو یہ مصیبت ٹلے۔" وہ ہاتھ مل رہی تھی۔

جہاں جہاں جوتیاں لگی تھیں وہاں سے ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ ماں کی باتیں سن کر ڈر بھی لگا۔ پھر ایک دم دھیان آیا۔

"اماں تو بھی تو یہ سب کرتی ہے نا۔ لو تجھے تو کبھی یہ سب نہ ہوا تو' تو کبھی پکڑی نہ گئی اور میں اکیلا تو نہیں تھا۔"

"ہائے۔ ماں کو جتاتا ہے۔ او میں نے کب گڈی کو آگ لگائی۔ اج تک کبھی کوئی نقصان کیا۔ میرے تو سارے کام بے ضرر ہوتے ہیں اور تو نے تو سیدھا سیدھا شہر کا امن خراب کیا۔ سرکاری املاک کو نقصان پہنچایا۔ اوئے شودیا کم عقلا۔۔۔ سارے کام غلط۔ گڈی نوں اگ لگا دیتی تے گڈی وی کیڑی؟ (گاڑی کو آگ لگادی اور گاڑی بھی کون سی۔)"

اس نے رک کر دونوں بچوں کو دیکھا۔ دونوں کچھ نہ سمجھے تو وہ مزید تاسف میں گھر گئی۔

"اوئے پاغلو۔۔۔ یہی ایک گڈی تو تمہاری اک اکو ماسی کے پنڈ تک جاتی تھی۔ اب اسی کو ساڑ دیا۔۔۔ اللہ جانے دوبارہ کب چلے اور چلے بھی یا نہ چلے۔ کتنا فیدا تھا اس گڈی کا ہائے۔"

اب کی بار دونوں چونکے۔

"اک واک میری بھین۔۔۔ اللہ بخشے ابا جی نے اسے ویاہا بھی بڑی دھوم دھام سے نالے جہیز دے کر۔۔۔ پتا تو ہے نا تھوڑی تو تلی تھی۔ اس کی سس۔۔۔ بڑی کپتی عورت تھی۔ منہ کی میٹھی تے دل دی کالی۔ بس جی وہی ظلم و ستم۔۔۔ کوئی بھی بات کرتی اگلی نے سیدھا جواب ہی نہ دینا اور دنیا بھی تو بے چاری کی نقل کر کے یعنی میری کملی بھین پوچھ لیندی اماں جی اج تی پکانا ہے۔ تو سیدھا جواب دینے کے بجائے کہ بیٹا دال سبزی کچھ بھی چڑھا لو' کہتی۔ "اج اسی پائے پکانے آں' تے تدو دے نال تھیرے تت لاں دے تے تیری دے اچار وچ تلوندی ضرور پلائیں۔ بے چاری رو' رو کے اتھرو پونجدی۔"

"تو اماں منہ سے جواب کیوں نہیں دیتی تھی ماسی۔" وڈی نے ٹوک دیا۔

"تو ہور کیا میں کہہ رہی ہوں۔ جب جواب دینے کو منہ کھولتی۔ اگلیاں تیار ہو جاتیں کہ ہنسی اڑائیں اور اسی کی طرح تھتھا بولیں۔ گھٹ گھٹ کر رہتی میری بہن۔۔۔ نناتیں مذاق بناتیں درانی' جٹھانی بھی منہ پر دوپٹا ڈال کر ہنستیں۔"

"تے خالو کچھ نہ کہتا۔" چھوٹے کو ماسی پر رحم اور سب پر غصہ چڑھ رہا تھا۔ "بات دراصل یہ تھی۔ تمہاری ماسی تھی بڑی سوہنی۔ خالو نے اپنی ضد سے شادی کی تھی۔ سال چھ مہینے ساس کا منہ بند رہا' جہیز دیکھ کے۔۔۔ بعد میں پھر سیاپا ڈال کر بیٹھی۔"

"اماں اس ساری کہانی کا ریل گڈی سے کیا لینا دینا۔" وڈے کو سنے ہوئے قصے میں دلچسپی نہیں تھی۔ منہ پھاڑ کے جمائی لی۔

"چل وے بے غیرتا۔۔۔" گلزار بی بی نے پوری طاقت سے ایک ہاتھ اس کی کمر پر جمایا۔ "گڈی۔۔۔ یہی ریل گڈی تو پھر میری وچاری بھین کا سہارا بنی۔۔۔" "کیوں وہ اک دن گڈی میں بیٹھ کے فرار ہو گئی۔" وڈے کو دن بھر کی محنت اور مار کے بعد اب نیند آنے لگی تھی۔ "گڈی کو آگ لگانے کے بعد ابھی تک لائٹ موجود

تھی۔

"ہائے۔۔۔" گلزار بی بی حق دق رہ گئی۔ "تیرا ستیاناس بے شرماں۔۔۔ ماسی کے لیے ایسا گندا جملہ۔۔۔ نا تیری زبان کیوں نہ کانپی۔۔۔ لا وڈے میتوں چھری دے۔ بڑی فالتو چلتی ہے چھٹانک بھر کی بوٹی۔" وہ چارپائی پر اچھلی اور عزیزی رفاقت والدہ کے جارحانہ عزائم اور کارکردگی سے بخوبی واقف تھا۔ ابھی تو ناخن کٹنے کا غم ہرا تھا۔ وہ ماں سے زیادہ تیزی سے اچھلا اور دونوں ہاتھ تھام لیے۔

"میرا وہ مطلب نہیں تھا اماں۔۔۔ ماسی تو بڑی نیک تھی۔ نہ میرا مطلب ہے کہ ماسی نیک ہے۔۔۔ مگر ان سب باتوں کا گڈی سے کیا تعلق۔۔۔" وہ اب سر پیٹ لینے والا تھا۔ اس نے ماں کا منہ سرجوم کے اسے رام کرنے کی کوشش کی اور گلزار بی بی بھی ابھی تھکی ہاری ہوئی تھی۔ مان گئی اور چارپائی پر دوبارہ دراز ہوتے ہوئے گویا ہوئی۔

"انسان دل کی بات کسی سے نہ کہے نا۔۔۔ تو اندر ہی اندر گھٹتا رہتا ہے۔ اماں' ابا ہمارے مر گئے تھے۔ میں اپنے گھر کے سیاپوں میں الجھی۔ فونوں کی سہولت بھی کوئی نہ۔۔۔ کبھی ہوا مہینے میں ایک مرتبہ پی سی او جا کر نائی کی دکان پر فون کر کے تمہارے خالو سے خیر خیریت لے لیتی اور بڑی بھی جلدی جلدی چکر لگاتی تو چار' چار مہینے گزر ہی جاتے۔ بس جی بس میری شکل کی سوہنی اور دماغ کی۔۔۔ سمجھو حسن ملک کی دوسری کاپی۔۔۔ وہاں سے بات نکالتی جہاں اگلے کی سوچ بھی نہ پہنچے۔ ڈاک خانے میں الو بولتے تھے۔ کیسے بتائے کیسے لکھے۔ بس جی اس کے دماغ کی کارستانی دیکھو۔ ایک ملاقات میں طے کر لیا کہ کرنا کیا ہے اور کیسے؟ اب ہونے یہ لگا کہ ہر مہینے کی دس تاریخ کو جب گڈی دس بجے اسٹیشن پر آ کر رکتی تو میں آخری ڈبے کے پاس پہنچ جاتی۔ پلے اونی دھاگے سے بندھا چھوٹا رومال کھول لیتی اور اس نمانی کا خط نکال لیتی۔ بے چاری اپنے دل کی ساری باتیں اندر لکھ ڈالتی تھی۔

بڑے مزے سے ہمارا طریقہ چلتا جا رہا تھا کہ ایک دن۔ حق ہا۔۔۔" وہ دور خلاؤں میں اس دن کو کھوجنے لگی۔

"اللہ جانے وہ دو ملیے کب سے مجھ پر نظر رکھے ہوئے تھے۔ لو جی ادھر میں رومال کھول کے شوق کی ماری خط پڑھنے کی جلدی میں۔۔۔ اور ادھر دونوں میرے دائیں بائیں۔"

"اوئے مائی تو گڈی کے ساتھ بم باندھ رہی تھی۔" وہ ایسے میرے گرد چکر لگانے لگے جیسے کوئی خودکش بمبار ہاتھ لگ گیا ہو رنگے ہاتھوں میں نے تو منٹوں میں صورت حال کو سوچ لیا۔

" نہ جی۔۔۔ بم باندھ نہیں رہی تھی' کھول رہی تھی۔"

"اور یہ کیا بکواس ہے' بم کھول رہی تھی' او تمہیں پتا کیسے لگا کہ ادھر بم بندھا ہے' کہیں مخبر ہو یا پھر۔۔۔ حلیے سے تو شریف نظر آتی ہو۔ مگر انداز پراسرار ہے۔ چلو لاؤ ادھر دو۔۔۔ میں بھی تو دیکھوں ایسا کیسا بم ہے جو مٹھی میں آجاتا ہے۔" ان کے تو بڑے ہی جارحانہ عزائم تھے۔

میں نے بتیرے ہتھ پیچھے کیے اور جان چھڑانے کی کوشش کی' مگر اگلے تو جیسے انتظار میں تھے کہ کوئی تو ہتھ لگے الفی شینسی جھاڑنے کو ملے۔

میں بھاگنے کو تیار۔۔۔ مگر قسمت خراب' جھپٹا مار ہی لیا ایک نے۔۔۔ دوسرے نے میرا بازو پکڑ کے مروڑ دیا۔"

"اور اس کم عقلے نے اسی گڈی کو آگ لادی۔" خاموش ہوتی گلزار بی بی کو پھر یاد آگیا۔

"اماں احتجاج کرنے ہی تو گیا تھا نا۔" وڈے نے سر پیٹا۔ اماں گھوم کے پھر وہیں کی وہیں۔۔۔ "تو بھی تو یہی کرتی ہے۔" اس نے دبے لہجے میں کہہ دیا۔

گلزار بی بی نے تاسف سے سر ہلایا۔ "لعنت ہے بے غیرتا۔

طعنہ مارنے کو آگے آگے۔۔۔ او۔۔۔ پاغل دے پتر۔۔۔ تیرے میرے طریقے میں زمین آسمان کا فرق ہے اور وہی اصل بات ہے۔

عقل دا انا۔۔۔ (عقل کا اندھا) تو میرے نقش قدم پر چلے گا۔ سالوں کی محنت ہے میری۔ ایسے ہی لوگ

گلزار بی بی نہیں کرتے۔ نام ہے ایک' اور بڑی محنت سے بنایا ہے' کیسے ہی نہیں۔

احتجاج ہمیشہ پرامن ہونا چاہیے' کھوتے دے۔۔۔" وہ پتر کہتے کہتے رک گئی۔ اب مرے ہوئے اب یعنی اپنے مرحوم بندے کو کیا کوستی۔

"کھوتے دا۔۔۔" اگلا جملہ پھر یاد نہ آیا۔ ساری گالیاں ہی مرحوم بندے کو لگتی تھیں۔

گلزار بی بی سخت بدمزا ہوئی۔

☼ ☼ ☼

"ماں ضد نہ کر۔۔۔ مان لے کہ اس بار تو بہروپ نہیں بدل سکتی۔" وڈی نے تو سنتے ہی ہونٹ بھینچ کر نفی میں سر ہلایا تھا۔ تب گلزار بی بی شان بے نیازی سے مسکرائی تھی کہ "دیکھ لیں گے" اور آج جب کرنے کا وقت آیا تو۔۔۔ تب بھی وڈی منکر تھی۔

"اماں باقی سب دوسری باتیں تھیں۔ لیکن آخر یہ سب ہو گا کیسے؟"

"تو چپ رہ اور تماشا دیکھ۔" وہ اپنے تھیلے ٹٹول رہی تھی۔

"اماں پکڑی جائے گی؟" وہ کچھ گھبرائی۔

"آج تک پکڑی گئی؟"

"وہ اور بات تھی۔ مگر یہ والی۔۔۔ نا' نا!" اس نے زور زور سے سر دائیں بائیں جھلایا "او پاغلے بات کوئی اور ووڑ نہیں ہوتی اور چلو بات کوئی اور ہو بھی جائے تو میں۔۔۔ میں تو وہی ہوں نا' تو بس چپ چاپ تماشا دیکھ۔"

وہ اپنی بیٹی کی بے وقوفی پر مربیانہ انداز میں مسکرائی تھی۔ وڈی کو چپ ہونا پڑا۔ اب اس نے عہد کیا کہ خاموشی سے دیکھے گی۔ آج اماں کامیاب ہو ہی نہیں سکتی۔

ماں نے بسکٹی رنگ کا کھلے پائنچے کا کاٹھیاواڑی پاجامہ پہنا۔ نوکوں والی بڑے بڑے پھولوں کی ہلکے رنگوں والی قمیص' دامن اور آستین پر بسکٹی رنگ کی بالز والی بیل لگی تھی۔ اس نے پیروں میں آرام دہ بے آواز جوتے پہنے۔ (وڈی کے چہرے پر ابھی تک نفی کی تکرار تھی۔۔۔ ہونٹ آپس میں چسپاں تھے۔) ناممکن۔۔۔ لیکن! اگلے ہی پل وہ بھونچکی رہ گئی۔

گلزار بی بی نے سفید بے داغ اوور آل زیب تن کیا۔ پھر سفید نادیدہ پھولوں والا اسکارف اپنے چہرے کے گرد ایسے کسا کہ نقاب سا بن گیا۔ آنکھوں پر نفیس عینک۔ کلف لگے تہ شدہ دوپٹے کو شانوں پر جمایا اور پیچھے لے جا کر دونوں کونے جوڑ دیے۔ گلے میں اسٹیتھسکوپ۔۔۔

ہائے۔۔۔ گلزار بی بی پوری ڈاکٹر لگ رہی تھی۔

"اماں تو۔۔۔ تو۔۔۔ سچ مچ کی ڈاکٹر لگ رہی ہے۔" وڈی بچوں کی طرح اچھل اچھل کر ماں کے گرد گھومنے لگی۔

"خالی ڈاکٹر نہیں۔ ینگ ڈاکٹر بدل۔۔۔ ینگ ڈاکٹر۔۔۔ اور میں نے کہا تھا نا چپ چاپ تماشا دیکھ۔ میں کوئی ارادہ کروں اور پورا نہ ہو ایسا کبھی ہوا نہیں۔"

"اماں اگر کسی نے شک میں آ کر نقاب کھینچ لیا تو پھر۔" وڈی سہمی "پاغلے۔۔۔ یہ پاکستان ہے پاکستان۔۔۔ ادھر میڈیا کے سامنے نقاب کھینچنے کا مطلب جانتی ہے؟" وہ جتاتے ہوئے انداز میں بولی۔

"لیکن نقاب لگایا ہی کیوں اماں۔۔۔ تو" "تو سچ مچ کی ڈاکٹر لگ رہی ہے۔۔۔ اچھا' اس لیے کہ لوگ پہچان نہ لیں کہ یہ عورت تو ڈاکٹر ہے ہی نہیں۔" اس نے خود ہی توجیہ پیش کی۔

"ہاہاہا۔۔۔" گلزار بی بی کو لطف ہی آ گیا۔ "او میری عقل کی انی بیٹی۔۔۔ دنیا کا کوئی بندہ نہیں کہے گا کہ یہ عورت ڈاکٹر نہیں ہے۔" وہ آئینے میں خود کو دیکھ کر سراہ رہی تھی۔

"مسئلہ یہ ہے کہ ہڑتال اور احتجاج ینگ ڈاکٹر کا ہے۔ بس۔۔۔ میں ینگ ڈاکٹر نہیں لگتی۔ حالانکہ سچ تو یہ ہے کہ جن ینگ ڈاکٹروں کا رولا ڈالا ہوا ہے مجال ہے کوئی بھی چالیس سے کم ہو۔ مگر جی خوش قسمت ہیں ینگ کہتی ہے ساری دنیا انہیں اور میں کون سی ساٹھ ستر کی ہوں' چالیس کی نہ تو زیادہ سے زیادہ بیالیس کی ہوں گی۔

"تو اماں وہ سب تو ٹھیک ہے۔ مگر تجھے کیوں بلایا' اتنے پیسے بھی دیے ہیں۔ جب ان کے مطالبے ٹھیک ہیں۔ زیادتی ہو رہی ہے ان کے ساتھ تو خود ہی احتجاج کریں۔ ان کی تو اپنی بات میں دم ہے' تیری کیا ضرورت۔۔۔" وڈی کی الجھن بدستور تھی۔

"ہے نا پھر تو پاغلی۔۔۔ اللہ جانے کس پر پڑی ہے میری بیٹی تو' تو کہیں سے بھی نہیں لگتی۔" گلزار بی بی نے سر پیٹا۔

(وڈی نے شکر کیا' وہ ماں پر نہیں پڑی تھی۔ ماں سے محبت اپنی جگہ۔۔۔ مگر وہ باپ پر پڑی تھی۔)

"بات مطالبے کے سچ جھوٹ کی نہیں ہے اور نہ میں وکیلوں کی طرح پوچھتی ہوں کہ جی مجھے سب سچ بتا دو۔ مجھے تو جو کام ملے میں ایمان داری سے کرتی ہوں اور رہا میرا جعلی ڈاکٹر بننے کا معاملہ تو میری جھلی دھی۔ یہ جو ڈاکٹر ہوتے ہیں مرد یا عورت دونوں ساری حیاتی سوال یاد کرنے میں لگاتے ہیں' رٹے پہ رٹے ان کے حلق سے کب نکلیں گے حکومت کے خلاف نعرے۔ ساری اکٹھی ہو کر جو ایک آواز نکالتی ہیں۔ وہ میری اکیلی کی آواز سے کم ہوتی ہے۔ مجھے نعرے یاد کروا رہی تھیں۔ بس جب میری پریکٹس کے بعد آواز سنی تو اش اش کر اٹھیں۔ کہنے لگیں' آنٹی گلزار آپ کی آواز تو مائیکرو فون کے بغیر ہی ایوان بالا تک پہنچ رہی ہے۔

ہماری تو آواز نکلتی ہی نہیں۔ اب یہ بندے ڈاکٹر تو گلا پھاڑ لیتے ہیں۔ مگر ہم کیا اچھی لگتی ہیں۔ ایسے چیختے ہوئے بس آپ ہی ہماری ترجمان ہوں گی۔" اس کی آواز تفاخر سے بھرپور تھی۔

"اماں لیکن!" وڈی متامل تھی۔

"بس۔۔۔ بس۔۔۔ میں نے کہا نا الٹی باتیں نہ کر۔۔۔ رسک تو ہوتا ہی ہے۔ پھر۔۔۔"

گلزار بی بی نے بیٹی کو جھاڑا اور نیا نکتہ بتایا۔

"میری فیلڈ میں مکرنے کا رستہ ہی نہیں۔ دھوکے کا تو سوال ہی نہیں۔۔۔ تجھے پتا نہیں ہے دنیا میں بے ایمانی کے سارے کام بڑی ایمان داری سے کیے جاتے ہیں' نہ لکھت پڑھت' بس زبانی کلامی۔"

وڈی کے چہرے پر قائل ہونے کے تاثرات آ رکے۔

"اور دیکھ بے ٹیم (غلط وقت) چھیڑ کے بیٹھ گئی مجھے دیر کروا دی آج ینگ ڈاکٹرز کا بڑا احتجاج ہے فیصلہ کن۔" وہ یکدم تیزی سے اٹھ کھڑی ہوئی وڈی ماں کے فرمودات پر غور کرتی وہیں بیٹھی رہ گئی۔

"اے وڈی۔۔۔ ذکیہ۔۔۔ اے ذکیہ۔۔۔" پڑوسن دیوار سے لگی اسے پکار رہی تھی۔ وہ باہر لپکی۔

"میرا نکا کہہ رہا تھا تمہارے گھر سے لیڈی ڈاکٹر نکلی ہے خیر ہے کس کی طبیعت خراب ہے۔" وہ سخت متجسس تھی۔

"کوئی نہیں ماسی۔ اماں کی جاننے والی تھی ڈاکٹر۔۔۔" وڈی نے بے زاری سے جواب دیا۔ "ہاں بئی تیری ماں کے جاننے والے تو بڑے اوچے اوچے لوگ ہیں ہونہہ" پڑوسن مڑ کے نیچے اتری۔

☼ ☼ ☼

دروازہ اتنی شدت سے دھڑ دھڑایا گیا کہ وڈی کے ہاتھ سے گلاس چھوٹ گیا چھوٹا ماچس کے خالی ڈبوں سے محل بنا رہا تھا۔ وہ زمین بوس ہو گیا۔ وڈا رفاقت ابھی ابھی درزی کی دکان سے لوٹا تھا۔ استاد نے اسے سخت سناتے ہوئے ذلیل و خوار کیا تھا اور ساتھ ہی اس کا سلا او نگا بو نگا سوٹ منہ پر دے مارا تھا کہ گھر سے ادھیڑ کر لانا کل نئے سرے سے دوبارہ سلائی ہو گی۔

وہ اس وقت زمانے سے خائف سوئی سے سلائیاں ادھیڑ رہا تھا۔ دستک کی دہشت ناکی پر جو گڑبڑا کر اچھلا تو سوئی انگوٹھے کے اندر۔۔۔ اس کی ہائے ہائے کا الگ تماشا۔

"اوئے بہروں کھولتے کیوں نہیں ماں مر جائے گی تب اٹھو گے"

ارے یہ تو اماں تھی۔ لیکن اماں کی اتنی جلدی واپسی؟ اور اماں کی آواز میں کیسی عجلت' سراسیمگی حواس باختگی تھی جیسے کوئی پیچھے لگا ہو۔

دروازہ کھلنے پر گلزار بی بی یوں اندر داخل ہوئی جیسے اسے کسی نے دھکیلا ہو۔

بال پریشان گریبان تھوڑا بہت چاک شانے کے پاس سے ادھڑا ہوا اور پسینہ اتنا جیسے کپڑوں سمیت نہالی ہو۔

"بند کردے بند کردے دروازہ۔۔۔" اس کی آواز میں بھی بڑی عجلت کا تاثر تھا زبان سوکھی اور حلق سے ابلی سی۔۔۔

"اماں ہوا کیا ہے اور۔۔۔" وڈی اسے شانوں سے تھامتے تھامتے رکی۔ "یہ۔۔۔ یہ کیا ہے۔"

"اماں یہ۔۔۔" وڈی کے اشارے پر دونوں جگر گوشوں نے بھی دیکھا۔

ہائیں۔۔۔ کر۔۔۔ کرسی۔۔۔ نہیں۔۔۔ کرسیاں۔۔۔ وہ بھی اکٹھی۔۔۔ ایک دو۔۔۔ پانچ۔۔۔ ایں سات۔۔۔ اماں تونے تو کہا تو جلسے میں جارہی ہے اور تو لے کر آگئی کرسیاں۔ کیا بازار بھی جانا تھا۔" وڈی اچنبھے کا شکار تھی۔ دونوں بیٹے کرسیوں کے گرد گھوم رہے تھے نئی نکور کرسیاں۔۔۔

"پانی دے دے ماں کو۔۔۔ شودی، پڑتالیں شروع کردیں ہائے میرے پیر بھی دھلوا دے بلکہ دیکھ میری جتی بھی ٹٹ گئی پورے دو سو بیس روپے کی لی تھی میں نے۔۔۔" وہ جوتی کو جانچ رہی تھی۔

"چلو کرسیاں بھی لے لیں تو کوئی غلط نہ کیا ہمارے گھر کون سی کرسیاں ہیں۔" رفاقت نے ماں کی ہمت بندھانے کے لیے صلح جویانہ انداز اپنایا "مگر مجھے ساتھ لے جاتی اور ایسے اجڑے حالوں میں گھر کیوں آئی۔ کیا پیچھے کتے لگ گئے تھے۔"

پاؤ گوشت لے کر آتا ہوں نا میں کبھی کبھی۔۔۔ تو بس پتا نہیں کیسے سب کو خبر ہوجاتی ہے میرے سر پر یہ چیلیں اور یہ کوے گھومنے لگتے ہیں قصائی کی دکان سے کتے پیچھے لگ جاتے ہیں۔ لیکن یہ تو میں نے پہلی واری دیکھا کہ کتے کرسی کے پیچھے بھی پڑجاتے ہیں اور بھئی تم جاؤ جا کر ہڈی چھچھڑے کھاؤ یہ نیا سیاپا۔" چھوٹے نے ماتھے پر ہاتھ مار کے نکتہ دانی کی حد کردی۔

گلزار بی بی منہ پھاڑ کے لاڈلے چھوٹے کی جانب رہی تھی۔

"واماں اچھا کیا کرسیاں لے لیں مگر بڑی ہی عجیب بات کی تو نے۔ رنگ برنگی کرسیاں اور سب ایک دوسرے سے الگ۔" وڈی عمیق نگاہی سے جائزہ لے رہی تھی۔

"تم سب کا بیڑا تر جائے بے غیرتو۔ ماں کو روٹی پانی پچھ لو نہیں۔ جی اپنی تفتیش میں لگی ہے۔"

"تو روٹی کہاں سے دوں خود ہی تو کہا تھا رات کو کھانا لے کر آوں گی بھوک لگ رہی تھی تو ہم نے چائے پاپے کھالیے کہ رات کو تو قورے بریانیاں ہوں گی۔" وڈی نے بڑے برے منہ سے کہا۔

"او جا وڈے۔۔۔ کونے سے حلیم نان لے آ۔۔۔ یا جو دل چاہے لے آ۔"

"اماں جو دل چاہے وہ ہی لے آوں" وڈے نے بیان کو تولا اور یاددہانی چاہی۔

"ہاں۔ ہاں جو مرضی لے آ۔" گلزار بی بی نے تین چار لال نوٹ دیے۔

"تو میرے کپڑے نکال دے اور میرے نہا کے نکلنے تک چائے تیز پتی ڈال کر بنا لینا بڑا دماغ خراب ہوا آج اف" وہ کھڑی ہوگئی مگر غسل خانے میں جانے سے پہلے کرسیاں بصد احتیاط سے اٹھا کے اندر لے گئی ایک دوسرے میں پھنسا کر رکھیں اور اوپر پرانے کھیس چادریں ڈال دیں۔

تسلی ہوگئی تو غسل خانے میں چلی گئی۔

نہا دھو کر وہ اپنے ہاتھوں پیروں میں تیل مل رہی تھی کہ ہونہار سپوت عزیزی رفاقت جھومتا جھامتا آگیا۔ تلی ہوئی مچھلی نان، سلاد، چٹنی اور کولڈ ڈرنک بھی۔ وڈی اور چھوٹے نے حیرت سے وڈے کو اور گھبرا کر ماں کو دیکھا مگر دنگ ہی رہ گئے اماں کچھ بھی کہے بغیر کھانے میں جت گئی تھی۔

"اماں کرسیاں کہاں رکھ دیں میں ان پر بیٹھ کر ہی کھالیتا۔" چھوٹے کی متلاشی نگاہیں طائرانہ جائزہ لے رہی تھیں۔

"نہ تو تو پہلے بڑی کرسیوں پر بیٹھ کے کھاتا ہے وڈا نوجی کا پتر چپ کر کے نوالے بھر۔ وڈا کرسی والا" گلزار بی بی نے بری طرح جھاڑ دیا۔ تو وڈے اور وڈی نے بھی سوال دانتوں تلے داب لیے اماں کا پیٹ بھر جائے گا تو موڈ خود بخود اچھا ہوجائے گا خود ہی سب بتا دے گی وہ اپنی زندگی کا ہر تجربہ بچوں سے شیئر کرنے کی عادی تھی۔

کھانا بہت اشتہا انگیز تھا خوب لطف اٹھاتے ہوئے بھی سوال ڈنک مار رہا تھا سب سے پہلے اماں ہی فارغ ہوئی اور بیٹھے بیٹھے ہی اونگھنے لگی تینوں نے دز دیدہ نگاہوں سے دیکھا آخر کرسیاں کہاں سے آئیں اور لی ہی کیوں گئیں؟ کیا وڈی کے جہیز کے لیے۔۔۔ مگر۔۔۔ لیکن۔۔۔ آخر۔۔۔؟

ان تینوں کے کھانا ختم کرنے تک اماں انٹا غفیل ہوچکی تھی۔

"میں نے سنبھال کر رکھ دی ہیں کرسیاں باہر نہ نکالنا" میں خود بتاؤں گی کب نکالنی ہیں۔" اماں بھی غافل نہ تھی ہدایت دے ہی دی۔

پیٹ بھر گیا تو ٹی وی لگا لیا گیا انٹرٹینمنٹ چینل اور فلمیں اپنی جگہ مگر گلزار بی بی ایک باشعور باخبر عورت تھی اس نے اصول بنا رکھا تھا۔ لائٹ آتے ہی ہیڈ لائنز ضرور پڑھ لی جائیں اپ ڈیٹ رہنا بہت ضروری ہے اسی لیے نیوز چینل لگایا گیا ایک سرسری نگاہ مگر تینوں اچھل پڑے سن بھی رہے تھے دکھائی بھی دے رہا تھا جلسے میں شامل شرکا کرسیاں لے کر فرار، ہزاروں کی تعداد میں لگائی کرسیاں منٹوں میں لوگ سروں پر لے کر بھاگے کوئی کچھ نہ کرسکا گرتے پڑتے اندھا دھند بھاگتے لوگ جو جس کی ہاتھ لگی تینوں نے خراٹے بھرتی ماں کو سخت حیرت سے دیکھا تو۔ یہ۔۔۔ کرسیاں۔۔۔ جلسے سے اٹھا کر۔۔۔ اماں بھاگی آئی تھی اوئی۔

گلزار بی بی کی آٹو بائیو گرافی اگر تحریر کی جاتی تو۔۔۔ تو زندگانی احتجاج سے بھری ہوئی تھی۔

کب؟ کیسے اور کیوں تو یاد نہیں۔۔۔ گلزار بی بی بیوگی کے دن بڑی مشکل سے کاٹ رہی تھی۔ کوئی قابل ذکر ہنر تو پاس تھا نہیں کہ تھوڑا آسرا ہوتا بس مسلسل تگ و دو تھی۔

نجانے کیسے اس جانب چلی آئی اور اب تو اس فن میں اتنی طاق ہوگئی تھی کہ اسے لگتا کہ ہمیشہ سے یہی کرتی تھی اور اسے دنیا میں بھیجا بھی اسی لیے گیا تھا اب تک اتنے بہروپ بدل چکی تھی کہ یاد نہیں۔

لیکن اگر وہ یادداشت کو ٹٹولنے بیٹھتی اور اپنی بہترین کارکردگی کو ترتیب وار لگاتی تو۔۔۔!

"تو۔۔۔؟"

کہنا مشکل ہے کہ دی بیسٹ کون سی والی پرفارمنس تھی۔

لیڈی ہیلتھ ورکر والی یا ریاست بچاؤ والی یا پھر ایڈہاک ملازمین والی۔

گلزار بی بی کے کمالات کا تذکرہ ایک ضخیم کتاب کا حقدار تھا۔

وہ ہر جلسے، دعوت سے کھانا تو لازمی لاتی اور عقل مند اتنی تھی کہ نظروں ہی نظروں میں تول لیتی کھانا کب کھلتا ہے اور کہاں کہاں سے بیرے داخل ہوں گے اور کہاں کہاں سے ان کی واپسی کی راہ کو مسدود کرنا ہے۔

☆ ☆ ☆

"چل نس (چل بھاگ) ابھی اس دن تو اماں نے تجھے بیٹ لاکر دیا تھا نا جلسے سے۔۔۔ وہ کیا میری پیٹی میں رکھا؟"

"ہونہہ۔" چھوٹے نے برا منہ بنایا۔ "خالی بلا میں کیا کروں۔ گیند بھی لاکر دیتی بلے سے کیا میں تھاپا بنالوں اور کپڑے دھوؤں۔"

"مجھے لیپ ٹاپ بھی لا کر نہ دیا۔" وڈا آج پھر کہیں جانے کو تیار ہورہا تھا۔

"آئے ہائے ہائے۔۔۔" گلزار بی بی نے دانت پیس کر ادھر ادھر نگاہ دوڑائی کوئی شے جو وڈے کے سر پر برسائی جائے۔

"وڈا لیپ ٹاپ والا۔۔۔ نہ تو کرتا کی سی لیپ ٹاپ والا۔۔۔ ہوتا جو تو کسی کام کا تو میں بھی گھس جاتی۔۔۔ اسٹوڈنٹ بن کر۔۔۔ لے ہی آتی۔"

"اماں اتنی موٹی اسٹوڈنٹ۔۔۔؟" وڈی نے منہ پر دوپٹا رکھا۔

"چل وے چل۔۔۔ موٹی۔۔۔ آج کل پتلی اسٹوڈنٹ ہے کون سی۔۔۔ پڑھائی کے نام پہ سارے گھر کے کام بڈیاں ماواں دے سرپا کے ہڈحرامی کردیاں نیں۔"

"تو اماں اس بار کس کو ووٹ دینا ہے تو نے ابھی تک بتایا ای نہیں۔۔۔"

"میرا ووٹ۔۔۔" گلزار بی بی نے ٹھٹھا اڑایا۔

"کسی کو بھی نہیں دوں گی یہ سارے۔۔۔ سارے کے سارے بڑے ہی۔۔۔ ہیں۔" خالی جگہ میں انتہائی ناقابل اشاعت الفاظ تھے۔

"بس میرا سارا دھیان اب ان الیکشن پر ہے۔ بڑے ہی اہم ہیں۔"

"ہاں اماں سب کہتے ہیں ملک و قوم کے لیے بڑے اہم ہیں الیکشن۔۔۔"

وڈی نے ماں کی بات کاٹ کرانی معلومات دیں۔

"چل نی چپ کر۔۔۔ وڈی قید اعظم تے لامہ قبال۔۔۔ ملک و قوم کا کون۔۔۔ سوچ رہا ہے جو میں سوچوں' میں نے تو دونوں ہاتھوں سے دیہاڑیاں لگانی ہیں' صبح دوپہر شام جلسے۔۔۔ کل کو تیرے ہتھ پیلے کرنے ہیں۔ دوبارہ ایسے موقع کب ملیں۔۔۔ الیکشن تو ہم غریبوں کے لیے سہارا بن کر آئے ہیں۔" گلزار بی بی نے صاف گوئی کی حد کردی۔

☼ ☼ ☼

وڈا درزی کی دکان پر تندہی سے کام کر رہا تھا۔ عین سامنے نائی کی دکان پر ٹی وی چل رہا تھا وہی روز کے فساد وہی گھسی پٹی خبریں' بیان بازی' طعنے' دعوے اور وعدے۔۔۔ بجلی موجود تھی تو سب ہی کام سے لگے تھے۔ دودھ والے کی دکان سے نصیبو لال کی آواز ابھر رہی تھی اور وہ بلٹوئی سے لسی کی دھاریں گراتے ہوئے گانے کی دھن پر جھوم رہا تھا۔ ایک مکمل مست منظر میں بریکنگ نیوز کے دہشت ناک میوزک اور سرخ رنگ نے رخنہ ڈال دیا۔

جب سب متوجہ ہوگئے تھے تو وڈے نے بھی شتر مرغ کی طرح گردن نکال کر دیکھنا چاہا مگر ایک تو لوگوں کے سر اور دوسری جانب استاد کا نادیبی ہنکارا وہ دل مسوس کر دبک کے بیٹھ گیا مگر پھر لوگوں کے قہقہے اور تبصرے۔

آدھا کانا منظر وہ دیکھ رہا تھا۔ استاد نے بھی جب اپنی مشین پر ہاتھ روکا تو وہ بھی دھیرے دھیرے سے ہجوم کے اندر جگہ بنانے میں کامیاب ہوگیا۔

ایک دو منٹ تو صورت حال سمجھنے پٹیاں پڑھنے اور سننے میں لگے۔ اگلا منٹ اوئے میرے اللہ۔۔۔ وڈا دم بخود تھا سنائی اور بتائی جانے والی کہانی اپنی جگہ۔۔۔ مگر یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ فرزند عزیز اپنی والدہ ماجدہ کو نہ پہچانتا۔۔۔ والدہ یعنی ماں۔۔۔ اور ماں وہ جس کے قدموں میں جنت ہوتی ہے مگر یہ کیا اس وقت تو ماں کے قدموں کے نیچے۔۔۔ بلکہ ماں کے قدموں کے نیچے زمین ہی نہیں تھی۔ ماں تو نجانے کتنے فٹ لمبے بجلی کے کھمبے پہ چڑھی ہوئی۔ ہاتھ میں فوٹو اسٹیٹ کوٹنگ شدہ کچھ کاغذات۔۔۔

اس نے اپنے منہ پر ہاتھ ہی جمالیا۔ مبادا چیخ نکلے اور وہ "ماں" کہتا ہوا ٹی وی ہی کو جھپی ڈال دے۔

دنیا عورت کی ہمت کی داد دے رہی تھی اور صرف عورت ہی کیوں۔۔۔ اوپر اماں اور اماں سے تھوڑا نیچے ایک ٹی وی اینکر۔۔۔ اور دوسری جانب دوسرا رپورٹر اس سے نیچے ایک اور اور۔۔۔ اور جنہیں اوپر چڑھنے کی جگہ نہیں ملی وہ احمقوں کی طرح مسلسل منہ اوپر کرکے دیکھ رہے تھے۔ وہ ایک بڑے سیاسی لیڈر کے ناروا رویے کے خلاف احتجاجاً کھمبے پر چڑھ گئی تھی کہ جناب لیڈر معذرت بھی کرے اور مطالبہ بھی پورا کرے ورنہ وہ ابھی جان دے دے گی۔

"جی اس خاتون کا کہنا ہے کہ میرا مرحوم شوہر جناب وزیر مشیر وغیرہ وغیرہ کا بڑا اہم کارکن تھا ہم نے زندگی وقف کردی لیڈر کے لیے اور وہ ایک جلسے کی بھگدڑ میں مارا گیا۔ جناب وزیر نے سب کے سامنے سرپرستی کا وعدہ کیا تھا۔ اسے اور اس کے بیٹے کو نوکری دینے کا بھی اعلان کیا تھا۔ مگر اب وہ مکر گیا بھول گیا ہے اور اس کی یاددہانی کروانے پر دھکے ملتے ہیں اور اب وزیر موصوف اسے پہچانتا بھی نہیں۔ اس لیے وہ مرجائے گی۔"

"لیکن آپ کے مرنے سے کیا ہوگا۔" رپورٹر بہت بھولا بن کر پوچھ رہا تھا۔

"کچھ نہیں ہوگا۔ مگر میں لوگوں کو پیغام دینا چاہتی ہوں کہ اپنی زندگی ان کے پیچھے برباد نہ کریں۔ میں تو مر جاؤں گی مگر کم از کم دنیا کو اس وزیر کا اصل تو بتادوں تاکہ کل کو اس کے جلسوں میں کوئی ٹینٹ لگانے بھی نہ جائے۔" خاتون کے عزائم جارحانہ' آواز پاٹ دار تھی سبق یاد تھا جملے کے اختتام پر اس نے آنسو بھی اس مہارت سے پونچھے کہ کسا ہوا دوپٹا ذرا نہ سرکا تھوڑی تھوڑی دیر بعد وہ ایک ہاتھ اور لات ہوا میں یوں لہرا دیتی کہ بس اب گری کہ تب۔۔۔ ایسے میں عوام الناس کے منہ سے نکلنے والی چیخیں۔۔۔ توبہ توبہ۔۔۔

"خاتون کو اتارنے کی کوشش کی جارہی ہے وزیر موصوف سے رابطہ نہیں ہو پارہا مخالف پارٹی کی ہمدردیاں خاتون کے ساتھ ہیں وہ اسے خودکشی کے اقدام سے باز رہنے کے لیے کہہ رہے ہیں کہ وہ ضد چھوڑے نیچے اترے وہ اس کی دادرسی کریں گے۔"

نیوز اینکر کی زبان تڑتڑ چل رہی تھی۔

نائی چینل بدل بدل کے مظلومہ کو دیکھ رہا تھا۔۔۔ دکھا رہا تھا۔

وڈے کا خون خشک۔۔۔ وہ بہت کچھ سوچ رہا تھا۔

"یہ اماں کو کیا ہوا۔۔۔ اگر نیچے گر گئی تو سر تربوز کی طرح پھٹ جاتا اور نیچے اترتی تو وزیر موصوف پوچھتا۔

"بی بی تو کون۔۔۔ اور کون تیرا بندہ۔۔۔ اصلیت کھل جاتی۔ صاف بات ہے وہ بڑی جھوٹی اور اس کے بعد (وڈے کی سوچنے کی صلاحیت جواب دے گئی) رونگٹے کھڑے ہوگئے آج حد ہوگئی تھی۔ اسی پل لائٹ چلی گئی۔

"اوئے رفاقت۔۔۔ روشنی موجود ہے ابھی ہاتھ کی

سلائی مشین پر کام پورا کرلے جلدی" استاد نے تیزی سے کہا تھا۔

☼ ☼ ☼

ہر عروج کو زوال ہے، صبح کے بعد شام یقینی۔۔۔ رفاقت میٹرک پاس تھا(یعنی میٹرک کی سند اس کے پاس تھی۔ قابلیت کی بات نہیں کررہے ہیں) مگر آج اپنی ماں کو ان حالوں میں دیکھ کے اسے الٹی پڑ گئیں سب تدبیریں ٹائپ کے تمام محاورے یاد آرہے تھے۔

وہ کھری منجی (بغیر بستر والی چارپائی) پر چت پڑی تھی ایک پٹی ماتھے پر۔۔۔ ایک بازو پر چوٹ پیر میں بھی تھی وڈی نے بڑی مشکل سے لات کو ایک لکڑی کھڑی کرکے لٹکا دیا تھا اوپر سے ہائے ہائے کا ورد۔۔۔

چھوٹا ماں کی پٹی سے لگا بیٹھا تھا۔ وڈی برے حالوں میں تھی کہ دو دو مریضوں کی تیمارداری کیسے کرتی۔

جی ہاں دوسری منجی پر جناب رفاقت بھی ماں جیسے حالوں میں پڑے تھے ماں کی ہائے میں حیرانی آمیز پچھتاوا تھا تو بیٹے کی ہائے میں سیاپا۔۔۔ اور شرمندگی "اماں اس بار بھی پکڑے جانے کے باوجود اپنی ازلی ہشیاری کے باعث بچ بچا کے نکل آئی تھی مگر اسے کوئی داؤ نہ آیا اور اگر کوئی آیا بھی تو دھونے اور نچوڑنے والوں نے آزمانے کا موقع نہ دیا۔

کھمبے والے واقعہ سے بچ نکل آنے پر تینوں بچے ماں کی عقل اور مہارت پر اش اش کراٹھے تھے۔

احتجاج ریکارڈ ہوگیا۔ کوئی تین گھنٹے تک اس وزیر کا نام ہر چینل پر ذلیل وخوار ہوتا رہا۔ جتنی دیر میں وزیر موصوف دھیان لگاتے اور یادداشت پر زور دے کر "بیوہ" کو یاد کرتے کہ کس کس سے وعدہ کرکے مکرے ہیں تب تک بدنامی نے خوب نام بنا دیا تھا۔

پہلے تو اپنے حواریوں سے پوچھتے رہے کہ یہ ہے کون۔۔۔ اب کوئی ہوتی تو یاد آتی نا۔ "وباقی باتیں بعد میں کرلیں گے پہلے اسے کھمبے سے اتار کے تو لاؤ اتنی دیر سے ٹنگی پڑی ہے ہوئے اوپر سے گرمی شرمی ویسے ہی سلپ ہوئی تو میرا تو کام ہوگیا پہلے اسے میرے سامنے پیش کرو پھر آگے کا سوچو۔۔۔

"جتنا اوپر چڑھی ہے نا اتنا ہی نیچے نہ پہنچایا تو نام بدل دینا۔

اور دوسرے یہ جو فلاں چینل کا رپورٹر باندر بن کے اس کے منہ میں مائیک دے کر کھڑا ہے۔ دل تو کرتا ہے دونالی بندوق کے فائر سے اس خاتون کو بعد میں گراؤں پہلے اس انٹرویو کرنے والا کا معاملہ نبٹاؤں۔۔۔ مگر خیر فورا" کسی بندے کو بھیج۔۔۔ اور صاف پیغام دے یہ سب سے اوپر والے رپورٹر کی تشریف کا نشانہ باندھے غلیل سے۔۔۔ پہلے یہ تو نیچے گرے پھر نبٹ لوں گا اس خاتون صاحبہ سے بھی۔۔۔ مجھے تو یہ اپنے دشمنوں ہی کی کوئی چال لگتی ہے۔

اور اگر یہ ہوئی دشمنوں کی سازش تے سب کو ننگا کردوں گا اور اگر یہ غلطی سے سچ مچ کسی کی بیوہ نکل آئی تے بیوگی کے سارے دکھ مٹا دوں گا۔ شام کی چائے مرحوم شوہر کے ساتھ فکس کرواس کی۔۔۔"

وزیر موصوف نے بھی دنیا دیکھ اور سمجھ رکھی تھی۔

ادھر جناب رفاقت جب جان چھڑاتا حواس باختہ گھر پہنچا تو والدہ صاحبہ نہادھو کر تشریف فرماں تھیں، مزے دار چائے ناشتا سجا تھا بے فکری کا احساس اور کامیابی کے نشے نے چہرے پر بڑی ہی چمک نمودار کردی تھی۔

"بعد کی بعد میں دیکھی جائے گی، میں تو اپنا کام کرکے آگئی۔ مجھے تو بس جو کہا گیا وہ میں نے کردیا۔ چوہدری صاحب کا کوئی بڑا پرانا حساب تھا۔ اس وزیر کی طرف۔۔۔ بعد میں بھلے جھوٹ ثابت ہو مگر جب تک قصہ رہے گا تب تک وزیر کے نام تو ذلالت آئے گی نا۔۔۔ اور اصل بات یہ ہے کہ سچ جھوٹ کا پتا ہی نہیں لگتا۔ ڈھونڈتے ہی رہ جائیں گے سب مظلوم بہو کو۔"

"لیکن اماں تو بچ کے نکل کیسے آئی، وہاں تو اتنا رش تھا۔" وڈے کے حواس بحال نہیں ہوئے تھے۔

"تو یہ کون سا مشکل کام تھا۔ میں نیچے اترتے ہی بے ہوش ہوگئی۔ ایک آدمی نے ایمبولینس میں ڈالا۔ جوس پلانے لگے، رپورٹر سوال پوچھنے کو بے تاب۔۔۔ مگر چوہدری صاحب کے بندوں ہی نے سنبھال لیا۔ انصاف دلوانے کے لیے اپنے ساتھ لے گئے۔ جب رپورٹر رہ گئے پیچھے۔۔۔ آگے ایک اور ویسے ہی ایمبولینس کھڑی تھی۔ کسی کو پتا نہ چل سکا۔ کب مجھے اتار دیا گیا۔ پورے بیس ہزار دے کر۔۔۔ ہاہاہا۔۔۔" گلزار بی بی مزے لے کر بتا رہی تھی۔ "مگر اماں میڈیا کے بندے ڈھونڈتے رہتے ہیں۔ بال کی کھال نکالتے ہیں۔"

"او تو ڈھونڈتے رہیں۔ جس وزیر کا میں نام لے رہی تھی۔ کوئی جھوٹ تھوڑی تھا۔ سچ مچ کی کہانی تھی۔ لیکن وہ اصلی والی بیوہ میں اتنی ہمت بھی نہیں۔ میری وجہ سے اس کا تو فائدہ ہوگیا اور۔۔۔"

"گر وہ اصلی والی تک پہنچ گئے اور اسے خوار کردیا۔ پھر۔۔۔" وڈے کو گھبراہٹ ہوئی۔

"وے پاغلا۔۔۔ اصلی والی دو سال سے وہیل چیئر پر ہے۔ میں نے ساری معلومات کرلی تھیں۔"

"اماں میں آج پہلی دفعہ ڈر گیا تھا قسم سے۔"

"ہائے گلزار بی بی کا پتر ہو کر ڈر گیا تھا۔ لفظ جچتا نہیں۔ او میں کبھی ناکام نہیں ہوئی۔"

لیکن۔۔۔ ہو ہی گئی گڑبڑ۔ ہو جاتی ہے کبھی انسان ہیں نا، غلطی کردیتے ہیں۔

الیکشن کے دن نزدیک آئے تو صبح، دوپہر، شام کے جلسے تھے۔ ایک پارٹی تو دوسری پارٹی، اتنا کام، اتنا کام کہ سر کھجانے کی فرصت نہیں۔ کھانا، روٹی، پانی، تحائف، امیدوار ایسے ہو گئے تھے کہ پیروں میں بچھ بچھ جاتے۔ گلزار بی بی کی مصروفیت کا عالم ہی کیا؟

پاس اتنا کام آگیا کہ وڈے کو بھی شامل کرلیا۔ بیٹی کو لے جانے کی ہمت البتہ نہ کرسکی۔ مگر اسے بھی کام دے دیا۔ جلسوں کا شیڈول اسے ازبر کرادیا گیا۔ کس جلسے میں کون سا لباس زیب تن کرنا ہے۔ سبز پرچم۔۔۔ پرچم کے رنگ کے دوپٹے کہاں، کون سے پلے کارڈ لے کر جانے ہیں۔

کون سے نعرے کہاں لگانے ہیں۔

اس سب کی ذمے داری وڈی کو دی گئی۔

یہ دونوں ماں، بیٹا تو بس آتے، کپڑے بدلتے اور بھاگتے۔ روٹی، پانی کا انتظام جلسوں ہی میں تھا۔

یہ لالچ ہی تھا نا کہ زیادہ سے زیادہ پیسے کمالیے جائیں۔ اللہ جانے دوبارہ یہ موقع آئے، آئے نہ آئے زندگی رہے نہ رہے، یہی نگران حکومت اگر بلائے جان بن گئی تو پھر۔۔۔ لہٰذا کمالو جتنا کما سکتے ہو۔

سونے کا انڈا دینے والی مرغی کو ذبح نہیں کرنا چاہیے اور پٹیوں میں لپٹے ماں، بیٹا اب بھی خود کو قصوروار نہیں سمجھ رہے تھے۔

اصل ذمے دار میڈیا تھا جو سیدھی سیدھی خبریں چلانے کے بجائے نہ جانے کن خاص خبروں کی تلاش میں کونوں، کھدروں میں جا گھستا ہے۔

اب اس میں گلزار بی بی کا کیا قصور۔۔۔ کہ وہ جلسے میں مخالف پارٹی کے نعرے لگا رہی تھی اور ایک کیمرہ مین اسے لائیو اٹھارہ کروڑ عوام کو دکھا رہا تھا۔

ساری قوم سب خبریں بھول کر باتمی انداز میں

اچھل اچھل کر نعرے لگاتی گلزار بی بی کو دیکھ رہی تھی۔ جلسہ کسی اور کا نعرے کسی دوسرے کے اور لباس کسی تیسرے کا۔ عوام روڈز پر ننگی گلے پھاڑ رہی تھی۔ خواص ٹی وی اسکرینوں پر بڑے پرسکون ماحول میں اے سی لگا کر اپ ڈیٹ لے رہے تھے۔

باہر مئی کی گرمی اور ٹھنڈے پانی کی سبیلیں۔ اندر اے سی اور سکون۔

انہی بڑوں نے اپنے چھوٹوں کو متوجہ کیا کہ یہ عورت کیا کر رہی ہے۔ کس نے بھیجا اسے اور کیا ارادے ہیں اس کے۔

دوسری جانب گلزار بی بی جیسی بریکنگ نیوز دیکھ لینے کے بعد ایک دوسرے حریف چینل کے رپورٹر نے بھی گرما گرم ایسی ہی نیوز کی تلاش میں جب نگاہ دوڑائی تو۔ رفاقت صاحب پر نگاہ پڑی۔ اماں نے جلسے کی جگہ بتادی تھی۔ ضروری سامان کا تھیلا ساتھ کر دیا تھا۔ اٹھارہ کروڑ عوام منہ کھول کر اور آنکھیں پھاڑ موصوف کو دیکھ رہے تھے۔ جلسہ کسی کا' نعرے کسی کے۔

جانثاروں نے گریبان سے نہیں پکڑا کہ یہ کیا غیرتی ہے۔ دونوں لاتوں کو پیچھے سے کھینچا تھا' منہ کے بل نیچے دھڑام سے گرا۔ تھیلا ٹٹولا گیا تو سارے نعرے جلسہ مخالف۔ وڈی میں کب تھا ماں جیسا پروفیشنلزم غلط سامان سے تھیلا بھر دیا۔

دونوں ماں' بیٹا گھر کیسے پہنچے' یہ الگ کہانی رہی۔

تین' چار دن تک تو گلزار بی بی کا منہ ہی سوجا رہا تھا۔ سو بولنا مشکل تھا۔ آج جیسے ہی ذرا سی امید بنی تو رہ رہ کر دیہاڑی کے دن ضائع جانے کا افسوس کرنے لگی۔ منجی پر لاچار پڑی تھی مگر ذہن کام کر رہا تھا کڑیاں جوڑتی اور سوچتی کہ غلطی کہاں ہوئی مگر سرا پھر بھی ہاتھ نہ آتا۔ وڈی کو ذمہ داری دی تھی کہ بتائے کب کہاں کیسے جانا ہے اور وہی کام خراب ہوا۔

اب آئی وڈی کی شامت۔ بے چاری چار دن تیمارداری کرتی رہی اور ہلکان ہوتی رہی اور اب ماں کے طعنے۔ آنسو پونچھتی اور چپ رہتی۔

الیکشن کے دن تھے تو لوڈ شیڈنگ کا دورانیہ کم ہو گیا تھا۔

گلزار بی بی ہمراہ رفاقت سارا دن و رات ٹی وی دیکھتی اور سر پیٹتی کہ دیہاڑیاں برباد ہو گئیں اور دوسرے جن لوگوں کے لیے اس نے دن رات ایک کر دیا تھا۔ سر دھڑ کی بازی لگادی تھی۔ پہلے سے معاوضہ لے کر۔ مگر کام بھی تو ایمان داری سے کیا تھا۔ ان میں سے کوئی ایک۔ کوئی ایک بھی غلطی سے حال پوچھنے کو نہ آیا۔ کیا کسی کو اس کی کمی محسوس نہ ہوئی۔

کہ کہاں گئی وہ پورے جسم کی طاقت لگا کر گلے کی رگیں پھلا کر نعرے لگاتی روڈ پر لوٹنیاں لگاتی گلزار بی بی۔ جو کرائے کی نعرے باز تھی مگر جہاں بھی پہنچ جاتی رجسٹرڈ ہو جاتی تھی رجسٹرڈ کروا دیتی تھی۔

پھرکی کی طرح گھومتی گلزار بی بی کے لیے یہ بستر نشینی عذاب بن رہی تھی۔

اور جسم کے زخم تو جلد ہی بھر جاتے اور وہ دوبارہ سرگرم ہو جاتی۔ مگر ایک عجیب سا ناقدری کا احساس۔ گلزار بی بی گہرائی میں جا کر سوچنے والی عورت نہیں تھی۔ مگر آنکھ سے نکلتے آنسو۔ جو کنپٹی پر بندھی پٹی میں جذب ہو جاتے تھے۔ آنسو آنکھ کے کناروں سے ٹپکتے ضرور ہیں۔ مگر۔ تیار وہ کہیں بہت اندر گہرائی میں ہوتے ہیں۔

اور ماں کی پھنکار خامشی سے سنتی وڈی سوچ رہی تھی۔ ماں نے ایک بار خود کو تھالی کا بینگن کہا تھا اور اپنے لیے اس مثال پر وہ جی بھر کے ہنسی تھی اور دھوبی کا کتا۔ ہاہاہا۔ اگر وہ آج یہی مثال ماں کے سامنے دہرا دے۔ تو۔ تو کیا۔

گلزار بی بی اتنا ہی جان دار قہقہہ لگا سکے گی؟

اونہوں۔ بے وقوف ہو۔ تم جانے دو وڈی' تمہیں کسی نے بتایا نہیں بڑوں سے سوال جواب نہیں کرتے۔

☼ ☼

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

فرزان ایک دن کام کرتے کرتے تھک جاتا ہے تو چائے پینے کی نیت سے باہر جاتا ہے جہاں اس کی ملاقات چند علمائے کرام سے ہوتی ہے جو اسے باقاعدگی سے مسجد آنے اور نیک اعمال کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ فرزان کی ان سے بحث ہوجاتی ہے۔ تو بہت سے لوگ جمع ہوجاتے ہیں۔ اسی دوران پولیس آجاتی ہے جو ان سب کو پکڑ کر تھانے لے جاتی ہے وہاں پر بھی فرزان پولیس والوں سے عجیب و غریب گفتگو کرتا ہے۔ پولیس والے اسے پاگل قرار دے کر چھوڑ دیتے ہیں۔ اذان کو ایک اسٹیج پلے کرنے کی آفر ملتی ہے۔ ساری ذمہ داریاں اسی پر ہوتی ہیں۔ وہ اپنے دوستوں کے ساتھ تیاریوں میں لگ جاتا ہے۔ اسکرپٹ کے مطابق ڈرامے میں ایک لڑکی کی ضرورت ہے مگر ان کی ٹیم میں کوئی لڑکی نہیں ہے۔ ایک دوست رانا فہیم اسے بتاتا ہے کہ وہ ایک ایسی لڑکی کو جانتا ہے جو یہ کردار بہت اچھا کرسکتی ہے۔ اذان اس لڑکی ماہم سے ملتا ہے۔ ماہم بہت پُراعتماد اور خوب صورت لڑکی ہے۔ جو پوری ذمہ داری سے اپنا کام کرتی ہے۔ اذان اس کے حسن اور صلاحیتوں سے متاثر ہوجاتا ہے مگر اس کے سامنے اعتراف نہیں کرتا۔ ماہم اس کے گروپ کے تمام لڑکوں سے فری ہوجاتی ہے اور باری باری سب کو اپنا موبائل نمبر دیتی ہے۔ اذان کو یہ بات بہت بُری لگتی ہے۔ مگر وہ اس سے موبائل نمبر نہیں مانگتا۔ اذان کا اسٹیج پلے بہت پسند کیا جاتا ہے مگر اسی دوران اس کے اپنے دوست رانا فہیم سے تلخی ہوجاتی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ماہم اب تمہارے پلے میں کام نہیں کرے گی۔ تم کوئی متبادل انتظام کرلو۔ اذان جیسے تیسے باقی کے پروگرامز کرتا ہے مگر وہ ماہم کو بھول نہیں سکا۔ وہ دل ہی دل میں اسے یاد کرتا ہے، اس کے دوست اور ٹیم ممبرز اسے بتاتے ہیں کہ ماہم فون پر سب ہی سے بات کرتی ہے لیکن وہ ملنے کے سخت خلاف ہے اور ایک مخصوص حد تک بات کرتی ہے۔ وہ دوستی کرنے کے حق میں نہیں۔ اس کا خیال ہے کہ جو شخص اس سے مخلص ہوگا اور اس سے شادی کا خواہش مند ہوگا وہ اسی سے تعلق رکھے گی۔ ماہم کے خیالات سن کر اذان کو خوشی ہوتی ہے۔ ماہم کا تعلق ایک غریب گھرانے سے ہوتا ہے اس کی ماں ایک اسکول میں کینٹین چلاتی ہے اور باپ سائیکل پر گھوم گھوم کر ناشتے کے لیے چھولے بیچتا ہے۔ مگر وہ اپنی غربت کے باوجود ماہم کو اعلا تعلیم دلا رہے ہیں۔ ماہم بی کام کی اسٹوڈنٹ ہے۔ ذہین اور حساس مگر اپنی غربت سے نالاں ہے۔ اذان کو اپنے ایک دوست سے پتہ چلتا ہے کہ ماہم ایک کریمنل آدمی سے ٹیلی فونک رابطے میں ہے اور اس کی دوستی کا دم بھرتی ہے۔ اذان کو تشویش ہوتی ہے مگر وہ اپنے دوستوں سے اس کا نمبر پوچھنا پسند نہیں کرتا۔ اسی دوران اس پر انکشاف ہوتا ہے کہ اس کا ایک دوست رشتے میں ماہم کا چچا لگتا ہے۔ اذان اس سے ماہم کا نمبر حاصل کرلیتا ہے۔ اذان اور ماہم کی دوستی ہوجاتی ہے۔ جو رفتہ رفتہ محبت میں تبدیل ہوجاتی ہے۔ محلے دار فیضی صاحب سے فرزان کی الٹی سیدھی حرکتوں کی شکایت کرتے ہیں۔ فیضی صاحب بہت شرمندہ ہوتے ہیں اور فرزان سے سخت رویہ اختیار کرتے ہیں۔ وہ دوٹوک انداز میں کہتے ہیں کہ یا تو اپنے دوستوں کو چھوڑ دو یا اس گھر کو...... فرزان ضد میں آکر اپنی بیوی زارا کو ساتھ لیتا ہے اور گھر چھوڑ دیتا ہے۔ فرزان کے گھر چھوڑنے کے بعد فیضی صاحب فرزان کی بہت کمی محسوس کرتے ہیں مگر اس کا اظہار نہیں کرتے۔ ذکیہ بیگم جو ایک ماں ہیں۔ بیٹے کی جدائی ان پر بھی بہت اثر انداز ہوتی ہے۔ وہ بیٹے کی وکالت کرتی ہیں مگر فیضی صاحب انہیں سمجھا دیتے ہیں کہ وہ یہ سختی بیٹے کی بھلائی کے لیے کر رہے ہیں۔ فرزان گھر چھوڑنے کے بعد مالی پریشانیوں کا شکار ہے اور اس کے گھریلو حالات بہت خراب ہیں۔ اس کا ایک دوست اسے ایک این جی او میں کام کرنے کی دعوت دیتا ہے جہاں اس کی ملاقات نیلم سے ہوتی ہے۔ نیلم کو فرزان بہت اچھا لگتا ہے مگر وہ اسے بتا دیتا ہے کہ وہ شادی شدہ ہے یوں نیلم کے دل میں فرزان کی محبت پروان چڑھنے سے پہلے ہی ختم ہوجاتی ہے۔ فیضی صاحب کو بیٹے کی نافرمانی اور جدائی نے مل کر اندر سے توڑ دیا ہے۔ انہی دنوں فیضی صاحب کا دوسرے شہر جانا ہوتا ہے۔ وہ وہاں جاکر شدید بیمار ہوجاتے ہیں۔ اذان فرزان سے کہتا ہے کہ وہ جاکر ان سے معافی مانگ لے اور انہیں گھر لے آئے مگر فرزان اس سے بھی بدتمیزی کرتا ہے اور اس کی بات ماننے سے انکار کردیتا ہے۔ فرزان کو فیضی صاحب کے انتقال کی خبر ملتی ہے تو اسے اپنی ضد اور ہٹ دھرمی پر دل ہی دل میں بہت شرمندگی ہوتی ہے مگر بجائے اس کے کہ وہ اپنی اصلاح کرتا اور غلط کام کرنے لگتا ہے۔ تدفین والے دن شراب کے نشے میں دھت ہوکر الٹی سیدھی حرکتیں کرتا ہے۔ فرزان کی وہی روٹین ہوتی ہے اب تو اسے روکنے ٹوکنے والا بھی کوئی نہیں ہوتا اس کی اور اس کے دوستوں کی چاندی ہوجاتی ہے۔ زارا دبے لفظوں میں اسے سمجھاتی ہے مگر وہ اسے ڈانٹ دیتا ہے۔

اب آپ آگے پڑھیے

کسے بتائیں کہ جیون کے کارزار میں ہم
عجیب ہارے ہوئے لوگ ہیں کہ ہر لحہ
شکستِ ذات کی تصویر میں مقید ہیں
جنم لیا ہے تو اب تک کئی زمانوں سے
ہم ایک طے شدہ تقدیر میں مقید ہیں

حالات و واقعات جتنی تیزی سے تبدیل ہوتے ہیں انسان پر اس سے بھی زیادہ تیز رفتاری سے اثر انداز ہوتے ہیں، حالات جن پر کسی کا زور نہیں چلتا، ہونی، جو ہوکر رہتی ہے مگر کسی کو نظر نہیں آتی اور نظروں سے اوجھل رہتے ہوئے بھی آخر کار وہ اپنا وار کر جاتی ہے اور پھر انسان خود بھی اوجھل ہوجاتا ہے۔

اس پر کھانسی کا شدید دورہ پڑا تھا، وہ بے اختیار اپنے سینے کو مسلنے لگی لیکن بے سود...... حالت تھی کہ سنبھلنے میں ہی نہیں آرہی تھی۔

کھانستے کھانستے وہ نڈھال ہوگئی تو اس نے اپنا سر سفید براق تکیے پر پٹخ دیا۔ زور کی ابکائی آئی اور تکیے کا سفید غلاف اپنی رنگت تبدیل کر گیا، اب وہ سفید نہیں رہا تھا بلکہ سرخ ہوچکا تھا۔

اس نے آستین کی مدد سے اپنے ہونٹوں کو صاف کیا اور پھر نڈھال سی ہوکر چندھیائی ہوئی نظروں سے خون کے ان سرخ دھبوں کی جانب دیکھنے لگی۔

خون کے وہ سرخ دھبے دھیرے دھیرے اپنی رنگت تبدیل کرنے لگے، اسے اپنی آنکھوں میں دھواں سا بھرتا محسوس ہوا۔ اس نے ایک بار دونوں ہتھیلیوں کی مدد سے دونوں آنکھوں کو مسلا پھر نظروں کے سامنے ہاتھ لہرا کر جیسے ان دھندلاہٹوں کو دور بھگانے کی کوشش کی۔

اس کی پوری جان آنکھوں میں سمٹ آئی کیوں کہ خون کے ان دھبوں نے ایک عکس کو نمایاں کردیا تھا۔ ایک جانی پہچانی صورت، ایک من چاہی مورت اس کی آنکھوں کے سامنے تھی۔

''فرزان......'' یہ نام ایک کراہ کی صورت اس کے ہونٹوں سے ادا ہوا۔

فوراً ہی ممتا کی ٹھنڈی چھاؤں نے اسے اپنی آغوش میں لے لیا۔ اس نے اپنی شک بار آنکھیں اٹھا کر دیکھا، ذکیہ بیگم کا ملیح چہرہ اپنی تمام تر شفقت کے ساتھ اس کے سامنے تھا۔

بھیگی پلکوں کے ساتھ وہ اسے اپنے سینے سے چمٹائے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگیں، اور وہ سوچنے لگی......

جسم تپتے پتھروں پر، روح صحراؤں میں تھی
پھر بھی تیری یاد ایسی تھی کہ جو چھاؤں میں تھی

اس کے دل میں ایک ہوک سی اٹھی، ممتا کی ٹھنڈی چھاؤں نے اس کے جسم کو تو اپنے حصار میں لے لیا تھا لیکن روح تو جھلس رہی تھی، جلنا مقدر ٹھہرا دیا جائے تو بارش کی بوندوں کی بساط ہی کیا؟

وہ سوچنے لگی کہ کیا محبت ایسا ہی گناہِ کبیرہ ہے؟ کیا یہ ایسا ہی سفر لاحاصل ہے جس کی منزل سفید چادر سے ڈھکی لوہے کی یہ مسہری ہے......

دوسرے ہی لمحے دماغ کو دل نے سرزنش کی۔

''نہیں...... ایسا نہیں کہتے...... عشق اور محبت میں

بہت بڑا فرق ہوتا ہے...... بالکل ایسے ہی جیسے چاند اور پانی میں...... اس کا عکس ہی تو ہوتا ہے جو پانی میں اپنی کرنیں بکھیرتا نظر آتا ہے لیکن چاند اور پانی کے درمیان موجود فاصلہ تو ازل سے ابد تک قائم رہے گا......

پانی میں جھانک کر دیکھیں تو لگتا ہے کہ اس نے چاند کو اپنے دامن میں سمیٹ رکھا ہے لیکن حقیقت یہ ہی ہے کہ پانی ہمیشہ تہی دامن رہتا ہے، چاند آسمان پر اور پانی زمین پر...... بھلا زمین اور آسمان کا فاصلہ بھی کبھی ختم ہوا ہے؟"

دل نے پیار بھری ڈانٹ پلائی تو دماغ نے بے چارگی سے جواب دیا۔

"نہیں......"

دل کا قہقہہ بلند ہوا، پھر وہ فتح مندی سے بولا۔

"پگلے یہی تو فرق ہوتا ہے عشق اور محبت میں۔"

عشق سے محبت نے زیست کا مزا پایا
درد کی دوا پائی، درد لا دوا پایا

دماغ نے چپ سادھ لی اور دھڑکنیں بھی اعتدال پر آگئیں۔

زارا نے نظریں گھما کر اطراف میں دیکھا تو دونوں طرف قطار در قطار لوہے کی مسہریاں بچھی ہوئی نظر آئیں وارڈ میں لگے ہوئے بلب کی زاردی مائل کمزور روشنی طرح طرح کے مریضوں کی صورتیں اجاگر کر رہی تھی۔

ہر چہرہ تھکا ہوا، ستا ہوا اور زاردی میں ڈوبا ہوا یوں دکھائی دیتا تھا جیسے اس ماحول میں زندگی کے کوئی آثار نہ ہوں، ہر طرف ایک چیختی ہوئی خاموشی، ایک اداس چپ......

"یہ آج اتنا سناٹا کیوں ہے؟
ہر منظر اتنا دھندلایا ہوا کیوں ہے
کیا ہو گیا ہے مجھے؟ کیا میری نظر کمزور ہو رہی ہے یا واقعی ماحول پر کچھ تاریکی چھائی ہوئی ہے؟"

زارا نے پریشانی سے سوچا۔

"پتا نہیں آج ابھی تک یہ نرس کیوں نہیں آئی؟"

ذکیہ بیگم کی دھیمی سی بڑبڑاہٹ اس کی سماعتوں سے ٹکرائی، جواب اس سے کچھ فاصلے پر رکھی ہوئی کرسی پر جا بیٹھی تھیں۔

"مجھے نیند کیوں نہیں آرہی؟"

ایک اور سوال اس کے دماغ میں سرسرا اٹھا اور ساتھ ہی حلق میں گولا سا گھوما، کھانسی کی تیز آواز بلند ہوئی اور وارڈ کی اداس خاموشی سسک سسک کر دم توڑ گئی۔

سناٹے کا سینہ چاک ہو گیا تھا اور شاید زارا کا سینہ بھی...... وہ بری طرح اپنا سینہ مسل رہی تھی اور بے تحاشہ کھانس رہی تھی، ذکیہ بیگم گھبرا کے اٹھیں اور اس کی گردن کے نیچے کلائی رکھ کر اسے سنبھالنے کی کوشش کرنے لگی، لیکن زارا تھی کہ بے آب مچھلی کی طرح پھڑکتی ہی چلی جا رہی تھی۔

ذکیہ بیگم نے گھبرا کر مدد طلب نظروں سے چاروں طرف دیکھا لیکن چپ چاپ لیٹے مریضوں کے علاوہ انہیں اور کچھ نظر نہ آسکا۔ وہ جلدی سے اٹھ کر گلاس سے پانی انڈیلنے لگیں۔

وہ پانی لے کر مسہری کے قریب واپس پہنچیں اور ٹھیک اسی لمحے زارا کے بے قرار جسم کو جیسے قرار آگیا، وہ ساکت ہو چکی تھی......

ملبوسِ جاں پہ راستے کی گرد کے سوا
کیا رہ گیا ہے دل میں تیرے درد کے سوا

☆☆☆

میں کس کو پوچھنے نکلوں کسے تلاش کروں
قدم قدم پہ جدا ہو گیا کوئی نہ کوئی

موبائل کی بیپ سنائی دینے پر اس نے ہاتھ بڑھا کر موبائل اٹھایا اور ایک نظر بلنک کرتی ہوئی اسکرین کی جانب دیکھا۔ دوسرے ہی لمحے وہ نا صرف سیدھا ہو کر بیٹھ گیا بلکہ کال ریسیو کرنے کے بعد موبائل کان سے بھی لگا چکا تھا۔

وہ ابھی جاگ رہا تھا اور کچھ دیر پہلے تک ماہم سے بات کرتا رہا تھا، ماہم کی کال ختم ہوئی تو وہ

سونے کی نیت سے بستر پر لیٹ گیا لیکن اب موبائل پر امی کا نام دیکھ کر الرٹ ہو گیا تھا۔ وہ قدرے پریشان تو پہلے ہی تھا اس لیے ماہم سے بھی زیادہ لمبی بات نہیں کر سکا تھا البتہ وہ اسے بھابھی کی طبیعت اچانک ناساز ہو جانے اور ان کو امی کے ساتھ لاہور روانہ کیے جانے کے متعلق ضرور بتا چکا تھا اور یہ اطلاع بھی دے چکا تھا کہ وہ بھی کل لاہور جائے گا۔

"السلام علیکم امی جان! خیریت تو ہے نا...... آپ اس وقت رات میں کال کر رہی ہیں، بھابھی کیسی ہیں؟"

اس نے سلام کرنے کے ساتھ ساتھ ایک ہی سانس میں دو تین سوال کر ڈالے تو جواباً ذکیہ بیگم کی پریشان سی آواز سنائی دی۔

"وعلیکم السلام بیٹا! اللہ کا شکر ہے لیکن میں تمہاری بھابھی کی وجہ سے پریشان ہوں، تم نے کچھ پیسوں کا بندوبست کیا؟"

"جی امی جان! میں نے ایک لاکھ روپے بینک سے نکلوا لیے ہیں اور کچھ کیش میرے پاس ہے، میرا ارادہ تو آج ہی نکلنے کا تھا مگر فدا کو فون کیا تو اس نے کہا کہ تم پیسوں کا بندوبست کر کے کل آجانا، آج میں سنبھال لوں گا...... ان شاءاللہ میں صبح آپ کی طرف آؤں گا، اگر کوئی پریشانی کی بات ہے تو آپ بتائیں میں ابھی نکل آتا ہوں......"

اذان کے چہرے پر بھی پریشانی کے تاثرات ابھر آئے تھے لیکن ذکیہ بیگم اس کی بات کاٹتے ہوئے بولیں۔

"نہیں...... صبح ہی آجانا، زارا اب سو رہی ہے، لیکن پریشانی کی بات تو ہے بیٹا! ڈاکٹر کہتے ہیں کہ ٹی بی کے ساتھ ساتھ دماغ کا بھی کوئی مسئلہ ہے......

پتا نہیں کیا نام لے رہے تھے بیماری کا، اب ڈاکٹروں کی باتیں میری سمجھ میں تو زیادہ آتی نہیں ہیں، مجھے تو بس یہ پتا ہے کہ وہ زارا کے دماغ کا آپریشن کرنا چاہتے ہیں۔

ویسے تو فدا نے سارا انتظام کر دیا ہے، لیکن بیٹا آپریشن پر پتا نہیں کتنا خرچ آئے، تم صبح آجاؤ تو خود بات کرنا۔"

اذان نے پوری بات سنی، پھر انہیں تسلی دیتے ہوئے بولا۔

"آپ پریشان نہ ہوں امی جان! میں صبح پہنچ جاؤں گا، اللہ بہتر کرے گا، بھابھی ٹھیک ہو جائیں گی ان شاءاللہ......"

"اللہ تمہاری زبان مبارک کرے بیٹا!"

ذکیہ بیگم کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔

اس کے ساتھ ہی کال ڈسکنیکٹ ہو گئی۔

کیا بتلائیں کیسے کیسے جیون سہنا پڑتا ہے
اک اک شے سے ڈر لگتا ہے پھر بھی رہنا پڑتا ہے
کاغذ بن کر اڑنا پڑتا ہے بے رحم ہواؤں میں
لکڑی بن کر ظالم دریاؤں میں بہنا پڑتا ہے

☆☆☆

صراطِ عشق پہ مڑ کر نہ دیکھو
پلٹنے کا کوئی رستہ نہیں ہے

"شعر اچھا ہے...... لیکن یہ خیال شاعر کا ہے میرا نہیں...... کیونکہ مڑ کر دیکھنا، پلٹ کر چلنا یا آگے بڑھنا اس کا فیصلہ فرزان خود کرتا ہے...... شعر کا جواب شعر میں لینا چاہو تو کسی شاعر کا ایک شعر میں تمہیں سناتا ہوں۔

پلٹنا، جھپٹنا، جھپٹ کر پلٹنا
لہو گرم رکھنے کا ہے اک بہانا

کہنے والے نے شاید میرے لیے ہی کہا ہے، کیوں کہ میں جو کرتا ہوں، جب بھی کرتا ہوں، اپنی مرضی سے کرتا ہوں...... میں کسی کا پابند نہیں ہوں۔"

فرزان دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں پھنسائے سنجیدگی سے بات کر رہا تھا اور فریال ٹیبل پر

کہنی جمائے، ہتھیلی پر ٹھوڑی ٹکائے، محویت سے سن رہی تھی۔

چند لمحوں کی خاموشی کے بعد فرزان سلسلہ کلام دوبارہ جوڑتے ہوئے بولا۔

''بہر حال تمہاری تسلی کے لیے اتنا بتا دیتا ہوں کہ میں واپس نہیں جا رہا...... میں نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا ہے، تمہارے بھائی نے مجھے دو راستے دکھائے تھے، جن میں سے ایک پر چلنے کا ارادہ میں نے کر لیا ہے۔''

اور فریال کا دھواں دھواں چہرہ روشن ہو گیا، اس کی اداس نظروں میں جگنو چمک اٹھے۔

کھٹ پٹ کی آواز سنائی دینے پر فریال کی محویت ٹوٹ گئی، اس نے چونک کر نظریں اٹھائیں تو بھوڑی ملازمہ بانو ٹیبل پر ناشتا لگاتی نظر آئی۔

ٹھیک اسی وقت یاور زمان تولیے سے ہاتھ پونچھتے ہوئے ڈائننگ روم میں داخل ہوا، اس نے تولیہ بانو کی طرف اچھال دیا جو اس نے فوراً لے لیا اور باہر نکل گئی۔

یاور زمان کرسی گھسیٹ کر بیٹھا اور کسی کی طرف دیکھے بغیر با آوازِ بلند سلام کیا اور جواب کا انتظار کیے بغیر فرزان سے مخاطب ہوا۔

''فرزان...... تم نے اب تک ناشتا نہیں کیا؟ جلدی کرو، ہم لیٹ ہو رہے ہیں...... تمہیں اپنی منزل کی طرف بڑھنے کی جلدی نہیں ہے؟''

فرزان نے پلیٹ میں سے توس اٹھا کر ایک نظر یاور زمان کو دیکھا اور بولا۔

''کچھ لوگ یہ صلاحیت رکھتے ہیں کہ منزل خود آگے بڑھ کر ان کے قدم چومنے کو بے قرار رہتی ہے...... اور فرزان شاید ان ہی لوگوں میں سے ایک ہے۔''

یاور زمان نے توجہ سے فرزان کی بات سنی اور چھری اٹھا کر توس پر مکھن لگاتے ہوئے بولا۔

''منزلیں ان ہی کے قدم چومتی ہیں جو آگے بڑھنے کا حوصلہ، مضبوط قوتِ ارادی اور طاقت ور دماغ کے مالک ہوتے ہیں۔

یہ درست ہے کہ کچھ لوگ تقدیر اپنی مٹھی میں لے کر پیدا ہوتے ہیں، لیکن ان تھک محنت اور جستجو کے عادی نہ ہوں تو مٹھی کھل جاتی ہے اور تقدیر ریت کی طرح ہاتھوں سے پھسل کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس کا ساتھ چھوڑ دیتی ہے۔

ردِعمل کے لیے عمل کرنا ضروری ہوتا ہے...... اور اگر درست عمل کیا جائے تو نتائج من چاہے بھی ملتے ہیں۔''

فرزان سکون سے چائے کا کپ لبوں سے لگائے گھونٹ گھونٹ چائے پیتا رہا، چائے ختم کر کے اس نے کپ ٹیبل پر رکھا اور بولا۔

''سوچ اپنی اپنی ہوتی ہے، جس سے اختلاف بھی کیا جا سکتا ہے...... لیکن میں اس وقت بحث کے موڈ میں نہیں ہوں۔

صرف اتنا کہوں گا کہ وقت سب سے بڑا منصف ہوتا ہے، کون کیا کر سکتا ہے، اس کا تعین وقت سے بہتر کوئی نہیں کر سکتا...... محنت، لگن، دیانت داری، ایمانداری، یہ ساری باتیں بچے پریپ کلاس میں ہی پڑھ لیتے ہیں آپ مجھے کوئی نئی بات نہیں بتا رہے۔''

''یہ آپ لوگوں نے کیا فلسفہ شروع کر دیا...... مجھے بھی تو بتائیں کہ آپ دونوں کہاں جا رہے ہیں...... ساری معرفت کی باتیں آپس میں ہی کر رہے ہیں، مجھ کو بھی کچھ سمجھا دیں......''

فریال نے دونوں کی باتیں ناسمجھی سے سنتے

ے جھنجھلا کر یاور زمان سے شکایت کی۔

''میں تمہیں آسان الفاظ میں بتاتا ہوں کہ زان نے اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ یہ اپنے جس سفر کا آغاز کرنے جا رہا ہے، آج ں کا پہلا قدم اٹھا رہا ہے۔''

یاور زمان نے کرسی پیچھے کھسکا کر کھڑا ہوتے ئے کہا۔

''آؤ بھئی فرزان......''

یاور زمان نے اطمینان سے بیٹھے فرزان کو ناطب کیا تو فرزان بھی اثبات میں سر ہلاتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

دونوں ایک ساتھ قدم بڑھاتے ہوئے بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گئے۔

فریال دونوں کی پشت پر نظریں جمائے گہری سوچ میں گم تھی، لیکن اب اس کے چہرے پر پریشانی کے تاثرات کے بجائے، گہرا سکون تھا۔

☆☆☆

ذکیہ بیگم، مختاراں، فدا اور اذان اس وقت بے چینی سے آپریشن تھیٹر کے باہر ٹہل رہے تھے۔

اندر زارا کا آپریشن جاری تھا، ذکیہ بیگم منہ ہی منہ میں کچھ بدبدا رہی تھیں، یقیناً زارا کے لیے دعائیں ہی مانگ رہی ہوں گی۔ اذان کے پیسے لے آنے کے بعد زارا کے فوری آپریشن کی تیاری کی گئی تھی، اور اب وہ سب دل ہی دل میں زارا کے کامیاب آپریشن کے لیے دعا گو ہونے کے ساتھ ساتھ اس بات کے منتظر تھے کہ کوئی ڈاکٹر باہر آئے اور انہیں کامیابی کی نوید سنائے۔

کافی دیر کے بعد آپریشن تھیٹر کا دروازہ کھلا اور ایک ڈاکٹر نکل کر ان کی جانب آنے لگا، فدا اور اذان لپک کر اس کے قریب پہنچے۔

پھر اذان نے بے چینی سے ڈاکٹر کو مخاطب کیا۔

''ڈاکٹر صاحب! پریشانی کی تو کوئی بات نہیں ہے نا؟''

ڈاکٹر جو اس دوران قریب پہنچ چکا تھا رک کر اذان کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے افسردہ لہجے میں بولا۔

''ہمیں افسوس ہے بھائی! کہ اپنی پوری کوشش کے باوجود ہم مریضہ کو بچا نہیں سکے، حوصلہ کریں اللہ کو یہی منظور تھا۔''

ڈاکٹر اپنا جملہ مکمل کر کے آگے بڑھ گیا لیکن اذان اپنی جگہ ساکت رہ گیا تھا۔

آگ ہو تو جلنے میں دیر کتنی لگتی ہے
برف کے پگھلنے میں دیر کتنی لگتی ہے
چاہے کوئی رک جائے چاہے کوئی رہ جائے
قافلوں کو چلنے میں دیر کتنی لگتی ہے
چاہے کوئی جیسا بھی ہم سفر ہو صدیوں سے
راستہ بدلنے میں دیر کتنی لگتی ہے
یہ تو وقت کے بس میں ہے کہ کتنی مہلت دے
ورنہ بخت ڈھلنے میں دیر کتنی لگتی ہے
سوچ کی زمینوں پر راستے جدا ہوں تو
دور جا نکلنے میں دیر کتنی لگتی ہے

اسے بھی دیر نہیں لگی تھی، بہت انتظار کیا تھا اس نے، بڑی دیر انتظار کیا تھا، لیکن اب شاید اس میں اور انتظار کرنے کی سکت ہی نہ رہی تھی، وہ تھک گئی تھی، روٹھ گئی تھی سو اس نے ذرا بھی دیر نہیں کی اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان دکھوں سے آزاد ہو گئی۔

لوگوں کا آنا جانا، دنیا داری کی رسمیں، تعزیت...... سب ہوتا رہا اور کئی دنوں تک ہوتا رہا، اس دوران ماہم نے بھی اذان سے تعزیت کی، لیکن جسے جانا تھا وہ تو چلی گئی تھی، کبھی نا واپس

آنے کے لیے......!

☆☆☆

محبت ذات ہوتی ہے
محبت ذات کی تکمیل ہوتی ہے
کوئی جنگل میں جا ٹھہرے
کسی بستی میں بس جائے
محبت ساتھ ہوتی ہے
محبت خوشبوؤں کی لے
محبت موسموں کا دھن
محبت آبشاروں کے
نکھرتے پانیوں کا من
محبت جنگلوں میں رقص کرتی مورنی کا تن
محبت برف پڑتی سردیوں میں دھوپ بنتی ہے
محبت چلچلاتے گرم صحراؤں میں
ٹھنڈی چھاؤں کی مانند
محبت اجنبی دنیا میں اپنے گاؤں کی مانند
محبت دل
محبت جاں
محبت روح کا درماں
محبت مورتی ہے
اور کبھی جو دل کے مندر میں
کہیں پر ٹوٹ جائے تو
محبت کانچ کی گڑیا
فضاؤں میں کسی کے ہاتھ سے گر چھوٹ جائے تو
محبت آبلہ ہے کرب کا
اور پھوٹ جائے تو
محبت روگ ہوتی ہے
محبت سوگ ہوتی ہے
محبت شام ہوتی ہے
محبت رات ہوتی ہے
محبت جھلملاتی آنکھ میں برسات ہوتی ہے
محبت نیند کی رت میں
حسیں خوابوں کے رستوں پر
سلگتے، جاں کو آتے
رتجگوں کی گھات ہوتی ہے
محبت جیت ہوتی ہے
محبت مات ہوتی ہے
محبت ذات ہوتی ہے

اور پتا نہیں کیا کیا ہوتی ہے، جب سے یہ دنیا معرضِ وجود میں آئی ہے، وقت کی آنکھوں نے زمین کے سینے پر بکھری محبت کی ہزاروں داستانوں کا ہمیشہ تمسخر اڑایا ہے۔

لاتعداد قصے، بے شمار کہانیاں، ان گنت داستانیں، جنہیں داستان گو، افسانہ نگار، شاعر اور ادیب اپنے اپنے انداز میں بیان کرتے آئے ہیں۔ ہر کسی کے الفاظ جداگانہ، اندازِ بیاں مختلف اور واقعات الگ الگ ضرور ہیں لیکن بہر حال موضوع محبت ہی رہا ہے۔

محبت...... جو ایک بے حد خوبصورت جذبے کا نام ہے۔ لیکن کبھی کبھی یہی محبت امتحانِ مسلسل کا روپ بھی دھار لیتی ہے، کیونکہ یہ محبت جتنی خوبصورت نظر آتی ہے اتنی ہی خطرناک بھی ہے۔

یہ جذبہ اگر ریشم کی طرح نرم و ملائم ہے تو کانٹوں سے زیادہ نوکیلا بھی ہے...... اگر ٹھنڈے میٹھے جھرنے کی طرح دکھائی دیتا ہے تو اتنا ہی زیادہ زہریلا بھی ہے، اور شاید اذان بھی امتحان کی زد میں آنے ہی والا تھا، کیونکہ ماہم اور اذان آج بہت دنوں کے بعد ایک بار پھر الیکٹرونکس کی اس شاپ سے ملحقہ ریسٹ روم میں آمنے سامنے ایک ساتھ موجود تھے۔

دو جوان دل ایک ساتھ دھڑک رہے تھے لیکن

آج اذان کی دھڑکنوں کی تال قدرے مختلف تھی، آج اس کا وجود اس لے پر رقص کناں نہیں تھا بلکہ دھڑکنوں کی رفتار اسے تھکائے دے رہی تھی۔

دھک دھک کی یہ آواز اس کی روح کی ساعتوں کو مجروح کر رہی تھی کہ آج اس کے اندر ایک الاؤ دہک رہا تھا۔ ایک نام تھا جو اسے اپنے ذہن کے پردہ اسکرین پر بار بار ڈوبتا ابھرتا دکھائی دے رہا تھا۔

ڈاکٹر شاہد کی آواز کی بازگشت اسے اپنے وجود میں دراڑیں ڈالتی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کے چاروں طرف ایک شور برپا تھا، ایک ہی آواز تھی جو اسے ہر جانب سے آتی سنائی دے رہی تھی، للکارتی ہوئی، مذاق اڑاتی ہوئی، اکساتی ہوئی آواز......

حافظ عامر!
حافظ عامر!
حافظ عامر!!!

اور پھر اذان نے یہ چیلنج قبول کر لیا۔

اس کے تخیل کے مضبوط شکنجے نے چاروں اور اچھلتے کودتے، قہقہے لگاتے، قلابازیاں کھاتے، مذاق اڑاتے اس نام کو گدی سے پکڑ کر گھسیٹا اور زبان کے راستے باہر لا پٹخا!

اس دھینگا مشتی میں وہ ہانپ گیا تھا لیکن اس نے ہار نہیں مانی تھی وہ اس نام پر حاوی ہو گیا تھا۔ اس کے اعصاب اس کے قابو میں تھے اور لہجے پر اسے گرفت حاصل تھی۔

اب اس کی دزدیدہ نظریں ماہم کے چہرے پر جمی اس دھماکے کا ردِعمل تلاش کرنے کی ناکام کوشش کر رہی تھیں، جہاں سمندر کا سا سکوت طاری تھا۔ کوئی اتھل پتھل پیدا نہیں ہوئی تھی، کوئی جوار بھاٹا نمودار نہیں ہوا تھا۔

انا کی جنگ میں ہم جیت تو گئے لیکن
پھر اس کے بعد بہت دیر تک نڈھال رہے

اس نے ایک طویل سانس لی اور دوبارہ گویا ہوا۔

"تم نے جواب نہیں دیا ماہم؟"

اس نے اپنی غلافی پلکیں اٹھا کر اذان کی طرف دیکھا، یاقوتی لب حرکت میں آئے اور فضا اس کے جلترنگ لہجے سے ترنم ریز ہو گئی۔

"تھا" اور "ہے" میں بہت فرق ہوتا ہے اذان...... آپ نے فاخرہ کا وہ شعر نہیں سنا؟"

اس نے اپنی مخروطی انگلیوں کی مدد سے اپنی سنگِ مرمر جیسی دودھیا پیشانی کو مسلتے ہوئے جیسے کچھ یاد کرنے کی کوشش کی، پھر سر جھٹکتے ہوئے گویا ہوئی۔

میں نے سمجھا تھا سمندر تم کو
"تھا" کا مطلب تمہیں آتا ہو گا

"حافظ عامر تھا......اور اذان ہے......اس سے بڑی حقیقت اور کیا ہو سکتی ہے؟"

اذان نے پوری توجہ سے اس کی بات سنی پھر سنجیدگی سے بولا۔

"کیا میں تم سے سوال کرنے کا حق نہیں رکھتا؟"

"میں اب اس سے بات نہیں کرتی اذان! میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ میری زندگی پر صرف آپ کا اختیار ہے اور بس......"

ماہم نے بھی سنجیدگی سے جواب دیا۔ اذان نے بغور اس کی جھیل جیسی گہری آنکھوں میں جھانک کر دیکھا پھر گویا ہوا۔

"ماہم مجھے یقین ہے کہ ایسا ہی ہے......لیکن جس زندگی پر اختیار تم مجھے سونپ رہی ہو، اس زندگی سے اس شخص کا گہرا تعلق رہا ہے......یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ کوئی اچھا شخص نہیں ہے، تم اس سے رابطے میں رہیں، اس سے بات کرتی رہیں، کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ ایسا کیوں ہوا؟"

اذان اس وقت بے حد سنجیدہ دکھائی دے رہا تھا، ماہم نے نظر بھر کر اس کے چہرے کا جائزہ لیا پھر ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی۔

"اس لیے کہ میرے نزدیک وہ آدمی دل کا برا نہیں ہے......اذان نے چونک کر اس کا چہرہ پڑھنے کی کوشش کی لیکن وہ کوئی بھی اندازہ قائم کرنے سے قاصر رہا، پھر وہ بے ساختہ احتجاجی لہجے میں بولا۔

"لیکن......ماہم! وہ ایک جرائم پیشہ شخص ہے، تم تک پہنچنے کے لیے اس نے جو راستہ اختیار کیا، کیا اس سے تمہیں اندازہ نہیں ہوا کہ وہ کتنا غلط آدمی ہے؟"

اذان کی بات سن کر ماہم کے یاقوتی لب ذرا سا کھنچ کر مسکراہٹ کا سا تاثر دینے لگے۔ چند لمحوں کے توقف کے بعد اس کی آواز سنائی دی۔

"آپ کی بات اپنی جگہ درست سہی اذان! میں آپ سے اختلاف نہیں کروں گی لیکن میں تھرل کو پسند کرنے والی لڑکی ہوں، میری نظر میں وہ آدمی ایک نفسیاتی مریض ہے اور میں اس کا دماغی علاج کر رہی ہوں بس اسی سوچ کے تحت بات کرتی رہی ہوں۔"

اذان کے ماتھے پر بکھری آڑی ترچھی لکیروں میں مزید اضافہ ہو گیا، وہ قدرے طنزیہ انداز میں بولا۔

"تو پھر کیا رہا...... کامیابی ہوئی تمہیں، علاج ہو گیا اس کا؟"

لیکن ماہم کا جواب مزید حیران کن تھا۔

"آپ کو یہ سن کر حیرت ہو گی اذان کہ وہ کوئی جاہل شخص نہیں ہے اس نے کمپیوٹر سائنس میں ماسٹر کیا ہے، زمیندار فیملی سے تعلق رکھتا ہے، بے تحاشہ دولت کا مالک بھی ہے۔"

اذان کے چہرے پر مزید ناگواری کے تاثرات پھیل گئے پھر وہ جھلا کر بولا۔

"نام حافظ عامر ہے تو حفظ بھی کر ہی رکھا ہو گا......اس نے کہا اور تم نے مان لیا، فراڈ آدمی ہے وہ لچھے دار باتیں کر کے لڑکیوں کو شیشے میں اتارنے والا اور بس......اگر یہ سب جو اس نے تمہیں بتایا ہے سچ ہوتا تو وہ دو تین ہزار کا موبائل کیوں تھماتا پھرتا؟"

ماہم نے مسکرا کر کہا۔

"گفتگو بتا دیتی ہے اذان! وہ واقعی پڑھا لکھا اعلا تعلیم یافتہ ہے، رہی بات یہ کہ وہ ایسے کام کیوں کرتا ہے، تو یہی وہ نفسیاتی گرہ ہے جسے میں کھولنا چاہتی تھی۔ اور ایک بات اور کہ اس کا نام حافظ عامر نہیں ہے......اس کا اصل نام فاروق ملک ہے......!!!

☆☆☆

(باقی آئندہ شمارہ میں ملاحظہ فرمائیں)

آواز کی دنیا سے

حنا عباس

شاہین رشید

یہ بڑی خوش آئند بات ہے کہ اب ہماری لڑکیاں اور خواتین زندگی کے ہر شعبے میں بہت نمایاں خدمات سرانجام دے رہی ہیں۔ ذرائع ابلاغ ہمیشہ سے ہی لڑکیوں کا پسندیدہ شعبہ رہا ہے۔ اچھے کام کے ساتھ اچھی شہرت حاصل کرنے کا سب کو شوق ہوتا ہے اور یہ بھی بڑی اچھی بات ہے کہ میڈیا کی فیلڈ میں خواہ وہ ریڈیو ہو یا ٹی وی، پڑھے لکھے لوگ آ رہے ہیں۔ خصوصاً لڑکیاں، پہلے ریڈیو ایف ایم شہروں تک مخصوص تھا مگر اب پورے پاکستان میں اس کی نشریات سنی جاتی ہیں۔

"آواز کی دنیا سے" آج آپ کی ملاقات ایف ایم 93 کی آر جے حنا عباس سے کروا رہے ہیں۔

* "کیسی ہیں حنا اور شاہینوں کے شہر سرگودھا میں رہتی ہیں تو کیسا ہے شہر؟"

☆ "جی سرگودھا بہت اچھا شہر ہے اور چونکہ میں رہتی ہوں اس لیے اور بھی زیادہ اچھا ہے اور آپ بھی سرگودھا آئیں آپ کو ہم بہت گھمائیں گے۔

* "ایک گاؤں کی لڑکی ریڈیو کی آر جے کیسے بنی؟ لیکن پہلے اپنا فیملی بیک گراؤنڈ بتائیں؟"

☆ "سرگودھا کے ساتھ ایک گاؤں ہے "19 چک جنوبی" میرے والد کا نام غلام عباس پنجوہ ہے اور وہ ہائی کورٹ کے لائر رہ چکے ہیں امی ہاؤس وائف ہیں۔ میرے ابو نے دو شادیاں کی ہیں اور میری سوتیلی والدہ کا

انتقال ہوچکا ہے۔ پہلی والدہ سے چار بیٹیاں یعنی میری چار بہنیں ہیں اور ہم چار بہنیں اور دو بھائی ہیں۔"
میں 9 نومبر 1993ء میں سرگودھا میں پیدا ہوئی۔ میرا اسٹار اسکارپیو ہے اور میں ماس کمیونیکیشن میں ماسٹرز کررہی ہوں اور اس میں ماسٹرز اس لیے کررہی ہوں کہ مجھے بچپن سے ہی میڈیا میں جانے کا شوق تھا اور جب بھی نیوز دیکھتی تھی تو نیوز کاسٹر بننے کی پریکٹس کرتی تھی' اداکاری کرنے کا بھی شوق تھا اور ہے بھی تو بس اس لیے میڈیا کی لائن پسند کی اسکول کالج لیول پہ بھی ہر چیز میں حصہ لیا کرتی تھی۔ اداکاری میں بھی تقریری مقابلے میں بھی۔"

* "ریڈیو پہ کیسے آئیں؟"

☆ "جب میں میٹرک میں تھی تب سے مجھے ایف ایم ریڈیو سننے کا شوق ہوا اور اس وقت جب پروگرام سنتی تھی تو میرا بھی دل چاہتا تھا کہ میں "آرجے" بنوں ۔تو جب میں پڑھائی کے سلسلے میں سرگودھا آئی تو میری پہلی خواہش یہ تھی کہ میں ریڈیو جوائن کروں' تب مجھے کسی نے بتایا کہ ایف ایم میں آڈیشن ہورہے ہیں اور میری دوست نے کہا کہ یہ ایف ایم ۹۳ ریڈیو پاکستان کا ہے' تم جاؤ اور آڈیشن دے آؤ' کیا معلوم تمہارا انتخاب ہوجائے ــــ میں ایف ایم ۹۳ میں گئی اور آڈیشن دیا اور اپنے بارے میں بتایا کہ میں کیا کیا کرچکی ہوں اسکول اور کالج کے لیول پہ' آڈیشن میں کامیاب ہوگئی اور میرا آڈیشن ہوا تو میرا پہلا پروگرام "ملک غلام عباس اعوان" کے ساتھ تھا اکیلے اس لیے نہیں کیا کہ میں بالکل نئی تھی۔"

* "تو کیسا رہا تھا پہلا پروگرام؟"

☆ "پہلے پروگرام میں میں تھوڑی گھبرائی ہوئی تھی اور بولتے بولتے چپ ہوجایا کرتی تھی۔ تو وہ میوزک لگوادیتے تھے اور مجھے سمجھاتے تھے کہ اس طرح کرو گی تو مشکل ہوجائے گی۔ مائیک کو اپنا دوست سمجھو اور اس سے باتیں کرو۔ انہوں نے مجھے بہت سکھایا سمجھایا اور پھر اللہ کا شکر ہے کہ میں خوداعتمادی کے ساتھ پروگرام کرنے لگی۔"

* "کتنا عرصہ ہوگیا ایف ایم میں اور اب تک کتنے ایف ایم بدل چکی ہیں؟"

☆ "2009ء سے ایف ایم ۹۳ سے وابستہ ہوں اور اس کی مین برانچ اسلام آباد میں ہے اور جس طرح آپ کے کراچی میں ریڈیو پاکستان کا ایف ایم 101 ہے اس طرح یہاں سرگودھا میں ریڈیو پاکستان کا ایف ایم' ایف ایم ۹۳ ہے تو ہمارا پروگرام سرگودھا کے علاوہ اسلام آباد میں بھی سنا جاتا ہے اور میں نے ابھی تک کوئی چینل بدلا نہیں اور اگر مجھے آفر بھی آجائے تو میں کچھ نہیں کرسکتی کیونکہ میں تو یہاں سرگودھا میں پڑھ بھی رہی ہوں۔"

* "آپ کے پروگرام کا فارمیٹ کیا ہے اور ہفتے میں کتنے دن پروگرام کرتی ہیں؟"

☆ "ہفتے میں ایک دن پروگرام کرتی ہوں' کیونکہ یونیورسٹی سے مجھے چھٹی نہیں ملتی اور پروگرام کا دن بھی ہفتہ ہی ہے اور فارمیٹ یہ ہے کہ مختلف موضوعات پر بات کرتی ہوں جس میں کرنٹ افیئرز کے موضوعات ہی ہوتے ہیں اور میرے موضوعات ایسے ہوتے ہیں جس سے نہ صرف لوگوں کو معلومات حاصل ہوتی ہیں بلکہ ان کو کچھ نیا پن بھی محسوس ہوتا ہے اور دلچسپی بھی لیتے ہیں۔ جیسے اگر میں نے موبائل فون کا ٹاپک رکھا ہے تو میں اس کے فائدے اور نقصان کی بات بھی کروں گی اور دلچسپی کے لیے یہ بھی پوچھوں گی کہ آپ نے سب سے پہلی کال کس کو کی تھی۔ تاکہ سننے والوں کی دلچسپی بھی برقرار رہے اور انہیں کچھ سیکھنے اور سمجھنے کا موقع بھی ملے۔ مجھے یاد ہے کہ 14 فروری کو ویلنٹائن ڈے پر بھی میں نے پروگرام کیا تھا اور سامعین سے یہ سوال پوچھا تھا کہ اسے منانا چاہیے یا نہیں۔ پھر اس کی ہسٹری اور بیک گراؤنڈ اسٹوری بھی بتائی تھی جس پر کافی کالز آئی تھیں۔ کچھ اس کے خلاف بولے اور کچھ نے اس کی حمایت کی۔"

* "یعنی بہت اچھا ریسپانس ملتا ہے۔ لائیو کالز لیتی ہیں؟"

☆ "جی بالکل ٹھیک کہا آپ نے بہت اچھا ریسپانس ملتا ہے اور اکثر تو فوری ہی مل جاتا ہے جب میں پروگرام کرکے باہر آتی ہوں۔ لائیو کالز لیتی ہوں۔ اور لڑکے لڑکیاں دونوں ہی کالز کرتے ہیں اور ہمیں بڑی احتیاط کے ساتھ چلنا ہوتا ہے اور اکثر ہمارے جاننے والوں کی بھی کالز آجاتی ہیں لیکن مجھے سب سے اسی طرح بولنا ہوتا ہے جیسے ہم دوسروں سے بولتے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر میرے والد کی کال ہے تو میں نے انہیں پہچاننا نہیں ہے بلکہ ایک عام کالر کی طرح ان سے بات کرنی ہے۔"

* "کوئی لڑکا غلط انداز میں تو بات نہیں کرتا اور ایک آرجے میں کن خوبیوں کا ہونا ضروری ہے؟"

☆ "اللہ کا شکر ہے کہ سب اچھے انداز میں بات کرتے ہیں اور اگر کوئی تھوڑا سا بھی غلط بولنے لگتا ہے تو میں لائن ڈراپ کردیتی ہوں اور آرجے کی خوبیوں کی بات کررہی ہیں تو بولنے کی خوبیاں ہونی چاہئیں۔ اچھا اور بولڈ بولنا آتا ہو۔ آواز میں بھی کشش ہونی چاہیے اور ہر طرح کی نالج کا ہونا بہت ضروری ہے۔ مثلاً" اب جیسے میں اسٹوڈیو پہنچی ہوں تو سر نے مجھے کہا کہ آپ کو اس ٹاپک پہ آج بات کرنی ہے تو اگر مجھے اسی ٹاپک کے بارے میں معلومات ہوگی تو مجھے ذرا بھی پریشانی نہیں ہوگی اس طرح ہمارے معاشرے میں کیا ہورہا ہے' ہمارے اردگرد کیا حالات ہیں۔ یعنی ہر طرح کی معلومات کا ہونا اور اندرونی اور بیرونی حالات کے بارے میں آگاہی بھی بہت ضروری ہے۔"

* "ایسا ہوا کہ کبھی طبیعت خراب ہے' کبھی موڈ خراب ہے یا کبھی دل ہی نہیں چاہ رہا پروگرام کرنے کا تو پھر کیا کرتی ہیں؟"

☆ "دل تو نہیں چاہتا ایسی صورتوں میں لیکن یہ ہماری ڈیوٹی ہوتی ہے اور ہمیں پروگرام کرنا ہی ہوتا ہے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ کسی مجبوری کی وجہ سے میں نے پروگرام نہیں کیا تھا اور ایک مرتبہ اپنے آخری پیپر کی وجہ سے پروگرام نہیں کیا تھا تو سامعین نے میری غیر حاضری کو بہت مس کیا تھا اور فون کرکر کے کہا کہ ہمیں حنا صاحبہ کا پروگرام چاہیے۔ تو پھر ہمارے سر نے کہا کہ آپ کے پروگرام کی ڈیمانڈ ہے سامعین آپ کو سننا چاہتے ہیں اس لیے کوشش کیا کریں کہ آپ غیر حاضر نہ ہوں۔ میرے پروگرام کی ٹائمنگ صبح گیارہ بجے سے بارہ بجے تک ہے۔"

* "اب جبکہ پڑھائی مکمل ہونے والی ہے تو کیا واپس

اپنے گاؤں چلی جائیں گی یا یہاں سرگودھا میں رہ کر کچھ کرنے کا ارادہ ہے؟ یا میڈیا میں جانے کا ارادہ ہے؟"

☆ "میری بڑی خواہش ہے کہ میں "نیوز کاسٹر" بنوں کیونکہ مجھے تو بچپن سے ہی نیوز کاسٹر بننے کا شوق ہے آر جے بننے کا بھی شوق تھا لیکن نیوز کاسٹر بننے کا شوق تو جنوں کی حد تک ہے ــــ اور میرے والد کی بھی یہی خواہش ہے کہ میں میڈیا میں آؤں تو بحیثیت نیوز کاسٹر کے۔"

* "تو پھر کسی سے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ کسی چینل پہ جا کر آڈیشن وغیرہ دیا؟"

☆ "ہمارے ایف ایم ۹۳ میں ہی ایک صاحب ہیں انعام خان صاحب انہوں نے مجھے کہا تھا کہ آپ کا یہ شوق بھی اچھا ہے آر جے بننے کا، لیکن آپ کو ٹی وی کی سائیڈ پہ بھی آنا چاہیے میرے پروڈیوسر نے بھی کہا اور "مینا بازار ود عائشہ ثنا" ایک پروگرام ہوتا تھا اس کے پروڈیوسر فرحان مشتاق نے بھی مجھے کہا کہ اگر آپ ایکٹنگ کی طرف آگئیں تو ہم آپ کو ویلکم کریں گے مگر میں نے انہیں منع کر دیا کہ مجھے خود اچھا نہیں لگے گا اس فیلڈ میں میرے گھر والے بھی پسند نہیں کریں گے۔"

* "تو اداکاری میں کیا برائی ہے؟ سب پڑھے لکھے لوگ آرہے ہیں اس فیلڈ میں؟"

☆ "ہاں برائی تو کوئی نہیں ہے اور اگر ٹیلنٹ ہے تو ضرور آنا چاہیے۔ مگر فیملی کو بھی تو دیکھنا ہوتا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ ہماری فیملی کے لوگ اس بات کو پسند نہیں کریں گے کہ میں اداکاری کی فیلڈ میں آؤں ــــ بے شک والدین اجازت دے دیں گے مگر خاندان کو بھی تو دیکھنا ہوتا ہے۔"

* "دیگر بہنوں بھائیوں کو بھی شوق ہے اس فیلڈ کا۔"

☆ "نہیں بالکل بھی نہیں۔ صرف میں ہی ہوں اس فیلڈ میں۔ باقی تو سب پڑھ رہے ہیں اور فیوچر میں بھی کسی کا کوئی ارادہ نہیں ہے اس فیلڈ میں آنے کا سب اپنی اپنی زندگی میں مست ہیں۔"

* "بہن بھائیوں میں آپ کا نمبر کون سا ہے اور شادی کب کرنی ہے۔ کیونکہ پنجابیوں میں تو شادی جلدی ہو جاتی ہے؟"

☆ "پورے بہن بھائیوں میں میرا نمبر آٹھواں ہے جبکہ اپنے بہن بھائیوں میں تیسرے نمبر پر ہوں اور یہاں جلدی ہی ہو جاتی ہے اور میں تو جب بھی کروں گی لو پلس ارینج کروں گی اور ابھی پسندیدگی والا کوئی سانحہ نہیں ہوا میرے ساتھ ــــ مگر ہو سکتا ہے کہ آئندہ چل کر کوئی پسند آ ہی جائے۔"

* "لڑکیوں کو جاب کرنی چاہیے یا گھر بیٹھ کر گھرداری کرنی چاہیے اور شادی کر کے بچے پالنے چاہئیں؟"

☆ "لڑکیوں کو پڑھنا بھی چاہیے گھرداری بھی کرنی چاہیے اور جاب بھی کرنی چاہیے اور آج کل کی لڑکیوں میں تو اتنی زیادہ خود اعتمادی ہے کہ وہ کسی بھی فیلڈ میں اپنے آپ کو منوا سکتی ہیں۔"

* "مگر لڑکیوں کی اکثریت کہتی ہے کہ مرد حضرات پریشان بہت کرتے ہیں؟"

☆ "دیکھیں جی اگر اس بات کو سوچیں گے تو پھر ہم لڑکیاں کچھ بھی نہیں کر سکیں گی اور جہاں تک مرد حضرات کی بات ہے تو لڑکے، مرد حتیٰ کہ بزرگوں کی سوچ بھی لڑکیوں کے لیے ایک جیسی ہے ان کی نظروں میں تو صرف اپنی ماں، بہن اور بیٹی کی عزت ہے اور کسی کی نہیں۔"

* "سیاست سے لگاؤ ہے؟"

☆ "مجھے سیاست سے بالکل بھی لگاؤ نہیں ہے اور پاکستان میں تو جیسی سیاست چل رہی ہے اس میں تو بالکل بھی نہیں آنا چاہوں گی۔ مجھے آسٹریلیا بہت پسند ہے اگر سیاست کروں گی تو پھر وہاں جا کر کروں گی۔"

* "گھرداری سے کتنا لگاؤ ہے؟"

☆ "گھرداری سے لگاؤ نہیں ہے۔ اماں کہتی ہیں کہ جب سر پر پڑے گی تو سب کچھ آجائے گا۔ جتنے دن ماں باپ کے گھر میں ہو عیش کر لو۔ ویسے ایسا نہیں ہے کہ میں پھوہڑ ہوں ضرورت پڑنے پر کچھ نہ کچھ پکا ہی لیتی ہوں۔ ویسے میری ثنا آپی بہت مزے مزے کے کھانے پکا لیتی ہیں۔"

* "آپ بتا رہی تھیں کہ آپ کو غصہ بہت آتا ہے تو کیا ورثے میں ملا ہے یا ملک کے حالات نے غصیل بنا دیا ہے؟"

☆ "میری فیملی میں بہت غصہ ہے، میرے ننھیال میں بہت غصہ ہے اور ان کا غصہ مجھے شاید ورثے میں ملا ہے۔"

* "شعر و شاعری سے لگاؤ ہے؟"

☆ "لگاؤ؟ ــــ جناب میں خود بھی شاعرہ ہوں اور میری کتاب بھی شائع ہو چکی ہے گمنام محبت کے نام سے ــــ اور افسانے وغیرہ لکھنے کا بھی بہت شوق ہے اور بہت کچھ لکھ کر رکھا ہوا ہے مگر ہمت نہیں پڑتی پوسٹ کرنے کی، ڈرتی ہوں کہ کہیں یہ نہ کہہ دیں کہ قابل اشاعت نہیں ہے۔ بس پھر تو ہمت ہی ٹوٹ جائے گی۔"

* "پڑھائی میں کیسی ہیں؟"

☆ "پڑھائی میں ہمیشہ اچھی رہی ہوں۔ پہلی کلاس سے لے کر دسویں کلاس تک ہمیشہ فرسٹ آئی۔ میٹرک میں پورے اسکول میں پوزیشن لی تھی تو اسکول والوں نے میرے لیے پمفلٹ چھپوائے اور یوں میں علاقے بھر میں بہت مشہور ہو گئی۔ ڈاکٹر بننا چاہتی تھی مگر انٹر کے بعد سائنس چھوڑ دی۔ کیونکہ بہت مشکل لگتی تھی پھر یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا۔ غیر نصابی سرگرمیوں میں بھی بہت بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اسکول کی بہت اچھی مقررہ تھی۔ کالج میں میں کرکٹ بہت اچھا کھیلتی تھی اور یونیورسٹی میں مجھے میرٹ کی بنیاد پر شہباز شریف صاحب نے "لیپ ٹاپ" بھی دیا ہے۔"

* "زندگی کو کس انداز میں لیتی ہیں؟"

☆ "میری نیچر بہت مختلف ہے اگر صبح کے وقت موڈ بہت خوشگوار ہے تو شام کو افسردہ موڈ ہو جائے گا۔ زندگی کو بس اسی طرح لیتی ہوں کہ ایک دن آیا اور بس گزر گیا۔"

* "اور چلتے چلتے کچھ کہنا چاہیں گی؟"

☆ "ہاں میں اپنی ہی ہم عمر لڑکیوں سے کہنا چاہوں گی کہ وہ افسانے اور ناولوں میں جو کچھ پڑھتی ہیں اس کو اپنے اوپر طاری نہ کیا کریں اور نہ ہی خوابوں کی دنیا میں رہیں۔ افسانوں میں پڑھتے ہیں کہ ایسے ہیرو مل جاتے ہیں مگر اصل زندگی میں بہت مشکل ہوتا ہے ہیرو کا ملنا۔ تو کہانیوں کو اپنے اوپر حاوی نہ کیا کریں۔"

اور اس کے ساتھ ہی ہم نے حنا عباس سے اجازت چاہی۔

☼ ☼

شعاع عمیر

کرن کرن خوشبو

مشعل راہ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔
"حق تعالیٰ شانہ ارشاد فرماتا ہے۔ میں بندے کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں جیسا کہ وہ میرے ساتھ گمان رکھتا ہے اور جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ پس اگر وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ میرا مجمع میں ذکر کرتا ہے تو میں اس مجمع سے بہتر یعنی فرشتوں کے مجمع میں اس کا تذکرہ کرتا ہوں اور اگر بندہ میری طرف ایک بالشت متوجہ ہوتا ہے تو میں ایک ہاتھ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہوں اور اگر وہ ایک ہاتھ بڑھتا ہے تو میں دو ہاتھ ادھر متوجہ ہوتا ہوں اور اگر وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کر چلتا ہوں۔" (مسند احمد)

فرزانہ منصور۔۔۔ کراچی

اے عرش والے تو جو چاہے کر' ہمارا رزق تو تیرے ہی ذمے ہے

امام اصمعی ؒ فرماتے ہیں۔ "میں قبیلہ کلب کے ایک قحط زدہ محلے میں گیا۔ ان پر کئی سالوں سے قحط پڑا ہوا تھا اور کتنے ہی مویشی ان لوگوں کے مر گئے۔ نہ تو زمین سے کوئی دانہ اگتا اور نہ ہی آسمان سے کوئی قطرہ گرتا۔ میں نے وہاں ایک عجیب بات دیکھی۔ قبیلے کی سمت سے سیاہ بادلوں کے جھول کے جھول اٹھتے' بستی والے دیوانگی کے عالم میں گھروں سے باہر نکل آتے اور تکبیر کے نعروں سے پوری فضا گونج اٹھتی' مگر بادل ان کے نزدیک آکر واپس پلٹ جاتے۔ جب کئی مرتبہ ایسا ہی ہوا تو ایک بوڑھی عورت باہر آئی اور ایک ٹیلے پر کھڑی ہو گئی' پھر بلند آواز سے پکارنے لگی۔ اے عرش والے تو جو چاہے کر ہمارا رزق تو تیرے ہی ذمے ہے۔"
امام اصمعی ؒ فرماتے ہیں۔ "ابھی وہ اپنی جگہ سے نیچے بھی نہیں اتری تھی کہ چاروں صرف گھٹاٹوپ اندھیرا چھا گیا اور پھر موسلا دھار بارش شروع ہو گئی' قریب تھا کہ سب ہی اس میں ڈوب جاتے۔ یہ سب کچھ میری آنکھوں کے سامنے ہوا۔"

نسیم محمود الحسن۔۔۔ سعودی عرب

خیال انگیزیاں

1 بہت سی چیزیں ایسی ہیں جنہیں میں نہیں جانتا۔ میں محض ایک انسان ہوں جو کہانیاں لکھنے کے لیے زندہ ہے اور میرا احساس اپنی تصنیف کے بارے میں یہ ہے کہ اس میں کچھ بھی اتنا اچھا نہیں ہوتا جتنا اسے ہونا چاہیے۔

(ولیم فاکنر)

2 وہ آدمی "فنکار" ہونے سے بہت دور ہے جو نہیں جانتا کہ معصومیت اور سادگی کی چاہت کیا ہے اور ذرا سی دوستی سپردگی مصروف انسانی مسرت۔۔۔ عمومیت کی راحت کے لیے زندہ رہنا کیسا ہوتا ہے۔

(تامس مان)

3 میرا مقصد یہ ہے کہ وہ لوگ جو دکھ کی کیفیت میں زندگی گزار رہے ہیں' انہیں اس سے چھٹکارا دلایا جائے اور خوشی کی کیفیت کی طرف رہنمائی کی جائے۔

(دانتے)

4 ہر زندہ زبان میں آسانی کے ساتھ اس زبان کے بولنے والے کی ثقافت اور زندگی کی تبدیلیوں کے مطابق تبدیلیاں لائی جاسکتی ہیں۔

انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا

5 جو لفظ اردو میں آیا وہ اردو ہو گیا۔ خواہ وہ عربی ہو یا فارسی۔ ترکی ہو یا سریانی' پنجابی ہو یا یورپی' اصل کی رو سے غلط ہو یا صحیح۔ وہ اردو کا لفظ ہے۔ اس کے صحیح یا غلط ہونے کا تصور اس کے اردو میں رواج پکڑنے پر منحصر ہے۔

(انشاء)

6 لوگ الفاظ استعمال کرتے ہیں' لیکن ان کا الفاظ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اصل میں دیکھا یہ جاتا ہے کہ دماغ کتنی دیر ایک جگہ ٹھہر سکتا ہے۔ (آرتو)

ساجدہ تاج۔۔۔ پیلاں

مشورہ

ہماری محبت کی کلینیکل موت واقع ہو چکی ہے
اور عذر خواہیوں کا مصنوعی تنفس
اسے کب تک زندہ رکھے گا
بہتر یہی ہے
کہ ہم منافقت کا پلگ نکال دیں
اور ایک خوب صورت جذبے کو باوقار موت
مرنے دیں۔

(پروین شاکر)

فوزیہ ثمر بٹ۔۔۔ گجرات

نفس کی قیمت

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔
"تمہارے نفس کی قیمت جنت ہے' اس کو جنت سے کم قیمت پر نہ بیچنا۔"

فوزیہ ثمر بٹ۔۔۔ گجرات

ایک سے بڑھ کر ایک

ایک شخص پہاڑی راستے پر جا رہا تھا۔ راستے میں اس کی ملاقات ایک چرواہے سے ہو گئی۔ اس نے چرواہے سے کہا۔ "اگر میں تمہاری بھیڑوں کی صحیح تعداد بتا دوں تو کیا دو گے؟"
"ایک بھیڑ۔" چرواہے نے کہا۔
"ٹھیک ہے۔" اس شخص نے جواب دیا۔
"تمہاری بھیڑوں کی تعداد دو سو ستاسی ہے۔"
تعداد درست تھی۔ چرواہا حیران رہ گیا۔ اس شخص نے ایک بھیڑ اٹھا کر اپنے کندھوں پر لاد لی۔ جب وہ جانے لگا تو چرواہے نے کہا۔ "اگر میں یہ بتا دوں کہ تم کون ہو تو کیا تم میری چیز مجھے واپس کر دو گے؟"
"ٹھیک ہے!" اس شخص نے رضامندی ظاہر کر دی۔
"تم ایک بیورو کریٹ ہے۔" چرواہے نے کہا۔
جواب درست تھا۔ بیورو کریٹ نے حیرت سے پوچھا۔ "تمہیں کیسے معلوم ہوا؟"
"بتاتا ہوں۔" چرواہے نے کہا۔ "پہلے میرا کتا اپنے کندھوں سے نیچے اتار دو۔۔۔!"

رضیہ بٹ۔۔۔ دوحہ

سیپ کے موتی

☆ جن لوگوں کو آپ کی موت کا غم ہو سکتا ہے انہیں زندگی میں خوشی ضرور دیں۔
☆ صدا دینے کے لیے آواز کا جان دار ہونا ضروری ہے اور آواز تب ہی دوسروں کے کانوں تک پہنچتی ہے جب آپ ان کو پکاریں' لوٹ کر دیکھنا نہ دیکھنا جانے والے کی مرضی ہے۔
☆ آرزو نصف زندگی ہے اور بے حسی ۔ نصف موت۔
☆ در ہمیشہ کھلے رکھنے چاہئیں' کچھ لوگ دستکوں کے عادی نہیں ہوتے' صدا دیے بغیر لوٹ جاتے ہیں۔
☆ آسمان اس پرندے کا نہیں جس کے پر بڑے ہوں بلکہ اس کا ہے جس میں قوت پرواز ہو۔
☆ اپنی کمزوریوں پر دوسروں کے ساتھ ہنسیے احساس کمتری ختم ہونے لگے گا۔
☆ جو شخص اپنا راز چھپاتا ہے وہ اپنا اختیار اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے۔
☆ جس سے تمہیں نفرت ہو اس سے ڈرتے رہو۔
☆ جو شخص انتقام کے طریقوں پہ غور کرتا ہے اس

کے زخم کبھی مندمل نہیں ہوتے۔

نور الایمان احمد۔۔۔ڈوال

مینارہ نور

علی کی ایک حکایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے مدین گئے تو انہیں بخار نے آلیا اور اس کے بعد بھوک ستانے لگی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا مانگی۔ "اے میرے رب! میں مسافر ہوں، مریض بھی ہوں اور میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔"

اللہ جل شانہ نے فرمایا۔ "اے موسیٰ علیہ السلام! کیا تو جانتا ہے کہ غریب کون ہوتا ہے، مریض کون ہے اور بغیر مال والا کون ہوتا ہے؟"

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ "اے میرے پروردگار! مجھے اس کا کچھ علم نہیں۔"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ "غریب وہ ہے، جس کا میری طرح کا پروردگار نہ ہو، مریض وہ ہے، جس کا میری طرح کا طبیب نہ ہو اور بغیر مال والا وہ ہے جس کا میری طرح کا کارساز نہ ہو۔"

نجمہ حفیظ۔۔۔کورنگی، کراچی

ابھی مت آنا

ایک انڈین عورت اپنے شوہر سے ناراض ہو کر اپنی سہیلیوں کے ساتھ شملہ کے پر فضا مقام پر سیر و تفریح کے لیے چلی گئی۔ وہاں سے اس نے اپنے شوہر کو ایس ایم ایس بھیجا۔ "چار ہفتے میں میرا وزن آدھا رہ گیا ہے۔ یہاں کی آب و ہوا بہت موافق ہے۔ میرا سارا موٹاپا دور ہو گیا ہے، تم کہو تو واپس چلی آؤں؟"

شوہر نے فوراً جوابی میسج دیا۔ "ابھی آنے کی قطعاً ضرورت نہیں، مزید چار ہفتے قیام کرو باقی سب خیریت ہے۔"

راحت فردوس۔۔۔ملتان

بہت رویا

جدا کر کے اسے خود سے میں گھر آ کر بہت رویا
جہاں جاتے تھے ہم دونوں وہاں جا کر بہت رویا
میں پہلے اس کا رونا سوچ کر ہنستا رہا پہروں
پھر اس کی ہنسی کو ذہن میں لا کر بہت رویا

حسن سلوک

کمپنی کے منیجر نے نو عمر چپراسی لڑکے پر برہم ہوتے ہوئے کہا۔

"ایک مہینے کے دوران تم نے آج تیسری مرتبہ جھوٹ بولا ہے۔ تمہیں معلوم ہے ہماری کمپنی میں جھوٹوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا ہے؟"

"جی ہاں جناب۔۔۔!" لڑکے نے سر ہلایا۔

"جب وہ جھوٹ بولنے میں ماہر ہو جاتے ہیں تو انہیں سیلز مین بنا کر کاؤنٹر پر کھڑا کر دیا جاتا ہے۔"

نسبت گیلانی۔۔۔کہروڑ پکا

کمزور عشق

مولانا رومیؒ ایک دن خرید و فروخت کے سلسلے میں بازار تشریف لے گئے۔ ایک دکان پر جا کر رک گئے۔ دیکھا کہ ایک عورت کچھ سودا سلف لے رہی ہے سودا خریدنے کے بعد اس عورت نے جب رقم ادا کرنی چاہی تو دکان دار کہا۔

"عشق میں حساب کتاب کہاں ہوتا ہے چھوڑو پیسے اور جاؤ۔" اصل میں یہ دونوں عاشق اور معشوق تھے مولانا رومیؒ یہ سن کر غش کھا کر گر پڑے۔ دکان دار سخت گھبرا گیا اس دوران میں وہ عورت وہاں سے چلی گئی خاصی دیر بعد جب مولانا رومی کو ہوش آیا تو دکان دار نے پوچھا۔

"مولانا صاحب! آپ کیوں بے ہوش ہوئے؟"

مولانا رومیؒ نے جواب دیا۔ "میں اس بات پر بے ہوش ہوا کہ تم دونوں۔۔۔ میں عشق اتنا قوی اور مضبوط ہے کہ آپس میں کوئی حساب کتاب نہیں جبکہ اللہ کے ساتھ میرا عشق اتنا کمزور ہے کہ میں تسبیح گن کر دانے گراتا ہوں۔"

ذکیہ غفار، اوچ شریف

بشریٰ محمود

صغریٰ یاسین، کی ڈائری میں تحریر

مظفر نیازی کی غزل

قریہ حیرت و امکاں نہ بنایا جائے
یہ ہوں مشکل مجھے آساں نہ بنایا جائے

ورنہ انصاف کی پلکوں سے لہو ٹپکے گا
کسی انساں کو یزداں نہ بنایا جائے

میری مٹی کو فقط مٹی ہی رہنے دیجیے
مجھ کو اس دور کا انساں نہ بنایا جائے

بادشہ گر کا گدا گر ہوں یہی کافی ہے
مجھ کو شاہوں کا ثنا خواں نہ بنایا جائے

مجھ کو اس گھر میں ہمیشہ کے لیے رہنا ہے
دو گھڑی کے لیے مہماں نہ بنایا جائے

خار کو خار ہی رہنے دیا جائے مظہر
یہی بہتر ہے گلستاں نہ بنایا جائے

نوشین اقبال نوشی، کی ڈائری میں تحریر

اختر ملک کی نظم

مجھے یاد کر، مجھے یاد آ

کوئی مجھ کو ایسی دلیل دے
کہ میں ٹوٹ کر تیرے نقش
آنکھ کی پتلیوں سے مٹا سکوں
کوئی مجھ کو ایسی دلیل دے
کہ میں دل سے پھر تیری عمر بھر کی
رفاقتوں کو بھلا سکوں
کوئی مجھ کو ایسی دلیل دے
کہ میں عمر بھر تیری یاد کا
کوئی جشن ہی نہ منا سکوں
اگر ایسی کوئی سبیل ہے تو پھر آزما
جو نہیں تو پھر
مجھے یاد کر، مجھے یاد آ

نمرہ، اقراء، کی ڈائری میں تحریر

سلیم کوثر کی غزل

ظلمت کدوں کی دہر میں کوئی کمی نہیں
سورج چمک رہا ہے مگر روشنی نہیں

سڑکوں پہ پھر رہی ہے سلگتی ہوئی حیات
اور وہ حیات جس کو ابھی موت بھی نہیں

تم ساتھ چل رہے ہو مگر اتنا سوچ لو
دشت طلب میں سایہ دیوار بھی نہیں

کب حادثوں نے چین سے سونے نہیں دیا
کس رات رنج و یاس کی آندھی نہیں چلی

تاراج کر گیا، فصل بہار کو
موسم کی چار دن بھی گلوں سے بنی نہیں

فوزیہ ثمر بٹ، کی ڈائری میں تحریر

امرتا پریتم کی نظم

اَج آکھاں وارث شاہ نوں،

کتھوں قبراں وِچوں بول
تے اَج کتاب عشق دا
کوئی اگلا ورقہ کھول

اِک روئی سی دھی پنجاب دی
توں لکھ لکھ مارے وین
اَج لکھاں دھیاں روندیاں
تینوں وارث شاہ نوں کہن
اُٹھ دردمنداں دیا دردیا

اُٹھ تک اپنا پنجاب
اج بیلے لاشاں وچھیاں
تے لہو دی بھری چناب

صائمہ جبیں، کی ڈائری میں تحریر

سلمان قیصر کی غزل

ہنستے ہنستے رو پڑتی تھی
کتنی پاگل وہ لڑکی تھی

اس کے ہونٹ تو چپ رہتے تھے
آنکھوں سے باتیں کرتی تھی

چھت پر دھوپ میں بیٹھے بیٹھے
دن بھر وہ سپنے بنتی تھی

الجھی یادیں سلجھانے میں
ساری رات گنوا دیتی تھی

کتنا تھا ٹھہراؤ اس میں
لیکن وہ کتنی گہری تھی

اک دن چلتے چلتے اس نے
مجھ سے کوئی بات کہی تھی

اور پھر رستہ ایک نہیں تھا
اس کی منزل اور کوئی تھی

بالکل ویسے پھول کھلے ہیں
جیسے وہ ہنستی رہتی تھی

اب تو بھول گیا ہوں شاید
اس پر کوئی غزل لکھی تھی

امبرین مفتی، کی ڈائری میں تحریر

اکبر الہٰ آبادی کی غزل

ہم کیوں یہ مبتلائے بے تابیٔ نظر ہیں
تسکین دل کی یارب وہ صورتیں کدھر ہیں

ذرّے جو گل بنے تھے وہ بن گئے بگولے
جو زینتِ چمن تھے وہ خاکِ راہ گزر ہیں

دنیا کی کیا حقیقت اور ہم سے کیا تعلق
وہ کیا ہے ایک جھلک ہے، ہم کیا ہیں ایک نظر ہیں

ہم نے سُنے بہت کچھ قصّے جہانِ فانی
افسانہ گو غضب ہیں قصّے تو مختصر ہیں

غم خانۂ جہاں میں وقعت ہی کیا ہماری
اک ناشنیدہ اف ہیں، اک آہِ بے اثر ہیں

حمیرہ مہتاب، کی ڈائری میں تحریر

شکیل بدایونی کی غزل

یہ تمام غنچہ و گل میں ہنسوں تو مسکرائیں
کبھی یک بہ یک جو رو دوں تو ستارے ٹوٹ جائیں

میرے داغِ دل کی تابش جو کبھی یہ دیکھ پائیں
دہیں رشکِ بے اماں سے ماہ و مہر ڈوب جائیں

کبھی ذوقِ جستجو پہ جو میں اعتماد کر لوں
سرِ راہ منزلیں خود مجھے ڈھونڈنے کو آئیں

کبھی بے قرار ہو کر جو میں سازِ عشق چھیڑوں
تو یہ مشتری و زہرہ کوئی گیت چھیڑ نہ گائیں

سرِ مے کدہ جو دیکھیں میری مے کشی کا منظر
ہوں شیوخ سر بہ سجدہ کریں زہد التجائیں

شگفتہ سلیمان

آسیہ جاوید ________ علی پور چٹھہ
یہ ہنسی ہنسی نہیں ہے، یہ فریب ہے ہنسی کا
نہ اسے سمجھ سکے تم، نہ سمجھ سکا زمانہ

کرن، بینش ________ فیصل آباد
بڑے فریب کھاؤ گے، بڑے ستم اٹھاؤ گے
یہ عمر بھر کا ساتھ ہے، نبھا سکو تو ساتھ دو

صائمہ جبیں ________ کراچی
خود کو دیتے ہی رہے ترکِ تعلق کا فریب
اور در پردہ کسی کو یاد بھی کرتے رہے

نمرہ، اقراء ________ کراچی
پھر سن رہا ہوں گزرے زمانے کی چاپ کو
بھولا ہوا تھا دیر سے میں اپنے آپ کو
رہتے ہیں کچھ ملول سے چہرے پڑوس میں
اتنا نہ تیز کیجیے ڈھولک کی تھاپ کو

ندا، فضہ ________ گوجرہ
آنکھوں میں رہا دل میں اتر کر نہیں دیکھا
کشتی کے مسافر نے سمندر نہیں دیکھا
پتھر مجھے کہتا ہے میرا چاہنے والا
میں موم ہوں اس نے مجھے چھو کر نہیں دیکھا

فوزیہ ثمر بٹ ________ گجرات
دستک سے در کا فاصلہ ہے اعتماد کا
پر ٹوٹ جانے کو بھی تاخیر ہے بہت

بشریٰ ________ محراب پور
ہے یہ سچ کہ تیرے سامنے مجھے برسوں
کوئی رفیق، کوئی کام بھی نہ یاد آیا
نہیں جھوٹ یہ بھی کہ کل جو تجھے میں نے دیکھا
تو کتنی دیر تیرا نام بھی نہ یاد آیا

اسماء اعوان ________ سوات
بخشے پھر اس نگاہ نے ارماں نئے نئے
محسوس ہو رہے ہیں دل و جاں نئے نئے

صائمہ ________ جہلم
آتی ہیں بدلتے موسم کی ہوائیں
دیتا ہے کوئی عمرِ گزشتہ کو صدائیں
لوٹ آتے ہیں نکھرے دن چاندنی راتیں
کس دیس سے اے دوست تجھے ڈھونڈ کے لائیں

ماہ نور علی ________ کراچی
غریبِ شہر کے تن پر لباس باقی ہے
امیرِ شہر کے ارماں ابھی کہاں نکلے

رمشہ ندیم ________ لاس اینجلس
کس درجہ دل شکن تھے محبت کے حادثے
ہم زندگی میں پھر کوئی ارماں نہ کر سکے

سائرہ مجید ________ راولپنڈی
اک تری زلف کے شانوں پہ بکھر جانے سے
کتنے ارماں میرے دل میں مچل جاتے ہیں

نمرہ، اقراء ________ کراچی
یوں ڈھل گیا ہے درد میں ارماں کبھی کبھی
دوزخ بنا ہے موسمِ باراں کبھی کبھی!

ماریہ عبدالحمید ________ شورکوٹ
کچھ حرفِ التجا کے دعاؤں سے ڈر گئے
ارمان بندگی کے خداؤں سے ڈر گئے
اب کون دیکھتا ہے تیرے شمس کی طرف
سورج مکھی کے پھول شعاؤں سے ڈر گئے

لالہ رخ ________ راولپنڈی
کانٹے بہت تھے دامنِ فطرت میں اے عدم
کچھ پھول اور کچھ مرے ارماں بن گئے

صائمہ، خدیجہ سلیم ________ کے ڈی اے
دل میں ارماں تو ہزاروں تھے مگر
بن کے آنسو رفتہ رفتہ بہہ گئے

عائشہ، تحریم ________ گوجرہ
طرب زاروں پہ کیا بیتی صنم خانوں پہ کیا گزری
دلِ زندہ ترے مرحوم ارمانوں پہ کیا گزری

شمع مسکان ______ جام پور

اندازِ جنوں ہم کو بھی معلوم ہے لیکن
ہم تیری طرح عشق کو رسوا نہیں کرتے

ارم ______ ملتان

مکتبِ عشق کا دستور نرالا دیکھا
اس کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا

روا ______ شکار پور

عمر تو ساری کٹی عشقِ بتاں میں مومن
آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہوں گے

سعدیہ، مریم ______ کراچی

عشق میں دل کا تماشا نہیں دیکھا جاتا
ہم سے ٹوٹا ہوا شیشہ نہیں دیکھا جاتا
اپنے حصے کی خوشی آ میں لٹا دوں تجھ پر
تیرا اترا ہوا چہرہ نہیں دیکھا جاتا

صائمہ جبیں ______ کراچی

کروں شمار تو حدِ شمار سے گزروں
وہ زخم بخشے ہیں اپنوں کی قربتوں نے مجھے

عابدہ نثار ______ کراچی

مرہم کی طرح بانٹتے پھرتے ہیں نئے زخم
یہ رسم بھی نکلی ہے نئے چارہ گروں میں

مریم رئیس ______ کراچی

ضبط کرتے ہیں تو ہر زخم لہو دیتا ہے
آہ کرتے ہیں تو اندیشۂ رسوائی ہے

عذرا ناصر ______ کراچی

زخم کھانے کی آرزو تھی ہمیں
آپ سے رسم و راہ کر بیٹھے

آسیہ ______ فیصل آباد

آنکھوں کو زخمِ دل کو گریباں کیے ہوئے
ہیں یاد اب تلک ترے احساں کیے ہوئے

بشریٰ یوسف ______ کراچی

وہ مجھ سے پوچھ رہا تھا بتاؤ کیسا لگا
تم لگے زخم کو چھوڑو یہ گھاؤ کیسا لگا
عجب سوال کیا آندھیوں نے پتوں سے
شجر سے ٹوٹ کے گرنا بتاؤ کیسا لگا

جاسمہ مریم نوید ______ کورنگی کراچی

وہ تغافل سے لگاتا ہے نئے زخم مگر
دل کے زخموں کو وہ گہرا نہیں ہونے دیتا

زبیدہ ریاض ______ گوجرانوالہ

خوشبو کی سرد لہر سے جلنے لگے جو زخم
پھولوں کو اپنا بند قبا کھولنا پڑا

خدیجہ سلیم ______ کے ڈی اے سوسائٹی

کیا بھلا مجھ کو پرکھنے کا نتیجہ نکلا
زخمِ دل آپ کی نظروں سے بھی گہرا نکلا

نفیسہ ______ سیالکوٹ

میں کیوں نہ ترکِ تعلق کی ابتدا کرتا
وہ دور دیس کا باسی تھا کیا وفا کرتا
وہ میرے ضبط کا اندازہ کرنے آیا تھا
میں ہنس کے زخم نہ کھاتا تو اور کیا کرتا

شازیہ پروین ______ جھنگ صدر

بھر جائے گا یہ زخم بھی کیوں فکر مند ہو
گہرا تو ہے ضرور مگر زخم ہی تو ہے

فرزانہ ______ کراچی

چھوڑیہ بات ملے زخم کہاں سے مجھ کو
زندگی اتنا بتا کتنا سفر باقی ہے

امبر گل ______ بھڈو (سندھ)

رہ گزر کا، موسم کا، نہ بارش کا محتاج
وہ دریا، جو ہر اک دل کے اندر رہتا ہے
کھا جاتا ہے ہر اک شعلہ وقت کا آتش دان
بس اک نقشِ محبت ہے جو باقی رہتا ہے

ماریہ زاہد ______ کراچی

ابھی تو خشک ہے موسم بارش ہو تو سوچیں گے
کہ ہم نے اپنے ارمانوں کو کس مٹی میں بونا ہے

✲ ✲

اندیشہ

ایک بہت موٹے آدمی کو ایک کار سوار نے ٹکر مار دی۔ کار سوار نے جلدی سے اتر کر کچھ لوگوں کی مدد سے اس شخص کو اٹھایا تو وہ کار سوار پر برہم ہوتے ہوئے بولا۔ "تم میرے گرد چکر کاٹ کر مجھے بچاتے ہوئے نہیں گزر سکتے تھے؟"

"گزر تو سکتا تھا۔" کار سوار نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔ "لیکن مجھے یقین نہیں تھا کہ میری گاڑی میں اتنا پیٹرول ہے بھی یا نہیں۔"

نورین انجم۔۔۔ کنگن پور

یک نہ شد۔۔۔!

ایک ڈرائیور نے ایکسیڈنٹ کیا۔ عدالت میں جرح کے دوران جج نے اس سے کہا۔ "تم غیر محتاط شخص ہو، تمہیں 6 ماہ کی سزا ضرور ملنی چاہیے۔"

ڈرائیور نے فریاد کی۔ "جناب! میں تو بڑا محتاط بندہ ہوں، مجھ پر رحم کریں، میرے چھوٹے چھوٹے سات بچے ہیں۔"

جج نے کہا۔ "تم تو انتہائی غیر محتاط شہری ہو، تمہیں ایک سال قید بامشقت کی سزا سنائی جاتی ہے۔"

ثانیہ علی۔۔۔ میاں چنوں

حیرت انگیز

ایک صاحب ڈاکٹر کے پاس گئے تو ان دونوں میں عمر کے موضوع پر گفتگو چل پڑی۔ "میں دیکھ رہا ہوں کہ ساٹھ برس کی عمر ہو جانے کے بعد بھی تمہاری صحت بے حد اچھی ہے۔" ڈاکٹر نے کہا۔

"میں نے یہ کب کہا کہ میں ساٹھ برس کا ہوں۔" آدمی نے کہا۔ "میری عمر تو اسی سال ہو رہی ہے۔"

"اوہ!" ڈاکٹر صاحب نے حیرت سے اسے دیکھا اور کہا۔ "پھر تو تمہارے والد کافی طویل عمر تک زندہ رہے ہوں گے؟"

"میں نے یہ کب کہا کہ ان کا انتقال ہو گیا ہے، وہ زندہ ہیں اور ان کی عمر ایک سو دو سال ہے۔"

"اف میرے خدا! اچھا یہ بتاؤ کہ تمہارے دادا کتنا عرصہ جیے تھے؟"

"میں نے یہ تو نہیں کہا کہ وہ مر چکے ہیں، وہ اس وقت ایک سو چوبیس سال کے ہیں اور شادی کرنے جا رہے ہیں۔"

"یقین نہیں آتا، مگر ایک سو چوبیس سال کی عمر میں انہیں شادی کی کون سی ضرورت آن پڑی ہے؟"

"میں نے یہ تو نہیں کہا کہ انہیں کوئی ضرورت آن پڑی ہے۔"

صائمہ اختر۔۔۔ راولپنڈی

کایا پلٹ

لاہور کے حکام پر ایک سہانی صبح یک لخت انکشاف ہوا کہ سینما والے عریانی پھیلا رہے ہیں۔ توبہ توبہ اس اسلامی مملکت میں ایسا کام۔۔۔؟ فوراً "پیادے دوڑائے گئے، منادی کرادی گئی کہ اب تک جو ہوا، سو ہوا، لیکن آئندہ کے لیے بے حیائی بند ہونی چاہیے، ورنہ ہم سے برا کوئی نہ ہوگا۔ پولیس والوں کی ڈیوٹیاں لگائی گئیں کہ جہاں کوئی عریاں، خلاف تہذیب یا منافی اخلاق بورڈ سڑک پر نظر آئے، اسے اتار لو اور باقی کارروائی اس کے بعد کی جائے گی۔ پولیس والے چور پکڑتے پکڑتے بلکہ نہ پکڑتے پکڑتے تنگ آ گئے تھے الکساہٹ میں جمائیاں لے رہے تھے اور خدا ان کو ایسا کام دے، دیکھتے ہی دیکھتے خلاف شرع بورڈوں کا ڈھیر

لگ گیا۔ میکلوڈ روڈ اور ایبٹ روڈ وغیرہ صاف ہوگئے۔ معاشرہ آلودگیوں سے پاک ہوگیا۔ ہر طرف تہذیب واخلاق کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چلنے لگیں۔ نیکی کا نور پھیل گیا۔ اصل میں یہ بورڈ اور اشتہار بھی جذبات کو بھڑکاتے ہیں۔ آئندہ اشتہار میں تصویریں روضوں اور پارکوں کی دینی چاہئیں اور تعریف میں اس قسم کے جملے ہونے چاہئیں۔

☆ فلم غذائے روح۔۔۔ ڈائریکٹر اقدرۃ السالکین سجادہ نشین درگاہ نوگزے پیر ائے۔ ایسی جذبات کو ٹھنڈا کرنے والی اور طبیعت کو افسردہ کرنے والی فلم آپ نے کبھی نہ دیکھی ہوگی۔

☆ فلم "نور معرفت" فتح علی مبارک علی پروڈکشنز کی نئی پیش کش فلم دیکھیں اور ثواب دارین حاصل کریں۔

☆ فلم "نقش سلیمانی" عامل کامل بابا گامے شاہ کا نیا شاہکار۔ یہ فلم دیکھیے اور امتحان مقدمے روزگار اور دوسری پریشانی سے نجات حاصل کیجیے۔ اس فلم کا ٹکٹ تعویذ کا کام دے گا، فلم دیکھنے کے بعد ٹکٹ بازو پر باندھ لیجیے۔

(ابن انشاء کی کتاب "خمار گندم" سے اقتباس)

نور الہدیٰ سید۔۔۔ بکیرا شریف سندھ

گونگے

گونگے مجھے بہت اچھے لگتے ہیں۔ ان میں سے اگر کسی میں دوغلاپن پایا بھی جاتا ہو تو اس کا واضح اظہار نہیں ہوتا۔ وہ باہمی طور پر ایک دوسرے کی خامیوں سے آگاہ ہوتے ہیں۔ لیکن ہم لوگ اس سے ایک حد تک بے خبر رہتے ہیں اور یوں حسن ظن کا جو رویہ ہمیں تمام انسانوں کے ساتھ روا رکھنا چاہیے اور جس طرح دوسروں کی صرف خوبیوں پر نظر رکھنی چاہیے وہ رویہ ہم کم از کم گونگوں کے ضمن میں ضرور روا رکھتے ہی اور اسی طرح ان کی وجہ سے ہمارے نامہ اعمال میں کوئی نیکی لکھی جاتی ہے۔ گونگوں کو ہم پر ایک فوقیت یہ بھی حاصل ہے کہ ہم زبان والے اپنی زبان اظہار کے لیے نہیں اخفا کے لیے استعمال کرتے ہیں جبکہ گونگوں کی بے زبانی بھی زبان بن جاتی ہے۔ مجھے اچھی طرح علم نہیں کہ گونگوں میں سیاست دان ہوتے ہیں کہ نہیں؟ تاہم امکان غالب یہی ہے کہ نہیں ہوتے ہوں گے۔ کیونکہ وہ اندھیرے میں گفتگو نہیں کرسکتے ان کی ساری گفتگو روشنی میں ہوتی ہے۔ میں نے کسی گونگے کو اقتدار میں آتے بھی نہیں دیکھا۔ البتہ اکثر لوگ اقتدار میں آنے کے بعد گونگے ہوجاتے ہیں۔ ان کے سامنے قومی سلامتی کے سودے ہوتے ہیں اور وہ خاموش رہتے ہیں۔

(عطاء الحق قاسمی کی کتاب "ہنسنا رونا منع ہے")

بیگم ظفر چوہدری۔۔۔ خانیوال

باپ رے

باپ نے بیٹے کی تلاشی لی تو اس کی جیب سے نسوار، سگریٹ، چرس، بھارتی اداکاراؤں کی تصاویر برآمد ہوئیں۔ باپ نے بیٹے کی خوب پٹائی کی اور پوچھا۔ "کب سے کر رہے ہو یہ سب؟"

بیٹا روتے ہوئے بولا۔ "پاپا! آج میں نے غلطی سے آپ کی شرٹ پہن رکھی ہے۔"

☆ ☆ ☆

"محبت ہوجاتی ہے یا کرنی پڑتی ہے؟"

"بہت آسان جواب ہے۔ اگر لڑکی خوب صورت ہو تو ہوجاتی ہے اور اگر امیر ہو تو کرنی پڑتی ہے۔"

حبیبہ۔۔۔ کراچی

جمہوریت

سرمایہ دارانہ پارلیمنٹ یا جسے عام طور پر حکومت کے نام سے پکارا جاتا ہے دراصل کیا ہے؟

ہر تیسرے، چوتھے، پانچویں یا ساتویں سال غریب اور بے کس عوام سے یہ دریافت کرنے کی گستاخی کرنا کہ سرمایہ داروں میں سے کون سا فرد تم پر حکومت کرے اور تمہیں لوٹ کھسوٹ کا نشانہ بنایا جاسکے۔

عینی۔۔۔ کینیڈا

کرن کا دستر خوان

خالدہ جیلانی

اروی کے کباب

اجزا :

اروی	بڑے سائز کی ایک کلو
دھو کر چھلکے سمیت ابال لیں	
اجوائن	چائے کا چوتھائی چمچہ
پسی ہوئی کھٹائی	دو کھانے کے چمچے (یا ایک چائے کا چمچہ املی لے کر آدھی پیالی پانی میں بھگو دیں)
لال مرچ پسی ہوئی	ایک چائے کا چمچہ
سفید زیرہ پسا ہوا	آدھا چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
بیسن	ایک پیالی
پودینہ	ایک گڈی (پتے الگ کرلیں)
ہری مرچ	تین عدد (باریک کٹی ہوئی)
انڈا	ایک عدد
تیل	دو پیالی

ترکیب :

سب سے پہلے اروی کو دھو کر دیگچی میں ابالنے رکھ دیں۔ ڈھکن ڈھانپ دیں۔ جب اچھی طرح گل جائے تو نکال کر چھلکا اتار لیں۔ پھر ایک ایک اروی کو دونوں ہاتھوں کے درمیان رکھ کر کباب کی شکل بنالیں اور ایک برتن میں پھیلا کر رکھتے جائیں۔ اب ایک گہرے پیالے میں بیسن گھولیں۔ اس میں سارا مسالا ملا دیں۔ ایک ایک اروی کو بیسن میں ڈبو کر ہلکی آنچ میں ڈیپ فرائی کریں۔ جب گولڈن براؤن ہوجائیں تو نکال کر اخبار پر رکھ لیں، تاکہ چکنائی جذب ہوجائے۔ املی کی چٹنی اور گرم گرم نان یا چپاتی کے ساتھ پیش کریں۔

بوٹی کباب

اجزا :

گائے کی بوٹی	ایک کلو
لال مرچ پسی ہوئی	ایک کھانے کا چمچہ
بھنا اور پسا ہوا سفید زیرہ	ایک چائے کا چمچہ
لیموں	تین عدد
تیل	آدھی پیالی
دہی	آدھی پیالی
ادرک لہسن پسا ہوا	ایک کھانے کا چمچہ
کچا پپیتا پسا ہوا (چھلکے سمیت پیس لیں)	دو کھانے کے چمچے
نمک	حسب ذائقہ

ترکیب :

گوشت کو دھو کر اس میں دہی، نمک، لال مرچ، پپیتا، ادرک، لہسن، زیرہ اور لیموں کا رس اچھی طرح لگا کر ایک گھنٹے کے لیے رکھ دیں، پھر سیخوں پر لگا کر سینک لیں یا پھر توے کے اوپر پھیلا کر رکھ لیں، جب پانی خشک ہونے لگے تو ایک کوئلہ جلا کر گوشت کے اوپر

رکھ کر تیل ڈالیں اور ڈھکن ڈھانک دیں۔ دس منٹ میں مزے دار بوٹی کباب تیار۔ املی کی چٹنی اور روغنی نان کے ساتھ پیش کریں۔

کھٹی مسالے دار مرغی

اجزا :

مرغی کے ٹکڑے	ڈیڑھ کلو
پیاز	دو عدد درمیانی
ادرک	ایک انچ کا ٹکڑا
لہسن کے جوے	دس عدد
دہی پھینٹا ہوا	ایک پاؤ
لال مرچ پسی ہوئی	دو چائے کے چمچے
دھنیا پسا ہوا	ایک کھانے کا چمچہ
سفید زیرہ پسا ہوا	ایک کھانے کا چمچہ
گرم مسالا پسا ہوا	ایک کھانے کا چمچہ
کاجو یا مونگ پھلی پسی ہوئی	آدھا پاؤ
مکھن یا گھی	آدھا پاؤ
لیموں	دو عدد
نمک	حسب ذائقہ
ٹماٹر گولائی میں کٹے ہوئے	دو عدد درمیانے
پیاز کٹی ہوئی	ایک عدد درمیانی
ہری مرچ باریک کٹی ہوئی	دو عدد
ہرا دھنیا کٹا ہوا	مٹھی بھر

پیاز، ادرک اور لہسن کو ساتھ پیس کر دہی میں نمک، مرچ، کاجو، آدھے کھانے کا چمچہ دھنیا، زیرہ اور گرم مسالے کے ساتھ ملالیں۔ اس آمیزے کو مرغی کے ٹکڑوں پر لگا کر چھ گھنٹے کے لیے فریج میں رکھ دیں۔ اس کے بعد مرغی کو بھاری پیندے کی پتیلی میں ڈال کر پکائیں۔ جب تک مرغی گل جائے اور پانی خشک ہوجائے۔ ایک الگ برتن میں گھی یا مکھن کو بہت تیز گرم کرلیں اور اسے مرغی کے اوپر ڈال دیں۔ اسی گھی، مکھن میں مرغی کو تل کر سنہرا کرلیں۔ مرغی کو کسی برتن میں نکال کر اس پر دونوں لیموں کا رس چھڑکیں اور بچا ہوا مسالا بھی اوپر سے چھڑک دیں۔ ٹماٹر کے قتلوں، پیاز کے لچھوں، ہرا دھنیا اور ہری مرچ سے سجا کر پیش کریں۔

چنے کی دال کا حلوہ

اجزا :

چنے کی دال	آدھا کلو
(نیم گرم پانی سے دھو کر ایک گھنٹے کے لیے بھگودیں)	
پستے، بادام	بیس عدد
(گرم پانی میں بھگو کر چھیل لیں اور باریک کاٹ لیں)	
چھوٹی الائچی	دس عدد
(ایک چائے کا چمچہ چینی کے ساتھ پیس لیں)	
اخروٹ چھلے ہوئے	آدھی پیالی
(باریک کاٹ لیں)	
کشمش	پندرہ عدد
چینی	دو پیالی
خشک دودھ	دو پیالی
گھی	ڈھائی پیالی

بھیگی ہوئی دال کو ابال لیں۔ دھیان رہے دال ابل کر زیادہ نہ گل جائے۔ بکھری بکھری رہے۔ جب دال گل جائے تو پانی نکال دیں اور ٹھنڈی کرکے چاپر میں پیس لیں۔ ایک کڑاہی میں گھی گرم کریں جب گھی گرم ہوجائے تو الائچی ڈال دیں۔ خوشبو آنے لگے تو دال ڈال کر بھونیں آنچ ہلکی رکھیں جب دال کا رنگ براؤن سا ہونے لگے تو دودھ، چینی، اخروٹ اور کشمش ڈال دیں اور چمچہ چلاتے رہیں۔ حلوے کو اتنا بھونیں کہ گھی الگ ہونے لگے۔ گھی بالکل الگ ہوجائے تو چولہا بند کردیں، ایک بڑی تھالی میں چکنائی لگادیں اور حلوہ پھیلا کر ڈال دیں۔ پستے، بادام اوپر سے سجائیں اور پسند ہو تو چاندی کے ورق بھی سجا دیں۔ جب حلوہ بالکل ٹھنڈا ہوجائے تو چھری سے ٹکڑے کاٹ لیں۔ اب ایک ڈھکن والا ڈبا لیں، نیچے براؤن کاغذ بچھالیں۔ حلوے کے ٹکڑے کی ایک تہ لگا کر دوبارہ براؤن کاغذ بچھائیں، پھر ٹکڑے رکھیں۔ اس طریقے سے چکنائی بھی جذب ہوجائے گی اور حلوہ کئی دن تک خشک اور خستہ رہے گا۔

حسن و صحت

اِدارہ

پیروں کی حفاظت
ایک چھوٹی سی بات، بڑے فائدے کے ساتھ

ہم میں سے بہت سے لوگ یہ سوچ کر پیروں کو نظر انداز کردیتے ہیں کہ وہ تو لوگوں کی نظروں سے چھپے ہوئے ہیں۔ پیر چونکہ ہمارے پورے جسم کا وزن اٹھائے ہوئے ہوتے ہیں اسی لیے ان کی نگہداشت بہت ضروری ہوتی ہے۔ صاف ستھرے پاؤں آپ کو مسرت کا احساس دلاتے ہیں اور جسم کے دوسرے حصے کی طرح باقاعدہ نگہداشت کا حیرت انگیز جواب دیتے ہیں۔

پیروں کی روزمرہ کی دیکھ بھال

پیروں کی اچھی مالش سے حقیقی خوشی حاصل ہوتی ہے۔ ہفتہ وار مالش سے پیروں کو آرام ملتا ہے اور جلد اچھی حالت میں رہتی ہے۔ پیروں کی روزانہ صفائی بہت ضروری ہے۔ گندگی اور غلاظت کو پیروں سے روزانہ پانی اور صابن کے ذریعہ صاف کرنا چاہیے۔ تلووں کی مردہ جلد کو رگڑ کر صاف کرنے کے لیے جھانوا استعمال کرنا چاہیے۔ ناخنوں کو روزانہ برش سے صاف کریں۔ پیروں پر روزانہ کریم کا مساج کریں تاکہ جلد نرم رہے اور پیر خوبصورت لگیں۔

پیروں میں خرابی زیادہ تر دوران خون میں کمی کے سبب ہوتی ہے اگر پیر تھکے ہوئے اور درد کررہے ہوں تو یہ مسئلہ پیروں کو گرم اور ٹھنڈے پانی میں بار بار دھونے سے حل ہوجاتا ہے اس طرح دوران خون میں اضافہ ہوتا ہے اور درد کو آرام ملتا ہے۔

اس مقصد کے لیے دو بالٹیاں لیں ایک کو گرم پانی سے بھریں اور دوسری کو ٹھنڈے پانی سے بھریں۔ پہلے اپنے پاؤں کو گرم پانی میں ڈالیں چند منٹ کے لیے پھر چند منٹ کے لیے ٹھنڈے پانی میں اس عمل کو پانچ مرتبہ دہرائیں اور آخر میں پیروں کو گرم پانی میں ڈال کر نکالیں۔ پیروں کو مکمل طور پر خشک کرلیں پھر کریم کی مالش کریں خوبانی کی کریم پیروں کے لیے بہت مفید ہوتی ہے انگلیوں کو مساج کے دوران کھینچیں اور پیروں کے اگلے حصے کو دائرے کی شکل میں حرکت دیں۔

پیروں کے ناخن

پیروں کے بڑھنے والے ناخن بھی خاصی بے آرامی کا سبب بنتے ہیں۔ ناخنوں کو احتیاط سے کاٹنا چاہیے۔ پیروں کے ناخن ہمیشہ چوکور انداز میں کاٹیں۔ گولائی کی صورت میں کاٹنے سے گوشت کے اندر دھنس سکتے ہیں اور تکلیف کا باعث بن سکتے ہیں۔ صاف اور اچھی طرح رکھے جانے والے ناخن سارے پاؤں کے لیے بہتری کا سبب ہوتے ہیں کیونکہ یہ پیروں کی اچھی نشوونما کے لیے ضروری ہوتے ہیں۔ گرم پانی میں شیمپو یا صابن ملا کر پیروں کو بھگونے سے ناخن نرم ہوجاتے ہیں اس طرح ان کو کاٹنا یا گھس کر ختم کرنا آسان ہوجاتا ہے۔

پیروں کی ورزش

پیروں میں مختلف وجوہات کی سبب مسائل پیدا ہوسکتے ہیں۔ مثلاً" وہ جوتے جو فٹ نہ ہوں، کھڑے ہونے بیٹھنے یا چلنے میں غلط انداز اختیار کرنا وغیرہ۔ روزانہ نگہداشت اور باقاعدہ ورزش سے ان میں سے زیادہ تر خرابیوں پر قابو پایا جاسکتا ہے۔

پیروں کی اچھی نگہداشت سے سارا جسم متوازن رہتا ہے جب آپ کھڑی ہوں یا چلیں تو آپ کی

انگلیاں تقریباً" بالکل سیدھی ہونی چاہئیں۔ پیروں کو آہستہ آہستہ اٹھائیں تاکہ ہمارے سارے جسم کا وزن پیروں پر مناسب انداز میں پڑے۔ جن لوگوں کا وزن زیادہ ہوتا ہے ان کے پیروں پر دباؤ زیادہ ہوتا ہے جس کے سبب پیروں میں دکھن اور درد ہوتا ہے اور کمر میں بھی۔

01۔ پیروں کے لیے بہترین ورزش یہ ہے کہ اگر ممکن ہو تو آپ گھاس پر ننگے پاؤں چلیں۔ اچھی اور متبادل ورزشیں بھی کی جاسکتی ہیں۔ کسی موٹی سی فون ڈائریکٹری پر پیر سیدھے کر کے کھڑے ہوں۔ پیروں کا رخ بالکل سامنے کی طرف ہونا چاہیے آگے کی جانب انگلیوں پر کھڑے ہوں اور خود کو اگلی طرف جھکائیں اس طرح پیروں کو تقویت ملتی ہے اور لچک پیدا ہوتی ہے۔

02۔ تھکے ہوئے پیروں کے لیے بہترین ورزش کسی گول بوتل کے اوپر پیر رکھ کر اسے آگے پیچھے رول کرنا ہے۔ یہ ورزش موچ وغیرہ کے لیے بھی بہت مفید ہے اس ورزش کے لیے آپ لکڑی کے بنے ہوئے ایکسرسائز رول بھی استعمال کرسکتے ہیں۔ مگر ایک عام بوتل کا استعمال سستا بھی رہتا ہے اور فائدہ مند بھی اتنا ہی ہوتا ہے۔

03۔ آرام سے بیٹھ کر اپنے پیر پھیلالیں اور انگلیوں کو کم از کم دس مرتبہ مختلف سمت میں حرکت دیں۔ ایک پینسل فرش پر رکھ کر اس اپنی انگلیوں کی مدد سے اٹھانے کی کوشش کریں اور پکڑ کر پانچ تک گنتی گنیں۔ یہ ورزش دس مرتبہ دوہرائیں۔

04۔ تھکے ہوئے پیروں کو سکون دینے کے لیے اپنے پیروں کے درمیانی حصے کے نیچے جو خلا ہے اسے انگلیوں سے ہلکے ہلکے دبائیں اور اپنے انگوٹھوں کے پوروں کو پیر کی اوپری سطح پر دائروں کی شکل میں حرکت دیں۔ یہ ورزش ایک منٹ تک کریں۔

05۔ اپنے ٹخنے کو ایک ہاتھ سے مضبوطی سے پکڑ لیں اور دوسرے ہاتھ سے اپنے پیر کو دائرے کی شکل میں آگے پیچھے حرکت دیں۔ ایک منٹ بعد یہی عمل دوسرے پیر پر آزمائیں۔

06۔ اپنے پیر کو ایک ہاتھ سے مضبوطی سے پکڑ لیں اور اپنے دوسرے ہاتھ کی مٹھی بنالیں اور انگلیوں کے جوڑوں کو پیر کے اوپر سے ایڑی کی طرف حرکت دیں۔ یہ حرکت ہلکے سے دباؤ کے ساتھ ہونی چاہیے۔ اسے کم از کم چھ مرتبہ دہرائیں۔

07۔ ہر انگلی کے نچلے حصے کو پکڑ کر اسے دونوں سمت میں دائروں کی شکل میں گھمائیں اور ہلکے ہلکے کھینچیں۔ دوران خون کو بہتر بنانے کے لیے آپ ہلکی ہلکی چٹکیاں بھی لے سکتے ہیں۔

08۔ اپنے انگوٹھے اور شہادت کی انگلی کی مدد سے پیر کے انگوٹھے اور انگلی کے درمیان والے حصے کو دبائیں۔ اسی طریقے سے باقی انگلیوں کے ساتھ بھی یہی ورزش کریں۔

جوتے خریدتے وقت احتیاط برتیے

پیروں کے زیادہ تر مسائل خراب فٹنگ والے جوتے ہوتے ہیں اس لیے جوتے خریدتے وقت احتیاط سے کام لیں اور مندرجہ ذیل امور کا خاص خیال رکھیں۔

01۔ جوتے کے اندرونی اور بیرونی حصے کے درمیان چمڑے کی ایک تہہ ہونی چاہیے۔

02۔ بڑے انگوٹھے اور جوتے کے سرے میں کم از کم پانچ ملی میٹر کا گیپ ہونا چاہیے۔

03۔ جوتا ہمیشہ دن کے آخر میں خریدیں کیونکہ اس وقت پیروں پر سوجن ہوتی ہے جو جوتے صبح کے وقت آپ کو فٹ آئیں وہ اکثر شام کو تکلیف دہ ہوجاتے ہیں۔

04۔ جوتا خریدتے وقت دونوں جوتے پہن کر دیکھیں کیونکہ بہت سے لوگوں کا ایک پیر دوسرے سے تھوڑا بڑا ہوتا ہے۔

05۔ زبردستی جوتوں کو پیروں میں فٹ کرنے کی کوشش نہ کریں۔ اگر کوئی جوتا آپ کے لیے آرام دہ نہیں تو اس کو خریدنے سے اجتناب کریں۔

☼ ☼

محمود بابر فیصل نے یہ شگفتہ سلسلہ 1978ء میں شروع کیا تھا۔ ان کی یاد میں یہ سوال و جواب شائع کیے جارہے ہیں۔

زاہدہ گل۔۔۔ روہڑی

س عورت بے وقوف ہے یا مرد؟ اگر عورت بے وقوف ہے تو عموماً" مرد بے وقوف کب بنتا ہے؟
ج جب اس عورت سے شادی کرلیتا ہے۔

عابدہ رحمٰن مانی۔۔۔ جھنگ سٹی

س پھول کے ساتھ کانٹے' دل کے ساتھ کیا ہوتا ہے؟
ج ہارٹ اٹیک۔
س فیشن کی برائی اکثر کہاں نظر آتی ہے؟
ج ہم نے کبھی برائی کی جستجو نہیں کی' اس لیے کیا بتائیں کہاں ہے۔

حمیرہ حمید۔۔۔ لیاقت پور

س اگر دنیا کی تمام عورتیں چاند پر جاکر رہنا شروع کر دیں تو؟
ج تو چاند زمین کے گرد چکر لگانا چھوڑ دے۔
س اگر عورت ایک عجوبہ ہے تو پھر اسے دنیا کے عجائبات میں شمار کیوں نہیں کیا جاتا؟
ج آپ سے کس نے کہا ہے کہ اسے عجائبات میں شمار نہیں کیا جاتا۔

سرور سلطانہ۔۔۔ حیدر آباد

س ذوالقرنین بھیا! آج کل کے ماڈرن دور میں دلہن اپنے بابل کی دہلیز سے رخصت ہونے کے بجائے میرج ہال سے رخصت ہوتی ہے تو کیا اس کی یادوں میں' تصور میں بابل کا گھر آتا ہے یا پھر میرج ہال کے در و دیوار؟
ج میرج ہال کے در و دیوار تو نہیں البتہ بیوٹی پارلر ضرور اس کے تصور میں بستا ہے جب ہی تو شادی کے بعد آج کی دلہن میکے جانے کے بجائے پارلرز کے چکر لگاتی ہے۔

حنا جمیل احمد۔۔۔ کراچی

س آپ کے خیال میں کون سی قسم کا پلاؤ اچھا ہوتا ہے خیالی پلاؤ یا چاول کا پلاؤ؟
ج ہم خیالی پلاؤ بھی چاولوں سے تیار کرتے ہیں۔

شہناز کنول۔۔۔ بھکر

س پیٹ کہتا ہے' محنت کرو' ڈاکٹر کہتا ہے آرام کرو۔ دل کہتا ہے محبت کرو' بتائیے میں کیا کروں؟
ج ہم تو دل کی بات مان لیتے۔
س کہتے ہیں ضرورت کے وقت گدھے کو بھی باپ بنانا پڑتا ہے۔ اگر گدھا اس وقت باپ بننے سے انکار کر دے تو؟

ج وہ گدھا ہی کیا جو انکار کرے۔

ریحانہ شمشاد۔۔۔ کراچی

س نین جی! ہم نے تم کو دیکھا، تم نے ہم کو دیکھا کیسے؟

ج سرف میں دھلا ہوا، اجلا تروتازہ، لکس میں نہایا ہوا، ہاشمی سرمہ لگایا ہوا۔

شمع تبسم۔۔۔ فیصل آباد

س کیا بلیک روز پر بھی تتلیاں آتی ہیں؟

ج ہم پر تو آتی ہیں۔

شہناز وحید۔۔۔ ٹنڈوالہ یار

س محبت اور سیاست میں کیا فرق ہے؟

ج سیاست میں اجتماعی طور پر دھوکا کھایا اور دیا جاتا ہے جب کہ محبت میں صرف فرد واحد ہی دھوکا کھاتا ہے۔

راحت مسعود۔۔۔ کمالیہ

س کہتے ہیں محبت خدا کا انمول عطیہ ہے لیکن جب دل پلاسٹک کے لگائے جائیں گے تو؟

ج محبتیں بھی پلاسٹک کی مل جایا کریں گی۔

سلمٰی صدیقی جوہی۔۔۔ کراچی

س اللہ تعالیٰ نے ایک نافرمان کو شیطان کیوں بنا ڈالا کسی حور کی یہ شامت کیوں نہیں آئی؟

ج خداوند کے معاملات میں ایک گناہ گار بندہ کچھ نہیں بول سکتا۔

ثمینہ عندلیب۔۔۔ ٹیکسلا

س لوگ اپنی تعریفیں تو خوشی سے سن لیتے ہیں مگر اپنی خامیاں سننے کا حوصلہ کیوں نہیں رکھتے بے چارے لوگ؟

ج میرے علاوہ۔

ایس اختر خواجہ۔۔۔ بھیرہ

س ذوالقرنین بھیا! آپ کو کھانے میں مرغی پسند ہے یا انڈا؟

ج جب مرغی سامنے ہو تو انڈے کو دل چاہتا ہے اور جب انڈا مل جائے تو مرغی پسند آتی ہے۔

شادماں نفیس۔۔۔ کراچی

س آپ کا پسندیدہ پھول گوبھی کا یا کاغذ کا؟

ج گوبھی کا پھول اگر کاغذ پر بنا ہو۔

شگفتہ بشیر بھٹی۔۔۔ کراچی

س ایک ہنگامے پر موقوف ہے گھر کی رونق اس کا کیا مطلب ہے؟

ج مطلب یہ ہے کہ بیگم صاحبہ سے جھگڑے بغیر گھر میں رونق نہیں معلوم ہوتی۔

راشدہ حاکم علی۔۔۔ ماتلی

س بقول شاعر؟
نہ یہ چاند ہو گا نہ تارے رہیں گے پھر آسمان پر کیا ہو گا؟

ج بقول سائنس دان وہی قیامت کا دن ہو گا اور اعمال نامے ہمارے ہاتھوں میں ہوں گے۔

محمد یامین اندوری۔۔۔ حیدر آباد

س کنوارا رہنے کے فائدے اور نقصانات بتایئے؟

ج کنوارا رہنے کے اتنے فائدے ہیں کہ یاد ہی نہیں رہتا۔ مومنہ ناز۔۔۔ جہانیاں

س وقت پڑنے پر گدھے کے بجائے گدھی کو باپ بنانا پڑے تو؟

ج آپ کی مرضی ورنہ لوگ ماں بنانا زیادہ پسند کریں گے۔

غزالہ یوسف۔۔۔ حیدر آباد

س نین جی!
آگے تیتر پیچھے تیتر
ادھر تیتر ادھر تیتر
بتاؤ کتنے تیتر؟

ج تیتر ہی تیتر۔

خالدہ بشیر۔۔۔ ترنڈہ محمد شاہ

اس دفعہ کرن بہت لیٹ ملا تقریباً" 17 کو۔ ہر ماہ کی طرح اس بار بھی چاچو کی منتیں کرنی پڑیں، تب کہیں جاکے شمارہ ملا۔ شمارہ لیٹ ملنے کی وجہ سے موڈ آف تھا۔ مگر ٹائٹل پر نظر پڑتے ہی سارا غصہ ایک دم غائب ہو گیا۔ کیا خوب صورت ٹائٹل تھا۔ ماڈل کی جیولری، میک اپ اور ڈریس بے حد خوب صورت تھے، اوپر سے جھکی پلکوں نے سونے پہ سہاگہ کا کام کیا۔ ٹائٹل کے بعد آئے افسانوں کی طرف مگر اپنا افسانہ نہ پاکر دل اداس ہو گیا تو اچانک نبیلہ جی کا "دردل" یاد آیا تو فوراً" کھول کر پڑھنے بیٹھ گئے۔ ہر بار کی طرح اس بار بھی بہت زبردست قسط تھی۔ اچھا نبیلہ باجی اب آپ علیزے کی شادی کروا بھی دیں ناول آور شاہ سے۔

ہاں یاد آیا ناولٹ "وہ ایک پری ہے" مجھے حد سے زیادہ متاثر کر رہا ہے۔ ریحانہ باجی میں دل کی اتھاہ گہرائیوں سے آپ کو اپری شیٹ کرتی ہوں کہ آپ اتنا زیادہ اچھا لکھتی ہیں۔ یو نو میں ایک شاعرہ ہوں اور اس ناول میں آپ کی جو پوئٹری ہوتی ہے وہ میں نوٹ کر لیتی ہوں۔ ریحانہ باجی آپ پلیز میری خاطر میرے نام کا ایک لیٹر لکھیں اور میرے اس سوال کا جواب دیں کہ کیا آپ مجھ سے دوستی کریں گی، کیونکہ میں آپ کی بہت بڑی فین ہوں۔ پلیز جواب ضرور دیں۔ (شکریہ)

آنسہ بشیر عطاریہ۔۔۔ ڈونگہ گجرات

ریڈرز، رائٹرز کو پیار بھرا اسلام قبول ہو۔ امید ہے سب خیریت سے ہوں گے۔ میری پھوپھو تقریباً" 20 سالوں سے خواتین، شعاع اور کرن کی باقاعدہ قاری ہیں لیکن خاموش قاری اور اب تو انہوں نے کرن سے متاثر ہو کر اپنی پیاری سی بیٹی کا نام بھی کرن رکھا ہے۔ تو اس سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ شب و روز ہمارے گھر میں کرن کرن کا راگ الاپا جاتا ہے۔ تو سوچا کہ اب بھی کرن کی تعریف نہ کرنا بخل سے کام لینا ہو گا۔ کرن 13 اپریل کو ملا۔ حسب روایت سرورق کی دوشیزہ بہت ہی نفاست سے کیے گئے میک اپ میں پیاری لگ رہی تھی۔ حمد و نعت پڑھی۔ "دست کوزہ گر" اور "دردل" تو کرن کی جان ہیں زبردست۔۔۔۔ فوزیہ یاسمین اور نبیلہ عزیز۔ "وہ اک پری ہے" کی شاعری زبردست ہوتی ہے اور باقی افسانے اور ناولٹ بھی سب بہت اچھے ہیں۔ "خواب جلی آنکھیں" کی پہلی قسط پڑھی تو بس ٹھیک ہی لگی۔ لیکن دوسری اور تیسری قسط نے تو کمال کر دیا۔ بہت زیادہ سسپنس کری ایٹ کر دیا ہے۔ واقعی بندے کو جب پیسہ ملتا ہے تو وہ اپنے محسن کو بھی بھول جاتا ہے۔ اب پتا نہیں ارسلان کی واپسی کیسے ہوتی ہے۔ یا پھر وہ پہلے جیسا ہو۔ (آہ) اب ایک ماہ کے بعد ہی پتا چلے گا۔ آخری قسط پر بھرپور تبصرہ کروں گی۔
فوزیہ ثمر بٹ آپ کا تبصرہ کمال کا ہوتا ہے۔ شعر بھی زبردست ہوتا ہے۔ کیا آپ مجھ سے دوستی کریں گی؟ جواب ضرور دیجیے گا۔ مجموعی طور پر کرن سارے کا سارا زبردست تھا۔ اگلے ماہ تک فی امان اللہ۔

ماہ زیب نوشین۔۔۔ قصور

اپریل کا کرن بہت اچھا تھا۔ اس کا ٹائٹل بھی بہت ہی خوب صورت تھا۔ سب سے پہلے میں نے نعت اور حمد باری تعالیٰ پڑھیں۔ اس کے میں نے باقی صفحے الٹ پلٹ کیے۔ سب سے پہلے میں فہرست میں دیکھتی ہوں۔ کہ "دردل" ہے یا نہیں ہے۔ اچھے عنوان کے ساتھ ناول بھی اچھا ہے۔ نبیلہ عزیز بہت اچھا ناول لکھ رہی ہیں مجھے پسند آیا ہے۔ پہلے میں یہ قسط وار ناول نہیں پڑھتی تھی، لیکن جب میں نے ایک قسط پڑھی تو مجھے بہت اچھا لگا۔ اس کے بعد میں نے پچھلے ڈائجسٹ بھی منگوائے۔ "دست کوزہ گر" بھی بہت اچھا ہے۔ یہ بھی میں نے بڑی توجہ سے پڑھا

ہے۔ باقی بھی مجھے ناول اور افسانے پسند آئے۔ کرن ویسے بھی مجھے پسند ہے۔

میں اس کو دو' تین سال سے پڑھ رہی ہوں۔ خط لکھنے کی ہمت پیدا کر رہی تھی' بالآخر میں نے ہمت کرکے قلم کو اٹھا ہی لیا ہے۔ مجھے بھی ناول لکھنے کا شوق ہے مگر لکھا نہیں ہے۔ میری بھی خواہش ہے کہ میں بھیجوں' میں بھی ایک افسانہ لکھ رہی ہوں' اگر میں بھیجوں تو ضرور شائع کیجیے گا۔ اگر آپ نے نہ شائع کیا تو میں سمجھوں گی آپ کو میرا خط پسند نہیں آیا یا افسانہ' مایوس مت کیجیے گا۔ اللہ سے دعا ہے کہ کرن ہمیشہ پھلتا پھولتا رہے۔ بہت زیادہ ترقی کرے' کیونکہ اس سے ہم بہت کچھ سیکھتے ہیں۔

عائشہ خان۔۔۔ ٹنڈو محمد خان

خوب صورت ٹائٹل دیکھ کر دل خوش ہو گیا۔ سب سے پہلے حمد و نعت پڑھیں اس دفعہ کے تمام انٹرویو بہت اچھے لگے۔ "اعتبار ذات" راشدہ علی نے اچھا لکھا۔ "کوئی جگنو" شازیہ جمال کی بہت اچھی تحریر تھی مجھے مشی کا کردار بہت پسند آیا اور کہانی بھی اچھی تھی۔ "دست کوزہ گر" میں فوزیہ بہت اچھے طریقہ سے کہانی کو آگے بڑھا رہی ہیں اس کی پچھلی اقساط کمال کی تھیں پڑھ کے مزا آیا۔ ام طیفور کی "تمنا تمام شد" کا جواب نہیں یقین جانیے میرے تو آنسو نکل آئے تھے۔ بہت خوب ام طیفور۔ تمام افسانے بہت لاجواب تھے خاص کر "چپ سمندر" پڑھ ہم بھی چپ ہی رہ گئے کہ سچائی کافی تلخ ہے۔

نامے میرے نام میں انیقہ انا کا خط پسند آیا۔ نہلے پہ دہلا میں فرزانہ سہیل کا سوال پڑھا بے اختیار دل نے کہا اللہ انہیں جنت میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین۔ مسکراتی کرنیں میں قابل داد اور قابل دید دونوں بہت اچھے لگے' ویسے فوزیہ ثمر ہانیہ عمران (آپ کی شاید بھتیجی ہیں) نامے میرے نام میں خط کیوں نہیں لکھتیں۔ "مجھے یہ شعر پسند" میں نادیہ گجرات اور نازش ریحان کراچی کے شعر پسند آئے۔

صنم سعید کا انٹرویو اچھا لگا مجھے' ویسے بھی صنم سعید کی اداکاری بہت اچھی ہوتی ہے۔ "سچا روپ" شیریں ملک بہت اچھا لکھا خوب صورت تحریر تھی "دردل" پڑھ لیا ہے اچھی قسط ہے سب چاہتے ہیں کہ دل آور کی شادی زری سے ہو مگر میرا دل کہتا ہے کہ علیزے سے ہونی چاہیے کیونکہ زری کو تو کوئی بھی اپنا لے گا مگر علیزے کو یہ معاشرہ قبول نہیں کرے گا۔

"وہ ایک پری" کا خلاصہ دینے کا شکریہ۔ خواب جلی آنکھیں ایک ساتھ پڑھوں گی رائے محفوظ ہے۔ کرن کتاب ٹائٹل سے تو اچھی لگ رہی ہے ابھی پڑھی نہیں۔ جب تینوں پرچے پڑھ کر ختم کر دیتی ہوں تب کرن کتاب کی باری آتی ہے۔ یہ خط میں نے چار دن میں مکمل کیا ہے جی' اب اجازت چاہتی ہوں۔ اللہ حافظ۔

فوزیہ ثمر بٹ۔۔۔ گجرات

اپریل کا شمارہ سولہ کو ملا۔ ٹائٹل سو سو تھا۔ بھابھی طیبہ کو ماڈل کی ناک ٹیڑھی لگ رہی تھی میں نے کہا نہیں بھابھو آپ ٹیڑھی نظروں سے دیکھ رہی ہیں مجھے تو ٹھیک ہی لگ رہی ہے۔ لو جی غصہ کر گئیں حالانکہ غصہ تو ماڈل کو آنا چاہیے حسب عادت سب سے پہلے حمد باری تعالیٰ اور نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھا مجھے نعت شریف سننا بہت پسند ہے جو اطمینان و سرور ملتا ہے کیا بتاؤں۔

انٹرویو حسب روایت اچھے تھے' صنم سعید اور سہوش حیات دونوں اچھا کام کر رہی ہیں مگر مراۃ العروس میں صنم سعید تو کہیں نظر نہیں آئیں۔ "زندگی گلزار ہے" کیا زبردست پرفارمنس دی ہے اس سادہ سی لڑکی نے ناول تو تھا ہی سپر ہٹ ڈرامے کو بھی صنم سعید نے اپنی اداکاری سے چار چاند لگا دیے ہیں جو رومانس دکھایا گیا سو سوئٹ۔

"یاد کے روشن رنگ" سروے میں سب کے جوابات اچھے تھے۔ سب سے پہلے فہرست میں جھانکا۔ ناول ایک اور ناولٹ چھ چھ خیر سب سے پہلے عنیقہ بیگ کو پڑھا واہ کیا مزے کی قسط تھی اس بار۔ یشا اتنی اکڑو' بدتمیز جسے لوگوں سے بات کرنے کی تمیز نہیں پڑھ پڑھ کر غصہ آتا رہا۔ اتنا غرور اتنا گھمنڈ صرف اک خوب صورتی اور دولت مندی لیے جو کسی بھی پل واپس بھی جا سکتی ہے۔ نوری پر بے تحاشا ترس آیا ایک در بند ہو تو کیا وہ ذات کریم ہزار در کھولنے پہ قادر ہے۔ سعد کی صورت میں نوری اور اس کے بچوں کو تحفظ مل گیا۔ یشا کا ارسلان کو تھپڑ مارنا اچھا نہیں لگا اور پھر ———— ایک قمیص کے ڈیزائن کی خاطر ارسلان کو منہ لگا لیا۔

کیا ارسلان دبئی سے واپسی پہ کرن کا ہی ہو گا یا بے چاری کرن اور اس کی ماں کی تمام پرخلوص محنت و ریاضت برباد ہو جائے گی ایسا ہونا تو نہیں چاہیے مگر ارسلان سرکار بھی یشا کے التفات سے کچھ بدلے بدلے نظر آ رہے ہیں دیکھتے ہیں آخری قسط میں ہماری سوچ کے مطابق اینڈ ہو گا یا پھر کہانی کوئی نیا رخ اختیار کرے گی مگر میرے خیال میں کرن سعد کے ساتھ ہی آئے گی۔ جو بھی ہو بس یشا میڈم کو اس کے غرور کی سزا ضرور ملنی چاہیے اس نے نوری کے ساتھ ذرا اچھا نہیں کیا۔

ام طیفور کی تحریر ہو اور احساسات سے مزین نہ ہو ایسا کیسے ہو سکتا ہے تمام تحریر حساس تھی شرلی جیسے کردار ایسے ہی بے مول رل جاتے ہیں ایک تو تقدیر کے ستم ہوتے ہیں اور کچھ ہمارے معاشرے کی بے حسی ایسے لوگوں کے ساتھ نرم برتاؤ نہیں ہوتا۔ کہانی کا فلسفہ اچھا تھا شرلی جیسے لوگ لمحہ لمحہ مرتے ہیں۔

شازیہ جمال کا "کوئی جگنو" بھی اچھا تھا۔ ہائے مشی کی لاپروائی اور مست زندگی یہی تو دن ہوتے ہیں اپنے انداز سے زندگی جینا" مشی کی پھوپھو کے سسرالی اف توبہ لوگ کیسے جگرے رکھتے ہیں برسوں انتقامی آگ میں جلتے ہیں اور پھر اس آگ سے دوسروں کی زندگیوں کو بھی بھسم کر دیتے ہیں مشی بے چاری دادی کی محبت میں خود کی زندگی داؤ پر لگا دی یہ اپنوں کی محبت بھی کبھی بڑے تاوان بھرواتی ہے۔

افسانہ سعدیہ عزیز "چپ سمندر" نا سمجھ آنے والی تحریر تھی۔ اور "مہربان اجنبی" یہ کیسی تحریر تھی۔ کیا رائٹر نے یونی ورسٹی کی معلومات دی ہے ہمیں کہ یونی ورسٹی کا ماحول ایسا ہوتا ہے کیا اس تحریر میں یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے۔ "کفارہ" اچھی تحریر تھی پتا نہیں کیوں لڑکیاں ایسی بے وقوفی کرتی ہیں گھر سے بھاگ جانے والی اب تو میڈیا بھی اتنا آزاد ہو گیا ہے ہر مسئلہ دیکھا جا رہا ہے گھر سے بھاگ جانے والی لڑکیوں کا جو حشر ہو رہا ہے پھر پتا نہیں کیوں یہ عقل کی اندھی ایسی حرکت کر جاتی ہیں ایک محبت کی خاطر سب محبتوں کو قربان کر دیتی ہیں۔ "شیشے کا بال" اچھا افسانہ تھا مرد بقول بانو قدسیہ کے دریافت کا پرندہ ہے بس نئی اڑان کے لیے پھڑپھڑاتا رہتا ہے عورت کو ہی کمپرومائز کرنا ہوتا ہے۔

مستقل سلسلے کے اس بار صفحات کم تھے "یادوں کے دریچے" میں خود کی اور نشا نورین کی ڈائری اچھی تھی۔ شاعری میں صائمہ امتیاز کا شعر پسند آیا کیا دوریاں محبت کی کمی کا باعث ہوتی ہیں نہیں میرے خیال میں ایسا ہونا تو نہیں چاہیے۔ "مقابل ہے آئینہ" حرمت روا کے جوابات بہت اچھے تھے۔ اور مسکراہٹیں میں علی خان کا لطیفہ پسند کیا۔

سب سے آخر میں نامے میرے نام پڑھا۔ اس ماہ کرن میں اپنا نام دیکھ کر اطمینان سا ہوا۔ سچی بات ہے جس شمارے میں ماہ دولت کی انٹری نہ ہو تو دل کرن سے روٹھا روٹھا رہتا ہے بھئی اتنی محبت اور محنت سے سارا کرن پڑھتی ہوں اور پھر ہم ہی کرن میں شامل نہ ہوں۔ اے کوئی چنگی گل تے نئیں ناں) انیقہ انا خیر ہے کیوں جنگلی بلی بنی ہوئی ہو ویسے ایک سروے میں تمہاری ایک تصویر میرے پاس محفوظ ہے جہاں تم اپنی چھت پہ بیٹھی ہو اس وقت تو ماشاء اللہ سے تمہاری صحت کافی اچھی تھی اور اب تو خیر۔

نامے میرے نام میں کافی نئے ناموں کی انٹری ہے۔

ایک بات کی مجھے سمجھ نہیں آتی اتنے عرصہ سے کرن پڑھ رہی ہوتی ہیں اور کہتی ہیں کہ ہمارا خط شائع نہ ہوا اس ڈر سے تبصرہ نہیں کرتیں۔ بھئی ایک بار دو بار نہیں ہو گا اب ایسا بھی کیا ڈرنا سب اتنا اچھا لکھ سکتی ہیں بس اس خیال کو دل سے نکال کر کرن سے اپنی وفاداری محبت خلوص کا ثبوت دینا چاہیے۔ والسلام خوش رہیں۔ خوشیاں بانٹیں۔

انیلا گل۔۔۔ نوشین گل۔۔۔ ایبٹ آباد

خلاف معمول کرن نے سترہ اپریل کو اپنا دیدار کرایا' سوچا تھا اس بار ٹائٹل کچھ مختلف ہو گا یعنی پھولوں سے سجا ہوا آخر کو موسم بہار ہے لیکن خیر سب سے پہلے فہرست کو دیکھا یہ کیا صرف ایک مکمل ناول وہ بھی قسط وار اور افسانوں کی بھرمار۔ سب سے پہلے "دردل" پڑھا علیزے کے بارے میں کیوں نہیں لکھا؟ ویسے ناول سپر ہٹ جا رہا ہے۔ دست کوزہ گر بھی اچھا لگا راشدہ علی کا "اعتبار ذات" اچھا لگا۔ شازیہ جمال نیر کا "کوئی جگنو" بہت زیادہ اچھا لگا مشی اور دادی کی باتیں بہت پسند آئیں۔ افسانوں میں سعدیہ عزیز آفریدی کا "چپ سمندر" پڑھ کے بہت رونا آیا اور فرحانہ حنیف کا کفارہ پڑھ کے بھی "عنیقہ محمد بیگ" کا

مکمل ناول کچھ خاص پسند نہیں آرہا ہے۔

"مقابل ہے آئینہ" میں حرمت ردا اکرم کے بارے میں جان کے اچھا لگا۔ آپی ایک فرمائش ہے کہ آواز کی دنیا میں "ریڈیو پاکستان" کے چینل FM 101 اسلام آباد کے آر جے "زخرف خان" اور "رضوان علی احمد" کا انٹرویو کریں۔

نامے میرے نام میں "فوزیہ ثمریٹ" کا تبصرہ اچھا لگا۔۔

نواب زادی سولنگی کی موجودگی پسند آئی۔ نواب زادی سولنگی سے کہنا تھا کہ جو بھی لکھتے لکھتے ایکدم سے غائب ہو جائیں ان کی کمی تو محسوس ہوتی ہے آخر میں اپنی پیاری سی بہنا کو "ماں" بننے پر بہت مبارک باد اور "حاشر احمد" کے لیے بہت سا پیار اور ڈھیروں دعائیں۔

شمع مسکان۔۔۔ جام پور

شمع مسکان کی طرف سے کرن ٹیم تمام ریڈرز و رائٹرز کو موسم گرما کی گرم ہوا کی طرح گرما گرم سلام قبول ہو۔! فرسٹ آف آل میں مدیرہ کرن اور پورے کرن اسٹاف کو تھینکس کہوں گی جنہوں نے فروری کے شمارے میں میرا پہلا ہی ارسال کردہ خط شامل اشاعت کر کے مجھے تمام کزنز کے درمیان خوش ہونے اور اپنے نادیدہ کالر کھڑا کرنے کا موقع فراہم کیا۔ پھر دو ماہ کی غیر حاضری کے بعد ایک مرتبہ پھر لکھنے کی جسارت کر رہی ہوں اس امید پر کہ اس بار بھی اس خوب صورت محفل میں مسکراہٹ بکھیرنے کے لیے جگہ ملے گی!!! 15 اپریل کو میرا شہزادہ میرے ہاتھوں میں جلوہ افروز ہوا۔

سرورق تو خیر خاص متاثر نہ کر سکا مگر.... کرن کتاب "رنگ خوشبو پیراہن" کا قدرت کے حسین رنگوں سے مزین سرورق بہار کا خوشگوار تاثر چھوڑ گیا۔ حمد و نعت سے مستفید ہونے کے بعد مدیرہ جی کا "اداریہ" پڑھا۔ ہماری بھی اپنے رب سے دعا ہے کہ ہمارے ملک کو اس بار کوئی مخلص سچا حب الوطن حکمران ملے جو ہمارے ملک میں بہتری لاسکے تاکہ قتل و غارت ختم ہو کر ملک میں امن و سکون کی فضا قائم ہو سکے۔ (آمین)

سب سے پہلے "دردل" پڑھا تو دل آور شاہ نے دل پر پتھر رکھ ہی لیا ہے یعنی زری سے دوری کا فیصلہ۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ نبیل کی دعوت پر کیا ہوتا ہے۔ نبیلہ جی جلدی سے اب دل آور شاہ کے اسرار کو ختم کر کے اس کی پاسٹ ہسٹری اوپن کر دیں۔ بہت متجسس ہوں اس کے بارے میں جاننے کے متعلق اور نبیلہ جی عدیل کو اتنی اچھی جاب ملنے پر میری طرف سے مبارک باد دیجیے گا۔ "دست کوزہ گر" میں عائشہ نے بالکل اچھا نہیں کیا تھا تنگ کر کے اپنی جنت کو ناراض کیا اور دنیا میں بھی ذلالت اٹھائی اور اتنا کچھ ہونے کے بعد بھی اپنے فعل پر شرمندہ ہونے کی بجائے بھتیجے کی شادی کا جان کر یہ ری ایکشن...! اور بلال اختر نے کیا کیا.... اپنے ایک جھوٹ کو چھپانے کے چکر میں مزید ایک اور جھوٹ گھڑ دیا۔ وہ بھی اتنا سنگین کہ جس سے اس کی اپنی بیٹی کی شخصیت مسخ ہو کر رہ گئی۔ ویسے دادی نے بھی ٹھیک نہیں کیا کہ اتنی سی بچی کے ذہن میں یہ باتیں ڈال دیں۔ کچے ذہن کی کچی سوچیں اور مجھے تو لگتا ہے کہ خرم کہیں جمل سے شادی سے انکار نہ کر دے اور زویہ....؟

عنیقہ بیگ کے مکمل ناول "خواب جلی آنکھیں" کی یہ قسط پڑھ کر کرن کی سادہ دلی پر بہت افسوس ہوا۔ مجھے لگتا ہے کہ کرن اور سکینہ کے اعتبار و اعتماد کے ٹوٹنے کا وقت آگیا ہے۔ اس قسط میں مجھے ارسلان گھاگ شکاری نظر آیا جو بیک وقت دو شکاروں کے پیچھے ہے۔ اگر کرن کو دھوکہ ہوا تو ملے گی اسے یشا بھی نہیں۔ یہ میں یقین سے کہتی ہوں (عنیقہ ہمارا یقین قائم رکھنا) وہ یشا کے کاروباری التفات کو شاید غلط انداز میں لے رہا ہے۔ حمنہ کے بارے میں صرف اتنا ہی "پچھتائے کیا ہوت جب چڑیا چگ گئیں کھیت" جلد بازی کے فیصلے ایسے ہی نقصان دہ ہوتے ہیں۔ دیکھیں عنیقہ جی ہم یہ کبھی نہیں چاہیں گے کہ آپ کرن کو ڈاکٹر سعد سے..... سمجھ گئیں نہ.....!

ناولٹ میں "اعتبار ذات" سب سے پہلے پڑھا۔ راشدہ نے بہت اچھا ناولٹ لکھا "احد" کا کردار بہت اچھا تھا۔ شکل و صورت پر تو انسان کا کوئی اختیار نہیں ہوتا اگر اس کے کریکٹر میں کوئی کمی ہے تو انسان کو قصور وار ٹھہرایا جائے۔ لیکن احد کے پیرینٹس پر بہت افسوس ہوا۔ امی (والدہ) تو چلو غیر ملکی سیاہ فام تھیں مگر عثمان (والد) تو پاکستانی اور مسلمان تھا۔ وہ تو جانتا تھا کہ شکل پہ انسان کا اختیار نہیں ہوتا یہ تو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہے۔ امی تو چلو ایسے ہی معاشرے کی پروردہ تھیں جہاں اکثر اولاد کو پاؤں کی بیڑی سمجھتے ہیں مگر عثمان کو ایک مسلمان ہونے کی وجہ سے اولاد کے حقوق کا پاس رکھنا تھا۔ کوئی اپنے خون کو ایسے بھی

دربدر کرتا ہے۔ اتنی بڑی رنگین و سنگین دنیا میں صرف بارہ سال کی عمر میں تنہا بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیا۔ مگر اس ذات برتر پر میرا یقین اور بھی کامل ہو گیا ہے کہ اس نے اس بچے کو کبھی اس رنگین دنیا کے شباب میں مست نہیں ہونے دیا بلکہ اسے بلال طارق کی صورت ایک نیک راہ متعین کرنے کے لیے نیکی کا جگنو عطا کیا۔ یشا کے فیصلے پر بہت خوشی ہوئی۔

شیریں ملک کی "سچا روپ" بھی ایک اچھی تحریر تھی۔ شرمین کی منطق "ساس" اچھی ہونی چاہیے یہ پہلے تو بہت ہنسی آئی مگر اس کے دلائل بڑے جاندار تھے کہ ہمیں قائل ہوتے ہی بنی۔ ربیعہ بھابھی کی ذرا سی خود غرضی نے برسوں سے بنا ہوا طلحہ کے دل میں محبت' مان' ممتا کا امیج بس لمحوں میں پاش پاش کر دیا۔ ٹوٹا ہوا' مان' اعتبار کبھی نہیں جڑ سکتا۔ اگر ارسہ بروقت طلحہ کو نہ بتاتی تو یقیناً" دونوں گھر ہی تباہ ہو کر رہ جاتے۔ والدین کو اولاد کی خوشی کو ہی مد نظر رکھ کر کوئی فیصلہ کرنا چاہیے۔ ربیعہ نے جلد بازی کی ذرا سعد سے ایک مرتبہ مل تو لیتیں۔

شازیہ جمال کے ناولٹ میں اپنوں کی محبت' رشتوں کی بے حسی' سنگدلی اور بے رحمی کے رنگ بدرجہ اتم موجود تھے۔ اس میں دادی' مشی اور اماں کی محبت کے رنگ گھلے ہوئے تھے وہیں مشتاق پھوپھا اور ان کی فیملی کی بے حسی اور بے رحمی نے عالیہ پھپھو کے لیے زندگی کو بہت کٹھن و دشوار بنا دیا تھا۔ مشتاق اور سلمیٰ کے علاوہ اس کی اپنی اولاد نے بھی اس سازش کی ذرا بھی بھنک عالیہ پھپھو کو نہ پڑنے دی۔ مگر مشی تو بہرام کو ہی ملنی تھی ذریعہ چاہے جو بھی ہو مگر فیصلہ تو شاید کاتب تقدیر نے بہت پہلے کر دیا تھا۔ ام طیفور کا ناولٹ ابھی پڑھا نہیں۔

افسانوں میں سعدیہ عزیز آفریدی کا افسانہ تو بالکل دریا کو کوزے میں بند کرنے کے مترادف تھا۔ بہت بہت خوب صورت افسانہ تھا۔ سعدیہ جی اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔ حنا یاسمین نے ایک بار پھر باور کروا دیا کہ عورت دنیا میں ہر غم ہر دکھ سہہ سکتی ہے غم کی بھٹی سے گزر کر یا دکھ کی گرم دھوپ میں اپنی پوری زیست کاٹ سکتی ہے۔ سب برداشت کر سکتی ہے سوائے ایک چیز کے اور وہ ہے "سوتن" یہ لفظ یہ ہستی ناقابل برداشت ہے عورت ذات کے لیے۔

"دھند میں سفر" نفس کے بے لگام گھوڑے پر سوار ہونے کا انجام۔ سونیا نے بالکل ٹھیک کیا جو کرن جیسی لڑکی سے دوستی ختم کر لی۔ یہ چکا چوند روشنی صرف چند دنوں پر مشتمل ہوتی ہے اور اس کے بعد مستقل اندھیرہی اندھیر ہوتا ہے۔ "مہربان اجنبی" میں علیزہ پر بہت غصہ آیا۔ کیا اتنی ہی بے وقوف تھی جو رات میں فارحہ کے کہنے پر ان کی دوست کی پارٹی اٹینڈ کرنے چل پڑی۔ فارحہ اور یشا جیسی لڑکیاں دراصل پڑھائی کو ذریعہ بنا کر اپنے نفس کی تسکین کا سامان کرتی ہیں۔ اپنے والدین کو دھوکہ دے رہی ہوتی ہیں۔ وہ نہیں جان پاتیں کہ وہ غلاظت و گناہ کی دلدل میں دھنستی جا رہی ہیں۔

اشعار میں مجھے اس ماہ صائمہ امتیاز ساہی اور شازیہ فاروق احمد کے اشعار پسند آئے۔ "یادوں کے دریچے سے" فوزیہ ثمریٹ کا انتخاب اچھا لگا۔ "مقابل ہے آئینہ" میں حرمت ردا کے بارے میں جان کر خوشی ہوئی۔ "میری بھی سنیے" مہوش حیات نے کہا (اجی عجب زبردستی ہے۔ کیوں سنوں) مگر سننی پڑیں جو کہ کانوں کو بہت بھلی لگیں مہوش تو مجھے ویسے بھی بہت پسند ہیں۔ سوری کشف جی آپ کچھ کھٹی میٹھی سی لگیں۔

مدیرہ آنٹی سے پوچھنا تھا کہ "روداد قفس" کے نام سے جو تحریروں کا سلسلہ چلا تھا کرن میں وہ کیوں بند ہو گیا۔ کیا اب بھی کوئی اس میں لکھ سکتا ہے۔ ضرور آگاہ کرنا (شکریہ) غلطیاں یقیناً" بہت ہوں گی بہت جلد بازی میں لکھ رہی ہوں چلو خیر نظر انداز کر دینا۔ کرن سدا یونہی کامیابیوں کی منازل طے کرتا رہے۔ (آمین)

شازیہ فاروق احمد۔۔۔ خان بیلہ

السلام علیکم! سب سے پہلے تو "نامے میرے نام" میں اپنا خط شائع ہو جانے پر آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گی کہ آپ نے مجھ ناچیز کو فروری کے شمارے میں تھوڑی سی جگہ بخشی۔

بہت انتظار کیا مگر کرن کا اپریل کا شمارہ تاحال میرے پاس نہیں آیا سو تبصرہ تو کرن پڑھ کر ہی کر پاؤں گی مگر چند باتیں ضرور کروں گی' کرن کے تمام سلسلے ہر لحاظ سے اچھے ہیں' چاہے وہ انٹرویوز ہوں یا ناولز' افسانے یا ناولٹ ہر چیز اپنی جگہ پرفیکٹ ہے۔ مستقل سلسلے بھی بہت اچھے ہیں۔ پچھلے شمارے سے شروع کیا پڑھنا' اب ذرا بات ہو جائے کرن کے شمارے کی۔

ہاں تو کرن میں یا پھر ادارہ خواتین کے رسائل میں کس تاریخ تک خط پہنچ جانے پر شامل اشاعت ہو جاتا ہے کیونکہ مجھے تاریخ کا پتا نہیں اس لیے کرن کے آنے سے پہلے ہی خط لکھ رہی ہوں اس امید کے ساتھ کہ آپ شامل اشاعت کر کے جواب سے نوازیں گی۔ پچھلے شمارے کے لیے میں نے خط کے ساتھ تحریر اور دوسرے سلسلوں کے لیے بھی لکھا تھا' تحریر تو مجھے پتا نہیں مگر سلسلوں کے لیے میں پر اعتماد ہوں آپ کے کرن جانے اور ادارہ۔

اب بھی ایک تحریر لے کر آپ کی محفل میں حاضر خدمت ہوں پڑھ کر رائے سے نواز دیں گی تو میں آپ کی ممنون ہوں گی آپ کے جواب میں' میں اپنی اصلاح سمجھوں گی مگر جواب پڑھ کر ہی دیجئے گا۔ اللہ آپ کو تمام جہان کی خوشیوں سے نوازے۔ پچھلی بار کی طرح میرا خط ضرور شائع کیجئے گا۔ آپ کے نیک مشورے کی طالب۔

صائمہ امتیاز ساہی۔۔۔ ریاض گارڈن۔ منگووال غربی

کرن کا شمارہ بہت انتظار کے بعد ملتا ہے۔ اس دفعہ بھی دو چکر لگانے کے بعد سولہ اپریل کو بھائی لے ہی آیا۔ شعاع کا شمارہ بھی ہر ماہ ہمارے گھر آتا ہے۔ اس میں کرن شمارے کے شائع ہونے کا عندیہ مل جاتا ہے مگر مارکیٹ میں تو مجال ہے، جو پندرہ سے پہلے مل جائے۔

اب آتے ہیں اس ماہ کے شمارے کی طرف تو سب سے پہلے ٹائٹل گرل کا ڈریس پیارا تھا اور ساتھ میں اسٹائل بھی زبردست تھا۔ انٹرویوز میں صنم سعید سے ملاقات اچھی رہی اور مہوش حیات تو ہم متعدد بار مختلف شماروں اور اخباروں میں دیکھ چکے ہیں۔ پلیز اب کسی نئے چہرے کو سامنے لائیے۔ اگر ہو سکے تو سمیع خان سے انٹرویو لے لیں۔

نبیلہ عزیز نے "دردل" کو بہت سست کر دیا ہے۔ ایک الجھن سے نکلتے ہیں تو دوسری میں پھنس جاتے ہیں مگر پھر بھی اس ناول کی بے چینی ہے کہ ختم نہیں ہوتی۔ اس دفعہ تو بہت کم صفحات تھے پلیز ان کو بڑھا دیں۔ فوزیہ یاسمین صاحبہ کا بہت شکریہ کہ شائستہ خالہ کے افسانوی "ہیولے" کو سامنے لے آئی ہیں۔ اب اس ناول میں مجھے دلچسپی محسوس ہوتی ہے' ویری نائس۔۔۔ بہت اچھی طرح سے آگے بڑھا رہی ہیں اس ناول کو۔۔۔!

"وہ ایک پری ہے" اس کی غیر موجودگی کا میری بہن کو غم لگا رہا تھا۔

"خواب جلی آنکھیں" بس ٹھیک ہی جا رہا ہے۔ مگر مجھے لگتا ہے یہ حقیقت سے بہت دور ہے۔ اب ایسے لوگ یا مالک مکان کہاں رہے ہیں اور ایسے بھوکے اور ڈھیٹ کرائے دار۔۔۔ میرا تو پڑھ کے ہی دل گھبرانے لگا اور ارسلان کا کردار بڑا عجیب سا ہے' بغیر کسی رشتے اور اظہار کے کرن کو سعد کے ساتھ دیکھ کر کتنا برا رویہ رکھا اور اب میشا کے ساتھ ابروڈ کی تیاریاں۔۔۔ اور اپنے مطلب اور مفاد کے لیے کرن سے کام کروانا ایسا اب کہاں ہوتا ہے بھلا؟

"تمنا تمام شد" ام طیفور نے کافی عرصے بعد کرن میں کوئی تحریر لکھی، بہت اچھا لگا تمام ناولٹ اوور آل اچھا تھا۔ گزارش ہے کہ پلیز کرن کے لیے لکھتی رہا کریں۔

افسانوں میں ابھی بس دو ہی پڑھے ہیں "دیا شیرازی" نے تو چار صفحات میں ہی افسانے کو مکمل کر دیا۔ علیزے نام کی لڑکیاں عموماً" افسانوں اور ناولوں میں ایسی ہوتی ہیں۔ آخر میں پھر بھی رضوان کے ساتھ جا کر بے وقوفی کا مظاہرہ کر دیا۔ اور "شیشے کا بال" بہت گھسا پٹا اور پرانا سا موضوع تھا۔ عورت ہمیشہ ماں کے مقام پر آ کر ذلیل ہو جاتی ہے۔ بچوں کی خاطر اپنا آپ مارنا پڑتا ہے۔ مجھے تو ساشا کا کمپرومائز بالکل نہیں پسند آیا۔ محبت کی دیوی بنی پھرتی ہیں اور منہ کے بل گر پڑتی ہیں۔

عفی قیصرانی۔۔۔ کوٹ قیصرانی

السلام علیکم آپی جانی کیا حال ہیں۔ امید واثق ہے کہ آپ بالکل ٹھیک ٹھاک اور فٹ فاٹ ہوں گی۔ ہاں جی تو میں ایک دفعہ پھر نازل ہو گئی ہوں بس آخری بار کیونکہ آپی جانی کرن نے بہت، بہت مایوس کیا ہے وہ اس طرح کہ میں نے کرن میں خط بھیجا تھا اور اگلے ماہ اسے کرن کی زینت بنے دیکھ کے سیروں خون بڑھ گیا' بس پھر اسی سرشاری کے عالم میں کہانی لکھ ڈالی جس کا نام "ملنا تو مقدر میں تھا" مگر کرن میں کہانی تو کہانی' کہانی کا نام بھی کہیں نہیں آیا کہ یہ قابل اشاعت ہے یا نہیں چلو خیر اس بات پہ مٹی پا کے ہم نے شروع کر دی دوسری تحریر جس کا نام "بکھرے گلاب محبتوں کے" تھا۔ ایک' دو' تین' چار اسی طرح مہینے گزرتے گئے اور اپنی تحریروں کا کہیں نام و نشان نہ دیکھ کر دلی افسوس ہوا۔ ہمت پھر بھی نہیں ہاری اور لکھ ڈالا نامے میرے نام میں خط جس میں میں نے اپنی تحریروں کے بارے میں جواب مانگا تھا مگر یہ کیا اگلے ماہ کے کرن میں میرا خط ہی سرے سے گول تھا۔